ملفوظات

حضرت مرزا غلام احمد قادیانی
مسیح موعود و مہدی معہود علیہ السلام

جلد ۱۰

دیباچہ

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی بابرکت تصانیف اس سے قبل رُوحانی خزائن کے نام سے ایک سیٹ کی صورت میں طبع ہو چکی ہیں لیکن ایک عرصہ سے نایاب ہونے کی وجہ سے اس بات کی شدت سے ضرورت محسوس کی جارہی تھی کہ اس رُوحانی مائدہ کو دوبارہ شائع کر کے تشنہ روحوں کی سیرابی کا سامان کیا جائے ۔ اللہ تعالیٰ کا بےحد احسان ہے کہ اسکی دی ہوئی توفیق سے خلافت رابعہ کے بابرکت دور میں اب ان کتب کو دوبارہ سیٹ کی صورت میں شائع کیا جارہا ہے ۔ یہ کتب اکثر چونکہ اُردو زبان میں ہیں اور اُردو دان طبقہ کی اکثریت پاکستان میں ہے اس لئے مناسب تو یہ تھا کہ ان کتب کی اشاعت بھی پاکستان میں ہوتی ۔ لیکن ناگزیر مشکلات کی وجہ سے مجبوراً بیرون پاکستان سے ہی ان کی اشاعت کا فیصلہ کرنا پڑا ۔

اس ایڈیشن کے سلسلہ میں چند امور قابل ذکر ہیں ۔

ا ۔ قرآنی آیات کے حوالے موجودہ طرز پر (نام سورۃ : نمبر آیت) نیچے حاشیہ میں دیئے گئے ہیں ۔

ب ۔ سابقہ ایڈیشن سے محض کتابت کی غلطیوں کی تصحیح کی گئی ہے ۔

ج ۔ ہاتھ سے لکھی ہوئی انگریزی عبارات کو صاف TYPE میں پیش کیا گیا ہے ۔

خدا تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ زیادہ سے زیادہ سعید روحوں کو ان رُوحانی خزائن کے ذریعہ راہِ ہدایت نصیب فرمائے اور ہماری حقیر کوششوں کو قبولیت بخشے ۔ آمین

خاکسار

النّاشر

۲۰ نومبر ۱۹۸۴ء

مبارک احمد ساقی ایڈیشنل ناظر اشاعت

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم نحمدہ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ملفوظاتِ طیبہ کی یہ دسویں اور آخری جلد ہے جو حضور علیہ السلام کی حیاتِ قدسیہ کے ان آخرین کلماتِ طیبہ پر اختتام پذیر ہوئی ہے جبکہ حضورؑ کی مقدس رُوح اپنے قفسِ عنصری کو چھوڑتے ہوئے اپنے پیارے محبوب آقا کی طرف پرواز کرنے کو طیار تھی۔ یہ جلد نومبر ۱۹۰۷ء سے لیکر ۲۶ مئی ۱۹۰۸ء تک کے پاکیزہ ملفوظات پر مشتمل ہے۔ اس جلد کی ترتیب و تدوین بھی حسبِ سابق محترم مولانا محمد اسمٰعیل صاحب دیالگڑھی کی محنتِ شاقہ اور مساعی جمیلہ کا نتیجہ ہے۔ فجزاہ اللہ تعالیٰ احسن الجزاء فی الدنیا والآخرۃ۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام جری اللہ فی حلل الانبیاء کی پاک صحبت جو رُوحانی مُردوں کو حیاتِ جاودانی بخشنے کیلئے دمِ مسیحائی کا اثر رکھتی تھی اور رُوحانی فیض پانے والوں کے لئے صُورِ اسرافیل کا کام دے رہی تھی حضور کی ان مقدس صحبتوں اور مجالسِ قدسیہ کے نتائج کا ظہور صرف انہی شخصیتوں کے لئے مخصوص نہیں تھا جو حضور کی بارگاہ میں حاضر ہو کر براہِ راست فیضیاب ہو رہے تھے بلکہ اس کا دائرہ اس محدود وقت سے وسیع تر اور اعم و اتم تھا چونکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ بھی مقدر تھا کہ آپ کے فیوض و برکات کے دریائے بیکراں سے پیچھے آنے والی نسلیں بھی ویسی ہی مستفیض اور سیراب ہوں جیسے حضورؑ کی صحبت میں آنیوالوں کے لئے اس کا فیضان عام تھا اس لئے اللہ تعالیٰ نے حضور اقدسؑ کو ایسے پاک طینت قدوسی حواریانِ مسیح بھی مہیا فرما دیئے جن کے قلوبِ زکیہ میں یہ جذبہ اور شوق اس حد تک بھر دیا گیا تھا جو عشق و جنون کی حد تک پہنچ چکا تھا کہ کسی طرح حضور کے ان مربیانہ کلماتِ طیبات اور ملفوظات کو قلمبند کر کے ہمیشہ کے محفوظ و مصئون کر دیا جائے۔ اللہ تعالیٰ کی لاکھوں لاکھ رحمتیں اور برکتیں نازل ہوں ان نفوسِ مقدسہ پر جنہوں نے حضورؑ کے ان تمام پاکیزہ کلمات اور ملفوظات کو تحریری صُورت میں محفوظ کر دینے کے لئے اس حد تک محنتِ شاقہ کی کہ اس کام میں دن رات ایک کر دیا۔ یہ مقدس وجُود جو ہر وقت حضرت اقدسؑ کے آگے پیچھے دائیں بائیں اپنے حصُولِ مقصد کے لئے رواں دواں ہوتے تھے۔ آخر یہ قدسی صفات شخصیتیں ظلی اور بروزی طور پر اس ارشادِ ربانی کا مصداق بن کر وہ آسمانی نام پا گئے جس کا ذکر قرآنِ مجید میں یُوں فرمایا گیا ہے۔ ما یلفظ من قولٍ الّا لدیہ رقیب عتید (ق آیت ۱۹) لہٗ معقبات من بین یدیہ ومن خلفہ یحفظونہٗ من امر اللہ (رعد آیت ۱۲) اور صفحاتِ تاریخ میں ان قدسیوں کا ذکرِ خیر معہ آسمانی نام کے ہمیشہ کے لئے

محفوظ ہوگیا۔ ع ثبت است برجریدۂ عالم دوامِ شاں

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ملفوظات تازگیٔ ایمان اور تربیتِ اخلاق کے لئے بہترین بدرقہ اور رہنما ہیں جن کے پڑھنے سے حضرت اقدسؑ کی مجالس کا نقشہ آنکھوں کے سامنے آجاتا ہے اور وہ کیف و وجد جو حضورؑ کی صحبت میں حاضرینِ مجلس کے دلوں میں پیدا ہوتا تھا۔ آج بھی حضورؑ کے ملفوظات کے پڑھنے سے وہی وجدانی کیفیت علیٰ حسب مراتب پڑھنے والوں پر طاری ہوجاتی ہے بشرطیکہ دلی توجہ و خلوص اور پورے انہماک سے مطالعہ کیا جائے اور اپنے آپ کو ان ہدایات و نصائح کا پابند بننے کی کوشش کی جائے جس کی طرف حضور جماعت کو توجہ دلاتے ہوئے فرماتے ہیں :-

"میں کثرت جماعت سے کبھی خوش نہیں ہوتا۔ . . . . جماعت حقیقی طور سے جماعت کہلانے کی تب مستحق ہو سکتی ہے کہ بیعت کی حقیقت پر کاربند ہو۔ سچے طور سے ان میں ایک پاک تبدیلی پیدا ہو جاوے اور ان کی زندگی گناہ کی آلائش سے بالکل صاف ہو جاوے۔ نفسانی خواہشات اور شیطان کے پنجے سے نکل کر خدا تعالیٰ کی رضا میں محو ہو جاویں۔ حق اللہ اور حق العباد کو فراخدلی سے پورے اور کامل طور سے ادا کریں۔ دین کے واسطے اور اشاعت دین کے لئے اُن میں ایک تڑپ پیدا ہو جاوے۔ اپنی خواہشات اور ارادوں، آرزوؤں کو فنا کر کے خدا کے بن جاویں" (صفحہ ۱۳۶ جلد ہذا)

اللہ تعالیٰ ہمیں توفیق دے کہ حضور کی منشاء کے مطابق ہم اپنے آپ کو اس سانچے میں ڈھال لیں جس میں ڈھالنے کے لئے حضرت اقدسؑ کی تشریف آوری ہوئی۔ حضورؑ فرماتے ہیں :-

"اس پُرفتن زمانہ میں اللہ تعالیٰ نے یہ ارادہ کیا ہے کہ میل کچیل سے نکال کر ایک علیحدہ فرقہ بنادے اور دنیا کو دکھلادے کہ اسلام اس کو کہتے ہیں" (صفحہ ۳۵۰ جلد ہذا)

الٰہی تو ایسا ہی فرما۔ آمین یا رب العالمین۔

خاکسار

عبداللطیف بہاولپوری

اِنڈیکس مضامین

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

انڈکس ملفوظات حضرت مسیح موعود علیہ السلام

جلد دہم

(مرتبہ مولوی عبداللطیف صاحب بہاولپوری)

الف

اللہ تعالیٰ

۱۰۔ خدا کا غضب خدا کی رحمت اس کے سمع بصر کی طرح انگ ہے۔ اس پر ایمان لانا چاہیئے۔ اللہ حقیقت خدا کے سپرد کر دی جائے۔ صـ ۲۶

۱۱۔ غضب ایک دُکھ ہے جس کا اثر چلنے والے اپنی ذات پر پڑتا ہے اور ایک قسم کی تلخی پیدا ہو کر طبیعت سے راحت اور چین نکل جاتا ہے۔ پس خدا تعالیٰ ان باتوں سے پاک ہے صـ ۲۸

۱۲۔ اس کے غضب کا مطلب یہ ہے کہ انسان بسبب اپنے گناہوں کے نہایت درجہ پاک اور قدوس خدا سے دُور ہو جاتا ہے جس طرح انسان مکان کے دروازے بند کر دے تو اندھیرا ہو جاتا ہے۔ اس اندھیرا کرنے کا نام خدا کا غضب ہے صـ ۴۵-۴۶

۱۳۔ اللہ تعالیٰ کے ابتدائی باتیں نرمی سے شروع ہوتی ہیں آخر بطش شدید کا وقت بھی آجاتا ہے صـ ۶۸

۱۴۔ عادت اللہ یہ ہے کہ جس قوم کے اندر کتاب ہو پہلے اُسے درست کیا جاتا ہے۔ پھر دوسری قوموں کی طرف توجہ کی جاتی ہے صـ ۱۱۶

۱۵۔ خدا اپنے الہام و کلام سے اپنی ہستی کا ثبوت دیتا رہتا ہے۔ اگر چھوڑ دے تو سب دہریہ بن جائیں صـ ۱۱۸

۱۶۔ خدا تعالیٰ کسی کی نصرت نہیں کرتا جب تک یہ نہیں دیکھتا کہ اس کا ارادہ میرے ارادے اور اس کی مرضی میری مرضی میں فنا نہیں ہے صـ ۱۳۶

۱۷۔ خدا تعالیٰ کی ستاری انسان کو ڈھانکے رکھتی ہے۔ اگر لوگوں کے اندرونی حالات دُنیا کے سامنے کر دیئے جائیں تو بعض بعض کے قریب تک بھی جانا پسند نہ کریں صـ ۱۳۶

۱۸۔ خدا تعالیٰ بڑا بے نیاز ہے جبتک کثرت سے اور بار بار اضطراب سے دُعا نہیں کی جاتی وہ پروا نہیں کرتا صـ ۱۳۷

۱۹۔ اللہ تعالیٰ کی یہ عادت نہیں کہ ہر ایک دعا قبول کرے صـ ۱۴۹

۲۰۔ خدا جب اپنے بندے سے خوش ہوتا ہے تو وہ اپنے بندے کو عظمت اور رُعب عطا کر دیتا ہے صـ ۱۵۹

۲۱۔ خدا کو پانے کے لئے مجاہدات و ریاضات کی ضرورت ہے۔ جب تک انسان خدا کی راہ میں اپنے اوپر ایک موت اور حالت فنا وارد نہ کرے تب تک پروا نہیں کی جاتی۔ صـ ۲۰۵ - ۲۰۶

۲۲۔ خدا تعالیٰ نشان دکھانے میں بندے کی خواہش کے ماتحت نہیں۔ صـ ۲۰۹

۲۳۔ اللہ تعالیٰ کا قدیم سے وعدہ تھا کہ آخری زمانہ میں طرح طرح کے عذاب آویں گے اس وقت بعض ہدایت پا جاویں گے اور اکثر ہلاک ہوں گے صـ ۲۵۳

۲۴۔ جب خدا تعالیٰ کو انسان کی درستی اور بہتری منظور ہوتی ہے تو خدا انسان کے دل میں ایک واعظ کھڑا کر دیتا ہے۔ جبتک یہ واعظ

آیات قرآنیہ

۲۰- الٓمٓ - ذٰلک الکتاب لا ریب فیه هدًی للمتقین ص ۵۹ - ۸۳

۲۱- جاعل الّذین اتّبعوک فوق الّذین کفروا الیٰ یوم القیامة ص ۶۰

۲۲- قد افلح المومنون الّذین هم فی صلوٰتهم خاشعون ص ۶۳ - ۶۵

۲۳- والّذین هم عن اللغو معرضون ص ۶۳-۶۴

۲۴- والّذین هم لفروجهم حافظون- والّذین هم لاماناتهم وعهدهم راعون ص ۶۵

۲۵- رجال لا تلهیهم تجارة ولا بیع عن ذکر الله ص ۶۳ - ۲۶۰

۲۶- وما خلقت الجن والانس الّا لیعبدون ص ۶۵ - ۶۶ - ۴۰ - ۱۴۹

۲۷- فویل للمصلّین الّذین هم عن صلوٰتهم ساهون ص ۶۷ - ۳۱۴ - ۴۵۳

۲۸- اٰمنت انّه لا اله الا الّذی اٰمنت به بنو اسرائیل ص ۶۸

۲۹- طهّرا بیتی للطائفین ص ۴۲

۳۰- یا یها الّذین اٰمنوا توبوا الی الله توبة نصوحًا ص ۴۵

۳۱- عسیٰ ربکم ان یکفر منکم سیاٰتکم ص ۴۵

۳۲- انّ الله یحب التوابین ویحب المتطهرین ص ۴۶

۳۳- انّ النفس لامّارة بالسّوء ص ۴۶ - ۲۹۱

۳۴- ولا اقسم بالنفس اللوامة ص ۴۷

۳۵- یا یتها النفس المطمئنّة ارجعی الیٰ ربّک راضیة مرضیة فادخلی فی عبادی وادخلی جنّتی ص ۴۴

۳۶- ولمن خاف مقام ربّه جنّتان ص ۴۸

۳۷- وذٰلکم ظنکم الّذی ظننتم بربکم فاردٰکم فاصبحتم من الخاسرین ص ۴۹

۳۸- ربّنا انّنا سمعنا منادیا ینادی للایمان . . . . انک لا تخلف المیعاد ص ۸۰ - ۸۱

۳۹- وتری الناس سکاریٰ وما هم بسکاریٰ ص ۸۱

۴۰- ولنبلونکم بشیٍٔ من الخوف والجوع . . . . . اولئک علیهم صلوٰت من ربّهم ورحمة واولٰئکَ هم المهتدون ص ۸۴ - ۴۱۴

۴۱- لو کنّا نسمع او نعقل ما کنا فی اصحٰب السعیر ص ۱۰۱ - ۱۲۵ - ۲۲۸

۴۲- واذا النفوس زوجت ص ۱۰۱

۴۳- وترکنا بعضهم یومئذ یموج فی بعض ونفخ فی الصور فجمعناهم جمعًا ص ۱۰۲ - ۲۲۶

۴۴- خلقکم من نفس واحدة وخلق منها زوجها وبث منهما رجالاً کثیرًا ونساء ص ۱۰۲

۷۱- انّه من یات ربه مجرمًا فان له جهنّم ص۱۵۲

۷۲- من یعمل مثقال ذرة خیرًا یرہٗ ومن
یعمل مثقال ذرة شرًا یرہٗ ص"

۷۳- انه لایفلح الظالمون ص"

۷۴- قل هذہ سبیلی ادعوا الی الله علی
بصیرة انا ومن اتبعنی ص۱۵۶

۷۵- جزٰؤا سیئة سیئة مثلها ص۱۵۷

۷۶- فی السماء رزقکم وما توعدون ص۱۶۵

۷۷- فورب السماء والارض انه لحق مثل
ما انکم تنطقون ص"

۷۸- کان ابوهما صالحًا ص۱۶۶

۷۹- ولن تجد لسنة الله تبدیلًا ص۱۸۰-۲۹۱

۸۰- نزعنا ما فی صدورهم من غلّ اخوانًا
علی سرر متقابلین ص۱۸۲

۸۱- مفتّحة لهم الابواب ص۱۸۳

۸۲- لاتفتح لهم ابواب السماء ولا
یدخلون الجنة حتی یلج الجمل فی
سم الخیاط ص۱۸۴

۸۳- ماقتلوه یقینًا بل رفعه الله الیه
ص۱۸۴-۲۳۰

۸۴- هو معکم اینما کنتم ص۱۸۴

۸۵- ما یکون من نجویٰ ثلثة الا هو رابعهم
ص"

۸۶- اذا جاء نصر الله والفتح ورایت الناس
یدخلون فی دین الله افواجًا ص۱۸۶

۸۷- رضی الله عنهم ورضوا عنه ص۱۸۸

۸۸- لا تحملنا مالاطاقة لنا به ص۱۹۲

۸۹- عطاء غیر مجذوذ ص۱۹۷-۳۵۱

۹۰- وهم بدؤکم اول مرة ص۱۹۹

۹۱- لاینهٰکم الله عن الذین لم یقاتلوکم
فی الدین ولم یخرجوکم من دیارکم
ان تبروهم وتقسطوا الیهم ان الله
یحب المقسطین ص۲۰۱

۹۲- لیس للانسان الا ما سعیٰ ص۲۰۵-۲۸۴

۹۳- وفضل الله المجاهدین علی القاعدین
اجرًا عظیمًا ص۲۰۶

۹۴- فمنهم شقی وسعید ص۲۰۹

۹۵- وقالوا لولا نزّل علیه اٰیة من ربّه
قل انما الاٰیات عندالله ص۲۱۰

۹۶- قل سبحان ربّی هل کنت الا بشرًا
رسولًا ص"

۹۷- یمسک التی قضیٰ علیها الموت ص۲۱۶

۹۸- فی قلوبهم مرض فزادهم الله مرضًا
ص۲۳۱

۹۹- قولًا له قولًا لینًا ص۲۳۲

۱۰۰- وان جنحوا للسلم فاجنح لها ص"

۱۰۱- محمد رسول الله والذین معه اشداء
علی الکفار رحماء بینهم ص"

۱۰۲- یا یها النبی جاهد الکفار والمنفقین
واغلظ علیهم ص"

ابتلاء

الہام

۵- شیطانی الہام کے مورد۔ چراغ دین۔ الٰہی بخش فقیر مرزا۔ جن کو شیطانی القاء اور حدیث النفس شروع ہوا۔ اور ہلاکت کی راہ میں شیطان نے ان کی امداد کی۔ ص ۹۳

۶- سچے الہام کے لئے تین گواہ (۱) اپنی پاک حالت (۲) خدا تعالیٰ کے نشانوں کے ساتھ گواہی (۳) کلام الٰہی سے الہام کی مطابقت ص ۱۳

۷- جب تک انسان نفسانی جذبات اور خودی سے فنا نہ ہو جاوے تب تک الہام اور کشوف کسی کام کے نہیں ص ۱۹۵

۸- جو الہام یا خواب ہمارے مقابل پیش کئے جائیں ان کے لئے ضروری ہے کہ وہ پیش از وقت دعویٰ کے ساتھ شائع کئے گئے ہوں اور پھر پورے ہوں ص ۱۰۹

۹- کوئی تحریر۔ کشف۔ رؤیا یا الہام بغیر مُہر کے جائز نہیں۔ جب تک کسی الہام پر خدا تعالیٰ کی مُہر نہ ہو وہ ماننے کے لائق نہیں ص ۱۰

۱۰- اگر کوئی الہام قرآن مجید کے مطابق بھی ہو۔ لیکن کوئی نشان ساتھ نہ ہو تو وہ قابل قبول نہیں ہوتا ص ۱۰

۱۱- الہام کرنا اور رؤیا دکھانا خدا تعالیٰ کا فعل ہے اس پر ناز نہیں کرنا چاہیئے ص ۱۵ - ۹۴

۱۲- جن الہامات کی تائید میں خدا تعالیٰ کا فعل نہیں ہوتا اور نشانات الٰہیہ گواہی نہیں دیتے۔ وہ ایسے ہوتے ہیں جیسے پرنالہ کا پانی جو لڑائی اور فساد پیدا کرتا ہے ص ۱۵

۱۳- خدا تعالیٰ اپنے الہام سے اپنی ہستی کا ثبوت دیتا رہتا ہے اگر چھوڑ دے تو سب دہریہ ہو جائیں۔ ص ۱۱۸

۱۴- ایک بزرگ کا الہام:-
ایک ولی اللہ جہاز میں سوار تھا۔ سمندر میں طوفان آگیا۔ قریب تھا کہ جہاز غرق ہو جاتا۔ بزرگ نے دُعا کی۔ الہام ہوا کہ تیری خاطر ہم نے سب کو بچا لیا۔ ص ۱۳۸

الہامات حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام

عربی الہامات

۱- قل عندی شہادۃ من اللہ فھل انتم مؤمنون ص ۱۵

۲- قل عندی شہادۃ من اللہ فھل انتم مسلمون ص ۱۵ - ۲۷۴

۳- یأتیك من کل فج عمیق ص ۲۵ - ۲۶ - ۲۲۰

۴- یأتون من کل فج عمیق ص ۲۵ - ۲۲۰

۵- ینصرك اللہ من عندہ ص ۲۵

۶- یرفع اللہ ذکرك و یتم نعمتہ علیك فی الدنیا والاٰخرۃ ص ۷

۷- اذا جاء نصر اللہ والفتح وانتھی امر الزمان الینا الیس ھذا بالحق ص ۷

۸- وما کان اللہ لیترکك حتی یمیز الخبیث من الطیب ص ۷

۹- فحان ان تعان وتعرف بین الناس ص ۷

انجیل

۱۔ انجیل کی اخلاقی تعلیم ایسی بودی اور نامکمل ہے کہ کوئی صحیح الفطرۃ انسان اس کی پابندی نہیں کرسکتا بلکہ پادری صاحبان کا عمل بھی اس کے خلاف ہے ص ۲۰۰ - ۲۰۱

۲۔ انجیل کی تعلیم تفریط کی طرف جھکی ہوئی ہے اور توریت کی افراط کی طرف ص ۲۰۱

انذار

ابتدائی منذرات کو عبرت کی نگاہ سے دیکھا جائے اور خدا تعالیٰ سے ڈر کر استغفار، لاحول اور دوسرے نیک کاموں میں مشغول ہو جائے جو بے پرواہی سے کام لیتا ہے۔ آخرکار اُسے بڑی ذلت اور ہلاکت کا منہ دیکھنا پڑتا ہے۔
ص ۶۸

انسانیت

انسانیت اسی کا نام ہے کہ بغیر کسی عوض معاوضہ کے خیال سے نوع انسان سے نیکی کی جاوے
ص ۲۹۰

انشاء اللہ

انشاء اللہ کہنا نہایت ضروری ہے۔ انشاء اللہ کہہ کر اللہ تعالیٰ سے مدد طلب کی جاتی ہے۔ آجکل کے نادان اس پر ہنسی اُڑاتے ہیں۔ ص ۲۰

انصاف

انصاف سے ضمیر روشن ہو جاتا ہے ص ۲۳۷

انعام

پٹواریوں کو جو زمیندار بخوشی خاطر گورنمنٹ کی طرف سے مقرر کردہ رقوم سے زائد کچھ دیتے ہیں حضور کی خدمت میں اس کے متعلق استفسار ہوا کہ یہ جائز ہے یا نہیں۔ فرمایا۔ اگر ایسے لینے کی خبر حکام تک پہنچ جائے اور بموجب قانون اس پر فتنہ اُٹھنے کا خوف ہو تو یہ ناجائز ہے ص ۲۱۲

انگریز

۱۔ بعض انگریز پادریوں سے سخت متنفر ہوتے ہیں حتیٰ کہ بعض گرجوں کو نماز کی بجائے کسی اور مفید کام پر لگا لینا مفید جانتے ہیں ص ۲۴۵

۲۔ ایک انگریز کو پادریوں سے اس قدر نفرت تھی کہ ایک دفعہ پوچھنے لگا کہ میرے راستہ میں کسی پادری کی کوٹھی تو نہیں ص ۵

۳۔ یہ کہنا کہ انگریز قوم بڑی علم دوست ہے ایک بیہودہ بات ہے جو شخص علوم حقیقی اور الٰہیات سے بے نصیب محض ہے اس کو علم دوست نہیں کہا جا سکتا ص ۲۴۹

۴۔ اُن کا علم کیا خاک علم ہے کہ ایک ناتواں کمزور اور ضعیف انسان جو یہودیوں کے ہاتھوں سے طرح طرح کی ذلتیں سہتا اور ماریں کھاتا ہوا سُولی پر چڑھایا گیا۔ ایسے انسان کو خدا بنا لیا ص ۔

۵۔ کیا انگریز کی علم دوستی اس کا نام ہے کہ جب کوئی بادشاہ بنتا ہے تو اس سے حلفاً عہد لیا

متعلق شیطان کا خدا سے مکالمہ ص۲۳۲

ب

بادشاہ

۱۔ پہلے مسلمان بادشاہ عام طور پر وباؤں کے وقت انابت الی اللہ۔ دعا اور صدقہ وخیرات کی طرف توجہ دلاتے رہتے تھے۔ اب یہ بھی نہیں ص۱۱۷

۲۔ پہلے بادشاہوں کے زمانہ میں ان کے درباروں میں اہل اللہ بھی موجود ہوا کرتے تھے جن کے صلاح ومشوروں سے بادشاہ کام کیا کرتے اور ان کی دعاؤں سے فائدہ اُٹھایا کرتے تھے۔ مگر اب ان کا حال بھی بنی اسرائیل والا ہوگیا جن کو خدا نے بوجہ ان کی بدکاریوں کے چھوڑ دیا تھا۔ ص ۱۹۱ - ۱۹۲

۳۔ مسلمان بادشاہوں کا یہ حال ہے کہ ان کی سلطنت میں کوئی شخص جرأت اور آزادی سے اظہار حق نہیں کرسکتا اور نہ ہی مذہب عیسوی کے خلاف کچھ لکھ سکتا ہے۔ ص۲۹۴

۴۔ مسلمان بادشاہوں نے عیش وعشرت میں پڑ کر اپنے فرائض کو چھوڑ دیا۔ خدا نے اُن کو نااہل پاکر عنان حکومت دوسروں کے ہاتھ دے دی ص۳۸۹

۵۔ سلطان اعظم سلطان ٹرکی کے متعلق حضور کا ارشاد کہ وہ اچھا ہے۔ جمعہ کی نماز کو جاتا ہے۔ فقراء سے بھی نیاز رکھتا ہے۔ ایک دفعہ جبکہ وزراء سے اس نے تجویزیں پوچھیں اور سب بیان ہو چکیں تو سلطان نے کہا کہ اور تو سب کچھ کہا مگر یہ کسی نے نہ کہا کہ دُعا بھی کرو ص ۱۱۸ - ۲۳۵

۶۔ لوگ کہتے ہیں کہ وہ خادم الحرمین ہے مگر ہم کہتے ہیں کہ حرمین اس کے محافظ ہیں۔ حرمین کی برکت اور طفیل سے ابتک وہ بچا ہوا ہے ص۲۹۵

۷۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے تمام بادشاہوں کو خطوط لکھے۔ ایک عیسائی بادشاہ کو جب اسلام کا پیغام پہنچا تو بول اُٹھا کہ یہ اس کا کلام معلوم ہوتا ہے جس نے توراۃ نازل کی اور کہا کہ اگر میں اس نبی کے پاس جا سکتا تو اس کے قدم چومتا۔ ص۱۱۸

بت پرستی

جو شخص والدین یا کسی اور چیز کو ایسا عزیز رکھے کہ ہر وقت انہیں کا فکر رہے تو وہ بھی بت پرستی ہے ص۲۳۱

بجلی

سیالکوٹ میں ایک مکان میں بجلی گری اور پیچ در پیچ راستوں سے ہو کر مندر میں ایک سادھو پر جا گری ص۲۳۳

بدعت

۱۔ فقراء کی رائج کردہ بدعتیں یہ چلے اور ورد و وظائف ہمیں ناپسند ہیں۔ اصل طریق اسلام قرآن مجید کو تدبر سے پڑھنا اور اس پر عمل کرنا اور نماز توجہ کے ساتھ پڑھنا اور دعائیں توجہ اور انابت الی اللہ سے کرتے رہنا ہے ص۱۰۷

کہ ایک دفعہ پوچھنے لگا کہ میرے راستہ میں کسی
پادری کی کوٹھی تو نہیں — ص ۵

۳۔ پادری پہلے قادیان میں آیا کرتے اور قادیان سے
باہر خیمے نصب کئے جاتے مگر اب کبھی کسی پادری
کی شکل بھی نظر نہیں آتی — ص ۲۹۵

۴۔ وہ ہمیشہ کہا کرتے تھے کہ نعوذ باللہ آنحضرت صلے اللہ
علیہ وسلم سے کوئی معجزہ ظاہر نہیں ہوا۔ اور زندہ نبی
کے مضمون پر بحث کے لئے بُلاتے۔ مگر اب ہم
بُلاتے اور انعام دیتے ہیں۔ مگر کوئی پادری ادھر
آتا ہی نہیں — ص ۷

۵۔ ایک پادری زنا کے جُرم میں پکڑا گیا۔ جب عدالت
میں اس سے سوال ہوا۔ تو اس نے بڑی دلیری سے
کہا۔ کیا مسیح کا خون میرے واسطے کافی نہیں ہو چکا
ص ۳۱۸ - ۳۱۹

پاکیزگی

پاک کرنا خدا کا کام ہے اور خدا کے اس فضل کے
جذب کے واسطے اتباع نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم
ضروری ہے۔ — ص ۲۷۹

پیسہ اخبار

پیسہ اخبار میں ایک انگریز کا مضمون شائع ہوا۔ کہ
مسلمان۔ یہودی اور نصرانی سب کے سب مہدیٔ
موعود کے آنے کی انتظار کر رہے ہیں۔ میں اس
مہدی کے متعلق اپنی ذاتی رائے یہ رکھتا ہوں کہ
کہ وہ اہل قسلم میں سے ہوگا اور اس زبردست آلہ
کے ذریعہ سے اقوام عالم کے دلوں میں تخم یگانگت

ہو سکے گا — ص ۴۱۵

پیشگوئی

۱۔ دشمنوں کے ادبار اور اپنے اقبال اور فتح و مدد کی
پیشگوئیاں کرنا صرف انبیاء کا کام ہے — ص ۲۷

۲۔ پچیس برس پہلے کی اقتداری پیشگوئی — ص ۲۵

۳۔ بہت سخت دنوں کے آنے کی پیشگوئی — ص ۶۷

۴۔ خدا تعالیٰ نے مجھے ایک شدید زلزلہ کی بھی خبر دی
ہے جو قیامت کا نمونہ ہوگا اور ناگہانی طور پر آ
جائے گا — ص ۷

۵۔ اگر تمہیں ان باتوں کا پتہ ہو جائے جو میں دیکھ رہا
ہوں تو سارا سارا دن اور ساری ساری رات خدا تعالےٰ
کے آگے روتے رہو — ص ۷

۶۔ ایک سخت وبا پھیلے گی جس کا کوئی نام بھی نہیں
رکھ سکتے — ص ۶۹

۷۔ ہماری پیشگوئیاں سب اقتداری ہیں — ص ۱۶۲

۸۔ قرآن و حدیث کی پیشگوئیوں کا اس زمانہ میں
پورا ہونا ایمان کو تازہ اور مضبوط کرتا ہے — ص ۱۸۶

۹۔ فجمعناهم جمعاً کی پیشگوئی کے پورا ہونے
کا زمانہ یہی ہے — ص ۲۴۶

۱۰۔ حدیث میں جو پیشگوئی ہے کہ آخری زمانہ میں
ذلیل لوگ عزت پا جائیں گے۔ سو یہ بات چوہڑوں
چماروں کے عیسائی ہونے سے پوری ہوئی کہ انگریزی
تعلیم پاکر افسر بن جاتے ہیں اور بڑے بڑے
خاندانی ان کے سامنے ذلیل کی طرح کھڑے
ہوتے ہیں۔ — ص ۱۸۱

ت

تبلیغ

تراویح

ترقی

ترکی حکومت

سے اس متبرک مقام کی عظمت دلوں میں کم نہ ہونی چاہیئے۔ یہ مشکلات اور مصائب خوش آئند زمانے اور زندگی کے درجات ہیں۔ اس متبرک اور مقدس مقام پر پہلے بھی ایک نازک وقت گذر چکا ہے۔ اب یہ تیسرا واقعہ ہے اس کی طرف بھی اللہ تعالیٰ ضرور توجہ کرے گا اور خدا کا توجہ کرنا قہری رنگ میں ہی ہوگا ص ۱۴۱

تزکیہ نفس

۱۔ تزکیہ نفس میں ہی تمام برکات۔ فیوض اور کامیابیوں کا راز نہاں ہے ص ۲۹۱

۲۔ مدارِ نجات تزکیہ نفس پر موقوف ہے اور تزکیہ نفس بجز فضل خدا میسر نہیں آسکتا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے پاک کلام میں تزکیہ اور محبت الٰہی کو مشروط باتباع رسول رکھا ہے ص ۲۹۱

۳۔ تزکیہ نفس اسے کہتے ہیں کہ خالق و مخلوق دونوں طرف کے حقوق کی رعایت کرنے والا ہو۔ ص ۴۳

تضرع

تضرع ایک حصار ہے جس پر کوئی بیرونی حملہ آوری نہیں ہو سکتی ص ۳۸۱

تعدد ازواج

تعدد ازواج ضرورت کے وقت جائز ہے ص ۲۳۶

تعلق

۱۔ خدا سے وفاداری کا تعلق پیدا کرنا بڑے کام کی چیز ہے ص ۳۸۰

۲۔ بلاؤں سے وہی بچائے جاتے ہیں جن کا تعلق خدا تعالیٰ سے ہوتا ہے ص ۳۸۱

تعلیم

۱۔ بچوں کے لئے اوّل علوم دینیہ کا حصول فرض ہے جب علوم دینیہ سے پورے واقف ہو جاویں۔ تب مروّجہ علوم پڑھائے جائیں۔ ص ۲۹۴

۲۔ اسلام کی حقیقت معلوم کرانے سے پہلے دنیاوی علوم کی طرف مشغول ہو جانا سخت خطرناک ہے ص ۲۷۹

۳۔ ہم تعلیم نسواں کے مخالف نہیں مگر یہ ضروری سمجھتے ہیں کہ پہلے دین کا قلعہ محفوظ کیا جائے۔ تا بیرونی باطل تاثرات سے محفوظ رہیں ص ۷

تعویذ

تعویذ گنڈے کرنا ہمارا کام نہیں۔ ہمارا کام تو اللہ تعالیٰ کے حضور دعا کرنا ہے ص ۴۰۳

تفسیر

۱۔ تمام قرآن شریف سورۂ فاتحہ کی شرح اور تفسیر ہے ص ۳۸۳

۲۔ سورۂ فاتحہ کی تفسیر ص ۳۱ - ۳۸۲

۳۔ اس سورۃ میں اشارہ کے طور پر کل عقائد کا ذکر ہے ص ۳۱

۴۔ اور اس میں ان مذاہب باطلہ کا ذکر ہے جو عام طور پر دنیا میں پھیلے ہوئے ہیں ص ۴۱

۵۔ اس سورت میں غیر المغضوب علیہم کی دعا سکھلائی گئی۔ اللہ تعالیٰ جانتا تھا کہ آخری زمانہ میں مسیح موعود نازل ہوگا۔ اور

توکل

توکل انسان کو کامیاب و بامُراد بنا دیتا ہے ۔ بشرطیکہ سچے دل سے توکل کے اصل مفہوم کو سمجھ کر صدق دل سے قدم رکھنے والا۔ صبر کرنے والا اور مستقل مزاج ہو۔ مشکلات سے ڈر کر پیچھے نہ ہٹ جاوے۔ ص۲۵۲

ج

جماعت احمدیہ نیز دیکھو احمدی۔ سلسلہ احمدیہ

۱۔ جماعت کا نام احمدی ہونا اس زمانہ اور اسی جماعت کے واسطے مقدر تھا۔ کیونکہ اس وقت آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے جمالی نام احمدؐ کا ظہور ہو رہا ہے۔ اس سے پہلے کئی جماعتوں کے امام احمد نام ہوئے مگر خدا تعالیٰ نے کسی جماعت کا نام احمدی نہ ہونے دیا۔ ص۳

۲۔ خدا ہماری جماعت کو بڑھانا چاہتا ہے اور مخالف اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔ جماعت کا بڑھنا اللہ تعالےٰ کا بڑا معجزہ ہے ص۲۴

۳۔ ان لوگوں کی بابت جو ہمارے پاس آتے رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے براہین احمدیہ میں پہلے سے خبر دے رکھی تھی ص۲۵

۴۔ اگر اس جماعت میں سچی ہمدردی نہ ہوگی تو یہ تباہ ہو جائے گی اور خدا اس کی جگہ کوئی اور جماعت پیدا کر دے گا ص۴۳

۵ خدا تعالےٰ نے جماعت کیلئے دونوں قسم کی تکالیف یعنی تکالیف شرعیہ اور تکالیف قضا و قدر کی رکھی ہیں ان کی برداشت کرو ص۸۵

۶۔ ہماری جماعت کے لئے نہایت ضروری ہے کہ ہر طبقہ کے انسانوں کو مناسب حال دعوت کرنے کا طریق سیکھے۔ قول موجہ کی ضرورت ہے جس سے آخر کار فتح ہوتی ہے ص ۱۱۸ - ۱۱۹

۷۔ ہمارے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے جو جماعت بنائی تھی ان میں سے ہر ایک زکی نفس تھا اور ہر ایک نے اپنی جان کو دین پر قربان کر دیا ہوا تھا۔ اس جماعت کو بھی خدا تعالےٰ انہیں کے نمونہ پر چلانا چاہتا ہے جو شخص منافقانہ زندگی بسر کرنے والا ہوگا۔ وہ آخر اس جماعت سے کاٹا جائے گا۔ ص۴۷

۸۔ ہماری جماعت کے آدمیوں کو چاہیئے کہ ایسی باتوں (یعنی خوابوں اور الہاموں کی خواہش) سے دل ہٹالیں۔ قیامت کے دن خدا تعالےٰ یہ نہیں پوچھیگا کہ تم کو کس قدر الہام ہوئے۔ یا کتنی خوابیں آئی تھیں۔ بلکہ عمل صالح کے متعلق سوال ہوگا ص۹۳

۹۔ ہماری جماعت کو نمونہ بن کر دکھانا چاہیئے۔ جو شخص ہماری جماعت میں ہو کر بُرا نمونہ دکھاتا اور عملی یا اعتقادی کمزوری دکھاتا وہ ظالم ہے ص۱۳۷

۱۰۔ جو ترقی اور تبدیلی ہماری جماعت میں پائی جاتی ہے وہ زمانہ بھر میں اس وقت کسی

دوسرے میں نہیں۔ ص۲۴۳

۱۱۔ مَیں دیکھتا ہوں کہ صدہا لوگ ہماری جماعت میں ایسے ہیں جن کے بدن پر مشکل سے لباس ہوتا ہے مگر ان کے لا انتہا اخلاص اور ارادت، محبت اور وفا سے طبیعت میں حیرانی پیدا ہوتی ہے۔ وہ اپنے ایمان کے ایسے پکے اور یقین کے ایسے سچے اور صدق و ثبات کے ایسے مخلص اور باوفا ہوتے ہیں کہ اگر دنیوی لذات کے دلدادوں کو اس لذت کا علم ہو جاوے تو اس کے بدلے میں سب کچھ دینے کو تیار ہو جاویں ص۲۰۷

۱۲۔ جماعت نے اخلاص اور محبت میں بڑی نمایاں ترقی کی ہے۔ بعض اوقات جماعت کا اخلاص محبت اور جوشِ ایمان دیکھ کر خود ہمیں تعجب اور حیرت ہوتی ہے یہاں تک کہ دشمن بھی تعجب میں ہیں ص۳۲۴

۱۳۔ ہماری جماعت کا طرزِ تقریر ایسا ہو کہ جیسا وہ اعلیٰ درجہ کے لوگوں کے لئے مفید ہے ویسا وہ ادنیٰ کے لئے بھی فائدہ رساں ہو۔ ص۳۶۴

جنگ۔ جہاد

۱۔ تمام اسلامی جنگیں دفاعی تھیں ص۱۹۹

۲۔ اسلام نے مذہبی جنگ کو قطعاً بند کیا ہے ص۷

۳۔ جہاد کا مسئلہ مولویوں نے اُلٹا سمجھا ہے۔ کفار کو زبردستی مسلمان بنانے کے لئے جہاد کبھی نہیں ہوا۔ ص۷ تا ۳۱۰

۴۔ مہدی کے بارہ میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے صاف فرمایا ہے کہ وہ جنگ کا خاتمہ کر دے گا۔ اس وقت جنگ علمی جنگ ہوگی قلم تلوار کا کام کرے گا۔ اور اسرارِ روحانی برکاتِ سماوی اور نشانات اقتداری سے دنیا کو فتح کیا جائے گا۔ ص۲۱۱

جنّت ایضاً دیکھو بہشت

نعماء جنّت کی فلاسفی۔ اشجارِ جنت ایمان کی تمثیل ہے۔ اور انہار وہ اعمالِ صالحہ ہیں جو ان اشجار کی آبپاشی کرتے ہیں۔ ص۲۹۵

جواب

جواب دو قسم کے ہوتے ہیں۔ تحقیقی اور الزامی اللہ تعالیٰ نے بعض جگہ الزامی جوابوں سے بھی کام لیا ہے اس میں معترض کو اپنے مذہب کی کمزوری معلوم ہوتی ہے ص۲۶۵

چ

چراغ دین

مولوی چراغ دین جموں والا نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی نسبت پیشگوئی کی کہ آپ طاعون سے مریں گے مگر وہ خود طاعون سے مر گیا۔ ص۲۷۲

چشمۂ معرفت

۱۔ ہم نے اپنی کتاب کا نام چشمۂ معرفت رکھا ہے کیونکہ اس میں معرفت کی باتیں اور حقائق و معارف درج کئے گئے ہیں۔ اس کتاب میں

حُسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حق

خنزیر

خواب

بے حقیقت چیز ہے ص ۱۹۵ - ۱۹۶

۱۱۔ دعا ایسا ہتھیار ہے کہ انہونے کام بھی اس سے ہو جاتے ہیں ص ۱۹۰

۱۲۔ اللہ تعالیٰ کی یہ عادت نہیں کہ ہر ایک دعا قبول کرے۔ ہاں مقبولوں کی دعائیں بہ نسبت دوسروں کے بہت قبول ہوتی ہیں ص ۷۹

۱۳۔ دعا اس وقت تک اثر نہیں کر سکتی جب تک انسان پورا اور کامل پرہیزگار نہ ہو ص ۲۰۸

۱۴۔ بڑے بڑے عظیم الشان کاموں کی کنجی صرف دعا ہی ہے۔ خدا تعالیٰ کے فضل کے دروازے کھولنے کا پہلا مرحلہ دعا ہی ہے ص ۴۱۲

۱۵۔ ایک ولی اللہ کی دعا سے جہاز جو غرق ہونے والا تھا بچا لیا گیا اور اسے الہام ہوا کہ تیری خاطر ہم نے سب کو بچا لیا۔ ص ۱۳۸

۱۶۔ حاجی اللہ بخش صاحب گجراتی کی قبولیت دعا کا واقعہ۔ انہیں افیون اور حقہ نوشی کی عادت تھی بیعت کے بعد جنگل میں جا کر دعا کی۔ پھر یکدفعہ دونوں چیزوں کو چھوڑ دیا۔ جس پر انہیں کوئی تکلیف نہ ہوئی۔ اس پر حضور نے فرمایا کہ

"یہ خدا کا فضل ہے" ص ۱۹۷

دعوت

جب میں مامور ہوا تھا تو سب سے اوّل میں نے اس امر کو گروہ علماء کے پیش کیا۔ ہمیں اس دعوت کا جو جواب ملا وہ ایک فتویٰ تھا جس میں ہمیں کافر، اکفر، ضال، مضل، دائرہ اسلام سے خارج، یہود و نصاریٰ سے بدتر قرار دیا۔ پھر ہم نے اپنی دعوت نئے تعلیم یافتہ گروہ کے پیش کی۔ مگر ان میں سے اکثر کو بے قید پایا۔ اور اکثر کو دیکھا کہ وہ خود اسلام میں ترمیم کرنا چاہتے ہیں۔ پھر رؤساء کے گروہ کی طرف اپنی دعوت بھیجی۔ چنانچہ ان میں سے صدیق حسن خان نے ہماری کتاب کو چاک کر کے واپس بھیج دیا ان کے بعد ہم نے سمجھا کہ یہ سعادت ہمیشہ ضعفاء ہی کا حصہ ہوتی ہے۔ چنانچہ ہمارا یہ خیال صحیح نکلا۔ اس گروہ میں سے کئی لاکھ انسان اب ہمارے ساتھ ہیں ص ۳۵

دل

انسان کا دل خدا کا گھر ہے۔ یہ خدا کا گھر اس وقت کہلائے گا اور اس وقت فرشتوں کا طواف گاہ بنے گا جب یہ اوہام باطلہ اور عقائد فاسدہ سے پاک و صاف ہو ص ۶۴ - ۶۵

دنیا

۱۔ دنیا مزرعہ آخرت ہے ص ۳۷

۲۔ دنیا کی محبت بخیل بنا دیتی ہے۔ پس تم دنیا کی محبت نہ کرو۔ تا زکوٰۃ دینے کی قوت حاصل ہو اور فلاح پاؤ ص ۶۴

۳۔ دنیا طلب سے بھاگتی ہے۔ مگر جو صدق دل سے خدا کی طرف جاتا ہے دنیا اس کے پیچھے پیچھے پھرا کرتی ہے۔ ص ۲۵۹

۴۔ خدا کا یہ منشاء ہرگز نہیں کہ تم دنیا کو ترک

۲- ہم نے حضرت عیسیٰؑ کی رُوح اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم اور بعض صحابہ کرام سے بھی ملاقات کی ہے۔ ص۳۶۳

۳- رُوح ایک مخلوق چیز ہے۔ خدا تعالیٰ اسے اسی عنصری مادہ سے پیدا کرتا ہے ص۴۳۳

۴- رُوح انسانی باریک اور مخفی طور سے نطفۂ انسانی میں موجود ہوتی اور آہستگی سے نشو و نما پا کر ظہور پذیر ہوتی ہے ص۴۳۴

۵- رُوح کی تین قسمیں ہیں۔ رُوح نباتی۔ رُوح حیوانی۔ رُوح انسانی۔ یہ تینوں برابر نہیں۔ ان میں سے حقیقی زندگی کی وارث صرف انسانی رُوح ہے۔ باقی حیوانی اور نباتی رُوح میں بھی ایک قسم کی زندگی ہے۔ مگر وہ انسانی رُوح کی برابری نہیں کر سکتی ص۴۳۶

۶- حیوانات کی رُوح بھی باقی ہے وہ حقیقتاً نہیں مرے بلکہ زندہ ہیں ص۴۳۲

رُوحانیت

اگر کسی کے باطن میں کوئی حصہ رُوحانیت کا ہے تو وہ مجھ کو قبول کرے گا۔ ص۱۷۴

ریاکاری

ریاکاری حبط اعمال کے واسطے خطرناک کیڑا ہے ص۴۰۸

ریگ

پروفیسر ریگ نے جو انگلستان کا ایک بڑا بھاری ماہر علم ہیئت تھا حضرت اقدس کی خدمت میں حاضر ہو کر چند سوالات کئے ص۳۵۳-۴۲۶

۲- جوابات سُننے پر تسلی پا کر عرض کیا کہ میں تو خیال کرتا تھا کہ سائنس اور مذہب میں بڑا تضاد ہے مگر آپ نے اس تضاد کو بالکل اُٹھا دیا ص۴۳۵

۳- مسٹر ریگ کے خیالات میں حضور کی ملاقات کے بعد عظیم الشان انقلاب پیدا ہو گیا۔ اب وہ نئے خیالات کا انسان بن گیا۔ اور ان خیالات کو جرأت سے بیان کرتا تھا۔ ص۴۴۴

ز

زکوٰۃ

۱- خدا تعالیٰ کی طرف سے ہر ایک چیز پر زکوٰۃ دینے کا حکم ہے ص۶۴

۲- زکوٰۃ دینا لغو سے اعراض کا نتیجہ ہے۔ اعراض عن اللغو سے زکوٰۃ دینے کی قوت بڑھتی ہے ص۲

زلزلہ

۱- ایک سخت زلزلہ کی خبر خدا تعالیٰ دے چکا ہے۔ وہ زلزلہ ایسا سخت ہو گا کہ لوگوں کو دیوانہ کر دے گا ص۹۰-۲۸۳

۲- آنیوالے زلزلہ کے متعلق ایک سوال کا جواب ص۳۶۹

۳- زلازل اور طاعون حکام وقت کے انتظامی دَوروں کی طرح ملک کے مختلف حصوں میں دورہ کر رہے ہیں ص۱۸۶

زمانہ

۱- قرآن کریم کے نزول کے وقت زمانہ کی حالت ص۳۱

س

سائنس

سابق بالخیرات

سچ

سچ میں جرأت اور دلیری ہوتی ہے۔ جھوٹا انسان بزدل ہوتا ہے ص۲۵۲

سفر

۱۔ اگر کوئی تین کوس سفر پر جائے تو وہ نماز قصر کرسکتا ہے۔ صحابہ کرام نے تین کوس کو بھی سفر سمجھا ہے ص۱۰۰

۲۔ اگر کوئی شخص ہر روز معمولی کاروبار یا سفر کے لئے جاتا ہے تو وہ سفر نہیں۔ سفر وہ ہے جسے انسان خصوصیت سے اختیار کرے اور صرف اس کام کے لئے گھر چھوڑ کر جائے اور عرف میں وہ سفر کہلاتا ہو ص۹۹

۳۔ اگر کوئی طبیب یا حاکم بطور دورہ کئی گاؤں میں پھرتا ہے تو وہ سفر نہیں کہلا سکتا ص۱۰۰

سلسلہ احمدیہ ایضاً دیکھو جماعت احمدیہ

۱۔ اللہ تعالیٰ نے حق و حکمت سے یہ سلسلہ قائم کیا ہے اور ضرورت حقہ کے وقت اس کو کھڑا کیا ہے۔ پس وہ منکروں سے ضرور مطالبہ کرے گا ص۳۰۶

۲۔ خدا نے اس سلسلہ کو قائم کیا تا لوگ فرقہ بندیوں سے نکل کر اس جماعت میں شامل ہوں جو بیہودہ مخالفتوں سے محفوظ اور اس سیدھے راستے پر چل رہی ہے جو نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے بتایا ص۲۷

۳۔ اس زمانہ میں خدا تعالیٰ نے عملی طور پر ایک سلسلہ نبوت قائم کرکے دکھا دیا ہے ص۳۰۸

سُود

۱۔ سُود کا لینا دینا گناہ ہے۔ متقی کے لئے خدا تعالیٰ کبھی ایسا موقعہ نہیں دیتا کہ وہ سودی قرضہ لینے پر مجبور ہو۔ ص۱۱۰

۲۔ سُود کے لین دین سے باز نہ آنے والے کے لئے اللہ اور اس کے رسُول کا اعلانِ جنگ ہے۔ سؤر کا کھانا بحالت اضطرار جائز رکھا ہے مگر سُود کے لئے نہیں فرمایا کہ بحالت اضطرار جائز ہے ص۱۱۱

۳۔ ہندو اگر یہ گناہ کرتے ہیں تو وہ مالدار ہو جاتے ہیں اور مسلمان یہ گناہ کرتے ہیں تو تباہ ہو جاتے ہیں ص۶

۴۔ مسلمانوں کے لئے بہتر یہ تھا کہ کوئی ایسا فنڈ جاری کرتے اور اسے تجارتی طور سے فروغ دیتے تا ہر صاحب ضرورت اپنی حاجت روائی کرتا اور سُود پر قرضہ لینے کی حاجت کسی کو نہ ہوتی ص۶

۵۔ بینک کے سُود کے متعلق حضور کا ارشاد۔ ہم نے یہ نہیں کہا کہ بینک کا سُود بسبب اضطرار کسی انسان کو لینا اور کھانا جائز ہے بلکہ اشاعت اسلام اور دینی ضروریات میں اس کا خرچ جائز ہونا بتلایا گیا ہے۔ وہ بھی اس وقت تک کہ امداد دین کے واسطے روپیہ نہیں مل سکتا۔ باقی رہی اپنی ذاتی اور ملکی اور

شیعہ

ص

صاعقہ

صبر

صحابہؓ

درختوں کے پتوں پر ہی گزر کر لیتے تھے ص۲۴۲

صدیق حسن خاں

۱۔ نواب صدیق حسن نے حجج الکرامہ میں لکھا ہے کہ بڑے بڑے اولیاء اللہ اور صاحب کشف لوگوں نے متفق طور سے یہ خبر دی ہے کہ آنے والا مہدی اور مسیح موعود چودھویں صدی میں آئے گا ص ۱۳۵ - ۲۶۳ - ۳۰۳

۲۔ اس نے یہ بھی لکھا ہے کہ " کاش وہ میرے زمانہ میں پیدا ہوں تو میں اُن کو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا سلام پہنچادوں۔ ورنہ میں اپنی اولاد کو نصیحت کرتا ہوں کہ وہ اس کو پاویں گے۔ میرا سلام پہنچادیں۔ ص۳۰۳

۳۔ صدیق حسن نے ہماری کتاب کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا تھا اور بے ادبی کی تھی مگر بہت دن نہ گزرے کہ خدائی عتاب میں آگیا۔ آخر بڑی عاجزی اور انکساری سے دُعا کے واسطے لکھا۔ ہم نے دُعا کی اور خدا تعالیٰ نے ہمیں خبر دی کہ ہم نے اس کی عزت کو سرکوبی سے بچا لیا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ ص۳۰۴

صلاح الدین

صلاح الدین نیک بخت شخص تھا۔ نمازوں کا پابند۔ اس لئے خدا تعالیٰ نے سخت سے سخت مشکلات اور مخالفوں کے حملوں میں اس کو فتح نصیب کی۔ ص۱۹۲

*

صلح

۱۔ آریوں کے ساتھ ہماری صلح کس طرح ہوسکتی ہے یہ قوم سخت سیاہ دل قوم ہے جو تمام پیغمبروں کو مفتری اور کذاب سمجھتے ہیں۔ ص۱۹-۲۰

۲۔ دُنیا میں صُلح کی بنیاد ڈالنے والی یہ تعلیم ہے کہ سب نبیوں کو پاک اور بزرگ اور خدا کے برگزیدہ مانا جائے اور سخت دشمنی کی جڑ ان نبیوں اور رسُولوں کی تحقیر ہے ص۲۱

صُوفیاء

۱۔ صُوفیاء کی سیروں کے متعلق حضرت اقدس کا ارشاد۔

ایسی سیروں کا تو میں قائل ہی نہیں۔ ہم تو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی سَیر کے قائل ہیں جنہوں نے لاکھوں کروڑوں انسانوں کے سر جھکا دیئے۔ ص۱۴

۲۔ صُوفیوں کے سرود سے حظ اُٹھانے کے متعلق حضور کا ارشاد :۔

انسان میں ایک ملکہ استلذاذ کا ہوتا ہے کہ وہ سرود سے حظ اُٹھاتا ہے۔ مگر دراصل وہ نفس کا حظ ہوتا ہے خواہ اس میں شیطان کی تعریف ہو یا خدا کی ص۱۴۷

ط

طاعُون

۱۔ طاعون لُغت میں اس خطرناک عوارض کا نام

عبداللطیف

۱- حضرت مولوی عبداللطیف صاحب شہیدؓ بڑے عالم فاضل اور محدث تھے اور ثابت قدم رہ کر ایک نہایت عمدہ زندہ نمونہ اپنے کامل ایمان کا چھوڑ گئے صـ۱۲۰

۲- شاہزادہ صاحب صدق کا پکا اور وفا کا سچا تھا۔ جان سے دریغ نہ کیا۔ آخر وقت میں امیر سے کہا کہ جس سے میں نے بیعت کی ہے۔ اس سے مجھے الگ ہونے سے اس کی راہ میں جان دے دینا بہتر ہے صـ۲۰

عذاب

۱- لوگوں کی بد اعتقادیوں اور بدعملیوں نے خدا کے عذاب کو بھڑکا دیا ہے صـ۶۹

۲- جو عذاب آنے سے پہلے ڈرتے اور خدا کی یاد میں مشغول ہو جاتے ہیں وہ اس وقت ضرور بچائے جاتے ہیں صـ۳

عرش

عرش مخلوق نہیں۔ وہ تو تقدس اور تنزہ کا ایک وراء الوراء مقام ہے جہاں مخلوق کا نقطہ ختم ہو جاتا ہے صـ۳۵-۳۶-۱۸۴

عقیقہ

۱- عقیقہ میں لڑکے کے واسطے دو بکرے ضروری ہیں۔ اگر دو بکروں کی طاقت نہیں۔ تو ایک ذبح کرے۔ اگر ایک کی بھی طاقت نہیں تو اسے معاف ہے صـ۱۷

۲- عقیقہ ساتویں دن کرنا چاہیئے صـ۱۲۰

۳- آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنا عقیقہ چالیس سال کی عمر میں کیا تھا صـ۳

علم

۱- علم صحیح اور عقل سلیم خوش قسمتی کی نشانیاں ہیں صـ۱۲۵

۲- حقیقی علوم رُوح کی طاقت سے میسر آتے ہیں صـ۳۶۶

۳- جسمانی علوم کے ہتھیار کمزور ہتھیار ہیں تمہاری طاقت رُوح کی طاقت ہو۔ خدا نے صحابہ کو سائنس۔ فلسفہ یا منطق نہیں پڑھایا تھا بلکہ انہیں اپنی رُوح سے مدد دی تھی۔ پُرحکمت باتیں جو انہوں نے بیان کیں وہ بڑے بڑے علماء کو نہیں سوجھیں صـ۳۶۶

۴- اوّل علوم دینیہ کا حصول فرض ہے۔ جب بچے علوم دینی سے پورے واقف ہو جاویں تب ان کو علوم مروّجہ کے پڑھانے میں کوئی حرج نہیں صـ۲۹۴

علیؓ

حضرت علیؓ نے جب ایک کافر کو گرا کر قتل کرنے کے لئے خنجر نکالا تو اس نے آپ کے مُنہ پر تھوک دیا۔ تب آپ اس سے الگ ہو گئے۔ آپ کے اخلاق کو دیکھ کر آخر وہ کافر مسلمان ہو گیا صـ۲۴۰

غ

غلام احمد

شیخ غلام احمد صاحب رضؓ کی تعریف حضور کی زبانِ مبارک سے کہ وہ تبلیغ کے کام کے واسطے اچھا آدمی ہے۔ اس کے کلام میں تاثیر بھی ہے صـ ۴۴۱

ف

فتح دین

مولوی فتح دین صاحب کے متعلق حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی زبان مبارک سے تعریفی کلمات۔ آدمی مخلص دیانتدار ہیں۔ ان کی کلام بھی مؤثر ہے۔ ہمارے خیال میں ان کے ذریعہ سے تبلیغ و اشاعت کا کام بھی ہوتا رہے گا اور چندہ کی وصولی کا بھی باقاعدہ انتظام ہو جاوے گا صـ ۱۵۸

فتنہ

۱۔ اکثر فتنے اولاد اور بیوی کی وجہ سے انسان پر پڑ جاتے ہیں۔ پہلا فتنہ حضرت آدم پر عورت کی وجہ سے آیا تھا۔ حضرت موسیٰ کے مقابلے میں بلعم کا ایمان بھی اس کی بیوی کی وجہ سے حبط کیا گیا صـ ۱۳۹

۲۔ اس زمانہ میں سب سے بڑی عبادت یہ ہے کہ اس وقت جو فتنہ اسلام میں پڑا ہوا ہے اس کے دُور کرنے میں ہر مسلمان حصہ لے۔ جو شخص اس میں حصہ نہیں لیتا وہ بڑی باز پرس کے

نیچے ہے صـ ۱۴۸

فراست

۱۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو فراست صحیحہ سے پہچان لیا تھا۔ انہوں نے کوئی معجزہ نہیں مانگا تھا صـ ۲۲۹

۲۔ ایک یہودی نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو دیکھتے ہی کہہ دیا کہ میں ان میں نبوت کے نشان پاتا ہوں۔ ایسا ہی مباہلہ کے وقت عیسائیوں کو اُن کے مُشیر نے کہہ دیا تھا کہ میں ایسے مُنہ دیکھتا ہوں کہ اگر وہ پہاڑ کو کہیں گے کہ یہاں سے ٹل جا تو وہ ٹل جائے گا صـ ۱۴۷

۳۔ خدا تعالےٰ جس کو حکومت دیتا ہے اُسے فراست بھی عطا کرتا ہے بشرطیکہ وہ خود اپنے اس پاک جوہر کو شرارت یا تعصب کی کدورت سے مکدر نہ کرے۔ نیک طبع حکام بعض ایسے امور جن میں حق و باطل پوشیدہ ہوتا ہے۔ اللہ تعالےٰ کی تائید غیبی اور فراست صحیحہ سے اس امر کی تہہ تک پہنچ جاتے ہیں۔ پھر ان کو دلائل کی بھی ضرورت نہیں رہتی صـ ۲۵۲

فرعون

۱۔ فرعون کے لئے جب بطش شدید کا دن آیا تو اس کے مُنہ سے بے اختیار نکلا۔ اٰمنت انّہٗ لا الٰہ الا الذی اٰمنت بہ بنو اسرائیل صـ ۶۸

ک

کافر

کرشن

۱۔ کرشن جی کا مذہب موجودہ مذہب اہلِ ہنود سے بالکل مختلف اور سچی توحید پر مبنی تھا ص۱۴۱

۲۔ اولیاء اللہ میں سے ایک صاحب نے کرشن جی کو خواب میں دیکھا۔ کرشن جی نے سات روپے اُن کی نذر کئے۔ انہوں نے کہا کہ تم لوگ کافر ہو۔ ہم تمہارا مال نہیں کھاتے۔ کرشن جی نے کہا ہم ان میں سے ہرگز نہیں بلکہ ہمارا مذہب توحید ہے ص۱۴۳

۳۔ حضرت کرشن انبیاء میں سے تھے ص"

۴۔ ایک بار ہم نے کرشن جی کو دیکھا کہ وہ کالے رنگ کے تھے اور پتلی ناک۔ کشادہ پیشانی والے۔ کرشن جی نے اُٹھ کر اپنی ناک ہماری ناک سے اور اپنی پیشانی ہماری پیشانی سے ملا کر چپیاں کر دی ص۱۴۴

۵۔ الہام۔ کرشن ردر گُنوپال تیری مہما گیتا میں لکھی گئی ہے ص۱۴۱

۶۔ ایک شخص نے خواجہ باقی باللہ کے سامنے اپنی خواب بیان کی کہ میں نے دیکھا ہے کہ ایک آگ ہے اور رامچندر جی اس کے کنارے پر ہیں اور کرشن جی عین اس کے وسط میں پڑے ہیں۔ مرزا جان جاناں نے یوں تعبیر کی کہ وہ آگ آتشِ محبتِ الٰہی ہے دوزخ کی آگ نہیں۔ رامچندر جی سالک ہیں اور ابھی عشق حاصل نہیں ہوا۔ مگر کرشن جی مجذوب ہیں ص۱۴۴

۷۔ کرشن کے معنی لغت میں اس روشنی کے ہیں جو آہستہ آہستہ دنیا کو روشن کرتی ہے ص۱۴۵

۸۔ کرشن کی بکثرت گوپیوں کی روایت کے متعلق حضرت مسیح موعودؑ کا ارشاد:۔
کرشن اور گوپیوں کے ظاہری قصہ کی تہہ میں یہی رازِ حقیقت پنہاں ہے کہ (اس سے مراد امت ہے) امت کی مثال عورت سے دی جاتی ہے ص۱۴۶

۹۔ کرشن جی کو حضرت داؤدؑ کے ساتھ مشابہت بلحاظ راگ، رقص، مجمع مستورات اور بہادری میں ص"

کشف

کوئی کشف۔ رؤیا یا الہام بغیر مُہر کے جائز نہیں۔ جب تک کسی الہام پر خدا تعالیٰ کی مُہر نہ ہو وہ ماننے کے لائق نہیں ص۱

کشفِ قبور

۱۔ کشفِ قبور کے متعلق حضورؑ کا ارشاد:۔
یہ سب جھوٹ اور لغو اور بیہودہ بات ہے اور شرک ہے۔ ایسی بیہودہ باتوں کے پیچھے پڑنا وقت کو ضائع کرنا ہے ص۱۷۶

۲۔ ایک شخص جس کو بڑا دعویٰ کشفِ قبور کا تھا اس کے متعلق حضور نے فرمایا۔ اگر اس کا علم سچا ہے تو چاہیئے وہ ہمارے پاس آئے اور ہم اس کو ایسی قبروں پر لے جائیں گے جن سے ہم خوب واقف ہیں ص"

کفّارہ

کلمہ طیبہ

کیمیاء

گ

گناہ

ل

لائف انشورنس

لاہور

لوقا

لیکھرام

۴۔ مولوی صاحب کے مُنہ سے ایسی باتیں نکلتی ہیں جن سے نعوذ باللہ شانِ نبوت کا تمسخر اور استخفاف ہوتا ہے ص ۱۵۳

۵۔ مولوی صاحب نے جلسہ مہوتسو میں جہاں تمام مذاہب کے لوگ جمع تھے اس بات کا اقرار کیا کہ اسلام گویا دوسرے مذاہب کی طرح مردہ مذہب ہے۔ اسلام میں آجکل ایسے لوگ موجود نہیں جو نشان دکھا سکیں ص ۲۷۰

محمد صادق

حضرت مفتی محمد صادق صاحب نے ایک بشپ کو جو لاہور میں نندہ نبی پر لیکچر دے رہا تھا لاجواب کر دیا۔ ص ۵۷ - ۳۰۱

مخالفت

۱۔ مخالفت مفید ہوتی ہے اس کے سبب لوگوں کو غور و فکر کرنے کا موقعہ مل جاتا ہے ص ۲

۲۔ ہمارے سلسلے کے لئے گندی مخالفت کھاد کا کام دیتی ہے ص ۳۷

۳۔ سب سے زیادہ مخالفت پنجاب میں ہوئی ص ۲

۴۔ مخالفین انبیاء کی عادت ہے کہ رسم و عادت کی پیروی کرتے ہوئے اس بات پر اڑ جاتے ہیں کہ ہم اسی امر پر مر جائیں گے ص ۳

۵۔ ہمارے مخالفوں میں سے بہت سے ایسے آدمی ہیں جن کا ہماری جماعت میں داخل ہونا مقدر ہے۔ وہ مخالفت کرتے ہیں اور فرشتے ان کو دیکھ کر ہنستے ہیں۔ وہ ہماری مخفی جماعت ہے جو ایک دن ہمارے ساتھ مل جائے گی ص ۱۷۷

مسلمان

۱۔ مسلمان بننے کا طریق ص ۱۰

۲۔ اس وقت خدا کا یہی منشا ہے کہ لفظی اور زبانی مسلمانوں کو حقیقی مسلمان بنایا جاوے ص ۳۱۴

۳۔ مسلمانوں کی عبادت گاہوں اور مساجد میں ایک ادنیٰ مسلمان بادشاہِ وقت کے برابر بلکہ اس کے آگے کھڑا ہو سکتا ہے۔ حالانکہ عیسائیوں میں ایک خاص یورپ کا عیسائی کبھی دیسی عیسائیوں سے گرجا میں کبھی اکٹھا نہیں ہو سکتا۔ ص ۲۴۸

۴۔ مسلمانوں کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا یہ خاص فضل ہمیشہ رہا ہے کہ خدا تعالیٰ ان کو گرنے کے وقت سنبھال لیتا ہے حالانکہ اور قومیں اس سے محروم ہیں ص ۲۴۹

مسیح موعود علیہ السّلام

۱۔ ہمارا دعویٰ ہے کہ ہم نبی اور رسول ہیں۔ ہاں یہ نبوت تشریعی نہیں جو کتاب اللہ کو منسوخ کرے اور نئی کتاب لائے۔ اگر ہم نبی نہ کہلائیں تو اس کے لئے اور کونسا امتیازی لفظ ہے جو دوسرے لفظوں سے ممتاز کرے۔ ہمارا مذہب تو یہ ہے کہ جس دین میں نبوت کا سلسلہ نہ ہو وہ مُردہ ہے ص ۱۲۷

۲۔ میرا دعویٰ ہے کہ خدا تعالیٰ مجھ سے ہمکلام ہوتا ہے اور کثرت سے ہوتا ہے۔ اس کا نام

۲۰۔ جو مجھ سے مقابلہ کرتا ہے وہ اس سے مقابلہ کرتا ہے جس نے مجھے بھیجا ہے۔ خدا تعالیٰ کی طرف سے آنے والوں کی بے عزّتی کرنا اور اس کی بات کی پروا نہ کرنا کیونکر خالی جاسکتا ہے ص ۴۲۵

۲۱۔ جب میں مامور ہوا تھا تو سب سے اوّل میں نے اس امر کو گروہ علماء کے پیش کیا۔ ہمیں اس دعوت کا جو جواب ملا وہ ایک فتویٰ تھا جس میں ہمیں کافر۔ اکفر۔ ضال مضل۔ دائرۂ اسلام سے خارج، یہود و نصاریٰ سے بدتر قرار دیا۔ ہم نے پھر اپنی دعوت نئے تعلیم یافتہ گروہ کے پیش کی مگر ان میں سے اکثر کو بے قید پایا اور اکثر کو دیکھا کہ وہ خود اسلام میں ترمیم کرنا چاہتے ہیں۔ پھر رؤسا کے گروہ کی طرف اپنی دعوت بھیجی چنانچہ ان میں سے صدیق حسن خان نے ہماری کتاب کو چاک کرکے واپس بھیجدیا۔ اس کے بعد ہم نے سمجھا کہ یہ سعادت ہمیشہ ضعفاء ہی کا حصہ ہوتی ہے۔ چنانچہ ہمارا یہ خیال صحیح نکلا۔ اس گروہ میں سے کئی لاکھ انسان اب ہمارے ساتھ ہیں ص ۳۰۵

۲۲۔ آپ نے کیا اصلاح فرمائی ص ۴۵۲

۲۳۔ حضور کے آخری الفاظ جن پر حضرت اقدسؑ اپنے رفیق اعلیٰ سے جا ملے۔ یہ تھے۔ اے میرے پیارے۔ اے میرے پیارے۔ اے میرے پیارے اللہ۔ اے میرے پیارے اللہ ص ۴۵۹

مشورہ

مشورہ ایک بڑی بابرکت چیز ہے۔ جو لوگ مشورہ نہیں لیتے یا لیتے ہیں مگر مانتے نہیں تو اس کی سزا بھی پاتے ہیں ص ۲۳۸

مصائب

۱۔ مصائب کا آنا ضروری ہے ص ۸۲

۲۔ مصائب تمام انبیاء پر وارد ہوتے رہے ہیں کوئی ان سے خالی نہیں رہا ص ۸۶

۳۔ مصائب کے ذریعہ جو برکات حاصل ہوتے اور خدا تعالیٰ کی طرف سے خاص بشارات ملتی ہیں وہ نماز روزہ زکوٰۃ سے حاصل نہیں ہو سکتی ہیں۔ ص ۸۷

۴۔ مومن صرف صبر کرنے والا ہی نہیں ہوتا بلکہ مصیبت پر راضی اور خدا کی رضا کے ساتھ اپنی رضا ملا لیتا ہے ص ۸۷-۸۸

۵۔ اکثر مصائب تنبیہ کرنے اور رفع درجات کے واسطے آتے ہیں ص ۸۸

معجزہ

۱۔ جماعت احمدیہ کا بڑھنا اللہ تعالیٰ کا بڑا معجزہ ہے۔ ان لوگوں کی بابت جو ہزاروں لاکھوں ہمارے پاس آتے رہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے براہین احمدیہ میں پہلے ہی سے خبر دے رکھی تھی۔ ص ۲۴-۲۵

۲۔ معجزات کی دو قسمیں ہیں۔ ایک وہ جو موسیٰؑ کے سوٹے کی طرح فوراً دکھا دیئے جاتے

ن

نبی جمع انبیاء

نشان

نصائح

نفخ صور

نفس

نماز

قوم مسلمان ہوئی اور نماز کی معافی کے لئے عرض
کی۔ آپ نے فرمایا جس مذہب میں خدا کی عبادت
نہیں وہ مذہب کچھ چیز نہیں ص۳۴۷

۱۲۔ نماز کے لئے ستونوں کے درمیان کھڑا ہونا
اضطراری حالت میں جائز ہے ص۱۲۰

۱۳۔ غیر احمدی کے پیچھے نماز پڑھنے کے متعلق حضور
کا ارشاد ص۱۶۷

۱۴۔ ایک شخص کے سوال پر جو کئی سال تک تارک
صلوٰۃ رہا پھر توبہ کی کیا وہ گذشتہ نمازیں پڑھے
فرمایا نماز کی قضا نہیں ہوتی۔ اب اس کا علاج
توبہ ہی کافی ہے ص۱۶۸

نورالدین

حضرت خلیفہ اول رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ایک
سود خور ساہوکار سے مکالمہ۔ آپ کی گفتگو
سے متاثر اس نے کہا کہ اگر آپ کو دس ہزار
روپیہ تک کی ضرورت ہو تو مجھ سے بلا سود
لے لیں ص۱۱۲

نیکی

۱۔ نیکی انسان کے واسطے اس دنیا میں ہی نمونہ
کے طور پر مثالی جنت حاصل کر دیتی ہے ص۳۸۵

۲۔ نیکی خالصاً للہ جو بغیر کسی اجر یا نفع و خدمت
کے خیال سے بلکہ محض اس جوش کے تقاضا
سے کی جائے جو ہمدردی بنی نوع انسان کے
واسطے اس کے دل میں رکھا گیا ہے۔ ایسی پاک
تعلیم نہ توریت میں ہے اور نہ انجیل میں
ص۱۱۴ - ۱۱۶

نیوگ

آریوں میں نیوگ جیسی گندی رسم موجود ہے
جو اپنی عورت کو دوسروں سے ہمبستر کرا کے
دس پتروں تک اولاد حاصل کر سکتے ہیں۔
ص۵۳

و

والدین

۱۔ والدین کے حقوق ادا کرنے کی کوشش کرو اور
ان کے حق میں دعا کرتے رہو۔ اگر دین اور
رضائے الٰہی کو مقدم کرنے کے لئے والدین
سے الگ ہونا پڑے تو یہ مجبوری ہے ص۱۳۱

۲۔ والدین اگر طلاق کا حکم دیں تو اطاعت کی جائے
بشرطیکہ ان کی ناراضگی کسی دینی وجہ سے نہ ہو
ص۱۹۲

۳۔ والدہ اگر بیوی کے ہاتھ میں خرچ دینے سے
ناراض ہو تو لازم ہے کہ ماں کے ذریعہ سے خرچ
کراوے۔ والدہ کو بیوی کا محتاج نہ کرے۔
ص۱۹۳

وبا

ایک سخت وبا پھیلے گی جس کا کوئی نام بھی نہیں
رکھ سکتے ص۶۹

وحدت وجود

وحدت وجود کا رد الحمد للہ رب العالمین
سے ہو جاتا ہے۔ اگر وحدت وجود والی بات

نے تیار کر رکھے ہیں۔ مگر روحانی ہتھیاروں کے مالک ہم ہیں۔ یہ ہتھیار روحانی قوتیں اور دلائل قاطعہ ہیں صفحہ ۵۸

۲۔ اگر مسیح کی وفات کا ہتھیار نہ ہوتا تو تم عیسائیوں کے سامنے بات نہ کر سکتے صفحہ ۷

ہرقل

۱۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے ہرقل قیصر روم کو دعوت اسلام کا خط لکھا۔ اس نے پڑھ کر اپنی فراست صحیحہ سے معلوم کر لیا کہ واقعی یہ شخص سچا نبی ہے اور کہا وہ وقت قریب ہے کہ وہ میرے تخت کا بھی مالک ہو جاوے گا صفحہ ۳۰۵-۳۰۶

ہندوستان

۱۔ ہند مجموعۃ المذاہب ہے صفحہ ۱۹۶

۲۔ ہندوستان میں بھی نبی گذرے ہیں۔ حضرت کرشن علیہ السلام انہیں انبیاء میں سے ایک تھے۔ حضرت مجدد الف ثانی سرہندی فرماتے ہیں۔ ہندوستان میں بعض قبریں نبیوں کی ہیں جن کو میں پہچانتا ہوں۔ صفحہ ۱۴۳

۳۔ ہندوستانی مسلمانوں کی ریاستیں جو خدا کے قہر کا نشانہ بنیں۔ اگر یہ کچھ بھی نیک طینت ہوتے تو خدا ضرور ان کو محفوظ رکھتا اور ان کی نصرت کرتا صفحہ ۱۹۲

ہنسی

ہنسی جب اللہ تعالیٰ کے حکم کے ماتحت ہو تو اس میں کوئی ہرج نہیں صفحہ ۲۶۷

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

نَحۡمَدُہٗ وَنُصَلِّیۡ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ

وَعَلٰی عَبۡدِہِ الۡمَسِیۡحِ الۡمَوۡعُوۡدِ

ملفوظات

حضرت مسیح موعود علیہ الصّلوٰۃ والسّلام

جلد دہم

بلا تاریخ[1]

القول الطیّب

مخالفت مفید ہوتی ہے

ذکر ہوا کہ کشمیر میں ایک بڑا مولوی میر واعظ ہے۔ وہ پہلے اس سلسلہ کے متعلق خاموش تھا۔ مگر جب سے مولوی عبداللہ صاحب نے اس کو مخاطب کرکے اشتہارات دیئے وہ بھی اپنے وعظ میں مخالفت کرنے لگا ہے۔

حضرت نے فرمایا۔

---

[1] قیاس ہے کہ یہ ملفوظات اکتوبر ۱۹۰۷ء کے اواخر کے ہیں یا پھر نومبر ۱۹۰۷ء کے ابتدائی ایام کے۔ واللہ اعلم بالصواب۔ (مرتب)

اس معاملہ میں مولوی عبداللہ کی کارروائی درست تھی۔ مخالفت سے ڈرنا نہیں چاہیئے بلکہ اس سے فائدہ ہوتا ہے۔ یہی قدیم سے سُنّت چلی آتی ہے۔ جب کبھی کوئی نبی پیدا ہوتا ہے لوگ اس کی مخالفت شروع کرتے ہیں۔ سب و شتم سے کام لیتے ہیں۔ اسی ضمن میں کتابوں کے دیکھنے اور صحیح حالات کے سُننے اور معلوم کرنے کا بھی ان کو موقعہ مل جاتا ہے۔ دُنیا کے کیڑے جو اپنے دنیاوی کاموں میں مستغرق ہوتے ہیں ان کو فرصت ہی کہاں ہے کہ دینی امور کی طرف متوجہ ہوں۔ لیکن مخالفت کے سبب ان کو بھی غور و فکر کرنے کا موقعہ مل جاتا ہے اور ان کے شور و غل کے سبب دوسرے لوگوں کو بھی اس طرف توجہ ہو جاتی ہے کہ دیکھنا چاہیئے کہ اصل میں بات کیا ہے۔ کئی لوگوں کے ہمارے پاس خطوط آئے کہ مولوی محمد حسین یا مولوی ثناء اللہ وغیرہ کا انہوں نے نام لیا کہ ان کی مخالفانہ تحریریں اور کتب پڑھ کر ہمیں اس طرف خیال ہوا کہ آخر مرزا صاحب کی تحریر بھی منگوا کر دیکھنی چاہیئے اور جب آپ کی کتاب پڑھی تو اس کو رُوحانیت سے پُر پایا۔ اور حق ہم پر کھُل گیا۔

جب انسان توجہ کرتا ہے تو اس کا دلی انصاف خود اُسے ملزم کرتا ہے۔ جہاں مخالفت کی آگ بھڑکتی ہے اور شور اُٹھتا ہے اس جگہ ایک جماعت پیدا ہو جاتی ہے۔ انبیاء سے پہلے تمام لوگ نیک و بد بھائی بھائی بنے ہوئے ہوتے ہیں۔ نبی کے آنے سے ان کے درمیان ایک تمیز پیدا ہو جاتی ہے۔ سعید الگ ہو جاتے اور شقی الگ ہو جاتے ہیں۔ اگر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم مخالفین کو یہ کلمہ نہ سُناتے کہ اِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ حَصَبُ جَهَنَّمَ[1]۔ تم اور تمہارے معبود جہنّم کے لائق ہیں تو کفار ایسی مخالفت نہ کرتے مگر اپنے معبودوں کے حق میں ایسے کلمات سُنکر وہ جوش میں آ گئے۔

پنجاب میں سب سے زیادہ مخالفت ہوئی اور اسی جگہ خدا تعالیٰ نے سب سے زیادہ جماعت بھی بنائی ہے۔ خدا تعالےٰ فرماتا ہے کہ پہلے لوگ امت واحدہ ہوتے ہیں پھر نبی کے آنے سے ان میں اختلاف پیدا ہو جاتا ہے۔ ابوجہل نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جو مباہلہ کیا تھا۔ اور آخری دُعا کی تھی کہ اے خدا جس نے ملک میں فساد پیدا کر رکھا ہے اور قطع رحم کرتا ہے آج اس کو

[1] الانبیاء : ۹۹

ہلاک کر دے جس کے نتیجہ میں وہ خود ہلاک ہوا۔ اس کی دعا سے ظاہر ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے ملک کی کیا حالت ہوگئی تھی اور باہمی فساد کو کفار کس کی طرف منسوب کرتے تھے۔ جب شور اُٹھتا ہے تو ایسے آدمی بھی پیدا ہو جاتے ہیں جو انصاف کی پابندی کرتے ہیں اور خدا تعالیٰ سے ڈرتے ہیں۔ مخالفین انبیاء کی عادت ہے کہ رسم و عادت کی پیروی کرتے ہوئے ایک بات پہ اَڑ جاتے ہیں اور خدا تعالیٰ سے امید منقطع کر کے اسی پر فیصلہ کر لیتے ہیں کہ ہم اسی پر مر جائیں گے خواہ کچھ ہی ہو۔ مگر خدا تعالےٰ انہی لوگوں میں سے سعید الفطرت انسان بھی پیدا کر دیتا ہے۔

احمدی

ذکر آیا کہ بعض لوگ اعتراض کرتے ہیں کہ مرزا صاحب نے اپنی جماعت کا ایک الگ نام احمدی کیوں رکھ لیا ہے۔

فرمایا:۔

یہ نام تو صرف شناخت کے واسطے ہے جیسا کہ مسلمانوں میں بہت سے فرقے ہیں۔ کوئی اپنے آپ کو حنفی کہتا ہے کوئی شافعی کوئی اہلحدیث وغیرہ۔ چونکہ اس وقت آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے جمالی نام احمد کا ظہور ہو رہا ہے اس واسطے اس جماعت کا نام احمدی ہوا۔ اور یہ نام اسی زمانہ اور اسی جماعت کے واسطے مقدر تھا۔ اس سے پہلے اگرچہ بعض ایسے آدمی ہوئے جو کسی جماعت کے امام بنے اور ان کے نام میں احمد کا لفظ تھا مگر کبھی خدا تعالیٰ نے کسی جماعت کا نام احمدی نہ ہونے دیا۔ مثلاً امام احمد بن حنبل تھے۔ ان کی جماعت حنبلی کہلائی۔ سید احمد بریلوی تھے تو ان کی جماعت مجاہدین کہلائی۔ سید احمد علیگڈھ کے تھے تو اُن کے ہمخیال نیچری کہلائے۔ علیٰ ہذا القیاس اور کسی کا نام کبھی احمدی نہیں ہوا۔

(بدر جلد ۲ نمبر ۱۵ صفحہ ۷ مورخہ ۷ر نومبر ۱۹۰۵ء)

بلا تاریخ

القول الطیّب

جائے عبرت

مختلف قسم کی بیماریوں کا ذکر تھا۔ فرمایا:۔

ڈاکٹروں کے واسطے عبرت کے نظاروں سے فائدہ حاصل کرنے کے لئے بہت موقعہ ہوتا ہے۔ قسم قسم کے بیمار آتے ہیں۔ بعض کے ہاتھ پاؤں کاٹ دیئے جاتے ہیں۔ بعض کی ایسی حالت ہوتی ہے کہ شدت بیماری کے سبب لامن الاحیاء ولامن الاموات۔ نہ زندوں میں داخل نہ مُردوں میں۔ لیکن ایسے نظاروں کو کثرت کے ساتھ دیکھنے سے سخت دلی بھی پیدا ہو جاتی ہے۔ اور ضروری بھی ہے کیونکہ نرم دل اور رقیق القلب ایسا کام نہیں کر سکتا کیونکہ سرجری کا کام بہت حوصلے کا کام ہے۔

اس زمانہ کے مُلّاں

فرمایا:۔

اس زمانہ کے مُلّانوں کو بھی مُردوں کے عبرت انگیز نظاروں کو بہت دیکھنا پڑتا ہے۔ لیکن افسوس ہے کہ وہ بھی سخت دل ہو گئے ہیں۔ کلکتہ میں ایک مُلّاں کا ذکر اخبار میں لکھا ہے۔ کہ اس پر کسی قرضخواہ نے نالش کی تو اس نے جواب دعویٰ میں لکھا کہ امسال کلکتہ کی صحت اچھی رہی اور لوگ بہت نہیں مرے اس واسطے میں کچھ دے نہیں سکتا۔ البتہ بسبب قحط و وبا اگلے سال لوگوں کے بہت مرنے اور معقول آمدنی حاصل ہونے کی امید ہے پھر قرضہ ادا کیا جائے گا۔ ایسا ہی اِس جگہ دو ملانوں کے درمیان جو بھائی تھے باہمی تنازعے ہونے پر ان کے درمیان مسلمانوں کے گھروں کی تقسیم کر دی گئی تو ایک ملاں اس بات پر ناراض ہوا کہ جو لوگ میرے حصے میں آئے ان کے قد چھوٹے ہیں اور ان کے کفن پر سے جو چادر اترے گی وہ چھوٹی ہو گی۔ اس قدر رذالت ان لوگوں میں آ گئی

ہے۔ اللہ تعالیٰ رحم کرے۔

ایک آیت کا ترجمہ

فرمایا:-

آیت قرآنی قد افلح من زکّٰھا۔ وقد خاب من دسّٰھا[1] کا ترجمہ میں اردو میں ایک دفعہ سوچتا تھا تو یہ شعر لکھا گیا ؎

کوئی اس پاک سے جو دل لگا دے
کرے پاک آپ کو تب اس کو پا دے

سچی منطق قرآن مجید میں ہے

فرمایا:-

سیدھی اور سچی اور سادہ عام فہم منطق وہ ہے جو قرآن شریف میں ہے اس میں کوئی پیچیدگی نہیں۔ ایک سیدھی راہ ہے جو خدا تعالیٰ نے ہم کو سکھلا دی ہے۔ چاہیئے کہ آدمی قرآن شریف کو غور سے پڑھے۔ اس کے امر اور نہی کو جدا جدا دیکھ رکھے اور ان پر عمل کرے اور اسی سے وہ اپنے خدا کو خوش کرلے گا۔ باقی منطقیوں اور صوفیوں نے جو اصطلاحیں بنائی ہیں وہ اکثر لوگوں کے واسطے ٹھوکر کا موجب ہو جاتی ہیں کیونکہ ان میں پیچیدگیاں اور مشکلات ہیں۔

فرمایا:-

ایک بزرگ نے جس پر ہم حُسنِ ظن رکھتے ہیں کہ اس نے کسی نیک نیتی سے لکھا ہوگا۔ گو اس کا قول صحیح نہیں ہے یہ لکھا ہے کہ شیخ عبد القادر جیلانی کامل نہ تھے کیونکہ ان کا پورے طور پر نزول نہ تھا صرف صعود تھا۔ اسی وجہ سے ان سے بہت سی کرامتیں صادر ہوئیں۔ اگر نزول پورا ہوتا تو کوئی کرامت صادر نہ ہوتی۔ اس قول میں جس قدر تخالف قرآنی ہے وہ ظاہر ہے۔ یہ ایسا قول

[1] الشمس: ۱۰

ہے کہ قرآن اور حدیث سے سراسر مخالف ہے۔ درحقیقت شیخ عبدالقادر جیلانی خداتعالیٰ کے کامل بندوں میں سے تھے۔ اگر ان پر معجزات کے متعلق اعتراض کیا جاوے تو پھر یہ اعتراض تمام انبیاء پر وارد ہوتا ہے۔ یہ ان صوفیوں کی غلط اصطلاحوں کی پیروی کا نتیجہ ہے جن کی تصدیق قرآن وحدیث سے نہیں ملتی

الہام بھول بھی جاتے ہیں

فرمایا:۔

شاید ہی کوئی ایسی رات گذرتی ہوگی جس میں کوئی نظارہ آئندہ کے متعلق مجھے نہ دکھایا جاتا ہو۔ لیکن بہت سی باتیں صبح تک بھول جاتی ہیں اور توفیق ہی نہیں ہوتی کہ ان کو ایسے وقت میں لکھ لیا جاوے کہ پھر نہ بھولیں۔ اس میں حکمت الٰہی ہے وہ جس بات کو چاہے یاد رکھواتا ہے اور جس کو چاہتا ہے بھلوا دیتا ہے۔

(بدر جلد ۶ نمبر ۴۷ صفحہ ۱۰ مورخہ ۲۱ نومبر ۱۹۰۷ء)

بلاتاریخ

القول الطیّب

الہام منسوخ بھی ہوجاتے ہیں

فرمایا:۔

خداتعالیٰ ہر بات پر قادر ہے۔ ہمارا آزمودہ ہے کہ بعض دفعہ ایک الہام ہوتا ہے جو کسی پیشگوئی پر مشتمل ہوتا ہے۔ اگر وہ انذاری امر ہوتا ہے اور ہم دُعا میں مصروف ہوجاتے ہیں تو بسا اوقات مثلاً ایک گھنٹہ کے بعد وہ منسوخ ہوجاتا ہے اور وہ بات خداتعالیٰ کے دوسرے حکم سے ٹل جاتی ہے۔

فرشتوں کے ذریعہ سے الہام

فرمایا:-

بعض الہامات کے وقت اگرچہ فرشتہ نظر نہیں آتا تاہم الفاظ کے معانی سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ کلام فرشتے کے ذریعہ سے نازل ہوا ہے مثلاً الہامات میں ایسے الفاظ کہ قال ربّك اور ما نتنزل الّا بامر ربّك۔[1]

تاریخ قادیان

فرمایا کہ

اس قادیان میں پانچ سو حافظ قرآن شریف کے رہتے تھے۔ اس وقت اس جگہ کا نام اسلام پور تھا۔ اب یہاں کیا ہندوستان کے بڑے بڑے شہروں میں بھی اس قدر تعداد حفاظ کی نہیں مل سکتی۔ اس جگہ کی اسلامی شوکت کو سکھوں نے خراب کر دیا تھا۔ یہاں بہت سے سکھ رہتے تھے جن میں سے بعض نے سیّد احمد صاحب کے ساتھ بھی لڑائیاں کی تھیں مگر رفتہ رفتہ وہ سب مر گئے اور اب دو چار باقی ہوں گے۔

جہاد

فرمایا:-

جہاد کا مسئلہ بھی ہمارے مولویوں نے کچھ اُلٹا ہی سمجھا ہے۔ قرآن شریف اور احادیث اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے سوانح سے کہیں ایسا نہیں معلوم ہوتا کہ کوئی اس قسم کا جہاد اسلام میں جائز ہو یا کبھی کیا گیا ہو کہ کفار کو زبردستی مسلمان بنایا جائے۔ ۱۳ سال تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے صحابہؓ نے کفار کے ہاتھوں سے دُکھ اُٹھایا۔ جب کفار کی زیادتیاں حد سے بڑھ گئیں تب اجازت ہوئی کہ ان لوگوں کو قتل کرو جو تم کو قتل کرتے ہیں اور بسبب مظلوم ہونے کے

[1] مریم: ۶۵

مسلمانوں کو بھی اجازت دی گئی کہ ہاتھ اُٹھائیں۔ سارا خلاصہ جہاد کا یہی ہے اور جزیہ جو بہت ہی قلیل رقم کا ٹیکس ہے خود اس بات کو ثابت کرتا ہے کہ کفار کو اپنے ماتحت امن کے ساتھ رکھنے کا اسلامیوں کو حکم تھا۔

اسلام نے مذہبی جنگ کو قطعاً بند کیا ہے

اسی بات پر حضرت مولوی نورالدین صاحب نے کہا کہ قرآن شریف میں جو یہ آیت ہے۔ ولو لا دفع اللّٰہ النّاس بعضھم ببعضٍ لھدّمت صوامع وبیع وصلوات ومساجد یذکر فیھا اسم اللّٰہ کثیرًا۔ ولینصرنّ اللّٰہ من ینصرہٗ انّ اللّٰہ قویّ عزیزٌ[1]

اس آیت سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ مذہب کی خاطر جنگ کرنا اور دوسرے مذاہب کو تلوار کے ذریعہ سے منہدم کرنے کی کوشش کرنا جائز نہیں۔ اللہ تعالیٰ تمام مذاہب کے نشانات کو قائم رکھنا چاہتا ہے اور جو سچا ہے اس کی خاص نُصرت فرماتا ہے۔ وہ خود بخود فروغ پکڑتا ہے اس کو کسی جہاد کی ضرورت نہیں۔

طریقہ انبیاء

حضرت نے فرمایا :-

آجکل یہ حالت ہے کہ رات کے وقت جس کی زبان پر ایک لفظ جاری ہوا وہ سمجھتا ہے کہ میں ملہم ہو گیا اور اس پر فخر کرنے لگتا ہے اور اپنے نفس کی حالت کو نہیں دیکھتا کہ وہ کیسی ہے۔ سارے قرآن شریف کو پڑھ کر دیکھو اس میں یہ کہیں نہیں لکھا کہ کسی شخص پر خدا تعالیٰ اس واسطے خوش ہوا کہ اس پر الہام ہوتا تھا بلکہ انبیاء کی تعریف خدا تعالیٰ نے قرآن شریف میں اس وجہ سے کی ہے کہ انہوں نے خدا تعالیٰ کے حضور میں صدق اور وفا کا کمال دکھایا اور اعمال صالحہ بجا لائے اور حقوق اللہ اور حقوق العباد کو ادا کیا۔ یہ ایک نہایت مکروہ طریق ہے جو ایک خواب پر انسان فخر کرتا ہے یہ ایک زہرناک غلطی ہے۔ یہ باتیں انسان کے واسطے ناز کے لائق نہیں۔

انسان کا تو یہ کام ہے کہ اپنے تمام قویٰ اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کر ڈالے۔ خدا تعالیٰ کے تمام

[1] الحج : ۴۱

حکموں پر عمل کرے۔ تب وہ خدا تعالیٰ کا ولی ہوگا۔ بغیر دلیل کے کوئی دعویٰ نہیں مانا جا سکتا۔ بغیر دلیل کے تو پیغمبر بھی نہیں مانے جاتے۔ حضرت موسیٰؑ نے بھی اللہ تعالیٰ سے عرض کی تھی کہ مجھے کوئی دلیل دی جاوے جو کہ میں دنیا کے آگے پیش کروں۔

(بدر جلد ۶ نمبر ۴۸ صفحہ ۳ مورخہ ۲۸ نومبر ۱۹۰۷ء)

۱۱ نومبر ۱۹۰۷ء (بوقت ظہر)

سائیں عالم دین صاحب ساکن دھاروال نے اپنے مجاہدات کا حال سنایا اور طرح طرح کے الہامات اور کشوف بیان کئے اور ایسے ایسے حیرت انگیز مقامات کا ذکر کیا جہاں وہ خود کو پہنچ کر کل نبیوں اور پیغمبروں سے اپنے آپ کو افضل اور اعلیٰ سمجھتے تھے اور (معاذ اللہ) بذات خود خدائی کے دعویدار بن بیٹھتے تھے اور کبھی خیال کرتے تھے کہ میں خالق اور مخلوق میں درمیانی واسطہ اور وسیلہ ہوں اور خلقت میری محتاج ہے اور پھر اپنے آپ کو بالکل بے پروا اور بے نیاز سمجھتے تھے۔ بیان کرتے تھے کہ آئندہ مجھ سے کچھ نشان ظاہر ہونگے اور عجیب تر یہ کہ حضرت اقدس سے مخاطب ہو کر یہ بھی کہنے لگ جاتے تھے کہ میں آپ کو مسیح اور مہدی سمجھتا ہوں اور ایسا اولوالعزم امام مانتا ہوں کہ جیسا نہ آگے کبھی ہوا اور نہ ہوگا اور ساتھ ہی آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی اتباع کا بھی دم بھرتے تھے۔ غرض ایک فقرہ تو ایسا بولتے تھے جس سے معلوم ہوتا تھا کہ سائیں صاحب اپنے آپ کو تمام دنیا سے اعلیٰ اور زکی النفس خیال کرتے ہیں اور ساتھ ہی کل ذات اور کل فعل والے سبقوں کی عجیب عجیب تجلیات سناتے تھے لیکن پھر باتوں ہی باتوں میں اپنے آپ کو حقیر ذلیل اور کچھ کا کچھ سمجھنے لگ جاتے تھے۔ غرض بیچارے (خدا تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے ان پر رحم کرے) پیچ در پیچ مشکلات میں پھنسے ہوئے تھے اور رفیع العروج کی مقرر کردہ منزلوں کو طے کرتے کرتے عجیب و غریب اُتار چڑھاؤ میں مشغول تھے اور مصیبت پر

مصیبت یہ تھی کہ اس قسم کے معاملات سے اپنے آپ کو کچھ سمجھنے لگ گئے تھے اور خود ستائی اور کبریائی کی منازل میں بھی کافی گذر چکے تھے۔ اسی لئے وہاں کے احمدی احباب نے سائیں صاحب کو مخبوط الحواس اور پاگل خیال کر کے نماز کے لئے امام بنانا چھوڑ دیا اور ان کے پیچھے نماز کا ادا کرنا ناجائز جانا۔ سائیں صاحب موصوف کی اس قسم کی سرگذشت سُن کر حضرت اقدس (علیہ السلام) نے فرمایا:۔

مسلمان بننے کا طریق

اصل بات یہ ہے کہ دنیا میں مختلف طبقات کے انسان پائے جاتے ہیں مگر مسلمان تو انسان اسی صورت میں رہ سکتا ہے۔ جب سچے دل سے کلمہ طیبہ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ پر ایمان لاوے اور پورے طور سے اس پر کاربند ہو جاوے۔ اور اس کے بعد قرآن شریف پر ایمان رکھے کہ وہ خدا تعالیٰ کی سچی اور کامل کتاب ہے اور وہی ایک کلام ہے جس پر خدا تعالیٰ کی مُہر ہے۔ انسان کو اسی کے مطابق عمل درآمد کرنا چاہیئے اور اسی کے بتائے ہوئے احکام پر چلنا اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے دکھائے ہوئے نمونہ پر کاربند ہونا یہی صراط مستقیم ہے اس کے سوائے کوئی تحریر، کشف، رؤیا یا الہام بغیر مہر کے جائز نہیں۔ جب تک کسی الہام پر خدا تعالیٰ کی مُہر نہ ہو وہ ماننے کے لائق نہیں ہوتا۔

دیکھو قرآن شریف کو عربوں جیسے اشد کافر کب مان سکتے تھے اگر خدا تعالیٰ کی مُہر اس پر نہ ہوتی۔ ہمیں بھی اگر کوئی کشف رؤیا یا الہام ہوتا ہے تو ہمارا دستور ہے کہ اُسے قرآن مجید پر عرض کرتے ہیں اور اسی کے سامنے پیش کرتے ہیں۔

اور پھر یہ بھی یاد رکھو کہ اگر کوئی الہام قرآن مجید کے مطابق بھی ہو لیکن کوئی نشان ساتھ نہ ہو تو وہ قابل قبول نہیں ہوتا۔ قابل قبول الہام وہی ہوتا ہے جو قرآن مجید کے مطابق بھی ہو۔ اور ساتھ ہی اس کی تائید میں نشان بھی ہوں۔ اگر ایک شخص کہے کہ میں بادشاہ کے دربار سے فلاں عہدہ حاصل کر کے آیا ہوں لیکن اس کے ساتھ کوئی نشان نہ ہو اور بادشاہی سامان اور فوج سپاہ

سے بالکل خالی ہو تو صرف یہ کہنے سے کہ مجھے فلاں عہدہ مل گیا ہے اس کی کچھ عزت نہیں ہو گی

ہمارے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم معصوم اور خاتم الانبیاء تھے

ہمارا تو یہی ایمان ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم وہ معصوم نبی ہیں کہ جن پر تمام کمالات نبوت کے ختم ہو گئے ہیں اور ہر ایک طرح کا کمال اور درجہ انہیں پر ختم ہو گیا ہے اور ان پر وہ کامل اور جامع کتاب نازل کی گئی جس کے بعد قیامت تک کوئی اور شریعت نہیں آئے گی۔ وہ ایسی کلام ہے جس پر خدا تعالےٰ کی مُہر ہے اور جو ہزاروں فرشتوں کے ساتھ اور ان کی حفاظت میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئی تھی۔ اگر کوئی الہام ہو یا کشف ہو یا وحی ہو جب تک وہ اس کے ساتھ مطابقت نہ رکھے گی منجانب اللہ نہیں ٹھہر سکتی۔ ہاں اگر کوئی الہام یا وحی اس کے مطابق ہو۔ اور ساتھ ہی اپنی تائید میں نشانات بھی رکھتی ہو تو سب سے پہلے ہم اس کو قبول کریں گے۔ ہمارا مقدور نہیں کہ ایک ذرہ بھر بھی چون وچرا کریں۔

الہام کی تین اقسام

الہام۔ کشف یا رؤیا رتین قسم کے ہوتے ہیں۔

۱۔ اوّل وہ جو خدا کی طرف سے ہوتے ہیں اور وہ ایسے شخصوں پر نازل ہوتے ہیں جن کا تزکیہ نفس کامل طور پر ہو چکا ہوتا ہے اور وہ بہت سی موتوں اور محویت نفس کے بعد حاصل ہوا کرتا ہے اور ایسا شخص جذبات نفسانیہ سے بکلی الگ ہوتا ہے اور اس پر ایک ایسی موت وارد ہو جاتی ہے جو اس کی تمام اندرونی آلائشوں کو جلا دیتی ہے جس کے ذریعہ سے وہ خدا تعالیٰ سے قریب اور شیطان سے دُور ہو جاتا ہے۔ کیونکہ جو شخص جس کے نزدیک ہوتا ہے اسی کی آواز سُنتا ہے۔

۲۔ دوسرے حدیث النفس ہوتا ہے جس میں انسان کی اپنی تمنا ہوتی ہے اور انسان کے اپنے خیالات اور آرزوؤں کا اس میں بہت دخل ہوتا ہے اور جیسے مثل مشہور ہے بلّی کو چھیچھڑوں کی خوابیں وہی باتیں دکھائی دیتی ہیں جن کا انسان اپنے دل میں پہلے ہی سے خیال رکھتا ہے اور

جیسے بچے جو دن کو کتابیں پڑھتے ہیں تو رات کو بعض اوقات وہی کلمات ان کی زبان پر جاری ہو جاتے ہیں یہی حال حدیث النفس کا ہے۔

۳۔ تیسرے شیطانی الہام ہوتے ہیں۔ ان میں شیطان عجیب عجیب طرح کے دھوکے دیتا ہے کبھی سنہری تخت دکھاتا ہے اور کبھی عجیب وغریب نظارے دکھا کر طرح طرح کے خوش کُن وعدے دیتا ہے۔ ایک دفعہ سید عبدالقادر رحمۃ اللہ علیہ کو شیطان اپنے زرّین تخت پر دکھائی دیا اور کہا کہ میں تیرا خدا ہوں۔ میں نے تیری عبادت قبول کی۔ اب تجھے عبادت کی ضرورت نہیں رہی۔ جو چیزیں اب اوروں کے لئے حرام ہیں۔ وہ سب تیرے لئے حلال کر دی گئی ہیں۔ سید عبدالقادر رحمۃ اللہ علیہ نے جواب دیا کہ دُور ہو اے شیطان جو چیزیں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم پر حلال نہ ہوئیں وہ مجھ پر کیسے حلال ہو گئیں؟ پھر شیطان نے کہا کہ اے عبدالقادر تُو میرے ہاتھ سے علم کے زور سے بچ گیا ورنہ اس مقام پر کم لوگ بچتے ہیں۔

یہ سُنکر سائیں صاحب بول اُٹھے کہ میں کیا ہوں اور کس مرتبے پر ہوں اور میرا کیا حال ہے؟

حضرت اقدس نے فرمایا کہ

مجھے کچھ علم نہیں کہ تم کس مرتبہ پر ہو۔ توبہ استغفار بہت کرو۔

جماعت کیلئے نصیحت

اور یہ باتیں میں صرف تمہارے لئے نہیں کہتا بلکہ ہر ایک کے لئے کہتا ہوں۔ ہماری جماعت میں کوئی پچاس ساٹھ آدمیوں کے قریب ہوں گے جو اس قسم کے دعوے کرتے ہیں۔ دیکھو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے جو صاحب وحی ہونے کا دعویٰ کیا تھا تو وہ بے نشان نہ تھا۔ کافروں نے جب ثبوت مانگا تھا کہ آپ کی وحی کے منجانب اللہ ہونے کی دلیل کیا ہے تو ان کو جواب دیا گیا تھا۔ قل کفٰی باللہ شهیدًا بینی وبینکم ومن عندہٗ علم الکتاب[۱] (۱۳/۱۴)

دو گواہیاں

کہ کہ میرے پاس دو گواہیاں ہیں۔

[۱] الرعد: ۴۴

۱- ایک تو اللہ تعالیٰ کی کہ اس کے تازہ تازہ نشانات میری تائید میں ہیں اور

۲- دوسرے وہ لوگ جن کو کتاب اللہ کا علم دیا گیا ہے وہ بتا سکتے ہیں کہ میں سچا ہوں۔

یاد رکھو اللہ تعالٰے کا نام غیب بھی ہے۔ وہ نہاں در نہاں اور پوشیدہ سے پوشیدہ ہے۔ کسی کا حق نہیں کہ کسی بات کو خدا تعالیٰ کا الہام سمجھ لے جب تک کہ خدا تعالیٰ کا فعل اس پر شہادت نہ دے۔ شہادت کے بغیر تو کوئی کام نہیں چلتا۔ اگر شہادتوں یعنی خدا تعالیٰ کے نشانوں سے یہ بات ثابت ہو جاوے کہ یہ الہام خدا تعالٰے کی طرف سے ہے تو سب سے پہلے ایمان لانے والے ہم ہیں۔ اپنا قیل و قال تو قابل اعتبار نہیں ہوتا۔ خدا تعالیٰ کے فعل کی اس کے ساتھ شہادت ہونی چاہیئے۔

ہماری جماعت کے مولوی عبد اللہ صاحب تیما پوری اپنے خطوط کے ذریعہ سے بہت کچھ الہامات اور کشوف لکھا کرتے تھے۔ آخر نتیجہ یہ ہوا کہ چند دنوں کے بعد ان کو جنون ہو گیا تھوڑے دن گذرے ہیں کہ قادیان میں آکر ایسے الہامات سے انہوں نے توبہ کی اور نیز میری بعیت کی۔ میں مانتا ہوں کہ مکالمات الٰہیہ حق ہیں اور خدا تعالیٰ کے اولیاء مخاطبات اللہ سے شرف پاتے ہیں۔ لیکن یہ مقام بغیر تزکیۂ نفس کے کسی کو حاصل نہیں ہو سکتا۔ اور بغیر تزکیۂ نفس کے شیطان ان سے یاری کرتا ہے۔ علاوہ اس کے سچے الہام کے لئے ہم پر تین گواہ ہوئے ہیں۔

(۱) اپنی پاک حالت (۲) خدا تعالیٰ کے نشانوں کے ساتھ گواہی (۳) الہام کی کلام الٰہی سے مطابقت۔

یہاں پر پھر سائیں صاحب کہنے لگے کہ پھر میرے ایمان کا کیا حال ہے؟

حضرت اقدس نے فرمایا۔

میرا کام تو ایک حق بات کا پہنچا دینا ہے۔ آگے فائدہ اور نقصان صرف تمہارے لئے ہوگا۔ دوسرے کا اس سے کوئی تعلق نہیں۔ تم توبہ اور استغفار بہت کرو اور رو رو کر خدا تعالٰے سے دعائیں مانگو۔

سائیں صاحب بولے کہ پھر یہ جو مجھے سَیر ہوتے ہیں اور عجیب عجیب مقامات دیکھنے میں آتے ہیں کیا یہ یُونہی ہیں؟ اور کیا ان کی اصلیت کچھ بھی نہیں؟

حضرت اقدس نے فرمایا کہ

ہم کس سَیر کے قائل ہیں

ایسی سَیروں کا تو میں قائل ہی نہیں۔ ہم تو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی سَیر کے قائل ہیں جنہوں نے لاکھوں کروڑوں انسانوں کے سر جُھکا دیئے۔ قرآن مجید میں صاف لکھا ہے کہ شیطان کی طرف سے بھی وحی ہوتی ہے اور خدا تعالےٰ کی طرف سے بھی ہوتی ہے۔ جو وحی خدا تعالیٰ کی طرف سے ہوتی ہے اس میں ایک تاج عزت پہنایا جاتا ہے اور خدا تعالیٰ کے بڑے بڑے نشان اس کی تائید میں گواہ بن کر آتے ہیں۔

سائیں صاحب نے آداب رسُول کا لحاظ نہ کر کے پھر قطع کلام کیا اور بولے کہ پھر پیر اختیار میں کیا ہے؟

حضرت اقدس نے فرمایا کہ

تم قال اللہ اور قال الرسُول پر عمل کرو اور ایسی باتیں زبان پر نہ لاؤ جن کا تمہیں علم نہیں۔ خدا تعالےٰ فرماتا ہے ولا تقف ما لیس لک بہ علم [1] تم نیکی کی طرف پورے زور سے مشغول ہو جاؤ۔ اور اعمال صالحہ بجا لاؤ۔ اگر تمہاری حالت اس لائق ہو گئی اور تم نے پُورے طور پر اپنا تزکیۂ نفس کر لیا تو پھر خدا تعالیٰ کے مکالمہ مخاطبہ کا شرف بھی حاصل ہو سکتا ہے۔ اکثر لوگ آجکل ہلاک ہو رہے ہیں۔ ان کی یہی وجہ ہے کہ وہ اپنی حالت کا مطالعہ نہیں کرتے اور اس تعلق کو نہیں دیکھتے جو وہ خدا تعالیٰ سے رکھتے ہیں اور نہیں سوچتے کہ کس زور سے خدا تعالےٰ کی طرف جا رہے ہیں اور کیسے کیسے مصائب آنے پر ثابت قدم نکلے ہیں اور ابتلاؤں میں پُورے اُترے ہیں۔

[1] بنی اسرائیل: ۳۷

انسان کا کام صرف اعمال صالحہ کر کے دکھانا ہے

انسان کو چاہیئے کہ اپنا فرض ادا کرے اور اعمال صالحہ میں ترقی کرے۔ الہام کرنا اور رؤیا دکھانا یہ تو خدا تعالیٰ کا فعل ہے۔ اس پر ناز نہیں کرنا چاہیئے۔ اپنے اعمال کو درست کرنا چاہیئے۔

خیر البریہ کون ہیں؟

خدا تعالیٰ فرماتا ہے۔ اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اُولٰٓئِکَ ھُمْ خَیْرُ الْبَرِیَّۃِ [1] (پ ۳۰) یہ نہیں کہا کہ جن کو کشوف اور الہامات ہوتے ہیں وہ خیر البریہ ہیں۔ یاد رکھو۔ ایسی باتیں ہرگز زبان پر نہ لاؤ جو قال اللہ اور قال الرسول کے برخلاف ہوں۔ اس قسم کے الہامات کچھ چیز نہیں۔ دیکھو بارش کا پانی سب کو خوش کرتا ہے مگر پرنالہ کا پانی لڑائی ڈالتا ہے اور فساد پیدا کرتا ہے۔ جن الہامات کی تائید میں خدا تعالیٰ کا فعل نہیں ہوتا اور نشانات الٰہیہ گواہی نہیں دیتے وہ ایسے ہی ہوتے ہیں جیسے پرنالہ کا پانی۔ مثلاً ایک شخص ایسا ہے کہ نہ اس کے سر پر پگڑی ہے اور نہ پاؤں میں جوتی۔ پھٹے پرانے کپڑے اور ابتر سی حالت ہے اور پھر کہے کہ میں بادشاہ ہوں اور اس ملک کی سب فوجیں میرے کہنے پر عمل کرتی ہیں تو ایسا شخص سوائے سودائی کے اور کون ہو سکتا ہے۔

یاد رکھو کہ قول بغیر فعل کے کچھ چیز نہیں اور یہ آیت کہ قُلْ کَفٰی بِاللّٰہِ شَھِیْدًا بَیْنِیْ وَبَیْنَکُمْ وَمَنْ عِنْدَہٗ عِلْمُ الْکِتٰبِ [2] (پ ۱۳) اس میں ایک عجیب نکتہ ہے یعنی اگر خدا میری گواہی دیتا ہے تو مانو ورنہ نہ مانو۔

اسی طرح براہین احمدیہ میں وہ الہام درج ہے جو خدا تعالیٰ نے مجھے کیا تھا اور وہ یہ ہے کہ قُلْ عِنْدِیْ شَھَادَۃٌ مِّنَ اللّٰہِ فَھَلْ اَنْتُمْ مُّؤْمِنُوْنَ۔ قُلْ عِنْدِیْ شَھَادَۃٌ مِّنَ اللّٰہِ فَھَلْ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ۔

یعنی ان کو کہدے کہ میرے پاس میری سچائی پر خدا تعالیٰ کی گواہی ہے پس کیا تم خدا تعالیٰ کی گواہی قبول کرتے ہو یا نہیں۔

[1] البینۃ : ۸ [2] الرعد : ۴۴

خدا تعالیٰ کی شہادت

دیکھو براہین احمدیہ میں یہ سلسلہ الہی شروع ہی ہوا تھا کہ ساتھ اس کے خدا تعالیٰ کی شہادت بھی موجود ہو گئی۔ سارے انبیاء اولیاء کا اسی پر اتفاق ہے کہ بغیر کسی شہادت کے دعویٰ کرنا جنون ہے

سائیں صاحب نے کہا کہ میں تو آپ کو مسیح اور مہدی مانتا ہوں اور دوسرے لوگوں کے پیچھے نماز بھی نہیں پڑھتا ہوں۔ یہ احمدی لوگ میرے پیچھے نماز نہیں پڑھتے۔ اس کی بابت کیا حکم ہے؟

حضرت اقدس نے فرمایا :-

اگر توبہ کر لو اور زبان بند رکھو اور قال اللہ اور قال الرسول کے برخلاف کوئی بات نہ کہو تو پھر یہ نماز پڑھ سکتے ہیں۔ بغیر دلائل قویہ اور براہین قاطعہ کے دعویٰ کرنا ایسا ہی ہے جیسے اپنے آپ کو آگ میں ڈالنا۔ یہ کہنا کہ میں فلاں نبی ہوں یا فلاں رسول سے افضل ہوں یہ کفر کے کلمات ہیں۔ دل پر تو کسی کی حکومت نہیں۔ زبان سے ہی انسان کافر ہو جاتا ہے۔ دنیا میں زبان سے ہی سب کام چلتے ہیں۔

زبان کو قابو میں رکھو

دیکھو عورت اور مرد کا آپس میں نکاح ہوتا ہے تو صرف زبان سے ہی اقرار لیا جاتا ہے اور صرف اتنا کہنے سے کہ میں تجھے طلاق دیتا ہوں ان کا یہ سب رشتہ ٹوٹ جاتا ہے۔ ایسے ایسے دعوے کرنے ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبروں کی تکذیب کرنا ہے۔ اگر خدا کا خوف ہو تو پھر انسان ایسا نہیں کرتا اگر آپ زبان کو بند رکھیں تو بہتر ورنہ یاد رکھو اس کا نتیجہ تمہارے حق میں اچھا نہیں ہوگا ؎

ہر چہ دانا کند کند ناداں
لیک بعد از کمال رُسوائی

سائیں صاحب نے کہا تو کیا میں یہ سب باتیں جھوٹ کہتا ہوں؟

حضرت اقدس نے فرمایا :-

میں اس کی نسبت کچھ نہیں کہہ سکتا۔ خدا جانے سچ کہتے ہو یا جھوٹ کہتے ہو۔

سائیں صاحب بولے۔ توں مسیح ہیں۔ خلقت دا بادشاہ ہیں۔ اچھا میرے واسطے دُعا کر۔

حضرت اقدس نے فرمایا:۔

ہاں دُعا کروں گا

(الحکم جلد ۱۱ نمبر ۴۱ صفحہ ۱۲-۱۳ مورخہ ۱۷ نومبر ۱۹۰۷ء)

بلا تاریخ

(زیرعنوان المفتی)

عقیقہ کے واسطے کتنے بکرے مطلوب ہیں

ایک صاحب کا حضرت اقدس کی خدمت میں سوال پیش ہوا کہ اگر کسی کے گھر میں لڑکا پیدا ہو تو کیا یہ جائز ہے کہ وہ عقیقہ پر صرف ایک ہی بکرا ذبح کرے؟

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جواب میں فرمایا کہ

عقیقہ میں لڑکے کے واسطے دو بکرے ہی ضروری ہیں۔ لیکن یہ اس کے واسطے ہے جو صاحب مقدرت ہے۔ اگر کوئی شخص دو بکروں کے خریدنے کی طاقت نہیں رکھتا اور ایک خرید سکتا ہے تو اس کے واسطے جائز ہے کہ ایک ہی ذبح کرے اور اگر ایسا ہی غریب ہو کہ وہ ایک بھی قربانی نہیں کرسکتا تو اس پر فرض نہیں کہ خواہ مخواہ قربانی کرے۔ مسکین کو معاف ہے۔

تراویح

ایک شخص نے سوال کیا کہ ماہ رمضان میں نماز تراویح آٹھ رکعت باجماعت قبل خفتن مسجد میں پڑھنی چاہئیے یا کہ پچھلی رات کو اُٹھ کر اکیلے گھر میں پڑھنی چاہئیے؟

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ

نماز تراویح کوئی جُدا نماز نہیں۔ دراصل نماز تہجد کی آٹھ رکعت کو اوّل وقت میں پڑھنے کا نام

تراویح ہے۔ اور یہ ہر دو صورتیں جائز ہیں جو سوال میں بیان کی گئی ہیں۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے ہر دو طرح پڑھی ہے۔ لیکن اکثر عمل آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا اس پر تھا کہ آپ پچھلی رات کو گھر میں اکیلے یہ نماز پڑھتے تھے۔

(بدر جلد ۶ نمبر ۵۲ صفحہ ۲ مورخہ ۲۶ دسمبر ۱۹۰۷ء)

بلا تاریخ

القول الطیّب

(منقول از رسالہ تشحیذ الاذہان بابت دسمبر ۱۹۰۷ء)

وحی الٰہی

فرمایا کہ

وحی الٰہی کا یہ قاعدہ ہے کہ بعض دنوں میں تو بڑے زور سے بار بار الہام پر الہام ہوتے ہیں اور الہاموں کا ایک سلسلہ بندھ جاتا ہے اور بعض دنوں میں ایسی خاموشی ہوتی ہے کہ معلوم نہیں ہوتا کہ اس قدر خاموشی کیوں ہے اور نادان لوگ اعتراض کرتے ہیں کہ اب خدا تعالیٰ نے ان سے کلام کرنا ہی چھوڑ دیا ہے۔ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم پر بھی ایک زمانہ ایسا ہی آیا تھا کہ لوگوں نے سمجھا کہ اب وحی بند ہو گئی۔ چنانچہ کافروں نے ہنسی شروع کی کہ اب خدا نعوذ باللہ ہمارے رسول کریم (صلے اللہ علیہ وسلم) سے ناراض ہو گیا ہے اور اب وہ کلام نہیں کرے گا۔ لیکن خدا تعالیٰ نے اس کا جواب قرآن شریف میں اس طرح دیا ہے کہ وَالضُّحٰی ۔ وَالَّیْلِ اِذَا سَجٰی ۔ مَا وَدَّعَکَ رَبُّکَ وَمَا قَلٰی[1] ۔ یعنی قسم ہے دھوپ چڑھنے کے وقت کی۔ اور رات کی۔ نہ تو تیرے رب نے تجھ کو چھوڑ دیا اور نہ تجھ سے ناراض ہوا۔ اس کا یہ مطلب ہے کہ جیسے دن چڑھتا ہے۔ اور اس کے بعد رات خود بخود آجاتی ہے۔ اور پھر اس کے بعد دن کی روشنی نمودار ہوتی ہے اور اس میں خدا تعالیٰ کی خوشی یا ناراضگی کی کوئی بات نہیں یعنی دن چڑھنے

[1] الضحیٰ : ۲ تا ۴

سے یہ معلوم نہیں ہوتا کہ خدا تعالیٰ اس وقت اپنے بندوں پر خوش ہے اور نہ رات پڑنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت خدا تعالےٰ اپنے بندوں پر ناراض ہے۔ بلکہ اس اختلاف کو دیکھ کر ہر ایک عقلمند خوب سمجھ سکتا ہے کہ یہ خدا تعالیٰ کے مقرر کردہ قوانین کے مطابق ہو رہا ہے۔ اور یہ اس کی سُنّت ہے کہ دن کے بعد رات اور رات کے بعد دن ہوتا ہے۔ پس اس سلسلہ کو دیکھ کر یہ اندازہ لگانا کہ اس وقت خدا تعالےٰ خوش ہے اور اس وقت ناراض ہے غلط ہے۔

اسی طرح سے آجکل جو وحی الٰہی کا سلسلہ کسی قدر بند رہا ہے تو اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ خدا تعالےٰ مجھ سے ناراض ہو گیا ہے یا یہ کہ اس نے مجھے چھوڑ دیا ہے۔ بلکہ یہ اس کی سنّت ہے کہ کچھ مدت تک وحی الٰہی بڑے زور سے اور پے در پے ہوتی ہے اور کچھ دنوں تک اس کا سلسلہ بند رہتا ہے اور پھر شروع ہو جاتا ہے اور اس کی بھی وہی مثال ہے جو دن اور رات کے آگے پیچھے آنے کی ہے۔

(بدر جلد ۶ نمبر ۵۲ صفحہ ۲ مورخہ ۲۶؍ دسمبر ۱۹۰۷ء)

۲۴؍ دسمبر ۱۹۰۷ء

(صبح بوقت سیر)

آریوں کے ساتھ ہماری صلح کس طرح ہو سکتی ہے

فرمایا:۔

سچا مسلمان تو وہ ہے جو اپنے دل میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایسی محبت رکھتا ہے کہ اگر کوئی آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی ہتک میں ایک لفظ بھی بولے یا اشارہ بھی کرے تو وہ مرنے مارنے پر تیار ہو جاتا ہے۔ ہم نے آریوں کے اخباروں میں ایسے مضامین پڑھ کر کہ وہ مسلمانوں سے صلح چاہتے ہیں صلح کی ایک تجویز اپنے مضمون میں پیش کی تھی مگر افسوس ہے کہ انہوں نے قدر نہ کی۔

نوٹ از ایڈیٹر صاحب "بدر" :- حضرت اقدس نے آریوں کی بدزبانی کو دیکھ کر پہلے ہی ایک مضمون میں فرمایا تھا کہ ان لوگوں کے ساتھ ہماری صُلح کس طرح ہو سکتی ہے چنانچہ وہ الفاظ کتاب " قادیان کے آریہ اور ہم " میں اس طرح چھپے تھے۔

" ہماری شریعت صُلح کا پیغام ان کو (آریوں کو) دیتی ہے اور ان کے ناپاک اعتقاد جنگ کی تحریک کر کے ہماری طرف تیر چلا رہے ہیں۔ ہم کہتے ہیں کہ ہندوؤں کے بزرگوں کو مکار اور جھوٹا مت کہو۔ مگر یہ کہو کہ ہزارہا برسوں کے گذرنے کے بعد یہ لوگ اصل مذہب کو بھول گئے۔ مگر بمقابل ہمارے یہ ناپاک طبع لوگ ہمارے برگزیدہ نبیوں کو گندی گالیاں دیتے ہیں اور ان کو مفتری اور جھوٹا سمجھتے ہیں۔ کیا کوئی توقع کر سکتا ہے کہ ایسے بندوں سے صُلح ہو سکے؟ ان لوگوں سے بہتر سناتن دھرم کے اکثر نیک اخلاق لوگ ہیں جو ہر ایک نبی کو عزت کی نگاہ سے دیکھتے اور فروتنی سے سر جھکاتے ہیں۔ میری دانست میں اگر جنگلوں کے درندے اور بھیڑیئے ہم سے صُلح کر لیں اور شرارت چھوڑ دیں تو یہ ممکن ہے مگر یہ خیال کرنا کہ ایسے اعتقاد کے لوگ کبھی دل کی صفائی سے اہلِ اسلام سے صلح کریں گے سراسر باطل ہے۔ بلکہ ان کا ان عقیدوں کے ساتھ مسلمانوں سے سچی صلح کرنا ہزاروں محالوں سے بڑھ کر محال ہے۔ کیا کوئی سچا مسلمان برداشت کر سکتا ہے جو اپنے پاک اور بزرگ نبیوں کی نسبت ان گالیوں کو سُنے اور پھر صلح کرے۔ ہرگز نہیں۔ پس ان لوگوں کے ساتھ صلح کرنا ایسا ہی مُضر ہے جیسا کہ کاٹنے والے زہریلے سانپ کو اپنی آستین میں رکھ لینا۔ یہ قوم سخت سیاہ دل قوم ہے جو تمام پیغمبروں کو جو دنیا میں بڑی بڑی اصلاحیں کر گئے مفتری اور کذّاب سمجھتے ہیں۔ نہ حضرت موسیٰؑ ان کی زبان سے بچ سکے نہ حضرت عیسیٰؑ اور نہ ہمارے سیّد و مولا جناب خاتم الانبیاء صلے اللہ علیہ وسلم جنہوں نے سب سے زیادہ دنیا میں اصلاح کی۔ جن کے زندہ کئے ہوئے مُردے ابتک زندہ ہیں"

اس کے بعد جبکہ اخباروں میں بہت شور مچا کہ ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیان صلح ہونی چاہیئے تب حضرت صاحب نے لیکچر لاہور میں صلح کی ایک تجویز پیش کی جس کے الفاظ یہ تھے:۔

"ہم اس بات کا اعلان کرنا اور اپنے اس اقرار کو تمام دنیا میں شائع کرنا اپنا ایک سعادت سمجھتے ہیں کہ حضرت موسٰی علیہ السلام اور حضرت عیسٰی علیہ السلام اور دُوسرے نبی سب کے سب پاک اور بزرگ اور خدا کے برگزیدہ تھے۔ ایسا ہی خدا نے جن بزرگوں کے ذریعہ سے پاک ہدایتیں آریہ ورت میں نازل کیں اور نیز بعد میں آنے والے جو آریوں کے مقدس بزرگ تھے جیسا کہ راجہ رامچندر اور کرشن۔ یہ سب کے سب مقدس لوگ تھے اور ان میں سے تھے جن پر خدا کا فضل ہوتا ہے۔

دیکھو یہ کیسی پیاری تعلیم ہے جو دنیا میں صلح کی بنیاد ڈالتی ہے اور تمام قوموں کو ایک قوم کی طرح بنانا چاہتی ہے یعنی یہ کہ دوسری قوموں کے بزرگوں کو عزت سے یاد کرو۔ اور اس بات کو کون نہیں جانتا کہ سخت دشمنی کی جڑ ان نبیوں اور رسولوں کی تحقیر ہے جن کو ہر ایک قوم کے کروڑہا انسانوں نے قبول کر لیا۔ ایک شخص جو کسی کے باپ کو گندی گالیاں دیتا ہے اور پھر چاہتا ہے کہ اس کا بیٹا اس سے خوش ہو۔ یہ کیونکر ہو سکتا ہے؟

غرض ہم اس اصول کو ہاتھ میں لے کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے ہیں کہ آپ گواہ رہیں جو ہم نے مذکورہ بالا طریق کے ساتھ آپ کے بزرگوں کو مان لیا ہے کہ وہ خدا کی طرف سے تھے اور آپ کی صلح پسند طبیعت سے ہم امیدوار ہیں کہ آپ بھی ایسا ہی مان لیں یعنی صرف یہ اقرار کر لیں کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم خدا تعالےٰ کے سچے رسُول اور صادق ہیں۔

جس دلیل کو ہم نے آپ کی خدمت میں پیش کیا ہے وہ نہایت روشن اور کھُلی کھُلی دلیل ہے۔ اور اگر اس طریق سے صُلح نہ ہو تو آپ یاد رکھیں کہ کبھی صُلح

نہ ہوگی بلکہ روز بروز کینے بڑھتے جاویں گے"

(بدر جلد ۶ نمبر ۵۲ صفحہ ۴ و ۵ مورخہ ۲۶ دسمبر ۱۹۰۶ء)

بلا تاریخ[1]

القول الطیّب
ایک خط کا جواب

ایک صاحب نے حضرت اقدس کی خدمت میں خط لکھا جس کا خلاصہ یہ تھا کہ نماز کس طرح پڑھنی چاہیئے؟ اور تراویح کے متعلق کیا حکم ہے اور سفر میں نماز کا کیا حکم ہے؟ اور کچھ اپنے ذاتی معاملات کے متعلق دُعا کرائی تھی۔ اس کے جواب میں حضرت نے تحریر فرمایا:-

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ نماز وہی ہے جو پڑھی جاتی ہے۔ صرف تضرع اور انکسار سے نماز ادا کرنی چاہیئے اور دین و دنیا کے لئے نماز میں بہت دعا کرنی چاہیئے خواہ اپنی زبان میں دعا کر لیں۔

اور تمہارے قرضہ کے لئے انشاء اللہ دعا کروں گا۔ یاد دلاتے رہیں۔ لڑکے کے لئے بھی دعا کروں گا۔

سفر میں دوگانہ سُنّت ہے۔ تراویح بھی سُنّت ہے پڑھا کریں اور کبھی گھر میں تنہائی میں پڑھ لیں کیونکہ تراویح دراصل تہجّد ہے کوئی نئی نماز نہیں۔ وتر جس طرح پڑھتے ہو۔ بیشک پڑھو۔

عالم آخرت کے اجسام کیسے ہونگے

ایک دوست نے حضرت کی خدمت میں عرض کی کہ عالم آخرت میں کیا یہی اجسام و مکانات

---

[1] حضرت اقدس کے یہ ارشادات دسمبر ۱۹۰۶ء کی کسی تاریخ کے معلوم ہوتے ہیں واللہ اعلم بالصواب (مرتب)

وغیرہ جو یہاں ہیں ہوں گے یا اور؟

حضرت نے فرمایا کہ

خدا تعالیٰ نے جو کچھ مجھے قرآن شریف کا علم دیا ہے وہ یہی ہے کہ وہ عالم اس عالم سے بالکل علیحدہ ہے۔ ما لا عین رأت و لا اذن سمعت و لا خطر علےٰ قلب بشر۔ ہمارا اعتقاد یہی ہے کہ وہ دوسرا عالم بالکل اس عالم سے الگ ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن شریف میں فرمایا ہے (اور جیسا کہ حدیث میں آیا ہے کہ[1]) بہشت کی تمام چیزیں ایسی ہوں گی کہ نہ کسی آنکھ نے دیکھیں اور نہ کسی کان نے سُنیں اور نہ کسی دل میں گذریں بلکہ حشر اجساد میں بھی یہی ہمارا مذہب ہے کہ وہ عالم بھی ایک دوسرا عالم ہے۔ اجسام ہوں گے مگر وہ نورانی اجسام ہوں گے نہ یہ تاریک اور زوال پذیر اجسام۔ اس جگہ کی حویلیاں اور مکانات جو اینٹ پتھر کی ہیں بہشت میں نہیں جائیں گی۔ واللہ اعلم۔

(بدر جلد ۶ نمبر ۵۲ صفحہ ۶ مورخہ ۲۶ دسمبر ۱۹۰۷ء)

---

۲۷ دسمبر ۱۹۰۷ء (بروز جمعہ)

جلسہ سالانہ پر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تقریر دلپذیر

خدا کا شکر

دیکھو اوّل اللہ جلّشانہ کا شکر ہے کہ آپ صاحبوں کے دلوں کو اس نے ہدایت دی۔ اور باوجود اس بات کے کہ ہزاروں مولوی ہندوستان اور پنجاب کے تکذیب میں لگے رہے۔ اور ہمیں دجّال اور کافر کہتے رہے آپ کو ہمارے سلسلہ میں داخل ہونے کا موقع دیا۔

---

[1] حاشیہ بریکٹوں کے اندر والا فقرہ غالباً کاتب کی غلطی کی وجہ سے رہ گیا معلوم ہوتا ہے کیونکہ اگلی عبارت حدیث کا ترجمہ ہے (مرتب)

خدا کا معجزہ

یہ بھی اللہ جلّ شانہٗ کا بڑا معجزہ ہے کہ باوجود اس قدر تکذیب اور تکفیر کے اور ہمارے مخالفوں کی دن رات کی سر توڑ کوششوں کے یہ جماعت بڑھتی جاتی ہے۔ میرے خیال میں اس وقت ہماری جماعت چار لاکھ سے بھی زیادہ ہوگی اور یہ بڑا معجزہ ہے کہ ہمارے مخالف دن رات کوشش کر رہے ہیں اور جانکاہی سے طرح طرح کے منصوبے سوچ رہے ہیں اور سلسلہ کو بند کرنے کے لئے پورا زور لگا رہے ہیں مگر خدا ہماری جماعت کو بڑھاتا جاتا ہے۔[1]

خدا کی حکمت

جانتے ہو کہ اس میں کیا حکمت ہے؟ حکمت اس میں یہ ہے کہ اللہ جلّ شانہٗ جس کو مبعوث کرتا ہے اور جو واقعی طور پر خدا کی طرف سے ہوتا ہے وہ روز بروز ترقی کرتا اور بڑھتا ہے اور اس کا سلسلہ دن بدن رونق پکڑتا جاتا ہے اور اس کے روکنے والا دن بدن تباہ اور ذلیل ہوتا جاتا ہے اور اس کے مخالف اور مکذّب آخرکار بڑی حسرت سے مرتے ہیں۔[2]

مخالفین کی تباہی

جیسا کہ تم دیکھتے ہو کہ ہماری مخالفت کرنے والے اور ہمارے سلسلہ کو روکنے والے بیسیوں مرچکے ہیں۔

خدا تعالیٰ کے ارادہ کو جو درحقیقت اس کی طرف سے ہے کوئی بھی روک نہیں سکتا۔ اور خواہ کوئی کتنی ہی کوششیں کرے اور ہزاروں منصوبے سوچے مگر جس سلسلہ کو خدا شروع کرتا ہے اور جس کو وہ بڑھانا چاہتا ہے اس کو کوئی نہیں روک سکتا کیونکہ اگر ان کی کوششوں سے وہ سلسلہ رُک جائے تو ماننا پڑے گا کہ روکنے والا خدا پر غالب آگیا۔ حالانکہ خدا پر کوئی غالب نہیں آسکتا۔

---

[1] بدر سے :۔ " اور مخالف اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے "

(بدر جلد ۷ نمبر ۱ صفحہ ۴ مورخہ ۹ جنوری ۱۹۰۸ء)

[2] بدر سے :۔ " ان کی طاقتیں سلب ہوجاتی ہیں کوششیں رائگاں جاتی ہیں " (بدر حوالہ مذکور)

پھر ایک یہ معجزہ ہے کہ ان لوگوں کی بابت جو ہزاروں لاکھوں ہمارے پاس آتے رہتے ہیں اللہ جلّ شانہٗ نے براہین احمدیہ میں پہلے ہی سے خبر دے رکھی تھی۔ اور یہ وہ کتاب ہے جو عرب فارس انگلستان اور دیگر ممالک میں ۲۵ برس کا عرصہ گذرا شائع ہو چکی ہے۔ اس میں بہت سے اسی زمانہ کے الہام بھی درج ہیں۔

۲۵ برس پہلے کی اقتداری پیشگوئی

اور یہ ایک ایسی بدیہی بات ہے جس سے کوئی یہودی، عیسائی، مسلمان، برہمو، آریہ انکار نہیں کر سکتا۔ اور اس کتاب کا ہمارے اشد العداوت یعنی مولوی محمد حسین صاحب نے اسی زمانہ میں ریویو بھی لکھا تھا[۱] اور اسی کتاب براہین احمدیہ میں آنے والی مخلوق کی صاف طور پر پیشگوئی درج ہے۔ اور یہ کوئی معمولی پیشگوئی نہیں بلکہ عظیم الشان پیشگوئی ہے اور وہ یہ ہے۔

الہامات الٰہیہ

یأتیك من كل فجٍّ عمیق۔ یأتون من كل فجٍّ عمیق۔ ینصرك اللّٰه من عنده۔ یرفع اللّٰه ذكرك۔ ویتم نعمته علیك فی الدنیا والآخرة ص۲۴۱ اذا جاء نصر اللّٰه والفتح وانتهٰی امر الزمان الینا الیس هٰذا بالحق ص۲۴۰ وما كان اللّٰه لیتركك حتّٰی یمیز الخبیث من الطیّب ص۴۹۱ فحان ان تعان وتُعرف بین الناس ص۴۸۹ انّی ناصرك۔ اِنّی احافظك۔ انّی جاعلك للنّاس اماما ص۴۹۰

یہ اس کی عبارت ہے اور اس کا مطلب یہ ہے کہ اگرچہ اس وقت تو اکیلا ہے مگر وہ زمانہ تجھ پر آنے والا ہے کہ تو تنہا نہیں رہے گا۔ فوج در فوج لوگ دور دراز ملکوں سے تیرے پاس آئیں گے

---

[۱] مبدر ہے۔ "اس کو بھی علم ہے کہ جب وہ آتا تو مجھے اکیلا پاتا"

(بدر جلد ۷ نمبر ۱ صفحہ ۴ مورخہ ۹ جنوری ۱۹۰۸ء)

مخلوق کا آنا اور انتظام مہماناں

اور آپ جانتے ہیں کہ جب اس قدر مخلوق آئے گی تو آخر اُن کے کھانے کے واسطے بھی انتظام چاہیئے اس لئے فرمایا یأتیك من کل فجٍ عمیق لینی وہ لوگ تحفے تحائف اور ہزاروں روپے تیرے لئے لے کر آویں گے۔ پھر خدا فرماتا ہے۔ ولا تصعّر لخلق اللہ ولا تسئم من النّاس صـ۲۴۱ یعنی کثرت سے مخلوق تیرے پاس آئے گی۔ اس کثرت کو دیکھ کر گھبرا نہ جانا اور ان کے ساتھ کج خلقی سے پیش نہ آنا۔

پیشگوئی کے وقت قادیان کی حالت

اس وقت جبکہ یہ الہام براہین احمدیہ میں شائع کئے گئے تھے قادیان ایک غیر معروف قصبہ تھا۔ اور ایک جنگل کی طرح پڑا ہوا تھا۔ کوئی اسے جانتا بھی نہ تھا۔ اور اتنے لوگ جو یہاں بیٹھے ہیں کون کہہ سکتا ہے کہ اس وقت بھی اس کی یہی شہرت تھی۔ بلکہ تم میں سے تقریباً سب کے سب ہی اس گاؤں سے ناواقف تھے۔ اب بتلاؤ کہ خدا کے ارادہ کے بغیر آج سے پچیس چھبیس برس پیشتر اپنی تنہائی اور گمنامی کے زمانہ میں کوئی کس طرح دعویٰ کر سکتا ہے کہ مجھ پر ایک زمانہ آنے والا ہے جبکہ ہزارہا لوگ میرے پاس آئیں گے اور طرح طرح کے تحفے اور تحائف تیرے لئے لاویں گے اور میں دنیا بھر میں عزت کے ساتھ مشہور کیا جاؤں گا۔

خدا کے بغیر کوئی ایسا دعویٰ نہیں کر سکتا

دیکھو جتنے انبیاء آج سے پہلے گذر چکے ہیں ان کے بہت سے معجزات تو نہیں ہوا کرتے تھے بلکہ بعض کے پاس تو صرف ایک ہی معجزہ ہوتا تھا۔ اور جس معجزہ کا میں نے بیان کیا ہے یہ ایک ایسا عظیم الشان معجزہ ہے جو ہر ایک پہلو سے ثابت ہے اور اگر کوئی نرا ہٹ دھرم اور ضدی نہ ہو گیا ہو تو اُسے میرا دعویٰ بہر صورت ماننا پڑتا ہے۔ میری اس تنہائی اور گمنامی کے زمانے کے یہاں کے ہندو بھی گواہ ہیں اور وہ بتا سکتے ہیں کہ میں اس وقت اکیلا تھا اور ارد گرد کے لوگ بھی مجھے نہ جانتے تھے۔ ہاں اگر کوئی ہندو اس سے

عظیم الشان معجزہ

انکار کرے تو اس کو چاہیئے کہ میرے سامنے آکر جھوٹ بولے کہ اس وقت بھی اس طرح سے لوگ آیا کرتے تھے۔

نظیر پیش کرو

اور اگر وہ کہیں کہ یہ اتفاقی بات ہے تو پھر کسی اور جگہ سے اس کی نظیر بتادیں اور دُنیا بھر میں اس کا پتہ دیں کہ ایک شخص ۲۵ برس پہلے گمنامی کی حالت میں ہو اور اس وقت اس نے پیشگوئی کی ہو کہ میرے پاس فوج در فوج لوگ آویں گے اور ہزار ہا روپوں کے مال و متاع اور تحفے تحائف لے کر آویں گے اور میں خدا تعالیٰ کی طرف سے ہر طرح سے مدد دیا جاؤں گا اور پھر اس طرح سے وہ پیشگوئی پُوری بھی ہو گئی ہو۔

بہانہ جوئی چھوڑو

اگر یہ دکھا دیویں تو ہم مان لیں گے۔ یُونہی بہانہ جوئیاں تو ہم قبول نہیں کریں گے۔ کیونکہ اس طرح سے تو کسی نبی کا کوئی بھی معجزہ قبول نہیں کیا جا سکتا۔ ان کو چاہیئے کہ کسی کذاب کی نظیر پیش کریں کہ اس نے پچیس برس پہلے اس طرح سے اقتداری پیشگوئی کی ہو اور پھر وہ پُوری بھی ہو گئی ہو۔ اگر یہ ایسا کر دیں تو ہم تیار ہیں کہ انہیں قبول کر لیں۔ اگر کوئی کہے کہ خیر خوابیں آیا ہی کرتی ہیں اور ان میں سے بعض پوری بھی ہوا ہی کرتی ہیں تو اس کا یہ جواب ہے کہ خوابیں تو اکثر چوہڑوں اور چماروں کو بھی آتی ہیں اور ان سب سے پوری ہو جاتی ہیں بلکہ کنچنیاں بھی عموماً کہا کرتی ہیں کہ ہماری فلاں خواب پوری نکلی۔ اور ہمارے گھر میں ایک چُوہڑی تھی جو اکثر اپنی خوابیں سُناتی تھی اور وہ سچی بھی ہوتی تھیں لیکن دیکھنے والی بات یہ ہے کہ ان میں یہ قدرت اور نُصرت کہاں ہوتی ہے۔ اس طرح کی فتح اور مدد، اور دشمنوں کا ادبار اور اپنا اقبال، دشمنوں کی ذلت اور اپنی عزت یہ تو صرف انبیاء کے ہی سپرد ہے۔ دوسرے کا تو اس میں کچھ حصہ ہی نہیں۔ یہ تو خدا تعالیٰ کا فعل ہے یہ خوابیں تو نہیں۔

براہین احمدیہ وہ کتاب ہے کہ جس کے کل مذہبوں والے گواہ ہیں اور ہر ایک ملک میں جس

کی اشاعت ہو چکی ہے اور یہاں کے ہندو بھی جس کے گواہ ہیں۔ مثلاً لالہ ملاوامل اور شرمپت جو اسی قادیان کے رہنے والے ہیں وہ پہچان سکتے ہیں کہ یہی باتیں تھیں جو اس وقت لکھی گئی تھیں۔ اب دیکھ لو کہ کیا معجزات اس سے بڑھ کر ہوتے ہیں۔ یہی تو معجزہ ہے کہ پیشگوئی کے بعد ہندو، آریہ، عیسائی، مسلمان، نیچری، وہابی، اپنے بیگانے سب کے سب ہمارے دشمن ہو گئے تھے اور ایک دنیا ہماری مخالف ہو گئی تھی اور ہم پر طرح طرح کے فتوے لگائے گئے تھے۔ ہمارے تباہ کرنے میں پورے زور لگائے گئے اور ایسی ایسی حد بندیاں کی گئی تھیں کہ جو ہمیں السلام علیکم کہے وہ بھی کافر اور جو خوش خلقی سے پیش آوے وہ بھی کافر۔ اور ہمارے ساتھ وہ وہ باتیں کر لینی روا رکھی گئیں جن کو شریف طبع سُن بھی نہیں سکتے۔ راستوں میں بیٹھ بیٹھ کر لوگوں کو یہاں آنے سے روکا گیا اور طرح طرح کی باتیں پیش کر کے لوگوں کو ورغلایا گیا۔ مگر آخر وہی ہوا جو خدا تعالیٰ نے پہلے ہی سے فرمایا ہوا تھا کہ لاکھوں لوگ تیرے پاس آویں گے اور ہزارہا روپے اور تحفے تحائف[1] لائیں گے

اور پھر عجیب بات یہ ہے کہ ان کی مخالفت اور دشمنی کی بابت بھی خدا تعالیٰ نے پہلے ہی سے اطلاع دی تھی بلکہ اسی کتاب میں ایک یہ الہام بھی درج ہے۔

یعصمک اللہ من عندہ وان لم یعصمک الناس صفحہ ۵۱۰

یعنی اللہ تعالےٰ تیری حفاظت کرے گا اور شریروں کی شرارتوں اور دشمنوں کے منصوبوں سے وہ خود تجھے محفوظ رکھے گا اور اگرچہ لوگ تیری حفاظت اور مدد نہ کریں گے مگر خدا ان سب الزاموں اور بہتانوں سے جو شریر لوگ تجھ پہ لگائیں گے تیرا معصوم ہونا ثابت کر دے گا۔

عظیم الشان پیشگوئی

اب دیکھو یہ کیسی عظیم الشان پیشگوئی ہے جو پُوری ہوئی۔ آخر سچائی کی جستجو کرنیوالے

---

[1] بدر ریہ :۔ "اب خود سوچکر دیکھو کیا یہ کسی انسان کے بس میں ہے کہ تن تنہا اپنی مشکلات پر غالب آئے۔ ہم کسی کو بالجبر نہیں منواتے بلکہ ہر ایک اپنے طور سے غور کر کے یہ بات سمجھے کہ آیا ہم سچ کہتے ہیں یا نہیں۔" (بدر جلد ۔ نمبر ا صفحہ ۔ مورخہ ۹ جنوری ۱۹۰۸ء)

کو ماننا ہی پڑیگا اور جو بے ایمان ہے اس کا ہم کیا کریں۔ کیونکہ جو سچا ہی نہیں اس کا مذہب بھی کچھ نہیں۔ کتنا بڑا معجزہ ہے کہ یہ سب مخالف پورا زور لگالیں اور جو کچھ کر سکیں کریں مگر ہم اپنے وعدوں کو پورا کریں گے۔

لیکھرامی فیصلہ

ایسا ہی ایک پنڈت لیکھرام تھا وہ قادیان میں آیا اور دو ماہ کے قریب یہاں رہا۔ یہاں کے لوگوں نے اُسے بہکایا اور میری مخالفت پر اُسے آمادہ کیا۔ آخر اس نے مباہلہ کے طور پر ایک دعا لکھی اور اس میں میرا نام اور اپنا نام لکھ کر اپنے پرمیشر سے نہایت تضرع اور ابتہال کے ساتھ پرارتھنا کی کہ ہم دونوں میں سے جو جھوٹا ہے پرمیشر اُسے ہلاک کرے اور اس میں یہ بھی لکھا ہے کہ وید سچے، ویدوں کے رشی منی سب سچے اور (نعوذ باللہ) ہمارے نبی کریم جھوٹے اور ہمارا قرآن شریف جھوٹا ہے۔ غرض اسی قسم کی باتیں لکھ کر اس نے اپنے پرمیشر سے فیصلہ چاہا اور بہت دعائیں کیں۔ بہتیرا چلایا اور بہت ناک رگڑی۔ ادھر سے چھ برس کی پیشگوئی کی گئی۔ مگر وہ اپنی شوخی کے سبب سے ۵ برس میں ہی مر گیا اور مرا بھی اسی طرح جس طرح پیشگوئی میں لکھا تھا یعنی عید کے دوسرے دن چھری سے قتل کیا گیا۔

غرض میرے پاس اس قدر نشان ہیں کہ ان کے بیان کرنے کے لئے وقت کافی نہیں میرے پاس تو یہی نشان کافی ہے کہ اتنے آدمی جو یہاں آتے ہیں ان میں سے ہر ایک آدمی ایک ایک نشان ہے اور خدا تعالیٰ نے ان سب کی پہلے سے خبر دے رکھی ہے۔ اور یہ سب نصرتیں اور تائیدیں جو ہمارے شامل حال ہیں اللہ تعالیٰ نے پہلے ہی سے ان کا ہمارے ساتھ وعدہ کر رکھا ہے۔

مُفتری کو مدد نہیں ملتی

لیکن جو جھوٹا اور مفتری علی اللہ ہوتا ہے اس کو خدا کبھی نصرت نہیں دیتا۔ بلکہ اُلٹا ہلاک کرتا ہے۔ لیکن تم لوگ جانتے ہو کہ ہم پر طرح طرح کے جھوٹے الزام لگائے گئے مقدمے

کئے گئے۔ کچہریوں میں ہمیں بدنام اور بے عزت کرنے کی کوششیں کی گئیں۔ قتل کے مقدمے دائر کئے گئے۔ قتل کے مقدمہ میں ڈگلس صاحب ڈپٹی کمشنر گورداسپور نے جس کی پیشی میں یہ مقدمہ تھا پوری طرح سے تحقیقات کرکے آخر مجھے کہا کہ **میں آپ کو مبارکباد دیتا ہوں کہ آپ بَری ہیں**۔ اور اگر آپ چاہیں تو ان پر نالش کرکے سزا دلا سکتے ہیں۔

اب بتلاؤ کہ اگر خدا ہمارے ساتھ نہ ہوتا تو اس قسم کی فتح اور نصرت ہمیں حاصل ہو سکتی تھی؟ اس خون کے مقدمہ میں مولوی محمد حسین نے بھی گواہی دی تھی۔[له] لیکن میں نے پہلے ہی سے کہہ دیا تھا کہ میں بَری کیا جاؤں گا۔ اب بتلاؤ کہ ان مقدموں سے ان لوگوں کو کیا حاصل ہوا۔ بجُز اس کے کہ ایک اَور نشان ظاہر ہو گیا۔

مقدمات کا انجام

یاد رکھو کہ ایک مفتری اور کذاب کا کام کبھی نہیں چلتا اور اس کو خدا تعالیٰ کی طرف سے مدد اور نصرت کبھی نصیب نہیں ہوتی۔ کیونکہ اگر مفتری کا کام بھی اسی طرح سے دن بدن ترقی کرتا جاوے تو پھر اس طرح سے تو خدا کے وجود میں بھی شک پڑ جاوے اور خدا کی خدائی میں اندھیر پڑ جاوے۔ جب سے دُنیا پیدا ہوئی عادت اللہ اسی طرح پر ہے کہ جو سچے ہوتے ہیں خدا تعالیٰ انہیں کی مدد کیا کرتا ہے اور عادت اللہ اسی طرح سے ہے کہ ایک جہان ان کی مخالفت پر کمر بستہ ہو جاتا ہے اور جس طرح سے کوئی مسافر چلتا ہے تو کُتے اس کے ارد گرد جمع ہو کر بھونکتے اور شور مچاتے ہیں اسی طرح سے جو خدا کی طرف سے مامُور ہو کر آتا ہے وہ چونکہ ان لوگوں میں سے نہیں ہوتا اس لئے دوسرے لوگ کُتوں کی طرح اس پر پڑتے ہیں اور مخالفت کا شور مچاتے اور دُکھ

له بدر سے:۔ "ان لوگوں نے جان توڑ کوششیں کیں۔ اگر خدا ہمارے ساتھ نہ ہوتا تو کُچلے جاتے۔ آجکل تین چار گواہ گذار کر پھانسی دلا سکتے ہیں۔ ان لوگوں نے آٹھ گواہ گذارے۔"

(بدر جلد ۷ نمبر ۱ صفحہ ۵ مورخہ ۹ر جنوری ۱۹۰۸ء)

دینے کی کوششیں کرتے ہیں لیکن آخر خدا تعالیٰ ایک نظر میں ان سب کو ہلاک کر دیتا ہے۔

اب یہ بھی سُن لو کہ وہ بڑا ہی خوش قسمت انسان ہے جو اسلام جیسے پاک مذہب میں داخل ہے لیکن صرف زبان سے اسلام اسلام کہنے سے کچھ نہیں بنتا جب تک کہ سچے دل سے انسان اس پر کاربند نہ ہو جاوے۔ اکثر لوگ اس قسم کے بھی ہوتے ہیں جن کی نسبت قرآن شریف میں لکھا ہے واذا لقوا الّذین اٰمنوا قالُوا اٰمنّا واذا خلوا الیٰ شیاطینھم قالوا انّا معکم انّما نحن مستھزءون[1] (پ۱) یعنی جب وہ مسلمانوں کے پاس جاتے ہیں تو کہہ دیتے ہیں کہ ہم مسلمان ہیں اور جب وہ دوسروں کے پاس جاتے ہیں تو کہہ دیتے ہیں کہ ہم تمہارے ساتھ ہیں اور یہ وہ لوگ ہوتے ہیں جن کو قرآن شریف میں منافق کہا گیا ہے۔ اس لئے جب تک کوئی شخص پورے طور پر قرآن مجید پر عمل نہیں کرتا تب تک وہ پُورا پُورا اسلام میں بھی داخل نہیں ہوتا۔

قرآن کریم کے نزول کے وقت زمانہ کی حالت

قرآن مجید ایک ایسی پاک کتاب ہے جو اس وقت دنیا میں آئی تھی جبکہ بڑے بڑے فساد پھیلے ہوئے تھے اور بہت سی اعتقادی اور عملی غلطیاں رائج ہو گئی تھیں اور تقریباً سب کے سب لوگ بداعمالیوں اور بدعقیدگیوں میں گرفتار تھے۔ اسی کی طرف اللہ جلّشانہ قرآن مجید میں اشارہ فرماتا ہے ظھر الفساد فی البرّ والبحر[2] یعنی تمام لوگ کیا اہل کتاب اور کیا دوسرے سب کے سب بدعقیدگیوں میں مبتلا تھے اور دنیا میں فساد عظیم برپا تھا۔ غرض ایسے زمانہ میں خدا تعالیٰ نے تمام عقائد باطلہ کی تردید کے لئے قرآن مجید جیسی کامل کتاب ہماری ہدایت کے لئے بھیجی جس میں کُل مذاہب باطلہ کا ردّ موجود ہے۔

سُورۂ فاتحہ کی فضیلت

اور خاص کر سُورۂ فاتحہ میں جو پنج وقت ہر نماز کی ہر رکعت میں پڑھی جاتی ہے اشارہ کے طور پر کُل عقائد کا ذکر ہے جیسے فرمایا الحمد للّٰہ ربّ العالمین[3] یعنی ساری خوبیاں اس خدا کے لئے سزاوار ہیں جو سارے جہانوں کو پیدا کرنے والا ہے۔ الرحمٰن وہ بغیر اعمال کے پیدا

[1] البقرۃ : ۱۵ [2] الروم : ۴۲ [3] الفاتحۃ : ۲

کرنے والا ہے اور بغیر کسی عمل کے عنایت کرنے والا ہے۔ الرحیم اعمال کا پھل دینے والا مالک یوم الدین[1] جزا سزا کے دن کا مالک۔ ان چار صفتوں میں کُل دنیا کے فرقوں کا بیان کیا گیا ہے۔

آریہ صاحبان

بعض لوگ اس بات سے منکر ہیں کہ خدا ہی تمام جہانوں کا پیدا کرنے والا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ جیو یعنی ارواح اور پرمانو یعنی ذرات خود بخود ہیں اور جیسے پرمیشر آپ ہی آپ چلا آتا ہے ویسے ہی وہ بھی آپ ہی آپ چلے آتے ہیں اور ارواح اور اُن کی کُل طاقتیں، گُن اور خواص جن پر دفتروں کے دفتر لکھے گئے خود بخود ہیں اور باوجود اس کے کہ ان میں قوت اتصال اور قوت انفصال خود بخود پائی جاتی ہے وہ آپس میں میل ملاپ کرنے کے لئے ایک پرمیشر کے محتاج ہیں۔ غرض یہ وہ فرقہ ہے جس کی طرف اللہ تعالیٰ نے ربّ العالمین کہہ کر اشارہ کیا ہے۔[1]

سناتن دھرم والے

دوسرا فرقہ وہ ہے جس کی طرف الرحمٰن کے لفظ میں اشارہ ہے اور یہ فرقہ سناتن دھرم والوں کا ہے۔ گو وہ مانتے ہیں کہ پرمیشر سے ہی سب کچھ نکلا ہے مگر وہ کہتے ہیں کہ خدا کا فضل کوئی چیز نہیں وہ کرموں کا ہی پھل دیتا ہے۔ یہانتک کہ اگر کوئی مرد بنا ہے تو وہ بھی اپنے اعمال سے اور اگر کوئی عورت بنی ہے تو وہ بھی اپنے اعمال سے اور اگر ضروری اشیاء حیوانات نباتات وغیرہ بنے ہیں تو وہ بھی اپنے اپنے کرموں کی وجہ سے[2]۔ الغرض یہ لوگ اللہ تعالےٰ کی صفت رحمٰن سے منکر ہیں۔ وہ خدا جس نے زمین، سُورج، چاند،

---

[1] حاشیہ بدر سے ۔ " اور ان کی تردید بھی کی "

(بدر جلد ۱ نمبر ۱ صفحہ ۵ مورخہ ۹ جنوری ۱۹۰۸ء)

[2] حاشیہ بدر سے ۔ " غرض گدھا۔ بندر۔ بلّا جو کچھ ہوا کرموں سے " (بدر حوالہ مذکور)

[1] الفاتحہ : ۴

ستارے وغیرہ پیدا کئے اور ہوا پیدا کی تاکہ ہم سانس لے سکیں اور ایک دوسرے کی آواز سُن سکیں۔ اور روشنی کے لئے سورج چاند وغیرہ اشیاء پیدا کیں اور اس وقت پیدا کیں۔ جبکہ ابھی سانس لینے والوں کا وجود اور نام و نشان بھی نہ تھا۔ تو کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ یہ سب کچھ ہمارے ہی اعمال کی وجہ سے پیدا کیا گیا ہے۔ کیا کوئی اپنے اعمال کا دم مار سکتا ہے ؟

کرموں کا پھل

کیا کوئی دعویٰ کر سکتا ہے کہ یہ سورج چاند ستارے ہوا وغیرہ میرے اپنے عملوں کا پھل ہے۔ غرض خدا کی صفت رحمانیت اس فرقہ کی تردید کرتی ہے[1] جو خدا کو بلا مبادلہ یعنی بغیر ہماری کسی محنت اور کوشش کے بعض اشیاء کے عنایت کرنے والا نہیں مانتے۔

اس کے بعد خدا تعالےٰ کی صفت الرحیم کا بیان ہے یعنی محنتوں، کوششوں اور اعمال پر ثمرات حسنہ مرتب کرنے والا۔

اعمال کی ضرورت

یہ صفت اس فرقہ کو رد کرتی ہے جو اعمال کو بالکل لغو خیال کرتے ہیں اور کہہ دیتے ہیں کہ میاں نماز کیا روزے کیا۔ اگر غفور رحیم نے اپنا فضل کیا تو بہشت میں جائیں گے نہیں تو جہنم میں۔ اور کبھی کبھی یہ لوگ اس قسم کی باتیں بھی کہہ دیا کرتے ہیں کہ میاں عبادتیں کر کے دلی تو ہم نے تھوڑا ہی بننا ہے۔ کچھ کینا کینا نہ کیتا نہ سہی۔ غرض الرحیم کہہ کر خدا ایسے ہی لوگوں کا رد کرتا ہے اور بتاتا ہے کہ جو محنت کرتا ہے اور خدا کے عشق اور محبت میں محو ہو جاتا ہے۔ وہ دوسروں سے ممتاز اور خدا کا منظور نظر ہو جاتا ہے۔

---

[1] بدر سے :- " یہ لوگ بھُولے ہوئے اور کُفر میں گرفتار ہیں۔

" سچی بات یہی ہے کہ اللہ کا فضل ہے۔ کئی نعمتیں ایسی ہیں جن میں اعمال کا دخل نہیں۔ اور کئی ایسی ہیں جن میں اعمال کا دخل ہے جیسے عابد زاہد بندگی کرتے ہیں اور اس کا اجر ملتا ہے " (بدر جلد ۷ نمبر ا صفحہ ۵ مورخہ ۹ جنوری ۱۹۰۸ء)

مجاہدات کی ضرورت

اور اللہ تعالیٰ ایسے شخص کی خود دستگیری کرتا ہے جیسے فرمایا والذین جاھدوا فینا لنھدینھم سبلنا[1]۔ یعنی جو لوگ ہماری خاطر مجاہدات کرتے ہیں۔ آخر ہم ان کو اپنا راستہ دکھا دیتے ہیں۔ جتنے اولیاء ، انبیاء اور بزرگ لوگ گذرے ہیں انہوں نے خدا کی راہ میں جب بڑے بڑے مجاہدات کئے تو آخر خدا تعالیٰ نے اپنے دروازے ان پر کھول دیئے۔ لیکن وہ لوگ جو خدا تعالیٰ کی اس صفت کو نہیں مانتے۔

نوشتہ تقدیر

عموماً انکا یہی مقولہ ہوتا ہے کہ میاں ہماری کوششوں میں کیا پڑا ہے جو کچھ تقدیر میں پہلے روز سے لکھا ہے وہ تو ہو کر رہے گا۔ ہماری محنتوں کی کوئی ضرورت نہیں جو کچھ ہونا ہے وہ آپ ہی ہو جائے گا۔ اور شاید چوروں اور ڈاکوؤں اور دیگر بدمعاشوں کا اندر ہی اندر یہی مذہب ہوتا ہوگا۔

غرض یہ بات یاد رکھنی چاہیئے کہ خدا تعالیٰ کے فعل دو قسم کے ہوتے ہیں۔ ایک تو وہ ہیں جن میں اعمال کا کوئی دخل نہیں جیسے سورج چاند ہوا وغیرہ جو خدا تعالیٰ نے بغیر ہمارے کسی عمل کے ہمارے وجود میں آنے سے بھی پیشتر اپنی قدرت کاملہ سے تیار کر رکھے ہیں اور اور دوسرے وہ ہیں جن میں اعمال کا دخل ہے اور عابد، زاہد اور پرہیزگار لوگ عبادت کرتے اور پھر اپنا اجر پاتے ہیں۔

رَبّ

اب تین فرقوں کی بابت تو تم سن چکے ہو یعنی ایک فرقہ تو وہ ہے کہ جو اللہ تعالیٰ کو رَبّ نہیں سمجھتا اور ذرہ ذرہ کو اس کا شریک ٹھہراتا ہے اور یہ مانتا ہے کہ ارواح اور ذراتِ عالم کا پیدا کرنا اللہ تعالیٰ کی طاقت سے باہر ہے اور جیسے خود بخود خدا ہے ویسے ہی وہ بھی خود بخود ہیں اس لئے رب العالمین کہہ کر اس فرقہ کی تردید کی گئی ہے۔

رحمٰن | دوسرا فرقہ وہ ہے جو سمجھتا ہے کہ خدا اپنے فضل سے کچھ نہیں دے سکتا

[1] العنکبوت: ۷۰

جو کچھ بھی ہمیں ملا ہے اور ملے گا وہ ہمارے اپنے کرموں کا پھل ہے اور ہوگا۔ اس لئے لفظ رحمٰن کے ساتھ اس کا رد کیا گیا ہے۔

رحیم

اور اس کے بعد الرّحیم کہہ کر اس فرقہ کی تردید کی گئی ہے جو اعمال کو غیر ضروری خیال کرتے ہیں۔

مالك يوم الدّين

اب ان تینوں فرقوں کا بیان کر کے فرمایا مالك يوم الدّين[1] یعنی جزا سزا کے دن کا مالک۔ اور اس سے اس گروہ کی تردید مطلوب ہے جو کہ جزا سزا کا قائل نہیں۔ کیونکہ ایسا ایک فرقہ بھی دُنیا میں موجود ہے جو جزا سزا کا منکر ہے۔ جو لوگ خدا کو رحیم نہیں مانتے ان کو تو بے پروا بھی کہہ سکتے ہیں مگر جو مالك يوم الدين والی صفت کو نہیں مانتے وہ تو خدا تعالےٰ کی ہستی سے بھی منکر ہوتے ہیں اور جب خدا کی ہستی ہی نہیں جانتے تو پھر جزا سزا کس طرح مانیں۔

غرض ان چار صفات کو بیان کر کے خدا تعالےٰ فرماتا ہے کہ اے مسلمانو تم کہو اياك نعبد و اياك نستعين[2] یعنی اے چار صفتوں والے خدا۔ ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور اس کام کے لئے مدد بھی تجھ سے ہی چاہتے ہیں اور یہ جو حدیث شریف میں آیا ہے کہ خدا تعالےٰ کے عرش کو چار فرشتوں نے اُٹھایا ہوا ہے اس کا مطلب بھی یہی ہے کہ اس کی ان چاروں صفات کا ظہور موجود ہے۔ اور اگر یہ چار نہ ہوں یا چاروں میں سے ایک نہ ہو تو پھر خدا کی خدائی میں نقص لازم آتا ہے۔

عرش مخلوق نہیں

اور بعض لوگ ناسمجھی سے عرش کو جو ایک مخلوق چیز مانتے ہیں تو وہ غلطی پر ہیں۔ اُن کو سمجھنا چاہیئے کہ عرش کوئی ایسی چیز نہیں جس کو مخلوق کہہ سکیں۔ وہ تو تقدس اور تنزہ کا ایک

[1] الفاتحہ : ۴ [2] الفاتحہ : ۵

وراء الوراء مقام ہے۔ بعض لوگ خیال کرتے ہیں کہ جیسے ایک بادشاہ تخت پر بیٹھا ہوا ہوتا ہے ویسے ہی خدا بھی عرش پر جلوہ گر ہے۔ جس سے لازم آتا ہے کہ محدود ہے۔ لیکن ان کو یاد رکھنا چاہیئے کہ قرآن مجید میں اس بات کا ذکر تک نہیں کہ عرش ایک تخت کی طرح ہے جس پہ خدا بیٹھا ہے۔ کیونکہ نعوذ باللہ اگر عرش سے مراد ایک تخت لیا جاوے جس پہ خدا بیٹھا ہوا ہے تو پھر ان آیات کا کیا ترجمہ کیا جاوے گا۔ جہاں لکھا ہے کہ خدا ہر ایک چیز پہ محیط ہے اور جہاں تین ہیں وہاں چوتھا اُن کا خدا[1] اور جہاں چار ہیں وہاں پانچواں ان کا خدا[2] اور پھر لکھا ہے۔ نحن اقرب الیہ من حبل الورید[3] ۲۶/۱۶ اور وھو معکم اینما کنتم[4] ۲۷/۱۴۔ غرض اس بات کو اچھی طرح سے یاد رکھنا چاہیئے کہ کلام الٰہی میں استعارات بہت پائے جاتے ہیں۔

عرش ایک وراء الوراء مقام ہے

چنانچہ ایک جگہ دل کو بھی عرش کہا گیا ہے کیونکہ خدا تعالیٰ کی تجلی بھی دل پہ ہوتی ہے اور ایسا ہی عرش اس وراء الوراء مقام کو کہتے ہیں جہاں مخلوق کا نقطہ ختم ہو جاتا ہے۔ اہلِ علم اس بات کو جانتے ہیں کہ ایک تو تشبیہ ہوتی ہے اور ایک تنزیہ ہوتی ہے مثلاً یہ بات کہ جہاں

---

[1] بدر سے:- "جاہل نہیں سمجھتے کہ اگر قرآن میں ایک طرف الرحمٰن علی العرش استوٰی[5] ہے تو دوسری طرف یہ بھی ہے کہ کوئی تین نہیں جس میں چوتھا وہ نہیں اور کوئی پانچ نہیں جس میں چھٹا وہ نہیں اور فرمایا کہ جہاں کہیں تم ہو میں تمہارے ساتھ ہوں" (بدر جلد ۷ نمبر ۱ صفحہ ۵ مورخہ ۹ جنوری ۱۹۰۸ء)

[2] اس سے ظاہر ہے کہ بعض وقت ڈائری نویس حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے اصل الفاظ نہیں لکھتے بلکہ مفہوم اور اپنی سمجھ کے مطابق لکھتے ہیں۔ بدر نے جو لکھا ہے وہ قرآن مجید کی آیت کے مطابق ہے۔ الحکم نے معلوم ہوتا ہے تین کے بعد چار کا ذکر اپنی سمجھ کے مطابق کر دیا ورنہ حضور نے وہی فرمایا ہوگا جو بدر نے ذکر کیا ہے کیونکہ قرآنی آیت کے وہی مطابق ہے۔ (شمس)

[3] قٓ : ۱۷ [4] الحدید : ۵ [5] طٰہٰ : ۶

کہیں تم ہو وہ تمہارے ساتھ ہے اور جہاں پانچ ہوں وہاں چھٹا ان کا خدا ہوتا ہے۔ یہ ایک قسم کی تشبیہہ ہے جس سے دھوکا لگتا ہے کہ کیا خدا پھر محدود ہے۔ اس لئے اس دھوکا کے دُور کرنے کے لئے بطور جواب کے کہا گیا ہے کہ وہ تو عرش پر ہے جہاں مخلوقات کا دائرہ ختم ہو جاتا ہے اور وہ کوئی اس قسم کا تخت نہیں ہے جو سونے چاندی وغیرہ کا بنا ہوا ہو اور اس پر جواہرات وغیرہ جڑے ہوئے ہوں بلکہ وہ تو ایک اعلیٰ ارفع اور وراء الوراء مقام ہے اور اس قسم کے استعارات قرآن مجید میں بکثرت پائے جاتے ہیں جیسے فرمایا اللہ تعالیٰ نے من کان فی ھٰذہٖ اعمٰی فھو فی الاٰخرۃ اعمٰی و اضلّ سبیلاً [1]

رُوحانی اندھے

ظاہراً تو اس کے معنے یہی ہیں کہ جو اس جگہ اندھے ہیں وہ آخرت کو بھی اندھے ہی رہیں گے مگر یہ معنے کون قبول کرے گا جبکہ دوسری جگہ صاف طور پر لکھا ہے کہ خواہ کوئی سوجاکھا ہو خواہ اندھا جو ایمان اور اعمال صالحہ کے ساتھ جاوے گا وہ تو بینا ہو گا لیکن جو اس جگہ ایمانی روشنی سے بے نصیب رہے گا اور خدا کی معرفت حاصل نہیں کرے گا وہ آخر کو بھی اندھا ہی رہے گا۔

دنیا مزرعہ آخرت ہے

کیونکہ یہ دُنیا مزرعہ آخرت ہے جو کچھ کوئی یہاں بوئے گا وہی کاٹے گا اور جو اس جگہ سے بینائی لے جائے گا وہی بینا ہو گا۔

پھر اس کے آگے خدا تعالیٰ نے ایک دُعا سکھلائی ہے کہ اھدنا الصراط المستقیم صراط الذین انعمت علیھم [2] یعنی اے خدا کہ تو رب العالمین۔ رحمٰن۔ رحیم اور مالک یوم الدین ہے ہمیں وہ راہ دکھا جو ان لوگوں کی راہ ہے جن پر تیرا بے انتہا فضل ہوا۔ اور تیرے بڑے بڑے انعام اکرام ہوئے۔

مومن کا فرض

مومن کو چاہیئے کہ ان چار صفات والے خدا کا صرف زبانی اقرار ہی نہ کرے بلکہ اپنی

[1] بنی اسرائیل : ۷۳ [2] الفاتحہ : ۶

ایسی حالت بنا دے جس سے معلوم ہو کہ وہ صرف خدا کو ہی اپنا رب جانتا ہے۔ زید عمرو کو نہیں جانتا اور اس بات پر یقین رکھے کہ درحقیقت خدا ہی ایسا ہے جو عملوں کی جزا سزا دیتا ہے[1] اور پوشیدہ سے پوشیدہ اور نہاں در نہاں گناہوں کو جانتا ہے۔ یاد رکھو کہ صرف زبانی باتوں سے کچھ نہیں ہوتا۔ جب تک عملی حالت درست نہ ہو۔ جو شخص حقیقی طور پر خدا کو ہی اپنا رب اور مالک یوم الدین سمجھتا ہے ممکن ہی نہیں کہ وہ چوری بدکاری قمار بازی یا دیگر افعال شنیعہ کا مرتکب ہو سکے۔ کیونکہ وہ جانتا ہے کہ یہ سب چیزیں ہلاک کر دینے والی ہیں اور ان پر عملدرآمد کرنا خدا تعالےٰ کے حکم کی صریح نافرمانی ہے۔

عملی حالت

غرض انسان جب تک عملی طور پر ثابت نہ کر دیوے کہ وہ حقیقت میں خدا پر سچا اور پکا ایمان رکھتا ہے تب تک وہ فیوض اور برکات حاصل نہیں ہو سکتے جو مقربوں کو ملا کرتے ہیں۔ وہ فیوض جو مقربان الٰہی اور اہل اللہ پر ہوتے ہیں وہ صرف اسی واسطے ہوتے ہیں کہ ان کی ایمانی اور عملی حالتیں نہایت اعلیٰ درجہ کی ہوتی ہیں اور انہوں نے خدا تعالےٰ کو ہر ایک چیز پر مقدم کیا ہوا ہوتا ہے۔

زبانی باتیں کچھ چیز نہیں

سمجھنا چاہیئے کہ اسلام صرف اتنی بات کا ہی نام نہیں ہے کہ انسان زبانی طور پر درد وظائف اور ذکر اذکار کرتا رہے بلکہ عملی طور پر اپنے آپ کو اس حد تک پہنچانا چاہیئے کہ خدا تعالےٰ کی طرف سے تائید اور نصرت شامل حال ہونے لگے اور انعام و اکرام وارد ہوں۔ جس قدر انبیاء اولیاء گذرے ہیں ان کی عملی حالتیں نہایت پاک صاف تھیں اور ان کی راستبازی اور دیانتداری اعلیٰ پایہ کی تھی اور یہی نہیں کہ جیسے یہ لوگ احکام الٰہی بجالاتے ہیں اور روزے رکھتے اور زکوٰتیں ادا کرتے ہیں۔ اور نمازوں میں رکوع سجود کرتے اور سورہ فاتحہ پڑھتے ہیں وہ بھی پڑھتے تھے اور احکام الٰہی بجالاتے

---

[1] الحکم جلد ۱۲ نمبر ۱ صفحہ ۴ تا ۶ مورخہ ۲ جنوری ۱۹۰۸ء

تھے بلکہ ان کی نظر میں توسب کچھ مُردہ معلوم ہوتا تھا اور ان کے وجودوں پر ایک قسم کی موت طاری ہوگئی تھی۔ ان کی آنکھوں کے سامنے تو ایک خدا کا وجود ہی رہ گیا تھا۔ اسی کو وہ اپنا کارساز اور حقیقی رب یقین کرتے تھے۔ اسی سے ان کا حقیقی تعلق تھا اور اسی کے عشق میں وہ ہر وقت محو اور گداز رہتے تھے۔

خدا کی نصرت

جب ایسی حالت ہو تو قدیم سے یہ سنّت اللہ ہے کہ ایسے شخص کی خدا تعالیٰ تائید اور نصرت کرتا ہے اور غیبی طور پر اسے مدد دیتا ہے اور ہر ایک میدان میں اُسے فتح نصیب کرتا ہے۔ دیکھو مذہب اسلام میں ہزاروں اولیاء گذرے ہیں۔ ہر ایک ملک میں ایسے چار پانچ لوگ تو ضرور ہی ہوتے ہیں[1] جن کو اس وقت تک لوگ بڑی عزت سے یاد کرتے ہیں اور ان کے مجاہدات اور کرامات کا عجیب عجیب طرح سے تذکرہ کرتے ہیں اور دہلی کا تو ایک بڑا میدان اسی قسم کے بزرگوں سے بھرا پڑا ہے۔

غرض سوچنا چاہیئے کہ اگر انسان ایک ڈاکو اور چور سے دلی محبت رکھے تو اگر وہ چور زیادہ احسان نہ کرے گا تو اتنا تو ضرور کرے گا کہ اس کی چوری نہ کرے گا۔ تو اب سمجھنا چاہیئے کہ جب محبت کرنے سے چوروں اور ڈاکوؤں سے بھی فائدہ پہنچ سکتا ہے تو کیا خدا سے فائدہ نہیں ہوتا؟ ہوتا ہے اور ضرور ہوتا ہے کیونکہ خدا تو بڑا رحیم کریم اور بڑے فضلوں اور احسانوں والا ہے۔ جو لوگ کرموں۔ اواگون اور جُونوں کی راہ لئے بیٹھے ہیں میرا یقین ہے کہ ان کو اس راہ کا خیال تک بھی نہیں۔

---

[1] بدر میں ہے:۔

"دار الکفر والشرک میں بھی کم ایسی جگہ ہیں جہاں دو چار قبریں ایسے بزرگوں کی نہ ہوں جو ولی اللہ کہلائے"

(بدر جلد ۷ نمبر ۱ صفحہ ۶ مورخہ ۹ جنوری ۱۹۰۸ء)

خدا کی دوستی

جب محبت کے ثمرات اسی دنیا میں پائے جاتے ہیں اور جب ایک شخص کو دوسرے سے سچی اور خالص محبت ہوتی ہے تو وہ اس سے کوئی فرق نہیں کرتا تو کیا خدا ہی ایسا ہے کہ جس کی دوستی کسی کام نہیں آتی؟ وہ لوگ قابل الزام ہیں جو خدا کو شرمناک الزاموں سے یاد کرتے ہیں۔ مثلاً ہندوؤں اور آریوں میں دائمی مکتی نہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ مکتی خانہ میں داخل کرتے وقت ایک گناہ پرمیشر باقی رکھ لیتا ہے اور پھر ایک وقت کے بعد اس ایک گناہ کے عوض میں ان رشیوں مُنیوں اور مکتی یافتوں کو گدھوں، بندروں اور سُوروں وغیرہ کی جُونوں میں بھیجتا ہے مگر اس پر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر پرمیشر ان مقدسوں پر ناراض تھا اور جان بُوجھ کر اُن کو مکتی خانہ سے نکالنا چاہتا تھا تو پھر پہلے ہی ان کو مکتی خانہ میں کیوں داخل کیا؟

رضا اور گناہ

آخر اُن پر راضی ہی ہوگا تو داخل کیا تھا۔ یہ تو نہیں کہ اندھا دھند ہی مکتی خانہ میں دھکیل دیا تھا۔ لیکن رضا اور گناہ اکٹھے نہیں رہ سکتے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ پرمیشر ان پر پہلے ہی راضی نہیں ہوا تھا[1] اور اگر راضی تھا تو ماننا پڑے گا کہ اس کو ان کے گناہوں کی خبر نہ تھی کیونکہ جب اُسے خبر ہوئی تھی تب تو اس نے اُن کو مکتی خانہ سے باہر نکال دیا تھا۔ لیکن بعض آریہ اس کا یہ جواب دیا کرتے ہیں کہ ان کو مکتی خانہ سے اس واسطے نکالا گیا تھا کہ اُن کے عمل محدود تھے اور چونکہ عمل محدود تھے۔ اس لئے ان کا پھل بھی محدود ہونا چاہیئے۔ لیکن ان کو اتنی خبر نہیں کہ ان بیچاروں نے جو پرمیشر کی راہ میں ایسی ایسی سختیاں جھیلی تھیں اور اپنا ہر ایک ذرہ اس کی راہ میں قربان کر دیا تھا تو وہ اس واسطے نہیں تھا کہ چند دن تک تو ہمیں مکتی خانہ کی سیر کرا لو اور اس کے بعد جس گندی

---

[1] بدر سے :- "جب کوئی شخص کسی سے کہتا ہے میں تجھ پر راضی ہوگیا تو یہ معنے ہوتے ہیں کہ گناہ بھی بخشدیا۔ یہ نہیں کہ راضی ہوگیا مگر گناہ نہیں بخشے۔"

(بدر جلد ۷ نمبر ۱ صفحہ ۶ مورخہ ۹ جنوری ۱۹۰۸ء)

سے گندی جُون میں چاہو بھیجدو۔

اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّیَّات

ان کی نیتوں کو دیکھنا چاہیئے۔ اگر ان کی نیتیں صرف اسی قدر تھیں کہ دو چار برس پرمیشر سے محبت کرکے پھر چھوڑ دیں گے تو ایک بات ہے ورنہ انما الاعمال بالنّیات ان مکتی یافتوں کا کیا قصور؟ یہ تو پرمیشر کا قصور ہے کہ ان کو مار دیا۔ کیونکہ اگر وہ زندہ رہتے تو پرمیشر کی محبت کو کبھی نہ چھوڑتے۔ انہوں نے تو صرف اس واسطے پرمیشر کی راہ میں مصائب شدائد برداشت کئے تھے کہ جب تک ہم رہیں گے پرمیشر کے ہو کر رہیں گے۔ ان کو پرمیشر کی بیوفائی کا تو خیال نہ تھا۔ ایک شخص کسی سے بہت محبت رکھتا ہے اور آگے پیچھے اس کی محبت کے گُن گاتا پھرتا ہے اگر وہ مر جائے تو کیا ہم کہہ سکتے ہیں کہ وہ دشمنی بھی ساتھ لے گیا ہے[1]

اور پھر اس بات کو بھی سمجھنا چاہیئے کہ مکتی خانہ سے باہر نکالنے کے لئے جو گناہ پرمیشر نے ان کے ذمّہ رکھے ہوئے ہوں گے وہ بہرصورت ایک ہی قسم کے ہوں گے۔ یہ تو جائز نہیں کہ کسی کو کسی گناہ سے نکال دیا جاوے اور کسی کو کسی گناہ کے سبب سے کیا یہ انصاف ہے کہ باہر نکالتے وقت باوجود ایک ہی قسم کے گناہ ہونے کے کسی کو مرد اور کسی کو عورت اور کسی کو گدھا اور کسی کو بندر بنا دیا۔

غرض قصہ کوتاہ اللہ تعالیٰ نے الحمد شریف میں اپنی صفات کاملہ کا بیان کرکے ان مذاہب باطلہ کا رد کیا ہے جو عام طور پر دُنیا میں پھیلے ہوئے ہیں۔

اُمّ الکتاب

یہ سُورۃ جو اُمّ الکتاب کہلاتی ہے اسی واسطے پانچوں وقت ہر نماز کی ہر رکعت میں پڑھی جاتی ہے کہ اس میں مذہب اسلام کی تعلیم موجود ہے اور قرآن مجید کا ایک قسم کا خلاصہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی چار صفات بیان کرکے ایک نظارہ دکھانا چاہا ہے اور بتایا ہے کہ اسلام

---

[1] بدر میں ہے:۔ "تو کیا ہم کہہ سکتے ہیں کہ اب وہ دشمن ہو گیا"

(بدر جلد ۷ نمبر ۱ صفحہ ۶ مورخہ ۹ جنوری ۱۹۰۸ء)

نہایت ہی مبارک مذہب ہے[1] جو اس کی طرف رہبری کرتا ہے۔

عیسائیوں کا خداوند

جو نہ تو عیسائیوں کے خدا کی طرح کسی عورت کے پیٹ سے پیدا ہوا ہے اور نہ ہی وہ ایسا ہے کہ آریوں کے پرمیشر کی طرح مکتی دینے پر ہی قادر نہ ہو اور جھوٹے طور پر کہہ دیتا ہے کہ عمل محدود ہیں۔

آریوں کا پرمیشر

حالانکہ اصل بات یہ ہے کہ اس میں نجات دینے کی طاقت ہی نہیں کیونکہ روحیں تو اس کی بنائی ہوئی نہیں۔ جیسے وہ آپ خود بخود ہے ویسے ہی ارواح بھی خود بخود ہیں۔ یہ تو ہو ہی نہیں سکتا کہ وہ اور روحیں پیدا کر لے اس لئے یہ سوچ کر کہ اگر ہمیشہ کے لئے کسی رُوح کو مکتی دی جاوے تو آہستہ آہستہ وہ وقت آجاوے گا کہ تمام روحیں مکتی یافتہ ہو کر میرے قبضہ سے نکل جاویں گی جس سے یہ تمام بنا بنایا کارخانہ درہم برہم ہو جائے گا۔ اس لئے وہ بہانہ کے طور پر ایک گناہ ان کے ذمہ رکھ لیتا ہے اور اس دَور کو چلائے جاتا ہے۔

مسلمانوں کا قدوس اور قادر خدا

لیکن اسلام کا خدا ایسا قدوس اور قادر خدا ہے کہ اگر تمام دنیا مل کر اس میں کوئی نقص نکالنا چاہے تو نہیں نکال سکتی۔ ہمارا خدا تمام جہانوں کا پیدا کرنے والا خدا ہے۔ وہ ہر ایک نقص اور عیب سے مبرا ہے کیونکہ جس میں کوئی نقص ہو وہ خدا کیونکر ہو سکتا ہے اور اس سے ہم دعائیں کس طرح مانگ سکتے ہیں۔ اور اس پر کیا امیدیں رکھ سکتے ہیں۔ وہ تو خود

---

[1] بدر ہے:۔ "دُنیا میں کوئی خالقیت سے منکر ہے کوئی رحمانیت سے، کوئی رحیمیت سے اور کوئی اس کے مالک یوم الدین ہونے سے۔ اس قسم کا تفرقہ تمام مذاہب میں ہے مگر اسلام ہی ایسا پاک مذہب ہے جس نے سب صفات کاملہ کو جمع کر دیا" (بدر جلد ۷ نمبر ۱ صفحہ ۶ مورخہ ۹ جنوری ۱۹۰۸ء)

ناقص ہے نہ کہ کامل۔ لیکن اسلام نے وہ قادر اور ہر ایک عیب سے پاک خدا پیش کیا ہے جس سے ہم دعائیں مانگ سکتے ہیں اور بڑی بڑی امیدیں پوری کر سکتے ہیں۔

سورہ فاتحہ کی دعا

اسی واسطے اس نے اسی سورۃ فاتحہ میں دعا سکھائی ہے کہ تم لوگ مجھ سے مانگا کرو۔ اھدنا الصراط المستقیم صراط الذین انعمت علیھم[1]۔ یعنی یاالٰہی ہمیں وہ سیدھی راہ دکھا جو ان لوگوں کی راہ ہے جن پر تیرے بڑے بڑے فضل اور انعام ہوئے اور یہ دعا اس واسطے سکھائی کہ تا تم لوگ صرف اس بات پر ہی نہ بیٹھ رہو کہ ہم ایمان لے آئے ہیں بلکہ اس طرح سے اعمال بجا لاؤ کہ ان انعاموں کو حاصل کرسکو جو خدا تعالیٰ کے مقرب بندوں پر ہوا کرتے ہیں۔

رسمی عبادتیں

بعض لوگ مسجدوں میں بھی جاتے ہیں۔ نمازیں بھی پڑھتے ہیں اور دوسرے ارکانِ اسلام بھی بجالاتے ہیں مگر خدا تعالیٰ کی نصرت اور مدد ان کے شامل حال نہیں ہوتی اور ان کے اخلاق اور عادات میں کوئی نمایاں تبدیلی دکھائی نہیں دیتی جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اُن کی عبادتیں بھی رسمی عبادتیں ہیں۔ حقیقت کچھ بھی نہیں۔ کیونکہ احکام الٰہی کا بجا لانا تو ایک بیج کی طرح ہوتا ہے جس کا اثر روح اور وجود دونو پر پڑتا ہے۔ ایک شخص جو کھیت کی آبپاشی کرتا اور بڑی محنت سے اس میں بیج بوتا ہے اگر ایک دو ماہ تک اس میں انگوری نہ نکلے تو ماننا پڑتا ہے کہ بیج خراب ہے۔ یہی حال عبادات کا ہے۔ اگر ایک شخص خدا کو وحدہ لاشریک سمجھتا ہے نمازیں پڑھتا ہے، روزے رکھتا ہے اور بظاہر نظر احکام الٰہی کو حتی الوسع بجا لاتا ہے۔ لیکن خدا تعالیٰ کی طرف سے کوئی خاص مدد اس کے شامل حال نہیں ہوتی تو ماننا پڑتا ہے کہ جو بیج وہ بو رہا ہے وہی خراب ہے۔

یہی نمازیں تھیں جن کو پڑھنے سے بہت سے لوگ قطب اور ابدال بن گئے مگر تم کو کیا ہو

[1] الفاتحہ : ۶

کیا جو باوجود اُن کے پڑھنے کے کوئی اثر ظاہر نہیں ہوتا[1]۔

یہ قاعدہ کی بات ہے کہ جب تم کوئی دوا استعمال کرو گے اور اگر اس سے کوئی فائدہ محسوس نہ کرو گے تو آخر ماننا پڑے گا کہ یہ دوا موافق نہیں۔ یہی حال ان نمازوں کا سمجھنا چاہیئے۔

ع
بر کریماں کارہا دشوار نیست

حقیقی مومن کبھی ضائع نہیں ہوتا

جو شخص سچے جوش اور پورے صدق اور اخلاص سے اللہ تعالےٰ کی طرف آتا ہے وہ کبھی ضائع نہیں ہوتا۔ یہ یقینی اور سچی بات ہے کہ جو خدا کے ہوتے ہیں خدا ان کا ہوتا ہے اور ہر ایک میدان میں ان کی نصرت اور مدد کرتا ہے بلکہ ان پر اپنے اس قدر انعام و اکرام نازل کرتا ہے کہ لوگ ان کے کپڑوں سے بھی برکتیں حاصل کرتے ہیں[2]۔ اللہ تعالیٰ نے یہ جو دُعا سکھائی ہے تو یہ اس واسطے ہے کہ تا تم لوگوں کی آنکھ کھُلے کہ جو کام تم کرتے ہو دیکھ لو کہ اس کا نتیجہ کیا ہوا ہے۔

اعمال کی پڑتال

اگر انسان ایک عمل کرتا ہے اور اس کا نتیجہ کچھ نہیں تو اس کو اپنے اعمال کی پڑتال کرنی چاہیئے کہ وہ کیسا عمل ہے جس کا نتیجہ کچھ نہیں۔

پہلی قوموں سے سبق

پھر اس کے آگے خدا فرماتا ہے غیرِالمغضوب علیھم ولاالضآلین۔ یعنی اے مسلمانو۔ تم خدا سے دعا مانگتے رہو کہ یا الٰہی ہمیں ان لوگوں میں سے نہ بنانا جن پر اس دُنیا میں

---

[1] بدر سے :- "آخر سوچنا چاہئے کہ یہی نماز تھی جس سے لوگ قطب ہو گئے غوث ہو گئے اور تم اسی طرح تحت الثریٰ میں پڑے ہو۔ یہ بات کیا ہے؟"
(بدر جلد ۷ نمبر ۱ صفحہ ۷ مورخہ ۹ جنوری ۱۹۰۸ء)

[2] بدر سے :- "وہ اپنے خاص بندوں پر ایسے ایسے فضل کرتا ہے کہ زمین و آسمان اس کے تابع کر دیتا ہے" (بدر حوالہ مذکور)

تیرا غضب نازل ہوا ہے اور نہ ہی ان لوگوں کا راستہ دکھا جو کہ راہ راست سے گمراہ ہو گئے ہیں۔ اور یہ جو کچھ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے یہ بطور قصہ یا کتھا کے بیان نہیں کیا بلکہ وہ جانتا تھا کہ جس طرح پہلی قوموں نے بدکاریاں کیں اور نبیوں کی تکذیب اور تفسیق میں حد سے بڑھ گئیں اسی طرح مسلمانوں پر بھی ایک وقت آئے گا جبکہ وہ فسق وفجور میں حد سے بڑھ جاویں گے اور جن کاموں سے ان قوموں پر خدا تعالےٰ کا غضب بھڑکا تھا ویسے ہی کام مسلمان بھی کریں گے اور خدا تعالیٰ کا غضب اُن پر نازل ہوگا۔

مسلمانوں کے لئے پیشگوئی

تفسیروں اور احادیث والوں نے مغضوب سے یہود مراد لئے ہیں۔ کیونکہ یہود نے خدا تعالیٰ کے انبیاء کے ساتھ بہت ہنسی ٹھٹھا کیا تھا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خاص طور پر دُکھ دیا تھا اور نہایت درجہ کی شوخیاں اور بے باکیاں انہوں نے دکھائی تھیں جن کا آخری نتیجہ یہ ہوا تھا کہ اسی دنیا میں ہی خدا تعالیٰ کا غضب ان پر نازل ہوا تھا مگر اس جگہ خدا کے غضب سے کوئی یہ نہ سمجھ لے کہ (معاذ اللہ) خدا چڑ جاتا ہے بلکہ اس کا یہ مطلب ہے کہ انسان بسبب اپنے گناہوں کے نہایت درجہ کے پاک اور قدوس خدا سے دور ہو جاتا ہے یا مثال کے طور پر یُوں سمجھ لو کہ ایک شخص کسی ایسے حجرہ میں بیٹھا ہوا ہو جس کے چار دروازے ہوں۔ اگر وہ ان دروازوں کو کھولے گا تو دھوپ اور آفتاب کی روشنی اندر آتی رہے گی اور اگر وہ سب دروازے بند کر دے گا تو اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ روشنی کا آنا بند ہو جائے گا۔

خدا کا غضب

غرض یہ بات سچی ہے کہ جب انسان کوئی فعل کرتا ہے تو سنت اللہ اسی طرح سے ہے کہ اس فعل پر ایک فعل خدا تعالےٰ کی طرف سے سرزد ہوتا ہے۔ جیسے اس شخص نے بدقسمتی سے جب چاروں دروازے بند کر دیئے تھے تو اس پر خدا تعالےٰ کا فعل یہ تھا کہ اس مکان میں اندھیرا ہی اندھیرا ہو گیا۔ غرض اس اندھیرا کرنے کا نام خدا کا غضب ہے۔

خدا تعالیٰ انسان کی طرح نہیں

یہ مت سمجھو کہ خدا تعالےٰ کا غضب بھی اسی طرح کا ہوتا ہے کہ جس طرح سے انسان کا غضب ہوتا ہے۔ کیونکہ خدا خدا ہے اور انسان انسان ہے۔ یہ تو نہیں ہو سکتا کہ جس طرح سے ایک انسان کام کرتا ہے خدا بھی اسی طرح سے ہی کرتا ہے مثلاً خدا سُنتا ہے تو کیا اس کو سُننے کے لئے انسان کی طرح ہوا کی ضرورت ہے اور کیا اس کا سُننا بھی انسان کی طرح سے ہے کہ جس طرف ہوا کا رُخ زیادہ ہوا' اُس طرف کی آواز کو زیادہ سُن لیا۔ یا مثلاً دیکھتا ہے کہ جب تک سُورج چاند چراغ وغیرہ کی روشنی نہ ہو انسان دیکھ نہیں سکتا تو کیا خدا بھی روشنیوں کا محتاج ہے؟ غرض انسان کا دیکھنا اور رنگ کا ہے اور خدا کا دیکھنا اور رنگ کا ہے۔ اس کی حقیقت خدا کے سپرد کرنی چاہیئے۔[1]

آریہ وغیرہ جو اعتراض کرتے ہیں کہ قرآن مجید میں خدا تعالےٰ کو غضب ناک کہا گیا ہے۔ یہ ان کی صریح غلطی ہے۔ اُن کو چاہیئے تھا کہ قرآن مجید کی دوسری جگہوں پر نظر کرتے۔ وہاں توصاف طور پر لکھا ہے۔ عذابی اصیب بہ من اشاء و رحمتی وسعت کلّ شیئٍ[1] (پ ۹) خدا کی رحمت تو کُل چیزوں کے شامل حال ہے۔ مگر ان کو دقت ہے تو یہ ہے کہ خدا کی رحمت کے تو وہ قائل ہی نہیں۔ اُن کے مذہبی اصول کے بموجب اگر کوئی شخص بصد مشکل مکتی حاصل کر بھی لے تو آخر پھر وہاں سے نکلنا ہی پڑے گا۔

غرض خوب یاد رکھو کہ خدا تعالیٰ کے کلام پر کوئی اعتراض نہیں ہو سکتا۔ جیسے خدا ہر ایک عیب سے پاک ہے ویسے ہی اس کا کلام بھی ہر ایک قسم کی غلطی سے پاک ہوتا ہے۔ اور یہ جو فرمایا غیر المغضوب علیھم تو اس سے یہ مراد ہے کہ یہود ایک قوم تھی جو توریت کو

---

[1] بدر سے "خدا کا غضب خدا کی رحمت اس کے سمع بصر کی طرح الگ ہے۔ ایمان لانا چاہیئے اور حقیقت کو خدا کے سپرد کرنا مومن کی شان ہے۔"
(بدر جلد ۷ نمبر ۱ صفحہ ۶ مورخہ ۹ جنوری ۱۹۰۸ء)

[1] اعراف: ۱۵۷

مانتی تھی۔ انہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بہت تکذیب کی تھی اور بڑی شوخی کے ساتھ اُن سے پیش آئے تھے۔ یہانتک کہ کئی بار ان کے قتل کا ارادہ بھی انہوں نے کیا تھا۔

یہودیوں کے کارنامے

اور یہ قاعدہ کی بات ہے کہ جب کوئی شخص کسی فن کو کمال تک پہنچا دیتا ہے تو پھر وہ بڑا نامی گرامی اور مشہور ہو جاتا ہے۔ اور جب کبھی اس فن کا ذکر شروع ہوتا ہے تو پھر اسی کا نام ہی لیا جاتا ہے[ل]۔ مثلاً دُنیا میں ہزاروں پہلوان ہوئے ہیں اور اس وقت بھی موجود ہیں۔ مگر رُستم کا ذکر خاص طور پر کیا جاتا ہے۔ بلکہ اگر کسی کو پہلوانی کا خطاب بھی دیا جاتا ہے تو اُسے بھی رُستم ہند وغیرہ کر کے پکارا جاتا ہے۔ یہی حال یہود کا ہے۔ کوئی نبی نہیں گذرا جس سے انہوں نے شوخی نہیں کی اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تو اُنہوں نے یہانتک مخالفت کی کہ صلیب پر چڑھانے سے بھی دریغ نہیں کیا اور ان کے مقابلہ پر ہر ایک شرارت سے کام لیا۔

ہاں اگر یہ سوال پیدا ہو کہ یہود نے تو انبیاء کے مقابل پر شوخیاں اور شرارتیں کی تھیں مگر اب تو سلسلہ نبوت ختم ہو چکا ہے اس لئے غیر المغضوب علیھم والی دُعا کی کوئی ضرورت نہ تھی۔

غیر المغضوب علیھم والی دُعا کی ضرورت

اس کا جواب یہ ہے کہ چونکہ اللہ تعالےٰ جانتا تھا کہ آخری زمانہ میں مسیح موعود نازل ہوگا اور مسلمان لوگ اس کی تکذیب کر کے یہود خصلت ہو جائیں گے اور طرح طرح کی بدکاریوں اور قسم قسم کی شوخیوں اور شرارتوں میں ترقی کر جاویں گے اس لئے غیر المغضوب علیھم والی دعا سکھائی گئی کہ اے مسلمانو پنجگانہ نمازوں کی ہر ایک رکعت میں دعا مانگتے رہو کہ یا الٰہی ہمیں ان کی راہ سے بچائے رکھیو جن پر تیرا غضب اسی دنیا میں نازل ہوا تھا اور جن کو تیرے

[ل] بدر لکھتا ہے:۔ "ڈاکو تو کئی ہوئے مگر بعض ڈاکو خصوصیت سے مشہور ہیں" (بدر جلد ۷ نمبر ۱ صفحہ ۷ مورخہ ۹ جنوری ۱۹۰۸ء)

مسیح کی مخالفت کرنے کے سبب سے طرح طرح کے آفات ارضی وسماوی کا ذائقہ چکھنا پڑا تھا۔

آخری مسیح کا آخری زمانہ

سو جاننا چاہیئے کہ یہی وہ زمانہ ہے جس کی طرف آیت غیر المغضوب علیہم[1] اشارہ کرتی ہے اور وہی خدا کا سچا مسیح ہے جو اس وقت تمہارے درمیان بول رہا ہے۔ یاد رکھو کہ اللہ تعالیٰ پچیس[25] برس سے صبر کرتا رہا ہے۔ ان لوگوں نے کوئی دقیقہ میری مخالفت کا اٹھا نہیں رکھا۔ ہر طرح سے شوخیاں کی گئیں۔ طرح طرح کے الزام ہم پر لگائے گئے اور ان شوخیوں اور شرارتوں میں پوری سرگرمی سے کام لیا گیا۔ ہر پہلو سے میرے فنا اور معدوم کرنے کے لئے زور لگائے گئے اور ہمارے لئے طرح طرح کے کفرنامے تیار کئے گئے اور نصاریٰ اور یہود سے بھی بدتر ہمیں سمجھا گیا۔ حالانکہ ہم کلمہ طیبہ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ پر دل وجان سے یقین رکھتے تھے۔ قرآن مجید کو خدا تعالیٰ کی سچی اور کامل کتاب سمجھتے تھے اور سچے دل سے اُسے خاتم الکتب جانتے تھے اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو سچے دل سے خاتم النبیین سمجھتے تھے۔ وہی نمازیں تھیں۔ وہی قبلہ تھا۔ اسی طرح سے ماہِ رمضان کے روزے رکھتے تھے۔ حج اور زکوٰۃ میں بھی کوئی فرق نہ تھا۔ پھر معلوم نہیں کہ وہ کونسے وجوہات تھے جن کے سبب سے ہمیں یہود اور نصاریٰ سے بھی بدتر ٹھہرایا گیا اور دن رات ہمیں گالیاں دینا موجب ثواب سمجھا گیا۔ آخر شرافت[2] بھی تو کوئی چیز ہے۔ اس طرح کا طریق

---

[2] بدر سے:- "میں نے اُن کے کفرناموں میں دیکھا کہ لکھتے ہیں اس کا کفر یہود ونصاریٰ کے کفر سے بڑھ کر ہے۔ تعجب کی بات ہے کہ جو لوگ کلمہ پڑھتے ہیں قبلہ کی طرف منہ کرکے نماز پڑھتے ہیں۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا نام تعظیم سے لیتے ہیں۔ جان تک فدا کرنے کو حاضر ہیں۔ کیا وہ اُن سے بدتر ہیں جو ہر وقت نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کو گالیاں دیتے رہتے ہیں" (بدر جلد ۷ نمبر ۱ صفحہ ۷ مورخہ ۹ جنوری ۱۹۰۸ء)

[1] الفاتحۃ : ۷

تو وہی لوگ اختیار کرتے ہیں جن کے ایمان مسلوب اور دل سیاہ ہو جاتے ہیں۔

غرض چونکہ خدا جانتا تھا کہ ایک وقت آئے گا جبکہ مسلمان یہود سیرت ہو جائیں گے۔ اس لئے غیر المغضوب علیہم والی دعا سکھا دی اور پھر فرمایا ولا الضآلین یعنی نہ ہی ان لوگوں کی راہ پر چلانا جنہوں نے تیری سچی اور سیدھی راہ سے مُنہ موڑ لیا۔ اور یہ عیسائیوں کی طرف اشارہ ہے۔ جن کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے انجیل کے ذریعہ سے یہ تعلیم ملی تھی کہ خدا کو **انجیل کی اصلی تعلیم** ایک اور واحد لاشریک مانو۔ مگر انہوں نے اس تعلیم کو چھوڑ دیا اور ایک عورت کے بیٹے کو خدا بنا لیا۔ کوئی یہ نہ سمجھ لے کہ مغضوب علیہم تو بڑا سخت لفظ ہے اور ضآلین نرم لفظ ہے۔ یہ نرم لفظ نہیں۔ بات یہ ہے کہ یہودیوں کا تھوڑا گناہ تھا وہ توریت کے پابند تھے۔ اور اس کے حکموں پر چلتے تھے گو وہ شوخیوں اور شرارتوں میں بہت بڑھ گئے تھے مگر وہ کسی کو خدا یا خدا کا بیٹا بنانے کے سخت دشمن تھے۔[1]

یہودیوں کا قصور عیسائیوں سے بہت کم ہے

اور سُورہ فاتحہ میں ان کا نام جو پہلے آیا ہے تو وہ اس واسطے نہیں کہ ان کے گناہ زیادہ تھے بلکہ اس واسطے کہ اسی دنیا میں ہی ان کو سزا دی گئی تھی اور اس کی مثال اس طرح پر ہے کہ ایک تحصیلدار انہی کو جُرمانہ کرتا ہے جن کا قصور اس کے اختیار سے باہر نہیں ہوتا۔ مثلاً فرض کرو کہ کسی بھاری سے بھاری گناہ پر وہ اپنی طرف سے ۵۰ ۱۰۰ روپیہ جُرمانہ کر سکتا ہے۔ لیکن اگر قصور وار زیادہ کا حقدار ہو تو پھر تحصیلدار یہ کہکر کہ یہ میرے اختیار سے باہر ہے اور کہ تمہاری سزا کا یہاں موقع

---

[1] بدر سے:- "ہم نے ایک یہودی سے اس کے مذہب کی نسبت پوچھا تو اس نے کہا ہمارا خدا کی نسبت وہی عقیدہ ہے جو قرآن میں ہے۔ ہم نے اب تک کسی انسان کو خدا نہیں بنایا۔ اس اعتبار سے تو یہ ضالین سے اچھے ہیں مگر شوخی شرارت میں ضالین سے بڑھ کر ہیں۔ پس اس لئے کہ انہیں دنیا میں سزا ملی ان کا ذکر پہلے آیا۔"

(بدر جلد ۷ نمبر ۱ صفحہ ۷ مورخہ ۹ جنوری ۱۹۰۸ء)

نہیں کسی اعلیٰ افسر کے سپرد کرتا ہے۔ اسی طرح یہودیوں کی شرارتیں اور شوخیاں اسی حد تک ہیں کہ ان کی سزا اسی دنیا میں دی جاسکتی تھی لیکن ضالین کی سزا یہ دنیا برداشت نہیں کر سکتی۔ کیونکہ ان کا عقیدہ ایسا لغو عقیدہ ہے جس کی نسبت خدا تعالیٰ قرآن شریف میں فرماتا ہے۔ تکاد السمٰوٰت یتفطرن منہ وتنشق الارض وتخر الجبال ھدًّا ان دعوا للرحمٰن ولدًا (۱۶/۹ پ) یعنی یہ ایک ایسا بُرا کام ہے جس سے قریب ہے کہ زمین آسمان پھٹ جائیں اور پہاڑ ٹکڑے ٹکڑے ہوجائیں۔ غرض یہودیوں کی چونکہ سزا تھوڑی تھی اس لئے ان کو اسی جہان میں دی گئی۔

ضالین کا گندہ عقیدہ

اور عیسائیوں کی سزا اس قدر سخت ہے کہ یہ جہان اس کی برداشت نہیں کرسکتا۔ اس لئے ان کی سزا کے واسطے دوسرا جہان مقرر ہے۔ اور پھر یہ بات بھی یاد رکھنے والی ہے کہ یہ عیسائی صرف ضال ہی نہیں ہیں بلکہ مضل بھی ہیں۔ ان کا دن رات یہی پیشہ ہے کہ اوروں کو گمراہ کرتے پھریں۔ پچاس پچاس ہزار، ساٹھ ساٹھ ہزار بلکہ لاکھوں پرچے روز شائع کرتے ہیں اور اس باطل عقیدہ کی اشاعت کے لئے ہر طرح کے بہانے عمل میں لاتے ہیں۔

یاد رکھو گورنمنٹ کو ان پادریوں سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ ایک انگریز یہاں آیا تھا۔ جاتی دفعہ پُوچھنے لگا کہ میرے راستہ میں کسی پادری کی کوٹھی تو نہیں؟ اور اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ پادریوں سے سخت نفرت کرتا تھا۔[1]

[1] بدر میں مزید لکھا ہے:۔ "ایک اور انگریز تھا جس کی عدالت میں ہمارا مقدمہ ہوا۔ فریق مخالف ایک جنٹلمین پادری تھا۔ آٹھ دس گواہ بھی گذارے اور لوگ بھی تم جانتے ہو کہ حکام کے اختیار میں سب کچھ ہوتا ہے۔ قومیت کا سوال بھی تھا مگر میں نے سُنا کہ اُس نے صاف کہدیا کہ مجھ سے یہ بدذاتی نہیں ہوسکتی کہ کسی بے گناہ کو سزا دوں۔ مجھے بُلا کر کہا آپ کو مبارک ہو۔ اگر یہ لوگ ان اوصاف والے نہ ہوتے تو ہمارے حاکم بھی نہ ہوتے مسلمانوں میں جب یہ حالت ہوگئی کہ ایک دوسرے کو کاٹنے دوڑتے ... (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

[1] : صدیہ: ۹۱-۹۲

انگریزوں کی منصف مزاجی

یہ لوگ بڑے منصف مزاج ہوتے ہیں۔ اگر یہ منصف نہ ہوتے تو حکومت نہ رہتی۔ یاد رکھنا چاہیئے۔ کہ ان کی حکومت کا ہونا بھی خدا تعالیٰ کا ایک خاص فضل ہے۔

سکھوں کا زمانہ

سکھوں کے زمانہ کو دیکھو کہ کوئی اذان بھی دیتا تھا تو وہ قتل کر دیتے تھے۔ مگر اس سلطنت میں تو خدا تعالیٰ کے فضل سے ہر طرح سے آزادی ہے اور اس کا ہونا ہمارے لئے بڑی بڑی برکتوں کا موجب ہے۔ خود ہمارے اس گاؤں قادیان میں جہاں ہماری مسجد ہے کارداروں کی جگہ تھی۔ اس وقت ہمارے بچپن کا زمانہ تھا۔ لیکن میں نے معتبر آدمیوں سے سُنا ہے کہ جب انگریزوں کا دخل ہوگیا تو چند روز تک وہی سابقہ قانون رہا۔

اذان کی آزادی

انہی ایام میں ایک کاردار یہاں آیا ہوا تھا۔ اس کے پاس ایک مسلمان سپاہی تھا وہ مسجد میں آیا اور مؤذن کو کہا کہ اذان دو۔ اس نے وہی ڈرتے ڈرتے گنگنا کر اذان دی۔ سپاہی نے کہا کیا تم اسی طرح سے بانگ دیا کرتے ہو؟ مؤذن نے کہا۔ ہاں اسی طرح دیتے ہیں سپاہی نے کہا کہ نہیں۔ کوٹھے پر چڑھ کر اُونچی آواز سے اذان دو اور جس قدر زور سے ممکن ہوسکتا ہے بانگ دو۔ وہ ڈرا۔ آخر اس نے سپاہی کے کہنے پر زور سے بانگ دی۔[1] اس پر

بجیسے کُتّے کے آگے ہڈی ڈال دیں تو وہ ایک دوسرے پر حملہ کرتے ہیں اور اخوت ہمدردی کا نام ونشان نہ رہا تو خدا کی حکمت بالغہ نے اُن سے سلطنت لے لی“

(بدر جلد ۷ نمبر ۱ صفحہ ۸ مورخہ ۹ جنوری ۱۹۰۸ء)

[1] بدر سے ہے ” اور اس نے زور سے اذان دی کہ چالیس برس پہلے تک اس علاقہ میں کوئی اذان نہ دی گئی تھی “

(بدر حوالہ مذکور)

ہندو اکٹھے ہو گئے اور مُلّا کو پکڑ لیا۔ وہ بیچارہ بہت ڈرا اور گھبرایا کہ کاردار مجھے پھانسی دے دے گا۔ سپاہی نے کہا کہ میں تیرے ساتھ ہوں۔ آخر وہ اس کو پکڑ کر کاردار کے پاس لے گئے اور کہا ۔ کہ مہاراج اس نے ہم کو بھرشٹ کر دیا ہے۔ کاردار تو جانتا تھا کہ اب سلطنت تبدیل ہو گئی ہے۔ اور اب وہ سکھا شاہی نہیں رہی۔ اس لئے ذرا دبی زبان سے پوچھا

سکھا شاہی گئی اور سکھ شاہی آئی

کہ تُو نے اُونچی آواز سے کیوں بانگ دی؟ سپاہی نے آگے بڑھ کر کہا کہ اس نے نہیں دی میں نے بانگ دی ہے۔ تب کاردار نے ہندوؤں کو کہا کمبختو کیوں شور ڈالتے ہو۔ لاہور میں تو اب کھُلے طور پر گائیاں ذبح ہوتی ہیں اور تم اذان کو روتے ہو۔ جاؤ چپکے ہو کر بیٹھ رہو۔

ایسے ہی بٹالے کا واقعہ ہے۔ ایک سید وہیں کا رہنے والا باہر سے دروازے پر آیا۔ وہاں گائیوں کا ہجوم تھا۔ اس نے تلوار کی نوک سے مویشیوں کو ذرا ہٹایا۔ ایک گائے کے چمڑے کو خفیف سی خراش پہنچ گئی تھی۔ اس پر اس بیچارہ کو پکڑ لیا گیا اور اس امر پر زور دیا گیا کہ اس کو قتل کر دیا جاوے۔ آخر بڑی سفارش کے بعد جان سے تو بچ گیا لیکن اس کا ہاتھ ضرور کاٹا گیا۔

ایسے ہی ایک گائے کے مقدمہ میں ایک دفعہ پانچ ہزار غریب مسلمان قتل کئے گئے۔[۱]

اب دیکھو کہ اس حکومت کا وجود ایک مبارک وجود ہے یا نہیں۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ تمہارا حاکم بد ہو تو وہ بد نہیں۔ اصل میں تم ہی بد ہو۔ سو یاد رکھو کہ یہ لوگ بڑے انصاف پسند ہوتے ہیں۔ ہمارے مقدمہ میں ہی دیکھ لو[۲] کہ آتما رام نے ۷۰۰ روپیہ جرمانہ کر ہی دیا تھا مگر سیشن جج

۱؎ بدر میں ہے:- " غرض کوئی چھ سات ہزار مسلمان تو گائے کی وجہ سے قتل کئے یا سزا دیئے گئے ہوں گے"

(بدر جلد ۷ نمبر ۱ صفحہ ۸ مورخہ ۹ جنوری ۱۹۰۸ء)

۲؎ الحکم جلد ۱۲ نمبر ۲ صفحہ ۳ تا ۴ مورخہ ۶ جنوری ۱۹۰۸ء

کے سامنے جب وہ کاغذات پیش ہوئے تو باوجودیکہ وہ عیسائی تھا مگر انصاف کی خاطر اُس نے تمام دن محنت کی اور پورے غور و فکر کے بعد کرم الدین کو بلا کر کہا کہ تم لئیم کے معنے ولدالزنا اور کذاب کے معنے بڑا جھوٹا کرتے ہو۔ اگر کسی کو اُلو کہا جائے تو اُلو چھوٹا کیا اور بڑا کیا؟ جو کچھ فیصلہ آتما رام نے کیا ہے وہ غلط ہے۔ ہم جرمانہ واپس کرتے ہیں۔ اگر لئیم کذاب سے بڑھ کر بھی تم کو کہا جاتا تو یہ شخص حق رکھتا تھا۔

ہندوؤں سے قطع تعلق

اس لئے مسلمانوں کو چاہیئے کہ ہندوؤں سے بالکل جوڑ نہ رکھیں۔ اگر انگریز آج یہاں سے نکل جاویں تو ہندو مسلمانوں کی بوٹی بوٹی کر دیں۔

اب نتیجہ یہ ہے کہ ہم جو میں نے ضالین کہا ہے تو اس سے مراد عیسائی اور پادری ہیں انگریز اس سے مراد نہیں۔ کیونکہ انگریز تو اکثر ایسے ہوتے ہیں جنہوں نے ساری عمر میں ایک دفعہ بھی انجیل پڑھی ہوئی نہیں ہوتی۔ ان پادریوں پر اسلام ایک بڑا بھاری صدمہ ہے کیونکہ یہ جانتے ہیں کہ اسلام ہی ایک ایسا مذہب ہے جس کو وہ مغلوب نہیں کر سکتے۔

نیوگ

آریوں کا کیا ہے جن کے مذہب میں نیوگ جیسی گندی رسم موجود ہو اور جن کو حکم ہو کہ اولاد کی خاطر اپنی جوان اور پیاری بیوی کو غیر آدمی سے ہمبستر کرا لیا کرو اور جو باوجود اس کے کہ خود جوان اور تندرست ہوتے ہیں اپنی پاکدامن عورت کو دوسرے نوجوانوں سے ہمبستر کرا کے دس پُتروں تک اولاد حاصل کر سکتے ہیں اور جن کا پرمیشر ایک مکھی تو درکنار ایک ذرہ بھی پیدا نہ کر سکتا ہو وہ کب کسی مذہب پر غلبہ پا سکتے ہیں۔ عیسائی تو اسلام کے مقابلہ پر کسی صورت میں نہیں ٹھہر سکتے کیونکہ انہوں نے ایک انسان کو جس کا باپ بھی موجود تھا۔ چار بھائی اور دو بہنیں بھی تھیں اور پھر یہودیوں کے ہاتھ سے مایں بھی کھاتا پھرتا تھا خدا تجویز کر لیا ہے اور اپنی نجات کے لئے اس کو لعنتی موت سے مرا ہوا سمجھ لیا ہے حالانکہ دنیا بھر میں یہ کوئی قاعدہ نہیں کہ سر درد

تو ہو زید کو اور بکر اپنے سر پر پتھر مار کر پھوڑ لے اور پھر اس سے زید کی سر درد جاتی رہے[ف۱] سوچنا چاہیئے کہ گناہ تو کیا زید نے مگر بکر اس کی جگہ سُولی چڑھے یہ کہاں کا انصاف ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ یہ لوگ گلے پڑا ڈھول بجا رہے ہیں ورنہ ان کے دل تو اس عقیدہ سے متنفر ہیں اور اب تو خدا کی طرف سے توحید کی ہوا چل رہی ہے اور بہت سے لوگ اس انسان پرستی کو چھوڑ کر خدا پرستی اختیار کرتے جاتے ہیں۔[ف۲]

یہ جو میں نے ضالین کا ذکر کیا ہے تو اس سے مراد یہی پادری لوگ جو نہ صرف خود گمراہ ہیں بلکہ اوروں کو گمراہ کرنے میں پوری ہمت اور کوشش سے کام لیتے ہیں۔ اور یہ جو حدیثوں میں دجّال کا ذکر آیا ہے تو اس سے مراد ضالین ہی ہیں۔ اور اگر دجّال کے معنے ضالین کے نہ لئے جاویں تو ماننا پڑے گا کہ خدا تعالیٰ نے ضالین کا ذکر تو قرآن شریف میں کر دیا بلکہ ان کے فتنہ عظیم سے بچنے کے لئے دُعا بھی سکھا دی مگر دجّال کا ذکر تک بھی نہ کیا حالانکہ وہ ایک ایسا عظیم فتنہ تھا جس سے لکھو کھہا لوگ گمراہ ہو جانے تھے۔

غرض سچی بات یہی ہے کہ دجّال اور ضالین ایک ہی گروہ کا نام ہے جو لوگوں کو گمراہ کرتے پھرتے ہیں اور اس آخری زمانہ میں اپنے پُورے زور پر ہیں اور ہر ایک طرح کے مکر اور فریب سے خلقت کو گمراہ کرنے کی کوشش کرتے پھرتے ہیں اور چونکہ دجّال کے معنے بھی گمراہ کرنے والے کے ہیں۔ اسی واسطے احادیث میں یہ لفظ ضالین کی بجائے بولا گیا ہے۔

ف۱ بدر سے:- "میں بڑے زور سے کہتا ہوں کہ ایک مسلمان کا بچہ ان لغویات کو قبول نہیں کر سکتا۔"

(بدر جلد ۷ نمبر ۱ صفحہ ۸ مورخہ ۹ جنوری ۱۹۰۸ء)

ف۲ بدر سے:- "ولایت کے جو سمجھدار لوگ ہیں وہ خود اس بات کو چھوڑتے جاتے ہیں مبارک زمانہ آگیا۔ توحید کی ہوا چل رہی ہے۔ عنقریب تمام دُنیا جان لیگی کہ ہر جگہ پر اسلام کے سوا ضلالت ہے" (بدر حوالہ مذکور)

اور احادیث میں ضالین کی بجائے دجّال کا لفظ آنے کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ جانتا تھا کہ لوگ اپنی طرف سے ایک دجّال بنا لیں گے اور عجیب عجیب قسم کے خیالات اس کی طرف منسوب کریں گے کہ اس کے ایک ہاتھ میں بہشت ہوگا اور ایک ہاتھ میں دوزخ اور وہ خدائی کا بھی دعویٰ کرے گا اور نبوت کا بھی اور اس کے ماتھے پر کافر لکھا ہوا ہوگا اور اس کا ایک گدھا ہوگا جس کے کانوں میں اس قدر فاصلہ ہوگا اور اس میں یہ یہ باتیں ہوں گی۔ اس لئے خدا فرماتا ہے کہ وہ دجّالی گروہ ضالین کا ہی ہے جو طرح طرح کے پیرایوں میں لوگوں کو گمراہ کرتے پھرتے ہیں اور بڑے بڑے وعدے دے دے کر خدا تعالےٰ کی کتابوں میں تحریف و تبدیل کرتے ہیں اور لوگوں کو خدا تعالیٰ کے حکموں سے بالکل روگردان کر رہے ہیں یہانتک کہ سؤر جیسی گندی چیز کو بھی حلال خیال کر رہے ہیں حالانکہ توریت میں سُؤر خاص طور پر حرام کیا گیا ہے اور خود مسیح نے بھی کہا ہے کہ سُؤروں کے آگے موتی مت ڈالو۔

اور ایسا ہی کفارہ جیسا گندہ مسئلہ ایجاد کر کے انہوں نے گناہوں کے لئے ایک وسیع میدان تیار کر دیا ہے خواہ انسان کیسے ہی کبیرہ گناہوں کا مرتکب ہو۔ مگر یسوع کو خدا یا خدا کا بیٹا سمجھنے سے وہ سب عیب جاتے رہیں گے اور انسان نجات پا جائے گا۔ اب بتلاؤ کیا یہ صاف سمجھ میں نہیں آتا کہ یہ وہی گمراہ کرنے والا گروہ ہے جس کو احادیث میں دجّال اور قرآن کریم میں ضالین کر کے پکارا گیا ہے۔

اور پھر یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ صحیح بخاری میں آنے والے مسیح کی نسبت (جو کہ اس وقت آگیا ہے) جو لکھا ہے کہ یکسر الصلیب ویقتل الخنزیر یعنی وہ صلیبوں کو توڑے گا اور خنزیروں کو قتل کریگا تو اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ وہ جنگلوں میں چوہڑوں اور چماروں کی طرح شکار کھیلتا پھریگا اور گرجوں پر چڑھ کر صلیبیں توڑتا پھرے گا۔ بلکہ اصل بات یہ ہے کہ خنزیر نجاست کھانے والے کو کہتے ہیں۔ اور ضروری نہیں کہ وہ نجاست جانوروں کی ہی ہو بلکہ جھوٹ اور دروغ کی جو نجاست ہے وہ سب سے گندی اور بدبودار نجاست ہے۔ اس لئے ایسے لوگوں کا جو ہر وقت جھوٹ اور فریب سے

دُنیا کو گمراہ کرتے رہتے ہوں، اللہ تعالیٰ نے خنزیر نام رکھا ہے اور یہ جو فرمایا یکسر الصلیب تو
اس کے یہ معنے نہیں کہ مسیح جب آوے گا تو پھرتا ہے اور لکڑی وغیرہ کی صلیبوں کو جو پیسے پیسے
پر فروخت ہوتی ہیں توڑتا پھرے گا۔ بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ صلیبی مذہب کی بُنیاد کو توڑے گا۔
اب دیکھ لو کہ اُن کے مذہب کا تمام دار و مدار تو عیسیٰ کی زندگی پر ہے اور یہ نہیں کہ دوسرے
انبیاء کی طرح وہ زندہ ہے بلکہ وہ ایسا زندہ ہے کہ پھر دوبارہ دنیا میں آئے گا اور خلقت کا فیصلہ
کرے گا اور پھر معلوم نہیں کہ مسلمانوں میں عیسیٰ کی زندگی کا مسئلہ کہاں سے آگیا۔ بدقسمتی سے
انہوں نے بھی عیسائیوں کی ہاں میں ہاں ملانی شروع کر دی۔

غرض سمجھنا چاہیئے کہ عیسائیوں کے مذہب کی بنیاد تو صرف عیسیٰ کی زندگی پر ہے
جب وہ مرگیا تو پھر ان کا مذہب بھی ان کے ساتھ ہی مرگیا۔

لدھیانہ میں ایک دفعہ ایک پادری میرے پاس آیا۔ اثنائے گفتگو میں میں نے اسے کہا کہ عیسیٰ
کی موت ایک معمولی سی بات ہے۔ اگر تم مان لو کہ عیسیٰ مرگیا ہے تو اس میں تمہارا کیا ہرج ہے تو اس
پر وہ کہنے لگا کہ کیا یہ معمولی سی بات ہے۔ اسی پر تو ہمارے مذہب کا تمام دار و مدار ہے۔[ل]

ایسے ہی دہلی میں جب میں گیا تھا تو بہت سے آدمی جمع ہو کر میرے پاس آئے اور کہنے
لگے کہ حضرت عیسیٰ زندہ موجود ہیں اور وہی دوبارہ آئیں گے۔ میں نے اُن سے کہا کہ اچھا یہ تو
بتلاؤ کہ سوائے اس کے کہ کئی ہزار آدمی مُرتد ہو گئے اور اس کا نتیجہ ہی کیا نکلا ہے اس پر وہ
خاموش ہو گئے۔ تب میں نے کہا کہ اچھا اس نسخہ کا تو آپ لوگوں نے تجربہ کر لیا ہے یہ تو غلط
نکلا۔ اب ہمارا نسخہ بھی چند روز استعمال کر کے دیکھ لو کہ نتیجہ کیا ہوتا ہے۔[ک] اس پر ایک شخص

ل بدر سے:- "اس نے کہا کہ اگر مسیح کے زندہ ہونے کا عقیدہ
نہ ہو تو پھر سب عیسائی یکدم مسلمان ہو جائیں گے۔ ہمارے مذہب کی رُوح یہی بات ہے
جب یہ نکلی تو ہم بیجان ہو جائیں گے" (بدر جلد ، نمبر ا صفحہ ۹ مورخہ ۹ جنوری ۱۹۰۸ء)

ک بدر سے:- "اب ہمارے نسخہ کو بھی آزما دیکھو (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

اُٹھا اور کہنے لگا اسلام کی سچی خیر خواہی جیسی آپ کر رہے ہیں اور کوئی نہیں کر رہا۔ آپ بڑی خوشی سے اس کام میں لگے رہیں۔

مسلمانوں کی حالت

غرض مسلمانوں کی عجیب حالت ہو رہی ہے۔ بات بات میں پیچھے جگہ جگہ پر شکست۔ ان کے نزدیک ہمارے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم تو فوت ہو گئے ہیں مگر عیسٰی زندہ ہیں۔ اور (نعوذ باللہ) ہمارے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم تو مس شیطان سے پاک نہیں تھے مگر عیسٰی پاک تھا اور پھر بے باپ تھا تو عیسٰی، پرندوں کا خالق تھا تو عیسٰی، مُردے زندہ کرتا تھا تو عیسٰی، آسمان پر چڑھ گیا تھا اور پھر دوبارہ نازل ہوگا تو عیسٰی۔ اب بتاؤ سوائے مرتد ہونے کے اس کا اور کیا نتیجہ ہو سکتا ہے؟ غرض عیسٰیؑ کی زندگی مرتد کرنے کا آلہ ہے۔ جو لوگ عیسائی ہو جاتے ہیں تو وہ ایسی ایسی باتیں ہی سُن کر ہو جایا کرتے ہیں۔ جن کا میں ذکر کر چکا ہوں۔

ہمارے مفتی صاحب اور بشپ

ایک دفعہ بشپ صاحب لاہور میں لیکچر دے رہے تھے اور اس قسم کی باتیں پیش کرتے تھے کہ محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) صاحب تو فوت ہو چکے ہیں اور ان کی مدینہ میں قبر موجود ہے۔ مگر یسوع مسیح کی نسبت خود مسلمان بھی مانتے ہیں کہ وہ آسمان پر زندہ موجود ہیں وغیرہ وغیرہ۔ اور پھر کہتے تھے۔ مسلمانو۔ تم خود منصف بن کے دیکھ لو کہ آیا یہ باتیں سچی ہیں یا نہیں؟ تب ہمارے مفتی صاحب آگے بڑھے اور بشپ صاحب کو کہنے لگے کہ بتاؤ یہ باتیں قرآن شریف میں کہاں لکھی ہیں کہ ہمارے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم تو مر گئے ہیں اور عیسٰی آسمانوں پر زندہ ہیں۔ قرآن مجید میں تو صاف طور پر عیسٰی کی موت لکھی ہے اور آیت فلما توفیتنی اسی بات کی شہادت دے رہی ہے کہ عیسٰی فوت ہو چکے ہیں۔ تب بشپ صاحب سے اَور تو کچھ بن نہ آیا گھبرا کر کہنے لگے۔

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ۔ کہ مسیح کی وفات ماننے میں اسلام کی زندگی اور صلیبی مذہب کی موت ہے یا نہیں" (بدر حوالہ مذکور)

"معلوم ہوتا ہے کہ تم مرزائی ہو"

مرزائیوں کے ہاتھ میں عزت

پھر اس کے بعد وہ لوگ جو وعظ سُن رہے تھے باہر آکر کہنے لگے کہ "مرزائی ہیں تو کافر مگر آج تو عزت رکھ لی ہے"

غرض یاد رکھنا چاہیئے کہ جب اللہ تعالےٰ کسی کو اقبال دیتا ہے تو ہتھیار بھی ساتھ ہی دیتا ہے۔ دیکھو جسمانی طور پہ آجکل یورپ کا ہی بول بالا ہے مگر ہر ایک قسم کے عجیب عجیب ہتھیار بھی تو یورپ والوں نے ہی تیار کر رکھے ہیں یہانتک کہ اگر سُلطان رُوم کو بھی کسی ہتھیار کی ضرورت پڑتی ہے تو وہ بھی انہیں سے منگوا بھیجتا ہے۔ اسی طرح رُوحانی ہتھیار اب ہمارے ہاتھ میں ہیں۔[ل] اور جس کے ہاتھ میں ہتھیار نہیں وہ غلبہ کس طرح پا سکتا ہے۔

رُوحانی ہتھیاروں کے مالک

اب تم لوگ جہاں جاؤ گے کہو گے کہ عیسٰی مرگیا اور اس کی وفات قرآن مجید میں موجود' احادیثِ صحیحہ میں موجود' ہمارے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے گواہی دی کہ میں نے معراج کی رات حضرت عیسٰی کو مُردوں میں دیکھا اور خود مَر کر دکھا دیا کہ مجھ سے پہلے جتنے نبی آتے رہے ہیں وہ سب کے سب فوت ہو چکے ہیں۔

یہ اور ایسے ہی کئی قسم کے اَور بھی چمکتے ہوئے دلائل خدا تعالیٰ نے تم لوگوں کے ہاتھوں

ل بدر ہے :- "خدا تعالیٰ نے ہمیں رُوحانی ہتھیار دیئے ہیں

'یہ خدا تعالےٰ کا خاص فضل ہے۔ جو قوم بے ہتھیار ہوتی ہے ضرور ہے کہ وہ تباہ ہو جائے۔ یاد رہے کہ ہتھیاروں سے مراد رُوحانی قوتیں اور دلائل قاطعہ ہیں ظاہری سامان کی مذہب کے معاملہ میں ضرورت نہیں۔ دیکھو۔ اگر مسیح کی وفات کا ہتھیار نہ ہوتا تو تم ان کے سامنے بات بھی نہ کر سکتے"

(بدر جلد ۷ نمبر ۱ صفحہ ۹ مورخہ ۹ جنوری ۱۹۰۸ء)

میں رے دیتے ہیں جن کو سُنکر مخالفوں کا ناک میں دم آتا ہے۔ اصل میں مسلمانوں نے اسلام کے ضعف کو سمجھا ہی نہیں۔

ایک مُرتد

ایک شخص (عبدالحکیم) ہے جو بیس برس تک میرا مُرید رہا ہے اور ہر طرح سے میری تائید کرتا رہا ہے اور میری سچائی پر اپنی خوابیں سُناتا رہا ہے۔ اب مُرتد ہو کر اس نے ایک کتاب لکھی ہے جس کا نام اس نے میری طرف منسوب کر کے کانا دجّال رکھا ہے۔ لیکن اصلی بات یہ ہے کہ اس کو اس بات کی خبر ہی نہیں ہے کہ اسلام کا کیا حال ہو رہا ہے۔ جن لوگوں کے دھوکوں اور فریبوں سے آئے دن لوگ اسلام سے مُرتد ہو رہے ہیں وہ تو اس کے نزدیک دجّال نہیں ہیں۔ اور ان کا ذکر تک بھی اپنی کتابوں میں نہیں کرتا ہے اور جو اسلام کا زندہ چہرہ دکھا رہا ہے اور تازہ بتازہ نشانوں سے اس کی تائید کر رہا ہے اور ہر طرح سے اسلام کی مدد کر رہا ہے اور دُشمنانِ اسلام کا دندان شکن جواب دے رہا ہے وہ اس کی نظر میں دجّال ہے۔

صفائی ذہن اور تقویٰ

سو سمجھنا چاہیئے کہ صفائی ذہن بھی تو آخر تقویٰ سے ہی حاصل ہوتا ہے۔ اسی واسطے خدا تعالےٰ فرماتا ہے الٓمٓ ۔ ذٰلك الكتاب لا ريب فيه هدًى للمتقين[1] یعنی یہ کتاب انہیں کو ہدایت نصیب کرتی ہے جو تقویٰ اختیار کرتے ہیں اور جن میں تقوےٰ نہیں۔ وہ تو اندھے ہیں۔[1]

[1] بدر سے :- " اور جیسے اندھا سُورج سے کچھ فائدہ نہیں اُٹھا سکتا۔ اسی طرح جو متقی نہیں وہ قرآن کے نُور سے کچھ روشنی نہ پا سکے گا۔ جو تعصّب سے نظر کرتا ہے۔ بات بات میں بدظنّی سے کام لیتا ہے وہ بشر تو کجا اگر فرشتہ بھی آئے تو کبھی ماننے کا نہیں۔ ۴۰

(بدر جلد ۷ نمبر ۱ صفحہ ۹ مورخہ ۹ جنوری ۱۹۰۸ء)

[1] البقرہ : ۲-۳

اگر کوئی پاک نظر سے اور خدا تعالیٰ کا خوف کر کے اس کو دیکھتا ہے تب تو اس کو سب کچھ اس میں سے نظر آ جاتا ہے اور اگر ضد اور تعصب کی پٹی آنکھوں پر باندھی ہوئی ہے۔ تو وہ اس میں سے کچھ بھی نہیں دیکھ سکتا۔

یاد رکھنا چاہیئے کہ دجال اصل میں شیطان کے مظہر کو کہتے ہیں جس کے معنے ہیں۔ راہِ ہدایت سے گمراہ کرنے والا۔ لیکن آخری زمانہ کی نسبت پہلی کتابوں میں لکھا ہے کہ اس وقت شیطان کے ساتھ بہت جنگ ہوں گے لیکن آخر کار شیطان مغلوب ہو جائے گا۔

مسیح موعود کی فتح شیطان پر

گو ہر نبی کے زمانہ میں شیطان مغلوب ہوتا رہا ہے مگر وہ صرف فرضی طور پر تھا۔ حقیقی طور پر اس کا مغلوب ہونا مسیح کے ہاتھوں سے مقدر تھا اور خدا تعالیٰ نے یہانتک غلبہ کا وعدہ دیا ہے کہ جاعل الذین اتبعوک فوق الذین کفروا الی یوم القیامۃ[1]۔ فرمایا ہے کہ تیرے حقیقی تابعداروں کو بھی دوسروں پر قیامت تک غالب رکھوں گا۔ غرض شیطان اس آخری زمانہ میں پورے زور سے جنگ کر رہا ہے مگر آخری فتح ہماری ہی ہوگی۔ یہ تو تم جانتے ہی ہو اور تمہارے نزدیک یہ ایک معمولی سی بات ہے کہ حضرت عیسٰی مر چکے ہیں اور اس بات میں تم نے ہر طرح سے فتح بھی حاصل کر لی ہے[2] مگر شیطان کا مرنا ابھی باقی ہے۔ کیونکہ میں دیکھتا ہوں کہ اس کا بہت سا تسلط ابھی تم لوگوں پر باقی ہے۔

شیطان کا تسلط

اکثر لوگ یہاں سے بیعت کر جاتے ہیں اور گھر میں پہنچ کر ایک خط ارتداد کا لکھ دیتے ہیں اور اصل وجہ یہ ہوتی ہے کہ کوئی مولوی انہیں مل جاتا ہے جو طرح طرح کی باتیں سُنا کر اور ہم

[2] بدر سے:- "اصل میں ہمارا وجود دو باتوں کے لئے ہے ایک تو ایک نبی کو مارنے کے لئے، دوسرا شیطان کو مارنے کے لئے"
(بدر جلد ۷ نمبر ۱ صفحہ ۹ مورخہ ۹ جنوری ۱۹۰۸ء)

[1] آل عمران: ۵۶

ہر قسم کے جھوٹے الزام قائم کرکے ان کو پھسلا دیتا ہے[1] اور ان لوگوں میں بھی چونکہ شیطان کا بہت سا حصہ باقی ہوتا ہے اس لئے وہ شیطان سیرت لوگوں کے پھندوں میں بہت جلد پھنس جاتے ہیں۔ چونکہ میں اپنے دعویٰ کے متعلق کتاب حقیقۃ الوحی میں بہت کچھ بیان کرچکا ہوں اور تم اس کو پڑھ بھی چکے ہو۔ اس لئے اگر میں اس کے متعلق کچھ بیان کروں تو تقریر کا سلسلہ لمبا ہو جائے گا۔ اس وقت تم لوگوں کو شیطان کی وفات کا مسئلہ یاد کر لینا چاہیئے۔ حضرت عیسٰی کی جو ایک فرضی حیات مانی ہوئی تھی اس کو مارنے میں تو تم لوگ کامیاب ہو گئے ہو مگر شیطان کا مارنا ابھی باقی ہے۔

شیطان کا مارنا ابھی باقی ہے

مگر یاد رکھنا چاہیئے کہ اس کا مارنا صرف اسی قدر نہیں ہے کہ صرف زبان سے ہی کہہ دیا جائے کہ شیطان مرگیا ہے اور وہ مرجاوے بلکہ تم لوگوں کو عملی طور پر دکھانا چاہیئے کہ شیطان مرگیا ہے شیطان کی موت قال سے نہیں بلکہ حال سے ظاہر کرنی چاہیئے۔ خدا تعالےٰ کا وعدہ ہے کہ آخری مسیح کے زمانہ میں شیطان بالکل مرجائے گا۔ گو شیطان ہر ایک انسان کے ساتھ ہوتا ہے۔ مگر ہمارے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کا شیطان مسلمان ہو گیا تھا۔

شیطان لاحول سے بھاگتا ہے

اسی طرح خدا تعالےٰ کا وعدہ ہے کہ اس زمانہ میں شیطان کی بالکل بیخ کنی کر دی جائے گی۔ یہ تو تم جانتے ہی ہو کہ شیطان لاحول سے بھاگتا ہے۔ مگر وہ ایسا سادہ لوح نہیں کہ صرف زبانی طور پر لاحول کہنے سے بھاگ جائے۔ اس طرح سے تو خواہ سو دفعہ لاحول پڑھا جاوے وہ نہیں بھاگے گا بلکہ اصل بات یہ ہے کہ جس کے ذرّہ ذرّہ میں لاحول سرایت کر جاتا ہے اور جو ہر وقت خدا تعالیٰ سے ہی مدد اور استعانت طلب کرتے رہتے ہیں اور اس سے ہی فیض حاصل کرتے رہتے ہیں۔ وہ شیطان سے بچائے جاتے ہیں اور وہی لوگ ہوتے ہیں جو فلاح پانے والے ہوتے ہیں۔

---

[1] بدر میں ہے :- "یا بعض دنیاوی اثرات سے متأثر ہو کر مرتد ہو جاتے ہیں" (بدر جلد ۹ نمبر ۱ صفحہ ۹ مورخہ ۹ جنوری ۱۹۱۰ء)

قرآن مجید کی ابتدار اور انتہاء دعا پر

مگر یاد رکھو کہ یہ جو خدا تعالیٰ نے قرآن مجید کی ابتدا بھی دُعا سے ہی کی ہے اور پھر اس کو ختم بھی دُعا پر ہی کیا ہے تو اس کا یہ مطلب ہے کہ انسان ایسا کمزور ہے کہ خدا کے فضل کے بغیر پاک ہو ہی نہیں سکتا[1] اور جب تک خدا تعالیٰ سے مدد اور نُصرت نہ ملے یہ نیکی میں ترقی کر ہی نہیں سکتا۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ سب مُردے ہیں مگر جس کو خدا زندہ کرے اور سب گمراہ ہیں۔ مگر جس کو خدا ہدایت دے اور سب اندھے ہیں مگر جس کو خدا بینا کرے۔

غرض یہ سچی بات ہے کہ جب تک خدا کا فیض حاصل نہیں ہوتا تب تک دنیا کی محبت کا طوق گلے کا ہار رہتا ہے اور وہی اس سے خلاصی پاتے ہیں جن پر خدا اپنا فضل کرتا ہے۔ مگر یاد رکھنا چاہیئے کہ خدا کا فیض بھی دُعا سے ہی شروع ہوتا ہے۔

دُعا کی حقیقت

لیکن یہ مت سمجھو کہ دعا صرف زبانی بک بک کا نام ہے بلکہ دعا ایک قسم کی موت ہے جس کے بعد زندگی حاصل ہوتی ہے جیسا کہ پنجابی میں ایک شعر ہے ؎

جو منگے سو مر رہے ۔ مرے سو منگن جا

دُعا میں ایک مقناطیسی اثر ہوتا ہے وہ فیض اور فضل کو اپنی طرف کھینچتی ہے۔

وساوس نماز

یہ کیا دُعا ہے کہ مُنہ سے تو اھدنا الصراط المستقیم[2] کہتے رہے اور دل میں خیال رہا کہ فلاں سودا اس طرح کرنا ہے۔ فلاں چیز رہ گئی ہے۔ یہ کام یُوں چاہیئے تھا، اگر اس طرح ہو جائے تو پھر یُوں کریں گے۔ یہ تو صرف عُمر کا ضائع کرنا ہے۔ جب تک انسان کتاب اللہ کو مقدم نہیں کرتا اور اسی کے مطابق عملدر آمد نہیں کرتا تب تک اس کی نمازیں محض

---

[1] بدر سے:۔ "تم اپنے تئیں پاک مت ٹھہراؤ۔ کیونکہ کوئی پاک نہیں جب تک خدا پاک نہ کرے۔" (بدر جلد ۷ نمبر ۱ صفحہ ۱۰ مورخہ ۹ جنوری ۱۹۰۸ء)

[2] الفاتحہ: ۶

وقت کا ضائع کرنا ہے۔

مومنوں کے اوصاف

قرآن مجید میں تو صاف طور پر لکھا ہے قد افلح المومنون الّذین ھُم فی صلاتھم خاشعون[1]۔ یعنی جب دُعا کرتے کرتے انسان کا دل پگھل جائے اور آستانہ الُوہیت پر ایسے خلوص اور صدق سے گر جاوے کہ بس اسی میں محو ہو جاوے اور سب خیالات کو مٹا کر اسی سے فیض اور استعانت طلب کرے اور ایسی یکسوئی حاصل ہو جائے کہ ایک قسم کی رقّت اور گداز پیدا ہو جائے تب فلاح کا دروازہ کھُل جاتا ہے جس سے دُنیا کی محبت ٹھنڈی ہو جاتی ہے۔ کیونکہ دو محبّتیں ایک جگہ جمع نہیں رہ سکتیں۔ جیسے لکھا ہے۔

ہم خدا خواہی و ہم دنیائے دُوں
ایں خیال است و محال است و جنوں

اسی لئے اس کے بعد ہی خدا فرماتا ہے والّذین ھم عن اللّغو معرضون[2]۔ یہاں لغو سے مراد دُنیا ہے۔ یعنی جب انسان کو نمازوں میں خشوع اور خضوع حاصل ہونے لگ جاتا ہے۔ تو پھر اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ دنیا کی محبت اس کے دل سے ٹھنڈی ہو جاتی ہے۔ اس سے یہ مراد نہیں ہے کہ پھر وہ کاشتکاری، تجارت نوکری وغیرہ چھوڑ دیتا ہے بلکہ وہ دنیا کے ایسے کاموں سے جو دھوکہ دینے والے ہوتے ہیں اور جو خدا سے غافل کر دیتے ہیں اعراض کرنے لگ جاتا ہے[1] اور ایسے لوگوں کی گریہ وزاری اور تضرّع اور

---

[1] بدر سے:- "فرمایا۔ رجالٌ لّا تلھیھم تجارۃٌ وّلا بیعٌ عن ذکر اللہ[3]۔ یعنی ہمارے ایسے بندے بھی ہیں جو بڑے بڑے کارخانہ تجارت میں ایک دم کے لئے بھی ہمیں نہیں بھُولتے۔ خدا سے تعلق رکھنے والا دنیادار نہیں کہلاتا۔ بلکہ دنیادار وہ ہے جسے خدا یاد نہ ہو۔"

(بدر جلد ۷ نمبر ۱ صفحہ ۱۰ مورخہ ۹ جنوری ۱۹۰۸ء)

[1] المومنون: ۲،۳ [2] المومنون: ۴ [3] النور: ۳۸

استہال اور خدا کے حضور عاجزی کرنے کا یہ نتیجہ ہوتا ہے کہ ایسا شخص دین کی محبت کو دنیا کی محبت، حرص، لالچ اور عیش و عشرت سب پر مقدم کر لیتا ہے کیونکہ یہ قاعدہ کی بات ہے کہ ایک نیک فعل دوسرے نیک فعل کو اپنی طرف کھینچتا ہے۔ اور ایک بد فعل دوسرے بد فعل کی ترغیب دیتا ہے۔ جب وہ لوگ اپنی نمازوں میں خشوع خضوع کرتے ہیں تو اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ طبعاً وہ لغو سے اعراض کرتے ہیں۔ اور اس گندی دنیا سے نجات پا جاتے ہیں۔ اور اس دنیا کی محبت ٹھنڈی ہو کر خدا کی محبت ان میں پیدا ہو جاتی ہے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ھم للزکوٰۃ فاعلون[1] یعنی وہ خدا کی راہ میں خرچ کرتے ہیں اور یہ ایک نتیجہ ہے عن اللغو معرضون[2] کا۔ کیونکہ جب دنیا سے محبت ٹھنڈی ہو جائے گی[3] تو اس کا لازمی نتیجہ ہوگا کہ وہ خدا کی راہ میں خرچ کریں گے اور خواہ قارون کے خزانے بھی ایسے لوگوں کے پاس جمع ہوں وہ پروا نہیں کریں گے اور خدا کی راہ میں دینے سے نہیں جھجکیں گے۔ ہزاروں آدمی ایسے ہوتے ہیں کہ وہ زکوٰۃ نہیں دیتے یہانتک کہ اُن کی قوم کے بہت سے غریب اور مفلس آدمی تباہ اور ہلاک ہو جاتے ہیں مگر وہ ان کی پروا بھی نہیں کرتے حالانکہ خدا تعالےٰ کی طرف سے ہر ایک چیز پر زکوٰۃ دینے کا حکم ہے یہانتک کہ زیور پر بھی۔ ہاں جواہرات وغیرہ چیزوں پر نہیں۔ اور جو امیر، نواب اور دولت مند لوگ ہوتے ہیں ان کو حکم ہے کہ وہ شرعی احکام کے بموجب اپنے خزانوں کا حساب کر کے زکوٰۃ دیں لیکن وہ نہیں دیتے۔ اس لئے خدا فرماتا ہے کہ عن اللغو معرضون کی حالت تو اُن میں تب پیدا ہوگی جب وہ زکوٰۃ بھی دیں گے۔ گویا زکوٰۃ کا دینا لغو سے اعراض کرنے کا ایک نتیجہ[4] ہے۔

---

[3] بدر سے :- "دنیا کی محبت بخیل بنا دیتی ہے۔ آخرت کو بھلانا اور دُنیا سے دل لگانا یہ سخت منع ہے" (بدر جلد ۶ نمبر ۱ صفحہ ۱۰ مورخہ ۹ جنوری ۱۹۰۷ء)

[4] بدر سے :- "یہ قوت زکوٰۃ دینے کی لغو سے کنارہ کشی پر حاصل ہوتی ہے پس تم دُنیا کی محبت کم کرو بلکہ نہ کرو تا زکوٰۃ دینے کی قوت حاصل ہو اور تم فلاح پاؤ" (بدر حوالہ مذکور)

[1] المومنون : ۵ [2] المومنون : ۴

پھر اس کے بعد فرمایا۔ والذین ھم لفروجھم حافظون[۱] یعنی جب وہ لوگ اپنی نمازوں میں خشوع خضوع کریں گے۔ لغو سے اعراض کریں گے اور زکوٰۃ ادا کریں گے تو اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ وہ لوگ اپنے سوراخوں کی حفاظت کریں گے۔ کیونکہ جب ایک شخص دین کو دنیا پر مقدم رکھتا ہے اور اپنے مال کو خدا کی راہ میں خرچ کرتا ہے وہ کسی اور کے مال کو ناجائز طریقہ سے کب حاصل کرنا چاہتا ہے اور کب چاہتا ہے کہ میں کسی دوسرے کے حقوق کو دباؤں۔ اور جب وہ اپنی مال جیسی عزیز چیز کو خدا کی راہ میں قربان کرنے سے دریغ نہیں کرتا تو پھر آنکھ، ناک، کان زبان وغیرہ کو غیر محل پر کب استعمال کرنے لگا۔ کیونکہ یہ قاعدہ کی بات ہے کہ جب ایک شخص اول درجہ کی نیکیوں کی نسبت اس قدر محتاط ہوتا ہے تو ادنیٰ درجہ کی نیکیاں خود بخود عمل میں آتی جاتی ہیں مثلاً جب خشوع خضوع سے دعا مانگنے لگا تو پھر اس کے ساتھ ہی لغو سے بھی اعراض کرنا پڑا۔ اور جب لغو سے اعراض کیا تو پھر زکوٰۃ کے ادا کرنے میں دلیر ہونے لگا اور جب اپنے مال کی نسبت وہ اس قدر محتاط ہو گیا تو پھر غیروں کے حقوق چھیننے سے بدرجۂ اولیٰ بچنے لگا۔ اس لئے اس کے آگے فرمایا۔ والذین ھم لاماناتھم وعھدھم راعون[۲] کیونکہ جو شخص دوسرے کے حق میں دست اندازی نہیں کرتا اور جو حقوق اس کے ذمہ ہیں ان کو ادا کرتا ہے۔ اس کے لئے لازمی ہے کہ وہ اپنے عہدوں کا پکا ہو اور دوسرے کی امانتوں میں خیانت کرنے سے بچنے والا ہو۔ اس لئے بطور نتیجہ کے فرمایا کہ جب ان لوگوں میں یہ وصف پائے جاتے ہوں گے تو پھر لازمی بات ہے کہ وہ اپنے عہدوں کے بھی پکے ہوں گے۔ پھر ان سب باتوں کے بعد فرمایا۔ والذین ھم علیٰ صلوٰتھم یحافظون[۳]۔ یعنی ایسے ہی لوگ ہیں جو اپنی نمازوں کی حفاظت کرتے ہیں اور کبھی ناغہ نہیں کرتے اور انسان کی پیدائش کی اصل غرض بھی یہی ہے کہ وہ نماز کی حقیقت سیکھے

انسان کی پیدائش کی اصل غرض

جیسے فرمایا اللہ تعالیٰ نے۔ وماخلقت الجن

تشریح: بدل دیجئے:-
"سب سے بڑا حق یہ ہے کہ انسان دوسرے کی بیوی پر بدنظر ہی نہ کرے"
(بدر جلد ۸ نمبر ۱ صفحہ ۱۰ مورخہ ۹ جنوری ۱۹۰۹ء)

---

[۱] المومنون: ۶ [۲] المومنون: ۹ [۳] المومنون: ۱۰

والانس الا لیعبدون[1] *

غرض یاد رکھنا چاہیئے کہ نماز ہی وہ شئے ہے جس سے سب مشکلات آسان ہوجاتے ہیں اور سب بلائیں دُور ہوتی ہیں۔ مگر نماز سے وہ نماز مراد نہیں جو عام لوگ رسم کے طور پر پڑھتے ہیں بلکہ وہ نماز مراد ہے جس سے انسان کا دل گداز ہوجاتا ہے اور آستانۂ احدیت پر گر کر ایسا محو ہوجاتا ہے کہ پگھلنے لگتا ہے۔

اللہ غنی ہے

اور پھر یہ بھی سمجھنا چاہیئے کہ نماز کی حفاظت اس واسطے نہیں کی جاتی کہ خدا کو ضرورت ہے خدا تعالےٰ کو ہماری نمازوں کی کوئی ضرورت نہیں۔ وہ تو غنی عن العالمین ہے اس کو کسی کی حاجت نہیں۔ بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ انسان کو ضرورت ہے اور یہ ایک راز کی بات ہے کہ انسان خود اپنی بھلائی چاہتا ہے[2] اور اسی لئے وہ خدا سے مدد طلب کرتا ہے۔ کیونکہ یہ سچی بات ہے کہ انسان کا خدا تعالیٰ سے تعلق ہوجانا حقیقی بھلائی کا حاصل کر لینا ہے۔ ایسے شخص کی اگر تمام دُنیا دشمن ہوجائے اور اس کی ہلاکت کے درپے رہے تو اس کا کچھ بگاڑ نہیں سکتی اور خدا تعالےٰ کو ایسے شخص کی خاطر اگر لاکھوں کروڑوں انسان بھی ہلاک کرنے پڑیں تو کر دیتا ہے اور اس ایک کی بجائے لاکھوں کو فنا کر دیتا ہے۔

حقیقی نماز

یاد رکھو۔ یہ نماز ایسی چیز ہے کہ اس سے دنیا بھی سنور جاتی ہے اور دین بھی۔ لیکن اکثر لوگ جو نماز پڑھتے ہیں تو وہ نماز ان پر لعنت بھیجتی ہے[3]۔ جیسے فرمایا اللہ تعالےٰ نے

[1] بدر سے :- "سب حقوق کے بعد اپنا حق پیش کیا"
(بدر جلد ۷ نمبر ۱ صفحہ ۱۱ مورخہ ۹ جنوری ۱۹۰۸ء)

[2] بدر میں ہے :- "اللہ جو کچھ انسان سے چاہتا ہے وہ انسان کی بھلائی کے لئے ہے" (بدر حوالہ مذکور)

[3] حاشیہ دیکھئے اگلے صفحہ پر

* الذاریٰت : ۵۷

فویلٌ للمصلّین الّذین ھم عن صلا تھم ساھونؔ[1]۔ یعنی لعنت ہے ان نمازیوں پر جو نماز کی حقیقت سے ہی بے خبر ہوتے ہیں۔

نماز تو وہ چیز ہے کہ انسان اس کے پڑھنے سے ہر ایک طرح کی بدعملی اور بیحیائی سے بچایا جاتا ہے۔ مگر جیسے کہ میں پہلے بیان کر چکا ہوں اس طرح کی نماز پڑھنی انسان کے اپنے اختیار میں نہیں ہوتی۔ اور یہ طریق خدا کی مدد اور استعانت کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتا۔ اور جب تک انسان دُعاؤں میں نہ لگا رہے اس طرح کا خشوع اور خضوع پیدا نہیں ہو سکتا۔ اس لئے چاہیئے کہ تمہارا دن اور تمہاری رات غرض کوئی گھڑی دُعاؤں سے خالی نہ ہو

آنے والے دن

یاد رکھو کہ بہت سخت دن آنے والے ہیں جن میں دنیا کو خطرناک شدائد اور مصائب کا سامنا کرنا پڑے گا۔ خدا تعالیٰ نے مجھے خبر دی ہے کہ عنقریب سخت وبائیں اور طرح طرح کی آفات ارضی و سماوی ظاہر ہونے والی ہیں اور ایک شدید زلزلہ کی بھی خبر دے رکھی ہے جو کہ قیامت کا نمونہ ہوگا اور جس کی نسبت خدا تعالیٰ نے بغتۃً فرمایا ہے یعنی وہ زلزلہ ناگہانی طور پر آجائے گا۔ ایسے ہی اور بھی بہت سی ڈراؤنی خبریں خدا تعالیٰ نے دے رکھی ہیں۔ اگر تمہیں ان باتوں کا پتہ ہو جائے جو میں دیکھ رہا ہوں تو سارا سارا دن اور ساری ساری رات خدا تعالیٰ کے آگے روتے رہو۔

دیکھو اسی ایک مہینہ میں ہی تین زلزلے آچکے ہیں اور یہ سب بطور پیش خیمہ کے

بدر میں ہے :- "ایک حدیث ہے کہ بہت سے قرآن پڑھنے والے ایسے ہیں کہ قرآن ان کو لعنت کرتا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ جبتک انسان عمل نہ کرے۔ دلی حضور نہ ہو تو گویا وہ عبادت سانپ کی خاصیت رکھتی ہے۔ دیکھنے میں خوبصورت اور خوشنما مگر بباطن دُکھ دینے والی زہر سے پُر"

(بدر جلد ۷ نمبر ۱ صفحہ ۱۱ مورخہ ۹ جنوری ۱۹۰۸ء)

[1] الماعون: ۵

ہیں۔[1]

سُنّت اللہ کا نظارہ

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے وقت میں پہلے تو ٹڈیوں، جُوؤں اور مینڈکوں وغیرہ کے عذاب ہی آتے رہے تھے اور مخالفوں نے اُن کو ایک قسم کا تماشا سمجھ رکھا تھا[2] اور اس کی اصل وجہ یہ تھی کہ ان بدبختوں کو یہ خبر نہ تھی کہ ایک وہ معجزہ بھی ظاہر ہوگا جبکہ اُسے اٰمَنْتُ اَنَّہٗ لَآ اِلٰہَ اِلَّا الَّذِیْٓ اٰمَنَتْ بِہٖ بَنُوْٓا اِسْرَآءِیْلَ[3] بھی کہنا پڑے گا۔

ابتدائی منذرات

سو اس بات کو اچھی طرح سے یاد رکھو کہ اگر ابتدائی منذرات کو عبرت کی نظر سے دیکھو گے اور خدا تعالیٰ سے ڈر کر استغفار۔ لاحول اور دوسرے نیک کاموں میں مشغول ہوجاؤ گے تو یہ تمہارے لئے اچھا ہوگا لیکن جو بے پرواہی سے کام لیتا ہے تو آخرکار جب وہ وقت آئے گا تو اس وقت رونے چلانے سے کوئی فائدہ نہ ہوگا اور آخرکار بڑی ذلت اور نامرادی سے ہلاکت کا مُنہ دیکھنا پڑے گا۔ اور پھر جس دنیا کے لئے دین سے مُنہ موڑا تھا اس کو بھی بڑی حسرت سے چھوڑنا پڑے گا

---

[1] بدر سے :- "اللہ تعالیٰ کے انذار کی باتیں نرمی سے شروع ہوتی ہیں" (بدر جلد ۷ نمبر ۱ صفحہ ۱۱ مورخہ ۹ جنوری ۱۹۰۸ء)

[2] بدر سے :- "پہلے نرم نرم عذاب آئے کہ حشرات الارض نکل آئے۔ خون پھیل گیا۔ قحط پڑ گیا۔ بھلا فرعون قحط کو کیا جانتا تھا۔ وہ تماشا سمجھتا ہوگا۔ کیونکہ قحط کا اثر تو غریبوں پر پڑتا ہے۔ مگر اس کو یہ خبر نہ تھی کہ ایک دن بطش شدید کا آنے والا ہے جبکہ اس کے مُنہ سے بے اختیار نکلے گا اٰمَنْتُ اَنَّہٗ لَآ اِلٰہَ اِلَّا الَّذِیْٓ اٰمَنَتْ بِہٖ بَنُوْٓا اِسْرَآءِیْلَ[3]" (بدر حوالہ مذکور)

[3] یونس : ۹۱

طاعُون اور وبا

دیکھو طاعون بھی آنے والی ہے۔ دُنیا کہتی ہے کہ اب تو دُور ہو گئی ہے اور اس کا دَورہ ختم ہو گیا ہے مگر خدا کہتا ہے کہ عنقریب ایسی طاعُون پھیلنے والی ہے جو پہلے کی نسبت نہایت ہی سخت ہو گی اور پھر یہ بھی فرمایا ہے کہ ایک سخت وبا پھیلے گی جس کا کوئی نام بھی نہیں رکھ سکتے۔

لیکن ان سب باتوں کے بعد میں تمہیں کہتا ہوں کہ خدا تعالےٰ کی رحمتیں سمندروں سے بھی زیادہ ہیں۔ اگر وہ شدید العقاب ہے تو غفور رحیم بھی تو ہے۔ جو شخص توبہ کرتا اور استغفار اور لاحول میں مشغول ہو جاتا ہے اور دین کو دُنیا پر مقدم کر لیتا ہے تو وہ ضرور بچایا جاتا ہے۔ ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبروں کا یہ متفق علیہ مسئلہ ہے کہ جو عذاب آنے سے پہلے ڈرتے ہیں اور خدا کی یاد میں مشغول ہو جاتے ہیں وہ اس وقت ضرور بچائے جاتے ہیں جبکہ عذاب اچانک آ دباتا ہے۔ لیکن جو اُس وقت روتے اور آہ و زاری کرتے ہیں جبکہ عذاب آ پہنچتا ہے اور اس وقت گڑگڑاتے اور توبہ کرتے ہیں جبکہ ہر ایک سخت سے سخت دل والا بھی لرزاں اور ترساں ہوتا ہے تو وہ بے ایمان ہیں وہ ہرگز نہیں بچائے جاتے۔

یہ باتیں جو میں کہہ رہا ہوں میں نہیں جانتا کہ تم میں سے کتنے آدمی ہیں جو سچے دل سے ان باتوں کو مانتے ہیں۔ مگر میں پھر بھی وہی کہتا ہوں کہ یہ دن جو آنے والے ہیں تو یہ نہایت سخت ہیں۔ لوگوں کی بداعتقادیوں اور بدعملیوں نے خدا کے عذاب کو بھڑکا دیا ہے۔ تمام نبیوں نے اس زمانہ کی نسبت پہلے ہی سے خبر دے رکھی ہے کہ اس وقت ایک مری پڑے گی اور کثرت سے اموات ہوں گی۔

اور پھر حدیثوں میں لکھا ہے کہ جہاںتک خدا کے مسیح کی نظر پہنچ سکے گی کافر تباہ اور ہلاک ہوتے جائیں گے۔ یہ بھی بالکل سچی بات ہے۔ مگر اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ جس پر اس کی نظر پڑے گی وہی تباہ ہوتا جائے گا۔ بلکہ اس کا یہ مطلب ہے کہ جو اس کی نظر میں نشانہ بنیں گے

وہ تباہ اور ہلاک ہوتے جائیں گے لیکن اب تو تمام دنیا نشانہ بن رہی ہے۔ خدا تعالےٰ تو فرماتا ہے وماخلقت الجن والانس الا لیعبدون[1]۔ یعنی تمام جن اور انسان صرف اسی واسطے پیدا کئے گئے تھے کہ وہ خدا تعالےٰ کی معرفت میں ترقی کرتے اور اللہ اور اس کے رسول کے حکموں پر چلتے۔

بے دینی کا پھیلنا

مگر اب تم خود سوچ لو کہ کتنے لوگ ہیں جو دینداری سے زندگی بسر کر رہے اور دین کو دُنیا پر مقدم کر رہے ہیں۔ تم خود کسی بڑے شہر مثلاً کلکتہ، دہلی، پشاور اور لاہور امرتسر وغیرہ کے چوک میں کھڑے ہو کر دیکھ لو۔ ہزاروں لاکھوں لوگ اِدھر سے اُدھر اور اُدھر سے اِدھر دوڑتے پھرتے ہیں۔ مگر اُن کی یہ سب دوڑ دھوپ محض دنیا کے لئے ہوتی ہے۔ آپ کو بہت تھوڑے ایسے ملیں گے جو دین کے کام میں ایسی سرگرمی سے مشغول ہوں۔ بہت سے لوگ ایسے ہوتے ہیں جو دنیا کی خاطر بڑے بڑے مصائب کا مقابلہ کرتے ہیں مگر دین میں نہایت بودے پائے جاتے ہیں۔ ایک ذرا سے ابتلاء پر جھوٹ جیسی نجاست کو کھانے سے بھی دریغ نہیں کرتے اور اپنی نفسانی خواہشوں کو پُورا کرنے کے لئے کن کن حیلوں سے کام لیتے ہیں کہ گویا خدا ہی نہیں۔

دُنیا کی جدوجہد

انسان جتنی ٹکریں اپنی بیوی کو خوش کرنے اور اس کی ضروریات اور خواہشات کو پورا کرنے کے لئے مارتا ہے۔ اگر خدا کی راہ میں اتنی کوشش کرے تو کیا وہ خوش نہ ہوگا؟ ہوگا اور ضرور ہوگا مگر کوئی کوشش کر کے بھی دیکھے۔ اگر ایک کے ہاں اولاد نہیں ہوتی تو محض ایک بچہ کی خاطر وہ کیسی کیسی سختیاں جھیلتا ہے اور کس طرح کے وسائل اور تدابیر سے اس کے حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہے اور کہاں کہاں خوار ہوتا پھرتا ہے گویا خدا اس کے نزدیک ہے ہی نہیں۔

غرض یاد رکھنا چاہیئے کہ انسان جب اپنی زندگی کی اصل غرض سے غافل ہو جاتا ہے تو پھر وہ اس قسم کے دھندوں اور بکھیڑوں میں سرگردان اور مارا مارا پھرتا ہے۔ انسان کو چاہیئے

[1] الذٰریٰت: ۵۷

کہ جتنی جلدی اُس سے ہو سکے خدا سے اپنا تعلق قائم کرے۔ جب تک اس کے ساتھ تعلق نہیں ہوتا تب تک کچھ بھی نہیں۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ اگر انسان آہستہ آہستہ خدا کی طرف جاتا ہے تو خدا جلدی سے اس کی طرف آتا ہے۔ اور اگر انسان جلدی سے اس کی راہ میں ترقی کرتا ہے تو خدا دوڑ کر اس کی طرف آتا ہے۔ لیکن اگر بندہ خدا سے لاپروا بن جائے اور غفلت اور سستی سے کام لے پھر اس کا نتیجہ بھی ویسا ہی ہوتا ہے۔

ایک دفعہ سُورۂ کہف جس میں ذوالقرنین کا بھی ذکر ہے[1]۔ میں دیکھ رہا تھا تو جب میں نے اس قصہ کو غور سے پڑھا تو مجھے معلوم ہوا کہ اس میں بعینہٖ اسی زمانہ کا حال درج ہے جیسے لکھا ہے کہ جب اس نے سفر کیا تو ایسی جگہ پہنچا جہاں کہ اُسے معلوم ہوا کہ سورج کیچڑ میں ڈوب گیا ہے اور یہ اس کا مغربی سفر تھا۔ اور اس کے بعد پھر وہ ایسے لوگوں کے پاس پہنچتا ہے جو دھوپ میں ہیں اور جن پر کوئی سایہ نہیں۔ پھر ایک تیسری قوم اُسے ملتی ہے۔ جو یاجوج ماجوج کے حالات بیان کر کے اس سے حمایت طلب کرتی ہے۔ اب مثالی طور پر تو خدا تعالیٰ نے یہی بیان کیا ہے لیکن ذوالقرنین تو اس کو بھی کہتے ہیں جس نے دو صدیاں پائی ہوں اور ہم نے دو صدیوں کو اس قدر لیا ہے کہ اعتراض کا موقعہ ہی نہیں رہتا۔ میں نے ہر صدی پر دو صدیوں سے حصہ لیا ہے۔ تم حساب کر کے دیکھ لو اور یہ جو قرآن میں قصص پائے جاتے ہیں تو یہ صرف قصہ کہانیاں نہیں بلکہ یہ عظیم الشان پیشگوئیاں ہیں۔ جو شخص ان کو صرف قصّے کہانیاں سمجھتا ہے وہ مسلمان نہیں[2]۔ غرض اس حساب سے تو مجھے بھی ذوالقرنین ماننا پڑے گا۔ اور

---

[1] بدر میں ہے:۔ "میں نے ایک مرتبہ ذوالقرنین کا حال قرآن مجید میں دیکھا تھا تدبر سے معلوم ہوا کہ جو کچھ اس میں ہے وہ دراصل اسی زمانہ کے لئے بطور پیشگوئی ہے" (بدر جلد ۷ نمبر ۱ صفحہ ۱۱ مورخہ ۹ جنوری ۱۹۰۸ء)

[2] بدر میں ہے:۔ "جو قرآن مجید کو قصّے سمجھے وہ میرے نزدیک مومن نہیں۔ اس کی کوئی بات بھی حکمت سے خالی نہیں ہوتی" (بدر حوالہ مذکور)

آئمہ دین میں سے بھی ایک نے ذوالقرنین سے مسیح مراد لیا ہے۔ اب خدا تعالیٰ نے اس قصہ میں مغربی اور مشرقی دو قوموں کا ذکر کیا ہے۔ مغربی قوم سے مراد تو وہ لوگ ہیں جن کو انجیل اور دیگر صحیفہ جات کا صاف شفاف پانی دیا گیا تھا مگر وہ روشن تعلیم انہوں نے ضائع کر دی۔ اور اپنے پاس کیچڑ اور گند باقی رہنے دیا اور مشرقی قوم سے وہ مسلمان لوگ مراد ہیں جو امام کے سایہ کے نیچے نہیں آئے[1] اور دھوپ کی شعاعوں سے جھلسے جا رہے ہیں لیکن ہماری جماعت بہت خوش نصیب ہے[2]۔ اس کو اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا چاہیئے کہ اس نے اپنے فضل سے ہدایت عطا فرمائی۔ لیکن یہ ابھی ابتدائی حالت ہے۔

میں خوب جانتا ہوں کہ ابھی بہت سی کمزوریاں اس میں پائی جاتی ہیں۔ اس لئے سمجھنا چاہیئے کہ خدا تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتا ہے قد افلح من زکّٰھا وقد خاب من دسّٰھا[3] جس کا مطلب یہ ہے کہ نجات پا گیا وہ شخص جس نے اپنے نفس کا تزکیہ کر لیا اور خائب اور خاسر ہو گیا وہ شخص جو اس سے محروم رہا۔ اس لئے اب تم لوگوں کو سمجھنا چاہیئے کہ تزکیہ نفس کس کو کہا جاتا ہے۔ سو یاد رکھو کہ ایک مسلمان کو حقوق اللہ اور حقوق العباد کو پورا کرنے کے واسطے ہمہ تن تیار رہنا چاہیئے اور جیسے زبان سے خدا تعالیٰ کو اس کی ذات اور صفات میں وحدہ لا شریک سمجھتا ہے ایسے ہی عملی طور پر اس کو دکھانا چاہیئے اور اس کی مخلوق کے ساتھ ہمدردی اور ملائمت سے پیش آنا چاہیئے اور اپنے بھائیوں سے

---

[1] بدر میں ہے:۔ ”وہ قرآن مجید سے کچھ فائدہ اُٹھاتا نہیں جانتے بلکہ جاہلیت میں مر رہے ہیں۔ چنانچہ فرمایا من مات ولم یعرف امام زمانہ فقد مات میتۃ جاھلیۃ“ (بدر جلد ۷ نمبر ۱ صفحہ ۱۲ مورخہ ۹ جنوری ۱۹۰۸ء)

[2] بدر میں ہے:۔ ”تیسری ہماری قوم جو بڑی خوش نصیب ہے۔ یہ امام کے سایہ میں آ گئے اور چاہا کہ یاجوج ماجوج کے آگے انہیں سدّ بنا دی جائے“ (بدر حوالہ مذکور)

[3] الشمس: ۱۰

کسی قسم کا بھی بغض حسد اور کینہ نہیں رکھنا چاہیئے اور دوسروں کی غیبت کرنے سے بالکل الگ ہو جانا چاہیئے۔ لیکن میں دیکھتا ہوں کہ یہ معاملہ تو ابھی دُور ہے کہ تم لوگ خدا تعالےٰ کے ساتھ ایسے از خود رفتہ اور محو ہو جاؤ کہ بس اُسی کے ہو جاؤ اور جیسے زبان سے اس کا اقرار کرتے ہو عمل سے بھی کر کے دکھاؤ۔ ابھی تو تم لوگ مخلوق کے حقوق کو بھی کماحقہٗ ادا نہیں کرتے بہت سے ایسے ہیں جو آپس میں فساد اور دشمنی رکھتے ہیں اور اپنے سے کمزور اور غریب شخصوں کو نظرِ حقارت سے دیکھتے ہیں اور بدسلوکی سے پیش آتے ہیں اور ایک دوسرے کی غیبتیں کرتے اور اپنے دلوں میں بغض اور کینہ رکھتے ہیں۔ لیکن خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ تم آپس میں ایک وجود کی طرح بن جاؤ۔[1] اور جب تم ایک وجود کی طرح ہو جاؤ گے اس وقت کہہ سکیں گے کہ اب تم نے اپنے نفسوں کا تزکیہ کر لیا۔ کیونکہ جب تک تمہارا آپس میں معاملہ صاف نہیں ہوگا اس وقت تک خدا تعالیٰ سے بھی معاملہ صاف نہیں ہو سکتا[2] گو ان دونوں قسم کے حقوق میں بڑا حق خدا تعالےٰ کا ہے مگر اس کی مخلوق کے ساتھ معاملہ کرنا یہ بطور آئینہ کے ہے۔ جو شخص اپنے بھائیوں سے صاف صاف معاملہ نہیں کرتا وہ خدا تعالےٰ کے حقوق بھی ادا نہیں کرسکتا یاد رکھو۔ اپنے بھائیوں کے ساتھ بکلی صاف ہو جانا یہ آسان کام نہیں بلکہ نہایت مشکل کام ہے۔ منافقانہ طور پر آپس میں ملنا جُلنا اَور بات ہے مگر سچی محبت اور ہمدردی سے پیش آنا اَور چیز ہے۔ یاد رکھو اگر اس جماعت میں سچی ہمدردی نہ ہوگی تو پھر یہ تباہ ہو جائے گی۔ اور خدا اس کی جگہ کوئی اور جماعت پیدا کر لے گا۔[3]

---

[1] الحکم جلد ۱۲ نمبر ۳ صفحہ ۲ تا ۵ مورخہ ۱۰ر جنوری ۱۹۰۸ء

[2] بدر سے:- "تزکیہ نفس اسے کہتے ہیں کہ خالق و مخلوق دونو طرف کے حقوق کی رعایت کرنے والا ہو" (بدر جلد ۷ نمبر ۱ صفحہ ۱۲)

[3] بدر سے "پس خدا تعالیٰ چاہتا ہے کہ جب تک تم ایک وجود کی طرح بھائی بھائی نہ بن جاؤ گے اور آپس میں بمنزلہ اعضاء (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

ہمارے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے جو جماعت بنائی تھی۔ ان میں سے ہر ایک زکی نفس تھا اور ہر ایک نے اپنی جان کو دین پر قربان کر دیا ہوا تھا ان میں سے ایک بھی ایسا نہ تھا جو منافقانہ زندگی رکھتا ہو۔ سب کے سب حقوق اللہ اور حقوق العباد کو ادا کرنے والے تھے۔ سو یاد رکھو اس جماعت کو بھی خدا تعالےٰ انہیں کے نمونہ پر چلانا چاہتا ہے اور صحابہؓ کے رنگ میں رنگین کرنا چاہتا ہے۔ جو شخص منافقانہ زندگی بسر کرنے والا ہوگا وہ آخر اس جماعت سے کاٹا جائے گا۔

یاد رکھو یہ خدا تعالےٰ کا وعدہ ہے۔ خبیث اور طیّب کبھی اکٹھے نہیں رہ سکتے۔ ابھی وقت ہے کہ اپنی اپنی اصلاح کر لو۔ یاد رکھو کہ انسان کا دل خدا کے گھر کی مثال ہے۔ خانۂ خدا اور خانۂ انسان ایک جگہ نہیں رہ سکتا جب تک انسان اپنے دل کو پُورے طور پر صاف نہ کر لے[1]

نہ ہو جاؤ گے تو فلاح نہ پاؤ گے۔ انسان کا جب بھائیوں سے معاملہ صاف نہیں تو خدا سے بھی نہیں۔ بیشک خدا تعالےٰ کا حق بڑا ہے مگر اس بات کو پہچاننے کا آئینہ کہ خدا کا حق ادا کیا جا رہا ہے یہ ہے کہ مخلوق کا حق بھی ادا کر رہا ہے یا نہیں۔ جو شخص اپنے بھائیوں سے معاملہ صاف نہیں رکھ سکتا وہ خدا سے بھی صاف نہیں رکھتا۔ یہ بات سہل نہیں یہ مشکل بات ہے۔ سچی محبت اور چیز ہے اور منافقانہ اور۔ دیکھو مومن کے مومن پر بڑے حقوق ہیں۔ جب وہ بیمار پڑے تو عیادت کو جائے اور جب مرے تو اس کے جنازہ پر جائے۔ ادنیٰ ادنیٰ باتوں پر جھگڑا نہ کرے بلکہ درگذر سے کام لے۔ خدا کا یہ منشا نہیں کہ تم ایسے رہو۔ اگر سچی اخوت نہیں تو جماعت تباہ ہو جائے گی۔"

(بدر جلد ۷ نمبر ۱ صفحہ ۱۲ مورخہ ۹ جنوری ۱۹۰۸ء)

حاشیہ: [1] بدر سے:- "اس گھر کو بُتوں سے صاف کرو تا یہ خدا کا گھر کہلائے۔ فرمایا طَهِّرَا بَيْتِيَ لِلطَّائِفِينَ[2] یعنی میرے گھر کو فرشتوں کے لئے پاک کرو انسان کا دل خدا کا گھر ہے۔ یہ خدا کا گھر اس وقت کہلائے گا (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

[2] البقرہ : ۱۲۶

اور اپنے بھائی کے لئے دکھ اُٹھانے کو تیار نہ ہو جائے تب تک خدا تعالیٰ کے ساتھ معاملہ صاف نہیں ہو سکتا اور یہ باتیں میں اس واسطے بیان کرتا ہوں کہ آپ لوگ جو یہاں قادیان میں آئے ہو ایسا نہ ہو کہ پھر خالی کے خالی ہی واپس چلے جاؤ۔ زندگی کا کچھ اعتبار نہیں معلوم نہیں کہ آئندہ سال تک کون مرے اور کون زندہ رہے گا۔ اس لئے سچے دل سے توبہ کرنی چاہیئے۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا تُوْبُوْٓا اِلَی اللّٰهِ تَوْبَةً نَّصُوْحًا[1]۔ سو انسان کو چاہیئے کہ اگر توبہ کرے تو خالص توبہ کرے۔ توبہ اصل میں رجوع کو کہتے ہیں۔ صرف الفاظ ایک قسم کی عادت ہو جاتی ہے۔ اس لئے خدا تعالیٰ نے یہ نہیں کہا کہ صرف زبان سے توبہ توبہ کرتے پھرو بلکہ فرمایا کہ خدا تعالیٰ کی طرف رجوع کرو جیسا کہ حق ہے رجوع کرنے کا۔ کیونکہ جب متناقض جہات میں سے ایک کو چھوڑ کر انسان دوسری طرف آجاتا ہے تو پھر پہلی جگہ دُور ہوتی جاتی ہے اور جس کی طرف جاتا ہے وہ نزدیک ہوتی جاتی ہے۔ یہی مطلب توبہ کا ہے کہ جب انسان خدا کی طرف رجُوع کر لیتا ہے اور دن بدن اسی کی طرف چلتا ہے تو آخر یہ نتیجہ ہوتا ہے کہ وہ شیطان سے دُور ہو جاتا ہے اور خدا کے نزدیک ہو جاتا ہے اور یہ قاعدہ کی بات ہے کہ جو جس کے نزدیک ہوتا ہے اسی کی بات سُنتا ہے۔ اس لئے ایسے انسان پر جو عملی طور پر شیطان سے دُور اور خدا سے نزدیک ہو جاتا ہے اللہ تعالیٰ کے فیوض اور برکات کا نزول ہوتا ہے اور سفلی آلائشوں کا گند اس سے دھویا جاتا ہے جیسے آگے فرمایا عَسٰی رَبُّکُمْ اَنْ یُّکَفِّرَ عَنْکُمْ سَیِّاٰتِکُمْ۔ کیونکہ توبہ میں ایک خاصیت ہے کہ گزشتہ گناہ اس سے بخشے

ضمیمہ

اور اس وقت فرشتوں کا طواف گاہ بنے گا۔ جب یہ اوہام باطلہ و عقائد فاسدہ سے بالکل پاک و صاف ہو۔ جب تک انسان کا دل صاف نہ ہو اس کی عملی حالت درست نہیں ہو سکتی دیکھو یہ وقت ہے جو کچھ کرنا ہے کر لو۔ ایسا نہ ہو کہ بوجہ مخالفت دنیا سے بھی رہے اور دین سے بھی خالی چلے جاؤ"

(بدر جلد ۷ نمبر ۱ صفحہ ۱۲ مورخہ ۹ جنوری ۱۹۰۸ء)

[1] التحریم : ۹

جاتے ہیں۔ ایسے ہی ایک اور جگہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے۔ اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ التَّوَّابِیْنَ وَ یُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِیْنَ۔ [1]

توّاب اور مُتطہّر

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک تو توّاب ہوتے ہیں اور ایک متطہر ہوتے ہیں۔ توّاب ان کو کہا جاتا ہے جو بکلّی خدا کی طرف رجوع کر لیتے ہیں اور متطہر وہ ہوتے ہیں کہ وہ مجاہدات اور ریاضات کرتے رہتے ہیں اور اُن کے دل میں ایک کیٹ سی لگی رہتی ہے کہ کسی طرح سے اُن آلائشوں سے پاک ہو جاویں اور نفس امارہ کے جذبات پر ہر طرح سے غالب آکر زکی النفس بن جاویں۔

نفس کی اقسام

یاد رکھنا چاہیئے کہ قرآن مجید میں نفس کی تین قسمیں بیان کی گئی ہیں۔ نفس امارہ۔ نفس لوّامہ۔ نفس مطمئنہ۔ نفس امارہ اس کو کہتے ہیں کہ سوائے بدی کے اور کچھ چاہتا ہی نہیں جیسے فرمایا اللہ تعالیٰ نے اِنَّ النَّفْسَ لَاَمَّارَةٌ بِالسُّوْٓءِ [2] یعنی نفس امارہ میں یہ خاصیت ہے کہ وہ انسان کو بدی کی طرف جھکاتا ہے اور ناپسندیدہ اور بدراہوں پر چلانا چاہتا ہے۔ جتنے بدکار چور ڈاکو دُنیا میں پائے جاتے ہیں وہ سب اسی نفس کے ماتحت کام کرتے ہیں۔ ایسا شخص جو نفس امارہ کے ماتحت ہو ہر ایک طرح کے بدکام کر لیتا ہے۔ ہم نے ایک شخص کو دیکھا تھا جس نے صرف بارہ آنہ کی خاطر ایک لڑکے کو جان سے مار دیا تھا۔ کسی نے خوب کہا ہے کہ ؎

حضرتِ انساں کہ حدِ مشترک را جامع است
مے تواند شد مسیحا مے تواند شد خرے

غرض جو انسان نفس امارہ کے تابع ہوتا ہے وہ ہر ایک بدی کو شیرِ مادر کی طرح سمجھتا ہے اور جب تک کہ وہ اسی حالت میں رہتا ہے بدیاں اُس سے دُور نہیں ہو سکتیں۔

پھر دوسری قسم نفس کی نفسِ لوّامہ ہے جیسے کہ قرآن شریف میں خدا تعالیٰ فرماتا ہے وَلَآ اُقْسِمُ بِالنَّفْسِ اللَّوَّامَةِ [3] (۲۹/۱۷) یعنی میں اس نفس کی قسم کھاتا ہوں جو بدی کے

[1] البقرة: ۲۲۳ [2] یوسف: ۵۴ [3] القیٰمة: ۳

کاموں اور نیز ہر ایک طرح کی بے اعتدالی پر اپنے تئیں ملامت کرتا ہے۔ ایسے شخص سے اگر کوئی بدی ظہور میں آجاتی ہے تو پھر وہ جلدی سے متنبّہ ہو جاتا ہے اور اپنے آپ کو اس بُری حرکت پر ملامت کرتا ہے اور اسی لئے اس کا نام نفسِ لوّامہ رکھا ہے یعنی بہت ملامت کرنے والا۔ جو شخص اس نفس کے تابع ہوتا ہے وہ نیکیوں کے بجا لانے پر پُورے طور پر قادر نہیں ہوتا اور طبعی جذبات اس پر کبھی کبھی غالب آجاتے ہیں لیکن وہ اس حالت سے نکلنا چاہتا ہے اور اپنی کمزوری پر نادم ہوتا رہتا ہے۔

اس کے بعد تیسری قسم نفس کی نفس مطمئنّہ ہے جیسے فرمایا اللہ تعالیٰ نے یٰاَیَّتُھَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ارْجِعِیْٓ اِلٰی رَبِّكِ رَاضِیَةً مَّرْضِیَّةً فَادْخُلِیْ فِیْ عِبٰدِیْ وَادْخُلِیْ جَنَّتِیْ[1] یعنی اے وہ نفس جو خدا سے آرام پا گیا ہے اپنے رب کی طرف واپس چلا آ تو خدا سے راضی ہے اور خدا تجھ پر راضی ہے پس میرے بندوں میں مِل جا اور میرے بہشت کے اندر داخل ہو جا۔ غرض یہ وہ حالت ہوتی ہے کہ جب انسان خدا سے پُوری تسلّی پا لیتا ہے اور اس کو کسی قسم کا اضطراب باقی نہیں رہتا اور خدا تعالیٰ سے ایسا پیوند کر لیتا ہے کہ بغیر اس کے جی ہی نہیں سکتا۔ نفسِ لوّامہ والا تو ابھی بہت خطرے کی حالت میں ہوتا ہے کیونکہ اندیشہ ہوتا ہے کہ لَوٹ کر وہ کہیں پھر نفس امّارہ نہ بن جاوے۔ لیکن نفس مطمئنّہ کا وہ مرتبہ ہے کہ جس میں نفس تمام کمزوریوں سے نجات پا کر رُوحانی قوتوں سے بھر جاتا ہے۔

غرض یاد رکھنا چاہیئے کہ جب تک انسان اس مقام تک نہیں پہنچتا اس وقت تک وہ خطرہ کی حالت میں ہوتا ہے۔ اس لئے چاہیئے کہ جب تک انسان اس مرتبہ کو حاصل نہ کر لے مجاہدات اور ریاضات میں لگا رہے۔

سوچنا چاہیئے کہ انسان کے بدن پر جذام کا داغ نکل آتا ہے تو پھر کیسے کیسے خیالات اس کے دل میں اُٹھتے ہیں اور کیسے دُور دراز کے نتیجوں پر وہ پہنچتا ہے اور اپنی آنے والی حالت کا خیال کر کے وہ کیسا غمگین ہوتا ہے۔ کبھی خیال کرتا ہے کہ شاید اب لوگ مجھ سے نفرت

[1] الفجر: ۲۸تا ۳۱

کرنے لگ جائیں گے اور میرے ساتھ بدسلوکی سے پیش آئیں گے اور کبھی سوچتا ہے کہ خدا جانے اب میں کیسی ابتر حالت میں ہو جاؤں گا اور کن کن دُکھوں میں مبتلا ہوں گا۔ لیکن افسوس کہ اس بات کا خیال تک بھی نہیں کیا جاتا کہ آخر مرنا ہے اور اپنے اعمال کا حساب دینا ہے اس وقت کیا حالت ہو گی۔

یہ جذام تو ایسا ہے کہ مرنے کے بعد ہی اس سے خلاصی ہو جاتی ہے مگر وہ کوڑھ جو رُوح کو لگ جاتا ہے وہ تو ابد تک رہتا ہے کیا کبھی اس کا بھی فکر کیا ہے۔ یاد رکھو جو خدا تعالیٰ کی طرف صدق اور اخلاص سے قدم اُٹھاتے ہیں وہ کبھی ضائع نہیں کئے جاتے۔ ان کو دونو جہان کی نعمتیں دی جاتی ہیں جیسے فرمایا اللہ تعالیٰ نے وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ جَنَّتَانِ[1] اور یہ اس واسطے فرمایا کہ کوئی یہ خیال نہ کرے کہ میری طرف آنے والے دنیا کھو بیٹھتے ہیں

دو بہشت

بلکہ ان کے لئے دو بہشت ہیں۔ ایک بہشت تو اسی دنیا میں اور ایک جو آگے ہوگا۔ دیکھو اتنے انبیاء گذرے ہیں کیا کسی نے اس دنیا میں ذلّت اور خواری دیکھی؟ سب کے سب اس دنیا میں سے کامیاب اور مظفر و منصور ہو کر گئے ہیں۔ خدا تعالیٰ نے ان کے دشمنوں کو تباہ کیا اور ان کو عزّت اور جلال کے تخت پر جگہ دی۔ لیکن اگر وہ اس دنیا کے پیچھے پڑتے تو زیادہ سے زیادہ دس بارہ روپیہ ماہوار کی نوکری انہیں ملتی کیونکہ وہ صاف گو اور سادہ طبع تھے مگر جب انہوں نے خدا کے لئے اس دنیا کو چھوڑا تو ایک دنیا اُن کے تابع کی گئی۔

غور کر کے دیکھو کہ اگر ان لوگوں نے خدا کے لئے اس دُنیا کو چھوڑ دیا تھا تو نقصان کیا اُٹھایا؟ حضرت ابوبکر صدیق رضؓ کو ہی دیکھو کہ جب وہ شام کے ملک سے واپس آ رہے تھے تو راستہ میں ایک شخص ان کو ملا۔ آپ نے اس سے پُوچھا کہ کوئی تازہ خبر سُناؤ۔ اس شخص نے جواب دیا کہ اَور تو کوئی تازہ خبر نہیں۔ البتہ تمہارے دوست محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) نے پیغمبری کا دعویٰ کیا ہے۔ اس پر ابوبکر صدیقؓ نے اس کو جواب دیا کہ اگر اس نے نبوت کا دعویٰ کیا ہے تو

[1] الرحمٰن : ۴۷

وہ سچا ہے۔ وہ جھوٹا کبھی نہیں ہو سکتا۔ اس کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضؓ سیدھے حضرت نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے مکان پر چلے گئے اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کرکے کہنے لگے کہ آپ گواہ رہیں کہ سب سے پہلے آپ پر ایمان لانے والا میں ہوں۔ دیکھو انہوں نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے کوئی معجزہ نہیں مانگا تھا۔ صرف پہلے تعارف کی برکت سے وہ ایمان لے آئے تھے۔

یاد رکھو۔ معجزات وہ طلب کیا کرتے ہیں جن کو تعارف نہیں ہوتا۔ جو لنگوٹیا یار ہوتا ہے اس کے لئے تو سابقہ حالات ہی معجزہ ہوتے ہیں۔ اس کے بعد حضرت ابوبکرؓ کو بڑی بڑی تکالیف کا سامنا ہوا۔ طرح طرح کے مصائب اور سخت درجہ کے دکھ اٹھانے پڑے۔ لیکن دیکھو اگر سب سے زیادہ انہیں کو دکھ دیا گیا تھا اور وہی سب سے بڑھ کر ستائے گئے تھے تو سب سے پہلے تخت نبوت[۱] پر وہی بٹھائے گئے تھے۔ کہاں وہ تجارت کہ تمام دن دھکے کھاتے پھرتے تھے۔ اور کہاں یہ درجہ کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے بعد سب سے اول خلیفہ انہیں کو مقرر کیا گیا انسان کو چاہیئے کہ خدا تعالیٰ پر بدظنّی کرنے سے بچے کیونکہ اس کا انجام آخر میں تباہی ہوا کرتا ہے۔ جیسے فرمایا اللہ تعالیٰ نے وَذٰلِكُمْ ظَنُّكُمُ الَّذِيْ ظَنَنْتُمْ بِرَبِّكُمْ اَرْدٰىكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ مِّنَ الْخٰسِرِيْنَ ([۲])۔ اس لئے سمجھنا چاہیئے کہ خدا تعالیٰ پر بدظنّی کرنا اصل میں بے ایمانی کا بیج بونا ہے۔ جس کا نتیجہ آخر کار ہلاکت ہوا کرتا ہے۔ جب کبھی خدا تعالیٰ کسی کو اپنا رسول بنا کر بھیجتا ہے تو جو اس کی مخالفت کرتا ہے وہ ہلاک ہو جاتا ہے۔

یاد رکھو جب ایک مامور من اللہ آتا ہے تو اس سے منہ پھیرنا اصل میں خدا سے منہ پھیرنا ہے۔ دیکھو گورنمنٹ کا ادنیٰ چپڑاسی ہوتا ہے۔ پانچ روپیہ ماہوار اس کی تنخواہ ہوتی ہے لیکن جب وہ

---

[۱] غالباً یہ لفظ "تخت خلافت" ہوگا۔ یا اگر حضور نے یہی لفظ بولا ہو تو پھر اس سے مراد نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے تخت نبوت پر بطور خلیفہ بیٹھنا ہے۔ جیسا کہ آگے چل کر اس کی وضاحت ہے۔ (مرتب)

[۲] حٰم السجدۃ : ۲۴

گورنمنٹ کے حکم سے سرکاری پروانہ لے کر زمینداروں کے پاس جاتا ہے۔ اگر زمیندار یہ خیال کر کے کہ یہ ایک پانچ روپیہ کا ملازم ہے اس کو تنگ کریں اور بجائے اس کے حکم کی تعمیل کرنے کے اُلٹا اس کو ماریں پیٹیں اور بدسلوکی سے پیش آویں۔ تو اب بتلاؤ کہ کیا گورنمنٹ ایسے شخصوں کو سزا نہ دے گی؟ دے گی اور ضرور دے گی کیونکہ گورنمنٹ کے چپڑاسی کو بے عزّت اور ذلیل کرنا اصل میں گورنمنٹ کو ہی بے عزّت اور ذلیل کرنا ہے۔ اسی طرح جو شخص خدا تعالیٰ کے مامور کی مخالفت کرتا ہے وہ اس کی نہیں بلکہ حقیقت میں وہ خدا کی مخالفت کرتا ہے۔[1]

خدا کا رسُول اور دُنیادار لوگ

یاد رکھو خدا تعالیٰ اگرچہ سزا دینے میں دھیما ہے مگر جو لوگ اپنی شرارتوں سے باز نہیں آتے اور بجائے اس کے کہ اپنے گناہوں کا اقرار کر کے خدا تعالیٰ کے حضور جھک جائیں اُلٹے خدا تعالیٰ کے رسُول کو ستاتے اور دُکھ دیتے ہیں وہ آخر پکڑے جاتے ہیں اور ضرور پکڑے جاتے ہیں دیکھو۔ دن نہایت نازک آتے جاتے ہیں۔ اس لئے تم لوگوں کو چاہیئے کہ خدا تعالیٰ کے حضور سچّی توبہ کرو اور تضرّع اور ابتہال کے ساتھ دن رات اس سے دُعائیں مانگتے رہو۔ خدا تعالیٰ تمہیں توفیق دے۔ اب دُعا کر لو۔

اس کے بعد حضرت اقدس علیہ السلام نے مع ساعین نہایت خلوص کے ساتھ دُعا کے لئے ہاتھ اُٹھائے اور خدا تعالیٰ سے دُعائیں مانگیں۔ رَبَّنَآ اِنَّنَا سَمِعْنَا مُنَادِيًا يُّنَادِيْ لِلْاِيْمَانِ اَنْ اٰمِنُوْا بِرَبِّكُمْ فَاٰمَنَّا رَبَّنَا فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَكَفِّرْ عَنَّا

---

[1] بدر سے:۔ "خدا جو سب بادشاہوں کا بادشاہ ہے اور جس کی عظمت اور جس کے جلال کے مقابل میں کسی کا جلال نہیں۔ کیا وہ اپنے فرستادہ اپنے رسُول کی ہتک دیکھ کر خاموش رہتا ہے؟ ہرگز نہیں۔ مامُور کی بے ادبی درحقیقت خدا تعالیٰ کی بے ادبی ہے۔"

(بدر جلد ۷ نمبر ۱ صفحہ ۱۲ مورخہ ۹ جنوری ۱۹۰۸ء)

سَیِّاٰتِنَا وَ تَوَفَّنَا مَعَ الۡاَبۡرَارِ ۔ رَبَّنَا وَ اٰتِنَا مَا وَعَدۡتَّنَا عَلٰی رُسُلِکَ وَ لَا تُخۡزِنَا یَوۡمَ الۡقِیٰمَۃِ اِنَّکَ لَا تُخۡلِفُ الۡمِیۡعَادَ ۔"[۱]

(الحکم جلد ۱۲ نمبر ۴ صفحہ ۲ - ۳ مورخہ ۱۴ جنوری ۱۹۰۸ء) [۱۲۱]

---

۲۸ دسمبر ۱۹۰۷ء

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی دوسری تقریر جو آپ نے جلسہ سالانہ کے موقع پر ۲۸ دسمبر ۱۹۰۷ء کو یوم شنبہ بعد جمع نماز ظہر و عصر مسجد اقصیٰ میں فرمائی۔

ابتدائے تقریر

جو کچھ کل میں نے تقریر کی تھی اس کا کچھ حصہ باقی رہ گیا تھا کیونکہ بسبب علالت طبع تقریر ختم نہ ہو سکی۔ اس واسطے آج پھر میں تقریر کرتا ہوں۔ زندگی کا کچھ اعتبار نہیں۔ جس قدر لوگ آج اس جگہ موجود ہیں معلوم نہیں ان میں سے کون سال آئندہ تک زندہ رہے گا اور کون مر جائے گا۔

زمانہ نازک ہے

ہمارا فرض ہے کہ ہم ہر طرح سے لوگوں کو سمجھا دیں کہ یہ زمانہ بہت نازک ہے خدا تعالیٰ نے اس قدر بار بار مجھے آئندہ اور بھی خطرناک زمانہ کے آنے کے متعلق وحی کی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ قیامت قریب ہے اور وہ جلد آنے والی ہے جیسا کہ کل بیان کیا گیا تھا۔ طرح طرح کے لباسوں میں موتیں وارد ہو رہی ہیں طاعون ہے۔ وبائیں ہیں۔ قحط ہے زلزلے ہیں

صبر کس طرح حاصل ہوتا ہے

جب ایسی مصیبتیں وارد ہوتی ہیں تو دنیا داروں کی عقل جاتی رہتی ہے اور وہ ایک سخت غم اور مصیبت میں گرفتار ہو جاتے ہیں جس سے نکلنے کا کوئی طریق ان کو نہیں سوجھتا۔ قرآن شریف میں اسی کی طرف اشارہ ہے۔ وَ تَرَی النَّاسَ سُکٰرٰی وَ مَا ھُمۡ بِسُکٰرٰی[۲]

[۱] اٰل عمران : ۱۹۴-۱۹۵ [۲] الحج : ۳

تو لوگوں کو دیکھتا ہے کہ نشے میں ہیں حالانکہ وہ کسی نشے میں نہیں۔ بلکہ بات یہ ہے کہ نہایت درجہ کے غم اور خوف سے ان کی عقل ماری گئی ہے اور کچھ حوصلہ باقی نہیں رہا۔ ایسے موقعہ پر بجز متقی کے کسی کے اندر صبر کی طاقت نہیں رہتی۔ دینی امور میں بجز تقویٰ کے کسی کو صبر حاصل نہیں ہو سکتا۔ بلا کے آنے کے وقت سوائے اس کے کون صبر کر سکتا ہے جو خدا تعالےٰ کی رضا کے ساتھ اپنی رضا کو ملائے ہوئے ہو جب تک کہ پہلے ایمان پختہ نہ ہو۔ ادنیٰ نقصان سے انسان ٹھوکر کھا کر دہریہ بن جاتا ہے۔ جس کو خدا تعالیٰ کے ساتھ تعلق نہیں۔ اس میں مصیبت کی برداشت نہیں۔

مصائب کا آنا ضروری ہے

دنیا دار لوگ تو ایسے مصائب کے وقت وجود باری تعالےٰ کا بھی انکار کر بیٹھتے ہیں۔ دنیا کی وضع ہی ایسی بنی ہے کہ اس میں مصائب کا آنا ضروری ہے۔ دنیا میں جس قدر آدمی گذرے ہیں ان میں سے کون دعویٰ کر سکتا ہے کہ اس پر کبھی کوئی مصیبت وارد نہیں ہوئی۔ کسی کی مصیبت اولاد پر وارد ہوتی ہے اور کسی کے مال پر اور کسی کی عزت پر۔ غرض ہر ایک کو کوئی نہ کوئی مصیبت اور ابتلاء دیکھنا ہی پڑتا ہے۔ بغیر اس کے دُنیا میں چارہ نہیں۔ یہ دنیا کا لازمہ ہے۔ عرب کا ایک پُرانا شاعر لکھتا ہے ؎

سئمت تکالیف الحیاۃ و من یعش

ثمانین حولاً لا ابالک لیسئم

دُنیا میں مَیں نے بڑی بڑی تکلیفیں دیکھی ہیں اور جو کوئی میری طرح اسّی سال تک جئے گا وہ بھی لامحالہ کچھ دیکھے گا۔

دُنیا کے مصائب تو دراصل چند روز کے واسطے ہیں۔ کوئی جلدی مرا اور کوئی دیر سے مرا۔ آخر سب نے مرنا ہے

تکالیف شرعیہ | دین کی راہ میں دو قسم کی تکلیفیں ہیں۔ ایک تکالیف شرعیہ جیسا کہ

نماز ہے اور روزہ ہے اور حج ہے اور زکوٰۃ ہے۔ نماز کے واسطے انسان اپنے کاروبار کو ترک کرتا ہے اور ان کا ہرج بھی کر کے مسجد میں جاتا ہے۔ سردی کے موسم میں پچھلی رات اُٹھتا ہے ماہِ رمضان میں دن بھر کی بھوک اور پیاس برداشت کرتا ہے۔ حج میں سفر کی صعوبتیں اُٹھاتا ہے زکوٰۃ میں اپنی محنت کی کمائی دوسروں کے سپرد کر دیتا ہے۔ یہ سب تکالیف شرعیہ ہیں۔ اور انسان کے واسطے موجب ثواب ہیں۔ اس کا قدم خدا کی طرف بڑھاتی ہیں۔ لیکن ان سب میں انسان کو ایک وسعت دی گئی ہے اور وہ اپنے آرام کی راہ تلاش کر لیتا ہے۔ جاڑے کے موسم میں وضو کے واسطے پانی گرم کر لیتا ہے۔ بہ سبب علالت کھڑا ہو کر نہ پڑھ سکے تو بیٹھ کر پڑھ لیتا ہے۔ رمضان میں سحری میں اُٹھ کر خوب کھانا کھا لیتا ہے بلکہ بعض لوگ ماہِ صیام میں معمول سے بھی زیادہ خرچ کھانے پینے پر کر لیتے ہیں۔ غرض ان تکالیف شرعیہ میں کچھ نہ کچھ آرام کی صورت ساتھ ساتھ انسان نکالتا رہتا ہے۔ اس واسطے اس سے پُورے طور پر صفائی نہیں ہوتی اور منازل سلوک جلدی سے طے نہیں ہو سکتے۔

تکالیف سماوی

لیکن تکالیف سماوی جو آسمان سے اُترتی ہیں اُن میں انسان کا اختیار نہیں ہوتا۔ اور بہرحال برداشت کرنی پڑتی ہیں۔ اس واسطے ان کے ذریعہ سے انسان کو خدا تعالیٰ کا قُرب حاصل ہوتا ہے۔

ہر دو کا ذکر قرآن میں

ہر دو قسم کی تکلیف شرعی اور سماوی کا ذکر اللہ تعالیٰ نے قرآن شریف میں کیا ہے تکالیف شرعی کے متعلق پہلے سیپارہ میں فرمایا ہے۔ الٓمّٓ ۔ ذٰلک الکتاب لاریب فیہ ھدی للمتقین[۵]۔ یعنی مومن وہ ہے جو خدا تعالیٰ پر غیب سے ایمان لاتے ہیں۔ اپنی نماز کو کھڑا کرتے ہیں۔ یعنی صدہا وساوس آکر دل کو ادھر ادھر پھیر دیتے ہیں۔ مگر وہ بار بار خدا تعالیٰ کی طرف توجہ کر کے اپنی نماز کو جو بہ سبب وساوس کے گرتی رہتی ہے بار بار کھڑا کرتے رہتے ہیں

[۵] البقرہ: ۲-۳

خدا تعالیٰ کے دیئے ہوئے مال میں سے خرچ کرتے ہیں۔ یہ تکالیف شرعیہ ہیں مگر ان پر پورے طور سے بھروسہ حصول ثواب کا نہیں ہو سکتا کیونکہ بہت سی باتوں میں انسان غفلت کرتا ہے۔ اکثر نماز کی حقیقت اور مغز سے بے خبر ہو کر صرف پوست کو ادا کرتے ہیں۔

تشریح تکالیف سماوی

اس واسطے انسانی مدارج کی ترقی کے واسطے سماوی تکالیف بھی رکھی گئی ہیں ان کا ذکر بھی خدا تعالیٰ نے قرآن شریف میں کیا ہے۔ جہاں فرمایا ہے ولنبلونکم بشیئٍ من الخوف والجوع ونقص من الاموال والانفس والثمرات وبشر الصابرین۔ الذین اذا اصابتہم مصیبةٌ قالوا انا للہ وانا الیہ راجعون۔ اولٰئك علیہم صلوٰتٌ من ربہم ورحمةٌ واولٰئك ھم المھتدون[1]۔ یہ وہ مصائب ہیں جو خدا تعالیٰ اپنے ہاتھ سے ڈالتا ہے۔ یہ ایک آزمائش ہے جس میں کبھی تو انسان پر ایک بھارے درجہ کا ڈر لاحق ہوتا ہے۔ وہ ہر وقت اس خوف میں ہوتا ہے کہ شاید اب معاملہ بالکل بگڑ جائے گا۔ کبھی فقرو فاقہ شامل حال ہو جاتا ہے۔ ہر ایک امر میں انسان کا گذارہ بہت تنگی سے ہونے لگتا ہے۔ کبھی مال میں نقصان نمودار ہوتا ہے۔ تجارت اور دکانداری بگڑ جاتی ہے یا چور لے جاتے ہیں کبھی ثمرات میں نقصان ہوتا ہے یعنی پھل خراب ہو جاتے ہیں۔ کھیتی ضائع ہو جاتی ہے یا اولاد عزیز مر جاتی ہے۔ محاورہ عرب میں اولاد کو بھی ثمر کہتے ہیں۔ اولاد کا فتنہ بھی بہت سخت ہوتا ہے۔ اکثر لوگ مجھے گھبرا کر خط لکھتے رہتے ہیں کہ آپ دعا کریں کہ میری اولاد ہو۔ اولاد کا فتنہ ایسا سخت ہے کہ بعض نادان اولاد کے مر جانے کے سبب دہریہ ہو جاتے ہیں۔ بعض جگہ اولاد انسان کو ایسی عزیز ہوتی ہے کہ وہ اس کے واسطے خدا تعالیٰ کا شریک بن جاتی ہے۔ بعض لوگ اولاد کے سبب سے دہریہ، ملحد اور بے ایمان بن جاتے ہیں۔ بعضوں کے بیٹے عیسائی بن جاتے ہیں تو وہ بھی اولاد کی خاطر عیسائی ہو جاتے ہیں۔ بعض بچے چھوٹی عمر میں مر جاتے ہیں تو وہ ماں باپ کے واسطے سلبِ ایمان کا موجب ہو جاتے ہیں۔

[1] البقرۃ: ۱۵۶ تا ۱۵۸

صدمہ کے مطابق اجر

لیکن اللہ تعالےٰ ظالم نہیں۔ جب کسی پر صدمہ سخت ہو اور وہ صبر کرے تو جتنا صدمہ ہوا اتنا ہی اس کا اجر بھی زیادہ ہوتا ہے۔ خدا تعالےٰ رحیم غفور اور ستار ہے۔ وہ انسان کو اس واسطے تکلیف نہیں پہنچاتا کہ وہ تکلیف اُٹھا کر دین سے الگ ہو جائے بلکہ تکالیف اس واسطے آتی ہیں کہ انسان آگے قدم بڑھائے۔ صوفیاء کا قول ہے کہ ابتلاء کے وقت فاسق آدمی قدم پیچھے ہٹاتا ہے لیکن صالح آدمی اُور بھی قدم آگے بڑھاتا ہے۔

انبیاء اور رسل کس طرح بنتے ہیں

ایک روایت میں لکھا ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے گیارہ لڑکے فوت ہوئے تھے انبیاء اور رسل کو جو بڑے بڑے مقام ملتے ہیں وہ ایسی معمولی باتوں سے نہیں مل جاتے جو نرمی سے اور آسانی سے پُوری ہو جائیں بلکہ ان پر بھاری ابتلاء اور امتحان وارد ہوئے جن میں وہ صبر اور استقلال کے ساتھ کامیاب ہوئے۔ تب خدا تعالےٰ کی طرف سے ان کو بڑے بڑے درجات نصیب ہوئے۔ دیکھو حضرت ابراہیم پر کیسا بڑا ابتلاء آیا۔ اس نے اپنے ہاتھ میں چھُری لی کہ اپنے بیٹے کو ذبح کرے اور اس چھُری کو اپنے بیٹے کی گردن پر اپنی طرف سے پھیر دیا مگر آگے بکرا تھا۔ ابراہیم امتحان میں پاس ہوا۔ اور خدا تعالیٰ نے بیٹے کو بھی بچا لیا۔ تب خدا تعالےٰ ابراہیم پر خوش ہوا کہ اُس نے اپنی طرف سے کوئی فرق نہ رکھا۔ یہ خدا تعالےٰ کا فضل تھا کہ بیٹا بچ گیا ورنہ ابراہیم نے اس کو ذبح کر دیا تھا۔ اس واسطے اس کو صادق کا خطاب ملا۔ اور توریت میں لکھا ہے کہ خدا تعالیٰ نے فرمایا کہ اے ابراہیم تو آسمان کے ستاروں کی طرف نظر کر کیا تُو ان کو گن سکتا ہے۔ اسی طرح تیری اولاد بھی نہ گنی جائے گی۔ تھوڑے سے وقت کی تکلیف تھی وہ تو گذر گئی۔ اس کے نتیجہ میں کس قدر انعام ملا۔ آج تمام سادات اور قریش اور یہود اور دیگر اقوام اپنے آپ کو ابراہیم کا فرزند کہتے ہیں[ل]۔ گھڑی دو گھڑی کی بات تھی وہ تو ختم ہو

[ل] انگریزوں میں بھی ایک فرقہ ہے جس کا یہ عقیدہ ہے کہ وہ حضرت ابراہیم کی اولاد میں سے ہیں۔
(یہ غالباً ایڈیٹر صاحب بدر کا اپنا نوٹ ہے۔ مرتب)

ہو گئی اور اتنا بڑا انعام ان کو خدا تعالیٰ کی طرف سے ملا۔

تقویٰ مصیبت سے پہچانا جاتا ہے

درحقیقت انسان کا تقویٰ تب محقق ہوتا ہے جبکہ اس پر کوئی مصیبت وارد ہو جب وہ تمام پہلو ترک کر کے خدا تعالیٰ کے پہلو کو مقدم کر لے اور آرام کی زندگی کو چھوڑ کر تلخ زندگی قبول کر لے تب انسان کو حقیقی تقویٰ حاصل ہوتا ہے۔ انسان کی اندرونی حالت کی اصلاح نری رسمی نمازوں اور روزوں سے نہیں ہو سکتی بلکہ مصائب کا آنا ضروری ہے۔

؎ عشق اول سرکش و خونی بود
تا گریزد ہر کہ بیرونی بود

اول حملہ عشق کا شیر کی طرح سخت ہوتا ہے۔ جس قدر انبیاء اور رسول اور صدیق گذرے ہیں اُن میں سے کسی نے معمولی امور سے ترقی نہیں پائی بلکہ ان کے مدارج کا راز اس بات میں تھا کہ انہوں نے خدا تعالیٰ کے ساتھ موافقت تامہ کی۔ مومن کی ساری اولاد ذبح کر دی جائے اور اس کے سوائے بھی اس پر تکالیف پڑیں تب بھی وہ بہرحال قدم آگے بڑھاتا ہے۔

خدا وفادار دوست

دیکھو انسان باوجود ہزاروں کمزوریوں کے اپنے سچے دوست کے ساتھ وفاداری کرتا ہے تو کیا خدا جو رحمان اور رحیم ہے وہ تمہارے ساتھ وفاداری نہ کرے گا۔ خدا تعالیٰ سے ایسا پیار کرو کہ اگر ہزار بچہ ایک طرف ہو اور خدا ایک طرف تو خدا کی طرف اختیار کرو اور بچوں کی پروا نہ کرو۔

برکات مصائب

مصائب تمام انبیاء پر وارد ہوتے رہے ہیں۔ کوئی اُن سے خالی نہیں رہا۔ اسی واسطے مصائب کے برداشت کرنے والے کے لئے بڑے بڑے اجر ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن شریف

میں فرمایا ہے اور اپنے رسُول کو خطاب کیا ہے کہ صبر کرنے والوں کو خوشخبری دے دو جو مصیبت کے وقت کہتے ہیں کہ ایک وقت تھا کہ ہمارا کوئی وجود ہی نہ تھا. خدا تعالیٰ نے ہم کو پیدا کیا ہے اور اس کی ہم امانت ہیں اور اسی کے پاس جانا ہے۔ ایسے لوگوں کے واسطے بشارت ہے۔ ان مصائب کے ذریعہ سے جو برکات حاصل ہوتے ہیں اور خدا تعالےٰ کی طرف سے جو خاص بشارت ملتی ہے وہ نماز روزہ زکوٰۃ سے حاصل نہیں ہو سکتی۔ نماز کا حقہ ادا ہو جاوے تو بہت عمدہ شئے ہے مگر خدا تعالےٰ کی طرف سے جو نشانہ لگتا ہے۔ وہ سب سے زیادہ ٹھیک بیٹھتا ہے اور اسی سے ہدایت اور رستگاری حاصل ہوتی ہے۔

جماعت کو خطاب

اب اہل جماعت غور سے سنیں اور اس بات کو سمجھیں کہ دونوں قسم کی تکالیف خدا تعالےٰ نے تمہارے واسطے رکھی ہیں۔ اول تکالیف شرعی ہیں ان کی برداشت کرو۔ دوسری تکالیف قضا و قدر کی ہیں۔ اکثر انسان شرعی تکالیف کو کسی نہ کسی طرح ٹال دیتے ہیں۔ اور ان کو پورے طور سے ادا نہیں کرتے۔ مگر قضا و قدر سے کون بھاگ سکتا ہے۔ اس میں انسان کا اختیار نہیں۔

یاد رکھو۔ انسان کے واسطے یہی ایک عالم نہیں بلکہ اس کے بعد ایک اَور عالم ہے۔ یہ تو ایک بہت ہی مختصر زندگی ہے کوئی پچاس ساٹھ سال کی عمر میں مرگیا۔ کسی نے دس بارہ سال اور گذار لئے۔ اس جگہ کی مصائب کا خاتمہ تو موت کے ساتھ ہو جاتا ہے مگر اس عالم کا خاتمہ نہیں جب قیامت برحق ہے اور وہ ایمان کا لازمہ ہے تو اس چند روزہ زندگی کی تکالیف کا برداشت کر لینا کیا مشکل ہے۔ اس دائمی جہان کے واسطے کوشش کرنی چاہیئے۔ جو شخص کوئی تکلیف بھی نہیں اُٹھاتا۔ وہ کیا سرمایہ رکھتا ہے۔

مومن کی نشانی

مومن کی نشانی یہ ہے کہ وہ صرف صبر کرنے والا نہ ہو بلکہ اس سے بڑھ کر یہ ہے کہ

مصیبت پر راضی ہو۔ خدا کی رضا کے ساتھ اپنی رضا ملا لے۔ یہی مقام اعلیٰ ہے۔ مصیبت کے وقت خدا تعالیٰ کی رضا کو مقدم رکھنا چاہیئے۔ مُنعِم کو نعمتوں پر مقدم رکھو۔ بہت سے لوگ ایسے ہوتے ہیں کہ جب ان پر کوئی مصیبت آتی ہے تو وہ شکوہ شروع کرتے ہیں گویا خدا تعالیٰ کے ساتھ قطع تعلق کرتے ہیں۔ بعض عورتیں کوستی ہیں اور گالیاں دیتی ہیں۔ بعض مرد بھی ایسی حالت میں ناقص ہوتے ہیں۔

ضروری نصیحت

یہ ایک ضروری نصیحت ہے اور اس کو یاد رکھو کہ اگر کوئی شخص مصیبت زدہ ہو تو اُسے ڈرنا چاہیئے کہ ایسا نہ ہو کہ اس سے بڑھ کر اس پر کوئی مصیبت گرے۔ کیونکہ دنیا دار المصائب ہے اور اس میں غافل ہو کر بیٹھنا اچھا نہیں۔ اکثر مصائب متنبہ کرنے کے واسطے آتے ہیں۔ ابتدا میں اس کی صورت خفیف ہوتی ہے۔ انسان اس کو مصیبت نہیں سمجھتا۔ پھر وہ بیتاب کرنے والی مصیبت ہو جاتی ہے۔ دیکھو اگر کسی کو آہستگی سے دبایا جائے تو اس کے بدن کو آرام پہنچتا ہے۔ وہی ہاتھ زور سے مارا جائے تو موجب دُکھ ہو جاتا ہے۔ ایک مصیبت سخت ہوتی ہے جو وبالِ جان بن جاتی ہے۔ قرآن شریف نے ہر دو مصائب کا ذکر کر دیا ہے۔

موقعہ خدمت کو غنیمت سمجھو

مصائب رفع درجات کے واسطے ہوتے ہیں۔ حضرت ابراہیم اس بات پر روتے دھوتے نہ رہے کہ خدا تعالیٰ نے مجھ سے بیٹا مانگا ہے بلکہ انہوں نے اس بات پر خدا تعالیٰ کا شکر کیا کہ ایک خدمت کا موقعہ ملا ہے۔ لڑکے کی ماں نے بھی رضامندی دی اور لڑکا بھی اس بات پر راضی ہوا۔

ذکر ہے کہ ایک دفعہ ایک مسجد کا مینار گر گیا تو شاہِ وقت نے سجدہ کیا کہ خدا تعالیٰ نے مجھے اس خدمت میں سے حصہ لینے کا موقعہ دیا ہے جو بزرگ بادشاہوں نے اس مسجد کے بنا کرنے میں حاصل کی تھی۔

ایک لاکھ چوبیس ہزار نبی کی شہادت

وقت تو بہر حال گذر جاتا ہے۔ گوشت پلاؤ کھانے والے بھی آخر مر جاتے ہیں لیکن جو شخص تلخیاں دیکھ کر صبر کرتا ہے اس کو بالآخر اجر ملتا ہے۔ ایک لاکھ چوبیس ہزار نبی کی اس بات پر شہادت ہے کہ صبر کا اجر ضرور ہے۔

آخر صبر کرنا ہی پڑتا ہے

جو لوگ خدا تعالیٰ کی خاطر صبر نہیں کرتے ان کو بھی صبر کرنا ہی پڑتا ہے مگر پھر نہ وہ ثواب ہے اور نہ اجر۔ کسی عزیز کے مرنے کے وقت عورتیں سیاپا کرتی ہیں۔ بعض نادان مرد سر پر راکھ ڈالتے ہیں۔ تھوڑے عرصہ کے بعد ہی صبر کر کے بیٹھ جاتے ہیں اور وہ سب کچھ بھول جاتے ہیں۔ ایک عورت کا ذکر ہے کہ اس کا بچہ مر گیا تھا اور وہ قبر پر کھڑی سیاپا کر رہی تھی۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم وہاں سے گذرے تو آپ نے اُسے فرمایا تو خدا تعالیٰ سے ڈر اور صبر کر۔ اس کمبخت نے جواب دیا کہ تو جا تجھ پر میرے جیسی مصیبت نہیں پڑی۔ بدبخت نہیں جانتی تھی کہ آپ تو گیارہ بچوں کے فوت ہونے پر بھی صبر کرنے والے ہیں۔ جب اس کو بعد میں معلوم ہوا کہ اس کو نصیحت کرنے والے خود آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم تھے تو پھر آپ کے گھر میں آئی اور کہنے لگی کہ یا رسول اللہ میں صبر کرتی ہوں۔ آپ نے فرمایا کہ الصبر عند الصدمۃ الاولیٰ۔ صبر وہ ہے جو پہلے ہی مصیبت پر کیا جائے۔

غرض بعد میں خود وقت گذرنے پر رفتہ رفتہ صبر کرنا ہی پڑتا ہے۔ صبر وہ ہے جو ابتدا ہی میں انسان اللہ تعالیٰ کی خاطر کرے۔ خدا تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ صبر کرنے والوں کو بے حساب اجر دیتا ہے۔ یہ بے حساب اجر کا وعدہ صرف صبر کرنے والوں کے واسطے ہی مقرر ہے۔

آج ہی اپنی اصلاح کر لو

کسی کو کیا خبر ہے کہ آج کیا ہے اور کل کیا ہونے والا ہے۔ ابھی ہمارے پاس کئی خط راولپنڈی سے آئے ہیں جن میں لکھا ہے کہ ایک ایسا زلزلہ آیا کہ لوگ چیخ اُٹھے بلکہ بعض نے

کہا کہ یہ زلزلہ ۴ اپریل والے زلزلہ کے برابر تھا۔ دیکھو اس ایک مہینہ میں تین بار زلزلہ آچکا ہے اور آگے ایک سخت زلزلہ کے آنے کی خبر خدا تعالیٰ دے چکا ہے۔ وہ زلزلہ ایسا سخت ہوگا کہ لوگوں کو دیوانہ کر دے گا۔ لوگوں نے غفلت کر کے خدا کو بھلا دیا ہے اور خوشی میں بیٹھے ہیں مگر جن لوگوں نے خدا کو پالیا ہے وہ تلخ زندگی کو قبول کرنے کے واسطے تیار ہیں۔ مصائب کا آنا ضروری ہے۔ خدا کی سُنّت ٹل نہیں سکتی۔ ہر ایک کو چاہیئے کہ خدا سے دُعا اور استغفار میں مصروف رہے۔ اور خدا تعالےٰ کی رضا کے ساتھ اپنی رضا کو ملائے۔ جو شخص پہلے سے فیصلہ کر لیتا ہے ٹھوکر نہیں کھاتا۔ مال، اولاد، بیوی، بھائیوں سے پہلے ہی سمجھ لے کہ میرا ان سے کوئی تعلق نہیں۔ سب امانت خداوندی ہیں۔ جب تک ہیں ان کی قدر، عزت، خاطر خدمت کرو۔ جب خدا اپنی امانت کو واپس لے لے تو پھر رنج نہ کرو۔

دین کی جڑ

دین کی جڑ اس میں ہے کہ ہر امر میں خدا تعالےٰ کو مقدم رکھو۔ دراصل ہم تو خدا کے ہیں اور خدا ہمارا ہے۔ اَور کسی سے ہم کو کیا غرض ہے۔ ایک نہیں کروڑ اولاد مر جائے پر خدا راضی رہے تو کوئی غم کی بات نہیں۔ اگر اَولاد زندہ بھی رہے تو بغیر خدا کے فضل کے وہ بھی موجب ابتلاء ہو جاتی ہے۔ بعض آدمی اولاد کی وجہ سے جیل خانوں میں جاتے ہیں۔ شیخ سعدی علیہ الرحمۃ نے ایک شخص کا قصہ لکھا ہے کہ وہ اولاد کی شرارت کے سبب پابہ زنجیر تھا۔ اولاد کو مہمان سمجھنا چاہیئے۔ اس کی خاطرداری کرنی چاہیئے۔ اس کی دلجوئی کرنی چاہیئے مگر خدا تعالیٰ پر کسی کو مقدم نہیں کرنا چاہیئے۔ اولاد کیا بنا سکتی ہے۔ خدا تعالےٰ کی رضا ضروری ہے۔

نماز میں وساوس کیوں آتے ہیں

جن لوگوں کو خدا کی طرف پورا التفات نہیں ہوتا انہیں کو نماز میں بہت وساوس آتے ہیں۔ دیکھو ایک قیدی جبکہ ایک حاکم کے سامنے کھڑا ہوتا ہے تو کیا اس وقت اس کے دل میں کوئی وسوسہ گذر جاتا ہے۔ ہرگز نہیں۔ وہ ہمہ تن حاکم کی طرف متوجہ ہوتا ہے اور اس فکر میں ہوتا ہے کہ

ابھی حاکم کیا حکم سُناتا ہے۔ اس وقت تو وہ اپنے وجود سے بھی بالکل بے خبر ہوتا ہے۔ ایسا ہی جب صدقِ دل سے انسان خدا تعالیٰ کی طرف رجوع کرے اور سچے دل سے اس کے آستانہ پر گرے تو پھر کیا مجال ہے کہ شیطان وساوس ڈال سکے۔

شیطان سے بچو

شیطان انسان کا پورا دشمن ہے قرآن شریف میں اس کا نام عدو رکھا گیا ہے۔ اس نے اول تمہارے باپ کو نکالا۔ پھر وہ اس پر خوش نہیں۔ اب اس کا یہ ارادہ ہے کہ تم سب کو دوزخ میں ڈال دے۔ یہ دوسرا حملہ پہلے سے بھی زیادہ سخت ہے۔ وہ ابتداء سے بدی کرتا چلا آیا ہے۔ وہ چاہتا ہے کہ تم پر غالب آوے۔ لیکن جب تک کہ تم ہر بات میں خدا تعالیٰ کو مقدم رکھو گے وہ ہرگز تم پر غالب نہ آسکے گا۔ جب انسان خدا کی راہ میں دُکھ اُٹھاتا ہے اور شیطان سے مغلوب نہیں ہوتا۔ تب اس کو ایک نُور ملتا ہے۔

حقیقت شہاب ثاقب

جبکہ ایک مومن سب باتوں پر خدا تعالیٰ کو مقدم کر لیتا ہے تب اس کا خدا کی طرف رفع ہوتا ہے۔ وہ اسی زندگی میں خدا تعالیٰ کی طرف اُٹھایا جاتا ہے اور ایک خاص نُور سے منوّر کیا جاتا ہے۔ اس رفع میں وہ شیطان کی زد سے ایسا بلند ہو جاتا ہے کہ پھر شیطان کا ہاتھ اس تک نہیں پہنچ سکتا۔ ہر ایک چیز کا خدا تعالیٰ نے اس دنیا میں بھی ایک نمونہ رکھا ہے اور اسی کی طرف اشارہ ہے کہ شیطان جب آسمان کی طرف چڑھنے لگتا ہے۔ تو ایک شہاب ثاقب اس کے پیچھے پڑتا ہے جو اس کو نیچے گرا دیتا ہے۔ ثاقبؔ روشن ستارے کو کہتے ہیں۔ اس چیز کو بھی ثاقب کہتے ہیں جو سُوراخ کر دیتی ہے اور اس چیز کو بھی ثاقب کہتے ہیں جو بہت اونچی چلی جاتی ہو۔ اس میں حالت انسانی کے واسطے ایک مثال بیان کی گئی ہے جو اپنے اندر ایک نہ صرف ظاہری بلکہ ایک مخفی حقیقت بھی رکھتی ہے۔ جب ایک انسان کو خدا تعالیٰ پر پکا ایمان حاصل ہو جاتا ہے تو اس کا خدا تعالیٰ کی طرف رفع ہو جاتا ہے اور

اس کو ایک خاص قوت اور طاقت اور روشنی عطا کی جاتی ہے جس کے ذریعہ سے وہ شیطان کو نیچے گرا دیتا ہے۔ ثاقب مارنے والے کو بھی کہتے ہیں۔ ہر ایک مومن کے واسطے لازم ہے کہ وہ اپنے شیطان کو مارنے کی کوشش کرے اور اسے ہلاک کر ڈالے جو لوگ روحانیت کی سائنس سے ناواقف ہیں۔ وہ ایسی باتوں پر ہنسی کرتے ہیں مگر دراصل وہ خود ہنسی کے لائق ہیں۔ ایک قانون قدرت ظاہری ہے۔ ایسا ہی ایک قانون قدرت باطنی بھی ہے۔ ظاہری قانون باطنی کے واسطے بطور ایک نشان کے ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے بھی اپنی وحی میں فرمایا ہے کہ اَنْتَ مِنِّیْ بِمَنْزِلَۃِ النَّجْمِ الثَّاقِبِ یعنی تو مجھ سے بمنزلہ نجم ثاقب ہے۔ اس کے یہ معنے ہیں کہ میں نے تجھے شیطان کے مارنے کے واسطے پیدا کیا ہے۔ تیرے ہاتھ سے شیطان ہلاک ہو جائے گا۔ شیطان بلند نہیں جا سکتا۔ اگر مومن بلندی پر چڑھ جائے تو شیطان پھر اس پر غالب نہیں آسکتا۔ مومن کو چاہیئے کہ وہ خدا تعالیٰ سے دُعا کرے کہ اس کو ایک ایسی طاقت مل جائے جس سے وہ شیطان کو ہلاک کر سکے۔ جتنے بُرے خیالات پیدا ہوتے ہیں ان سب کا دُور کرنا شیطان کو ہلاک کرنے پر منحصر ہے۔

استقلال چاہیئے

مومن کو چاہیئے کہ استقلال سے کام لے۔ ہمت نہ ہارے۔ شیطان کو مارنے کے پیچھے پڑا رہے۔ آخر وہ ایک دن کامیاب ہو جائے گا۔ خدا تعالیٰ رحیم و کریم ہے جو لوگ اس کی راہ میں کوشش کرتے ہیں وہ آخر ان کو کامیابی کا مُونہہ دکھا دیتا ہے۔ بڑا درجہ انسان کا اسی میں ہے کہ وہ اپنے شیطان کو ہلاک کرے۔

خوابوں پر ناز نہ کرو

ایسے ضروری کام کو چھوڑ کر جو مومن کا اصل منشاء ہے بعض لوگ اَور باتوں کے پیچھے پڑ جاتے ہیں۔ مثلاً کسی کو ایک خواب آجائے یا چند الفاظ زبان پر جاری ہو جائیں تو وہ سمجھتا ہے کہ میں اب ولی ہو گیا ہوں۔ یہی نقطہ ہے جس پر انسان دھوکہ کھاتا ہے۔ خواب تو چوہڑوں

چماروں اور کنجروں کو بھی آجاتے ہیں اور سچے بھی ہو جاتے ہیں۔ ایسی چیز پر فخر کرنا لعنت ہے۔ فرض کرو کہ ایک شخص کو چند خوابیں آگئی ہیں اور وہ سچی بھی ہو گئی ہیں مگر اس سے کیا بنتا ہے؟ کیا سخت پیاس کے وقت ایک شخص کو دو چار قطرے پانی کے پلائے جاویں تو وہ بچ جائے گا؟ ہرگز نہیں بلکہ اس کی تپش اَور بھی بڑھے گی۔ ایسا ہی جب تک کہ کسی انسان کو پوری مقدار معرفت کی اپنی کیفیت اور کثرت کے ساتھ حاصل نہ ہو تب تک یہ خوابیں کچھ شئے نہیں۔

قابل تشفی حالت

انسان کی عمدہ اور قابل تشفی وہ حالت ہے کہ وہ عملی رنگ میں درست اور صاف ہو۔ اس کی عملی حالت خود اس پر گواہی دے۔ خدا تعالےٰ کی برکات اور زبردست خوارق اس کے ساتھ ہوں اور ہر دم اس کی تائید کرتے ہوں تب خدا اس کے ساتھ ہے اور وہ خدا کے ساتھ ہے۔

آجکل کے مُلہمین

ہر ایک بات میں شیطان ایک موقعہ نکال لیتا ہے کہ لوگوں کو کسی طرح سے بہکائے۔ چونکہ ہم بار بار اپنی وحی اور الہام پیش کرتے ہیں اس واسطے بعض لوگوں کو یہ خیال ہوا کہ ہم بھی ایسا ہی کریں۔ یہ ایک ابتلاء ہے جو اُن پر وارد ہوا۔ اور اس کی ہلاکت کی راہ میں شیطان نے اُن کی امداد کی اور ان کو شیطانی القاء اور حدیث النفس شروع ہوا۔ چراغ دین، الٰہی بخش، فقیر مرزا اور دوسرے بہت سے اس راہ میں ہلاک ہو گئے اور ہنوز بہت سے ایسے ہیں جن کا قدم اسی راہ پر ہے۔

اہل جماعت خبردار رہیں

ہماری جماعت کے آدمیوں کو چاہیئے کہ ایسی باتوں سے دل ہٹا لیں۔ قیامت کے دن خدا تعالےٰ اُن سے یہ نہیں پوچھے گا کہ تم کو کس قدر الہام ہوئے تھے یا کتنی خوابیں آئی تھیں بلکہ عمل صالح کے متعلق سوال ہو گا کہ کس قدر نیک عمل تم نے کئے ہیں۔ الہام وحی تو خدا تعالےٰ

کا فعل ہے۔ کوئی انسانی عمل نہیں۔ خدا تعالےٰ کے فعل پر اپنا فخر جاننا اور خوش ہونا جاہل کا کام ہے۔ حضرت رسُول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کو دیکھو کہ آپ بعض دفعہ رات کو اس قدر عبادت میں کھڑے ہوتے تھے کہ پاؤں پر ورم ہو جاتا تھا۔ ساتھی نے عرض کی کہ آپ تو گناہوں سے پاک ہیں اس قدر محنت پھر کس لئے۔ فرمایا افلا اکون عبداً شکوراً۔ کیا میں شکر گذار نہ ہوں۔

نا امید نہ ہو

انسان کو چاہیئے کہ مایوس نہ ہووے۔ گناہوں کا حملہ سخت ہوتا ہے اور اصلاح مشکل نظر آتی ہے مگر گھبرانا نہیں چاہیئے۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ ہم تو بڑے گنہگار ہیں۔ نفس ہم پر غالب ہے۔ ہم کیونکر نیکوکار ہو سکتے ہیں۔ ان کو سوچنا چاہیئے کہ مومن کبھی نا امید نہیں ہوتا خدا تعالےٰ کی رحمت سے نا امید ہونے والا شیطان ہے اور کوئی نہیں۔ مومن کو کبھی بزدل نہیں ہونا چاہیئے۔ گو کیسا ہی گناہ سے مغلوب ہو۔ پھر بھی خدا تعالیٰ نے انسان میں ایک ایسی قدرت رکھی ہے کہ وہ بہرحال گناہ پر غالب آہی جاتا ہے۔ انسان میں گناہ سوز قوت خدا تعالیٰ نے رکھی ہے جو اس کی فطرت میں موجود ہے۔

ایک لطیف مثال

دیکھو پانی کو کیسا ہی گرم کیا جائے۔ ایسا سخت گرم کیا جائے کہ جس چیز پر ڈالیں وہ چیز جل بھی جائے۔ پھر بھی اگر اس کو آگ پر ڈالو تو وہ آگ کو بجھا دے گا کیونکہ اس میں خدا تعالیٰ نے یہ خاصیت رکھ دی ہے کہ وہ آگ کو بجھا دیوے۔ ایسا ہی انسان کیسا ہی گناہ میں ملوث ہو اور کیسا ہی بدکاری میں غرق ہو پھر بھی اس میں یہ طاقت موجود ہے کہ وہ معاصی کی آگ کو بجھا سکتا ہے۔ اگر یہ بات انسان میں نہ ہوتی تو پھر وہ مکلف نہ ہوتا بلکہ پیغمبر رسُول کا آنا بھی پھر غیر ضروری ہوتا۔ مگر دراصل فطرت انسانی پاک ہے اور جیسا کہ جسم کے لئے بھوک اور پیاس ہے تو کھانا اور پینا بھی آخر میسر آجاتا ہے۔ انسان کے واسطے دم لینے کے

واسطے ہوا کی ضرورت ہے تو وہ موجود ہے اور جسم کے لئے جس قدر سامان ضروری ہیں جبکہ وہ سب مہیا کر دیئے جاتے ہیں تو پھر رُوح کے واسطے جن چیزوں کی ضرورت ہے وہ کیوں مہیا نہ ہوں گی۔ خدا تعالیٰ رحیم غفور اور ستار ہے اس نے رُوحانی بچاؤ کے واسطے بھی تمام سامان مہیا کر دیئے ہیں۔ انسان کو چاہیئے کہ رُوحانی پانی کو تلاش کرے تو وہ اُسے ضرور پالے گا۔ اور رُوحانی روٹی کو ڈھونڈے تو وہ اُسے ضرور دی جائے گی۔ جیسا کہ ظاہری قانون قدرت ہے ویسا ہی باطن میں بھی قانون قدرت ہے لیکن تلاش شرط ہے جو تلاش کرے گا وہ ضرور پالے گا۔ خدا تعالیٰ کے ساتھ تعلق پیدا کرنے میں جو شخص سعی کرے گا۔ خدا تعالیٰ اس سے ضرور راضی ہو جائے گا۔

آفتاب نکل آیا ہے

یہ آخری زمانہ تھا اور تاریکی سے بھرا ہوا تھا۔ اس زمانہ کے متعلق خدا تعالیٰ کا وعدہ تھا۔ کہ اس زمانہ میں ایک آفتاب نکلے گا۔ مولوی لوگوں کو دیکھنا چاہیئے کہ اس زمانہ میں تقوے کی کیا حالت ہو رہی ہے۔ ایک آدمی نے چار روپے کے زیور کے پیچھے ایک بچّے کو قتل کر دیا تھا۔ ان مولویوں سے جو ہم پر کُفر کا فتویٰ لگاتے ہیں کوئی یہ پوچھے کہ کیا ہم کلمہ نہیں پڑھتے پھر کیا وجہ ہے کہ ان کے نزدیک ہم ہندو عیسائی وغیرہ ہر ایک سے بدتر ہیں۔

اصل بات یہ ہے کہ یہ مولوی لوگ طمع نفسانی کے بندے ہیں۔ ایک شخص نے مجھے خوب کہا تھا کہ ان مولویوں کا خاموش کرانا کیا مشکل تھا۔ آپ ان سب کو بُلا کر دو دو روپے دے دیتے تو سب خاموش ہو جاتے اور کوئی بھی آپ کی مخالفت نہ کر سکتا۔ میں نے کہا کہ ہم نے تو ان لوگوں کے تقویٰ پر بھروسہ کیا تھا۔ ہمیں کیا معلوم تھا کہ ایسے نفسانی بندے نکلیں گے یہ تو منبروں پر کھڑے ہو کر کہا کرتے تھے کہ موسیٰ کہاں اور عیسیٰ کہاں۔ ہمیں کیا معلوم تھا کہ باوجود ایسے خُطبے پڑھنے اور سُنانے کے یہ وفات مسیح پر ایسے مشتعل ہوں گے کہ گویا تمام دار و مدار اسلام کا حضرت عیسیٰ کی زندگی پر ہے۔

ہلاکتِ شیطان کا وقت ہے

لیکن یہ لوگ جو چاہیں سو کر لیں۔ اب تو خدا تعالیٰ کا ارادہ ہو چکا ہے کہ شیطان کو ہلاک کردے۔ شیطان کی یہ آخری جنگ ہے اور وہ ضرور ہلاک ہوگا۔ وہ ضرور قتل کیا جائے گا۔ شیطان نے بھی حیاتِ مسیح میں پناہ لی ہے۔ مگر وفاتِ مسیح کے ثبوت کے ساتھ ہی شیطان بھی ہلاک ہو جائے گا۔ شیطان نے پادریوں کے ہاں اور ان کے حامیوں کے ہاں بسیرا کیا ہے مگر خدا کے مسیح کے ساتھ ملائک اور راستباز لوگ جمع ہو رہے ہیں اور اسلام کی مخالفت میں ہر طرح کا زور دکھایا جا رہا ہے۔

ہند مجموعۃ المذاہب ہے

اوّل تو یہ زمانہ ہی ایسا ہے کہ بہ سبب تار۔ ڈاک۔ ریل تمام زمین گویا ایک ہی شہر بن رہی ہے۔ ہر وقت کی خبریں آتی ہیں۔ کثرت سے لوگ اِدھر اُدھر آتے جاتے ہیں مگر بالخصوص ہندوستان ایسا ملک ہے جس میں ہر قسم کے لوگ موجود ہیں۔ ایسے بھی ہیں جو وجود باری تعالیٰ کے منکر ہیں۔ پھر بے قید لوگ بھی ہیں جو کہتے ہیں جو چاہو سو کرو۔ پھر کتاب کے منکر برہمو موجود ہیں۔ انسان کے پجاری بھی ہیں۔ پتھروں کو خدا ماننے والے بھی ہیں۔ ایک لاکھ سے زائد مُرتد عیسائی موجود ہیں۔ سُورج پرست ہیں۔ پانی کی پُوجا کرنے والے، آگ کی پُوجا کرنیوالے ہیں۔ آتش پرستی کے بڑے مندر کو زلزلے نے گرا دیا تھا تو اب نیا بنا رہے ہیں اور نہیں جانتے کہ ایک زلزلہ اور آنے والا ہے۔ آزادی اس قسم کی ہے کہ جو جس کے جی میں آتا ہے وہ کہہ گذرتا ہے۔ کسی کی پروا نہیں۔ غرض یہ وہی وقت ہے اور بالخصوص ہند میں وہی نظارہ موجود ہے جس کے واسطے پہلے سے پیشگوئی کی گئی تھی۔ عیسائی لوگ پچاس پچاس ہزار کتاب اسلام کے برخلاف شائع کر رہے ہیں۔ آریہ سماجی کہتے ہیں کہ کئی ارب سالوں کے بعد دنیا میں ایک کتاب آتی ہے اور وہ بار بار وید ہی ہوتے ہیں اور ہند میں ہی آتے ہیں۔ اور سنسکرت کی ہی زبان اُن کے لئے خاص ہے گویا پرمیشر کو اور کسی ملک یا زبان کی خبر ہی نہیں۔ نہیں معلوم

کہ پرمیشر ہندوستان پر ایسا کیوں ریجھ گیا ہے اور باوجود اس کے ہندوؤں کو ایسی ذلت میں کیوں رکھا ہے۔ اس وقت عیسائی بھی بادشاہ ہیں۔ مسلمان بھی بادشاہ ہیں۔ بُدھ بھی بادشاہ ہیں مگر کہیں آریوں کی بادشاہی نہیں۔ معلوم نہیں کہ پرمیشر کو کیوں یہ بہت پسند آیا۔ شاید اس وجہ سے کہ یہاں نیوگی لوگ رہتے ہیں جو اپنی زندگی میں اپنی بیوی کے واسطے موٹا تازہ خاوند تلاش کرتے ہیں کہ اس سے ہمبستر ہو اور اس کے لئے خوبصورت بچے جنے۔ اور یہ بھی شرط ضروری ہے کہ وہ بیرج داتا برہمن ہو۔

آریوں میں ابدی نجات کے واسطے کوئی راہ نہیں

پھر انسان کو ہنسی آتی ہے کہ آریوں کا یہ ناپاک عقیدہ ہے کہ انسان ایک مدت تک نجات یافتہ ہو کر مکتی خانہ میں رہے اور پھر ناکردہ گناہ کی وجہ سے وہاں سے نکالا جاوے اور کتا سؤر بلا بنایا جاوے۔ آریہ کہتے ہیں کہ پرمیشر ہر ایک انسان میں تھوڑا سا گناہ بطور بیج کے لازماً باقی رکھ لیتا ہے جو اس کو دوبارہ پھنسانے کے کام آتا ہے۔ لیکن یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ اس بقیہ گناہ کے سبب پھر سزائیں ایسی مختلف کیوں دی جاتی ہیں کہ کوئی شیر بنایا جاوے اور کوئی بکری۔ کوئی بچھو اور سانپ بنایا جاوے اور کوئی گھوڑا اور ہاتھی اور کوئی کرم ناپاک بنایا جائے اور کوئی انسان پوتر۔ پھر انسانوں میں کوئی مرد بنایا جائے اور کوئی عورت۔ اس تفریق کا کیا سبب ہو سکتا ہے۔

اس قدر جونیں کیوں بنیں

پھر یہ بھی آریوں کا ایک عجیب مسئلہ ہے کہ مختلف گناہوں کے سبب مختلف جونیں بنتی ہیں۔ اس سے تو لازم آتا ہے کہ جس قدر جونیں ہیں اسی قدر گناہوں کی تعداد ہو اور چونکہ الہامی کتاب صرف وید ہی ہے اس واسطے وہ تمام گناہ وید میں مذکور ہونے چاہئیں لیکن جب وید کے احکام کو دیکھا جاتا ہے تو اُن کی گنتی آریوں کے نزدیک بھی چند سو سے زائد نہ ہوگی لیکن کئی ہزار قسم کے جانور تو جنگلوں میں موجود ہیں۔ کئی ہزار قسم کے کیڑے مکوڑے زمین پر رینگ

رہے ہیں۔ پھر درختوں کے پرند اور سمندروں کے جانور جن کی گنتی ہی نہیں یہ اتنی جونیں کہاں سے آگئیں؟

کیا ہماری عبادت محدود ہے

آریہ لوگ کہتے ہیں کہ رُوحوں کو بہشت میں سے نکالنے کی ضرورت اس واسطے پڑے گی کہ ان کی عبادت بہت محدود زمانہ کی تھی۔ ایسی محدود عبادت کا بدلہ بھی محدود وقت کے لئے ہونا چاہیئے مگر یہ عقیدہ بہت ہی فاسد ہے۔ آریہ لوگ ایسے محدود وقت کے خیال سے عبادت کرتے ہوں گے۔ اسلام میں تو یہ بات نہیں۔ ہمارا عہد تو خدا تعالیٰ کے ساتھ ابدی ہے ہم کسی محدود وقت کی نیت کے ساتھ خدا تعالےٰ کی عبادت نہیں کرتے بلکہ ایسی نیت کو کُفر جانتے ہیں۔ ہم نے تو ہمیشہ کے لئے خدا تعالےٰ کی عبادت کا جُوا اپنے گلے میں ڈال لیا ہے۔ اگر خدا تعالےٰ ہمیں وفات دے تو اس سے ہماری نیت میں کوئی فرق نہیں۔ ہم اسی عبادت کے ثواب کو ساتھ لے کر فوت ہوتے ہیں۔ ہم اس کو محدود نہیں رکھتے۔

خدا تعالےٰ کا شکر ہے کہ قرآن شریف نے ایسا خدا پیش نہیں کیا جو ایسی ناقص صفات والا ہو کہ نہ وہ رُوحوں کا مالک ہے نہ ذرّات کا مالک ہے نہ اُن کو نجات دے سکتا ہے نہ کسی کی توبہ قبول کر سکتا ہے۔ بلکہ ہم قرآن شریف کی رُو سے اس خدا کے بندے ہیں جو ہمارا خالق ہے۔ ہمارا مالک ہے۔ ہمارا رازق ہے۔ رحمان ہے۔ رحیم ہے۔ مالک یوم الدین ہے۔ مومنوں کے واسطے یہ شکر کا مقام ہے کہ اس نے ہم کو ایسی کتاب عطا کی جو اس کی صحیح صفات کو ظاہر کرتی ہے۔ یہ خدا تعالےٰ کی ایک بڑی نعمت ہے۔

افسوس ہے ان پر جنہوں نے اس نعمت کی قدر نہ کی۔ ان مسلمانوں پر بھی افسوس ہے۔ جن کے سامنے عمدہ کھانا اور ٹھنڈا پانی رکھا گیا ہے لیکن وہ پیٹھ دے کر بیٹھ گئے ہیں اور اس کھانے کو نہیں کھاتے۔ زمانے کے مصائب سے بچانے کے واسطے ان کے لئے ایک وسیع محل تیار کیا گیا جس میں ہزاروں آدمی داخل ہو سکتے ہیں۔ مگر افسوس اُن پر کہ وہ خود بھی داخل

نہ ہوتے اور دوسروں کو بھی داخل ہونے سے روک دیا۔

یہ نفخ صُور کا وقت ہے

کیا پہلے سے نہیں کہا گیا تھا کہ آخری زمانہ میں ایک قرنا آسمان سے پھُونکی جائے گی کیا وحی خدا کی آواز نہیں۔ انبیاء جو آتے ہیں وہ قرنا کا حکم رکھتے ہیں۔ نفخ صور سے یہی مراد تھی کہ اس وقت ایک مامور کو بھیجا جائے گا۔ وہ سُناوے گا کہ اب تمہارا وقت آگیا ہے کون کسی کو درست کرسکتا ہے جب تک کہ خدا تعالےٰ درست نہ کرے۔ اللہ تعالےٰ اپنے نبی کو ایک قوت جاذبہ عطا کرتا ہے کہ لوگوں کے دل اس کی طرف مائل ہوتے چلے جاتے ہیں۔ خدا تعالیٰ کے کام کبھی حبط نہیں جاتے۔ ایک قدرتی کشش کام کر دکھائے گی۔ اب وہ وقت آگیا ہے جس کی خبر تمام انبیاء ابتدا سے دیتے چلے آئے ہیں۔ خدا تعالیٰ کے فیصلہ کا وقت قریب ہے اس سے ڈرو اور توبہ کرو۔

(بدر جلد ۷ نمبر ۲ صفحہ ۴ تا ۹ مورخہ ۱۶ جنوری ۱۹۰۸ء)

د (الحکم جلد ۱۲ نمبر ۵ صفحہ ۳۔ ۶ مورخہ ۱۸ جنوری ۱۹۰۸ء)

بلا تاریخ

سفر میں قصر

سوال پیش ہوا کہ اگر کوئی تین کوس سفر پر جائے تو کیا نمازوں کو قصر کرے؟

فرمایا:۔

ہاں۔ مگر دیکھو اپنی نیت کو خوب دیکھ لو۔ ایسی تمام باتوں میں تقویٰ کا بہت خیال رکھنا چاہیئے۔ اگر کوئی شخص ہر روز معمولی کاروبار یا سفر کے لئے جاتا ہے تو وہ سفر نہیں بلکہ سفر وہ ہے جسے انسان خصوصیت سے اختیار کرے اور صرف اس کام کے لئے گھر چھوڑ کر جائے اور عُرف میں وہ سفر کہلاتا ہو۔ دیکھو۔ یوں تو ہم ہر روز سیر کے لئے دو دو میل نکل جاتے ہیں مگر یہ سفر نہیں

ایسے موقعہ پر دل کے اطمینان کو دیکھ لینا چاہیئے کہ اگر وہ بغیر کسی خلجان کے فتویٰ دے کہ یہ سفر ہے تو قصر کرے۔ استفتِ قلبك (اپنے دل سے فتویٰ لو) پر عمل چاہیئے۔ ہزار فتویٰ ہو پھر بھی مومن کا نیک نیتی سے قلبی اطمینان عمدہ شئے ہے۔

عرض کیا گیا کہ انسانوں کے حالات مختلف ہیں بعض نو دس کوس کو بھی سفر نہیں سمجھتے بعض کے لئے تین چار کوس بھی سفر ہے۔

فرمایا:۔

شریعت نے ان باتوں کا اعتبار نہیں کیا صحابۂ کرام نے تین کوس کو بھی سفر سمجھا ہے

عرض کیا گیا۔ حضور بٹالہ جاتے ہیں تو قصر فرماتے ہیں۔ فرمایا۔

ہاں کیونکہ وہ سفر ہے۔ ہم تو یہ کہتے ہیں کہ اگر کوئی طبیب یا حاکم بطور دورہ کئی گاؤں میں پھرتا ہے تو وہ اپنے تمام سفر کو جمع کر کے اسے سفر نہیں کہہ سکتا۔

قربانی کا بکرا

سوال پیش ہوا۔ ایک سال کا بکرا بھی قربانی کے لئے جائز ہے؟

فرمایا:۔

مولوی صاحب سے پوچھ لو۔ اہلحدیث و حنفار کا اس میں اختلاف ہے۔[۱]

جانور قربانی

ایک شخص نے حضرت سے دریافت کیا کہ اگر جانور مطابق علامات مذکورہ در حدیث نہ ملے تو کیا ناقص کو ذبح کر سکتے ہیں؟

---

[۱] نوٹ از ایڈیٹر صاحب بدر :۔ " مولوی صاحب کی تحقیق یہ ہے کہ دو سال سے کم کا بکرا قربانی کے لئے اہل حدیث کے نزدیک جائز نہیں۔"

فرمایا:-

مجبوری کے وقت تو جائز ہے مگر آجکل ایسی مجبوری کیا ہے۔ انسان تلاش کر سکتا ہے اور دن کافی ہوتے ہیں۔ خواہ مخواہ حجت کرنا یا تساہل کرنا جائز نہیں۔

(بدر جلد ۷ نمبر ۳ صفحہ ۲ مورخہ ۲۳ جنوری ۱۹۰۸ء)

---

۳ جنوری ۱۹۰۸ء

بوقت سیر

سورۂ تکویر میں آخری زمانہ کے نشانات

فرمایا:-

قرآن مجید میں آتا ہے کہ کفار کہیں گے لَوْ كُنَّا نَسْمَعُ اَوْ نَعْقِلُ مَا كُنَّا فِیْ اَصْحٰبِ السَّعِیْرِ[1]۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ تدبر کے سوا ایمان صحیح نہیں ہوتا۔ سورہ تکویر میں سب نشانات آخری زمانے کے ہیں۔ انہیں میں سے ایک نشان ہے وَاِذَا الْعِشَارُ عُطِّلَتْ[2] یعنی جب اونٹنیاں بیکار چھوڑی جائیں گی۔ اسی کی تفسیر میں نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ولیترکن القلاص فلا یسعٰی علیہا۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ مسیح موعود بھی اسی زمانہ میں ہوگا بلکہ اس کے ابتدائی زمانے کے یہ نشان ہیں۔

پھر فرمایا وَاِذَا النُّفُوْسُ زُوِّجَتْ[3] یعنی ایسے اسباب سفر مہیا ہو جائیں گے کہ قومیں باوجود اتنی دُور ہونے کے آپس میں مل جائیں گی حتیٰ کہ نئی دنیا پُرانی سے تعلقات پیدا کر لے گی۔ یاجوج ماجوج کا آنا۔ دجّال کا نکلنا اور صلیب کا غلبہ یہ بھی اسی زمانہ کے نشان ہیں۔ ان کے متعلق لوگوں نے غلط فہمی سے تناقض پیدا کر لیا ہے اور یہ سمجھتے ہیں کہ یہ سب الگ الگ ہیں۔ حالانکہ ان میں سے ہر ایک کی نسبت یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ وہ تمام روئے زمین پر محیط ہو جائیں گے۔ پس اگر یاجوج ماجوج محیط ہو گئے تو پھر دجّال کہاں احاطہ کرے گا اور صلیب کا غلبہ کس جگہ ہوگا؟ سوائے یہ کہنے کے کچھ

[1] الملک: ۱۱ [2] التکویر: ۵ [3] التکویر: ۸

چارہ نہیں کہ یہ سب ایک ہی قوم کے مختلف افراد ہیں اور اگر ان کو ایک بنا دیں تو پھر کوئی مشکل نہ رہے گی۔ خدا تعالیٰ نے ان کی نسبت فرمایا ہے۔ وَتَرَكْنَا بَعْضَهُمْ يَوْمَئِذٍ يَمُوجُ فِي بَعْضٍ وَنُفِخَ فِي الصُّورِ فَجَمَعْنَاهُمْ جَمْعًا[1] جس سے ظاہر ہے کہ نہایت درجہ کا اختلاف پیدا ہو جائے گا اور سب مذاہب ایک دنگل میں ہو کر نکلیں گے۔ ترکنا کا اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ آزادی کا زمانہ ہوگا اور یہ آزادی کمال تک پہنچ جائے گی تو اس وقت اللہ تعالیٰ اپنے مامور کی معرفت ان کو جمع کرنے کا ارادہ کرے گا۔ پہلے دیکھو جمعنٰھم فرمایا اور ابتدائے عالم کے لئے خلقکم من نفس واحدۃ وخلق منہا زوجہا وبثّ منہما رجالاً کثیرًا ونساءً[2] فرمایا۔ لفظ بث اور جمع آپس میں پورا تناقض رکھتے ہیں۔ گویا دائرہ پورا ہو کر پھر وہی زمانہ ہو جائے گا۔ پہلے تو وحدت شخصی تھی۔ اب اخیر میں وحدت نوعی ہو جائے گی۔ اس سے آگے فرماتا ہے وعرضنا جھنّم یومئذٍ للکافرین عرضًا[3]۔ یہ مسیح موعود کے زمانے کا ایک اور نشان بتلایا کہ اس دن جہنّم پیش کیا جاوے گا ان کافروں پہ۔ یہ قیامت کا ذکر نہیں کیونکہ اس دن جہنّم کا پیش کیا کرنا ہے اس روز تو اس میں کفار داخل ہوں گے۔ جہنّم سے مراد طاعون ہے چنانچہ ہمارے الہامات میں کئی بار طاعون کو جہنّم فرمایا گیا ہے۔ یأتی علٰی جہنّم زمانٌ لیس فیہا احدٌ بھی ایک الہام ہے۔ اللہ تعالیٰ نے دو فرقوں کا ذکر فرما دیا۔ ایک تو وہ سعید جنہوں نے مسیح کو قبول کیا۔ دوسرے وہ شقی جو مسیح کا کفر کرنے والے ہوں گے۔ اُن کے لئے فرمایا کہ ہم طاعون بطور جہنم بھیجیں گے اور نفخ فی الصّور[4] سے یہ مُراد ہے کہ جو لوگ خدا تعالیٰ کی طرف سے آتے ہیں۔ وحی کے ذریعہ ان میں آواز دی جاتی ہے اور پھر یہ آواز اُن کی معرفت تمام جہان میں پہنچتی ہے۔ پھر ان میں ایک ایسی کشش پیدا ہو جاتی ہے کہ لوگ باوجود اختلافِ خیالات وطبائع وحالات کے اس کی آواز پر جمع ہونے لگتے ہیں اور آخرکار وہ زمانہ آجاتا ہے کہ ایک ہی گلہ اور ایک ہی گلہ بان ہو۔

خدا تعالیٰ نے ہمارے لئے خود ہی ایسے اسباب مہیا کر دیئے ہیں کہ جس سے تمام سعید رُوحیں

[1] الکھف : ۱۰۰ [2] النساء : ۲ [3] الکھف : ۱۰۱ [4] الکھف : ۱۰۰

ایک دین پر جمع ہو سکیں۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو فرمایا گیا تھا قُل یا ایّھا النّاس انی رسول اللہ الیکم جمیعاً[1]۔ ایک طرف یہ جمیعاً دُوسری طرف جمعنٰھم جمعاً ایک خاص علاقہ رکھتا ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ ابتدائی کارروائی تو اس جمع کی تو اسی زمانہ نبوی میں شروع ہو گئی تھی مگر اسباب کا تہیہ کمال پر اس زمانہ میں پہنچا۔

نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں سفر کی تمام راہیں نہ کھُلی تھیں۔ تفسیر کبیر میں لکھا ہے کہ بعض ایسے مقامات بھی ہیں جن میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی دعوت نہیں پہنچی مگر اب تو ڈاک تار، ریل سے زمین کے اس سرے سے اُس سرے تک خبر پہنچ سکتی ہے۔ یہ حجاز ریلوے جو بن رہی ہے یہ بھی اسی پیشگوئی کے ماتحت ہے۔ عرب کے کئی لوگ کہنے لگ گئے ہیں کہ اذا العشار عطلت[2] کا زمانہ آگیا۔ عشار (گابھن اونٹنیاں) کا لفظ خود ظاہر کرتا ہے کہ یہ سب قیامت سے پہلے ہوگا کیونکہ اس دن کی نسبت تو لکھا ہے کہ ہر حمل والی اپنا حمل گرا دے گی اور پھر اس دن تو ہر چیز معطل ہو جائے گی، اونٹنیوں کی خصوصیت کیا ہے مطلب یہ تھا کہ اب تجارت کا دارومدار اُونٹنیوں پر ہے پھر ریل پر ہوگا اور چونکہ حدیث میں یہی زمانہ مسیح موعود کا لکھا ہے اس لئے اب عرب والوں کو مسیح موعود کی تلاش کرنی چاہیئے۔ دیکھو اب تو اُن کے گھر میں ریل بن رہی ہے اور خود ہمارے دشمن اس میں سر توڑ کوشش کر رہے ہیں۔ یہ بھی ایک نشان ہے کہ ہمارے دشمنوں کو خدا نے ہمارے کام میں لگا دیا ہے۔ چندہ تو دے رہے ہیں وہ اور صداقت ہماری ثابت ہوگی۔

افسوس کہ یہ لوگ ہمارے بغض کی وجہ سے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی پیشگوئیوں کی تکذیب بھی کر دیتے ہیں مگر کس کس نشان کی یہ تکذیب کریں گے۔ خدا تعالیٰ نے ہمارے لئے طاعون بھیجا زلزلہ بھی آیا۔ یاجوج ماجوج دجّال کا خروج ہو چکا۔ کسوف خسوف ماہِ رمضان میں غیر معمولی طور سے ہو چکا۔ کہتے ہیں کہ یہ حدیث ضعیف ہے۔ نادان یہ نہیں سمجھتے کہ جب واقع ہو گئی تو اب راویوں پر جرح فضول ہے جب کوئی امر واقع ہو جائے تو بڑا ہی بیوقوف ہے وہ شخص جو پھر بھی کہے کہ

[1] الاعراف : ۱۵۹ [2] التکویر : ۵

فلاں راوی ایسا ہے اور فلاں ایسا۔

ایک بزرگ نے لکھا ہے کہ بعض حدیثیں صحیح عجب نہیں اگر موضوع ثابت ہوں اور کئی ایسی حدیثیں جنہیں موضوع کہتے ہیں صحیح واقعات نے صحیح ثابت کیں۔ ان لوگوں میں ذرا بھی ایمان ہو تو مان لیں۔ دیکھو حدیث و قرآن و حالات موجودہ کا آپس میں کیا تطابق ہوا ہے۔ یہ ہمیں مفتری کہتے ہیں۔ اچھا الہام بنانے پر تو ہمارا اختیار ہے کیا آسمان پر بھی ہمارا اختیار تھا کہ ہم ماہِ رمضان میں خلافِ معمول کسوف و خسوف کراتے؟ کیا طاعون پر ہمارا اختیار تھا کہ اُسے لے آتے؟ کیا ریل ہماری کوشش سے بن رہی ہے؟ اصل بات وہی ہے جو خدا نے عرضنا جہنّم یومئذٍ للکافرین عرضًا[۱] آگے فرمایا الّذین کانت اعینہم فی غطاءٍ عن ذکری و کانوا لا یستطیعون سمعًا[۲]۔ ذکر سے مراد یہ ہے کہ جو میں نے ان کو اپنے مامور کی معرفت یاد کیا۔ خدا تعالیٰ کا یاد کرنا یہی ہوتا ہے کہ اپنی طرف سے ایک مصلح کو بھیج دیا۔ سو اس مامور سے وہ غفلت میں رہے۔ ان کی آنکھوں کے آگے طرح طرح کے شبہات کے حجاب چھائے رہے اور حق کا نور نظر نہ آیا کیونکہ جوش تعصب سے ان کی ایسی حالت ہوگئی جو وہ اس مامور کی بات کو سُن ہی نہیں سکتے (وکانوا لا یستطیعون سمعًا) اب ان لوگوں کی حالت یہی ہو رہی ہے اور اس کی سزا بھی وہی مل رہی ہے جو قرآن مجید میں ہے کہ عرضنا جہنّم یومئذٍ للکافرین عرضًا۔[۳]

(بدر جلد ۷ نمبر ۳ صفحہ ۳ مورخہ ۲۳ جنوری ۱۹۰۸ء)

---

۶ جنوری ۱۹۰۸ء

ایک دوست نے اپنا خواب بیان کیا جس میں یہ آیت بھی تھی ومن یتق اللّٰہ یجعل لہ مخرجًا۔[۴]

فرمایا:-

---

[۱] الکہف: ۱۰۱ [۲] الکہف: ۱۰۲ [۳] الکہف: ۱۰۱ [۴] الطلاق: ۳

ایک عالمگیر عذاب کی طرف اشارہ معلوم ہوتا ہے جس سے نجات کا ذریعہ صرف تقویٰ ہی ہے۔ دیکھو یہ قحط جو بڑھتا جاتا ہے یہ بھی شامتِ اعمال ہی ہے۔ جو اس سے بچنا چاہتے ہیں وہ اللہ کے حضور توبہ کریں مگر توبہ کے آثار نظر نہیں آتے۔ یہ لوگ بار بار تکذیب کرتے ہیں۔ نشان پر نشان دیکھتے ہیں اور پھر نہیں مانتے۔ کوئی وجہ نظر نہیں آتی کہ یہ کیوں تکذیب و تکفیر پر کمربستہ ہیں۔ نہ قرآن مجید ان کے ساتھ نہ احادیث ان کے ساتھ۔ موجودہ حالات پکار پکار کر ایک مصلح کی ضرورت جتا رہی ہیں۔ غرض عقلی نقلی دونو طریق سے یہی جھوٹے ثابت ہو رہے ہیں مگر پھر بھی باز نہیں آتے۔ بار بار جہاد کو پیش کرتے ہیں مگر یہ نہیں سمجھتے کہ جب کوئی گورنمنٹ مذہب کے لئے نہیں لڑتی تو وہ جو خدا تعالیٰ کی طرف سے آیا وہ کس لئے تلوار سے جہاد کرتا۔ اب تو زمانہ دلائل سے جہاد کرنے کا ہے جو ہو رہا ہے۔

یہ لوگ عجیب قسم کی تاریکی میں ہیں کہ انہیں کچھ دکھائی نہیں دیتا۔ جو اُن کے رہبر بنے ہوئے ہیں وہ عجیب قسم کے مکروں سے کام لے رہے ہیں۔ دُنیا ہی دُنیا ان کا مقصود ہے۔ اسلام میں ایک بیج بویا گیا تھا بجائے اس کے کہ اس کی آبیاری کرتے اس کو اُجاڑنے کے درپے ہیں۔

(بدر جلد ۷ نمبر ۲ صفحہ ۳ مورخہ ۱۶؍جنوری ۱۹۰۸ء)

۸؍جنوری ۱۹۰۸ء

آخری زمانہ کے اکثر نشانات پُورے ہو چکے ہیں

فرمایا:-

بڑے تعجب کی بات ہے کہ آخری زمانہ کے متعلق جس قدر نشانات تھے ان میں سے بہت نشانات پُورے ہو چکے مگر پھر بھی لوگ توجہ نہیں کرتے۔ اللہ تعالیٰ غنی ہے اور اس کو ان لوگوں کی پروا نہیں۔ جو اس سے لاپرواہی اختیار کرتے ہیں یہ لوگ دُنیا کے معمولی کاموں کے لئے کس قدر تکلیفیں برداشت کرتے ہیں۔ اس کا عشرِ عشیر بھی دین کی تحقیق کے لئے محنت نہیں اُٹھاتے۔ بلکہ

طرح طرح کے بیہودہ عذر کرتے ہیں۔ حالانکہ جیسے اَور معمولی کام دُنیا کے کر رہے ہیں ایسے ہی اس النبا العظیم کی تحقیق بھی یہ کر سکتے ہیں جس پر اُخروی زندگی کی بہبودی کا دارومدار ہے۔

ایک شخص نے جو اکثر صوفیوں کی صحبت میں رہا ہے عرض کیا کہ دُعا کریں کہ مجھے خدا کا شوق معرفت حاصل ہو۔ فرمایا:۔

پہلے ایمان کو درست کرو۔ یہ ریاضتیں جو طریقۂ نبوی سے باہر ہیں یہ تو کسی کام نہ آئیں گی۔ اور نہ منزل مقصود کو پہنچائیں گی۔ دیکھو بعض جوگی اس قدر ریاضتیں کرتے ہیں کہ اپنے بازو سکھا دیتے ہیں مگر اللہ کے نزدیک مقبول نہیں کیونکہ ایک تو ارشاد نبوی کے خلاف۔ دوم ایمان ہی نہیں۔ اور اللہ تعالےٰ فرماتا ہے انما یتقبل اللّٰہ من المتقین[1] یعنی اللہ ان کی عبادت قبول کرتا ہے جو خدا سے ڈرتے ہیں۔ اور ڈرنے کا نتیجہ یہ ہے کہ اس کے منشار کے مطابق کام کرتے ہیں اور سب سے پہلا کام تو یہ ہے کہ اس کے مامُور کو مانیں۔ دیکھو یہودی خدا کو مانتے ہیں اور مُشرک بھی نہیں۔ قبلہ بھی ان کا وہ ہے جو پہلے مسلمانوں کا رہ چکا ہے۔ مگر پھر بھی خدا کے حضور مقبول نہیں۔ صرف اس لئے کہ خدا کے رسُول کو نہ مانا۔ رسُولوں کو نہ ماننے سے وہی جنہیں عالمین پر فضیلت دی گئی تھی ملعُون ہوئے۔ کیونکہ گناہ تو اور بھی ہیں مگر سب سے بڑا گناہ مامور من اللہ کا انکار ہے۔

غور کر کے دیکھو تو معلوم ہو جائے گا کہ سب سے بڑا گناہ یہ کیوں ہے۔ جس قدر گناہ ہیں وہ سب خدا تعالےٰ کے احکام کی نافرمانبرداری سے پیدا ہوتے ہیں اور خدا کے احکام مامُوروں کی معرفت دنیا پر ظاہر ہوتے ہیں۔ پس جب ان احکام کے لانے والے کو نہ مانا تو گویا اللہ کے کسی حکم کو بھی نہ مانا کیونکہ جس نے اللہ کی مرضی ظاہر کرنی تھی جب اس کا انکار کیا تو اس کی رضامندی کی راہوں کا کیونکر علم ہو سکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ یہودی باوجود خدا کو ماننے، نماز روزہ کرنے کے بندر سؤر کہلائے۔

[1] المائدۃ : ۲۸

اس شخص نے عرض کیا حضور میں ایمان لایا۔ فرمایا:-

پھر توبہ استغفار وصول الی اللہ کا ذریعہ ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ والذین جاھدوا فینا لنھدینھم سبلنا۔[1] پوری کوشش سے اس کی راہ میں لگے رہو منزل مقصود تک پہنچ جاؤ گے۔ اللہ تعالیٰ کو کسی سے بُخل نہیں۔ آخر انہیں مسلمانوں میں سے وہ تھے جو قطب اور ابدال اور غوث ہوئے۔ اب بھی اس کی رحمت کا دروازہ بند نہیں قلب سلیم پیدا کرو۔ نماز سنوار کر پڑھو۔ دعائیں کرتے رہو۔ ہماری تعلیم پر چلو۔ ہم بھی دُعا کریں گے یاد رکھو۔ ہمارا طریق بعینہٖ وہی ہے جو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کا تھا۔ آجکل فقراء نے کئی بدعتیں نکال لی ہیں۔ یہ چلّے اور ورد وظائف جو انہوں نے رائج کر لئے ہیں ہمیں ناپسند ہیں۔ اصل طریق اسلام قرآن مجید کو تدبّر سے پڑھنا اور جو کچھ اس میں ہے اس پر عمل کرنا اور نماز توجہ کے ساتھ پڑھنا اور دعائیں توجہ اور انابت الی اللہ سے کرتے رہنا بس نماز ہی ایسی چیز ہے جو معراج کے مراتب تک پہنچا دیتی ہے۔ یہ ہے تو سب کچھ ہے۔ والسلام۔

(بدر جلد ۷ نمبر ۳ صفحہ ۳ مورخہ ۱۶؍جنوری ۱۹۰۸ء)

۹؍جنوری ۱۹۰۸ء

تکرارِ مضامین کی وجہ

فرمایا:-

ہم جو کتاب کو لمبا کر دیتے ہیں اور ایک ہی بات کو مختلف پیرایوں میں بیان کرتے ہیں اس سے یہ مطلب ہوتا ہے کہ مختلف طبائع مختلف مذاق کے ناظرین کسی نہ کسی طریقے سے سمجھیں اور شاید کسی کو کوئی نُکتہ دل لگ جائے اور اس سے ہدایت پا لے۔ اور یُوں بھی اکثر دل جو طرح طرح کی غفلتوں سے بھرے ہوئے ہیں۔ اُن کو بیدار کرنے کے لئے ایک بات

[1] العنکبوت: ۷۰

کا بار بار بیان کرنا ضروری ہوتا ہے۔

فرمایا:۔

عیسائیوں کی دشمنی تو اسلام سے پُرانی ہوگئی ہے اور ان کے پادری اب گلے پڑا ڈھول بجا رہے ہیں۔ مگر یہ آریہ ابھی تازہ تازہ دشمنی رکھتے ہیں اس لئے زیادہ پُرجوش ہیں۔ مگر افسوس کہ ان میں طلبِ حق نہیں۔ اُن کے اعتراضوں سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے معترضوں نے صحیح طریق سے اسلام کا مطالعہ نہیں کیا۔ چنانچہ یہ لکھتا ہے کہ مسلمان کہتے ہیں قرآن آسمان سے لکھا لکھایا اُترا۔ بھلا جی وہ کس طرح اُترا؟ دراصل مسلمان جو استعارے کے رنگ میں کہتے ہیں کہ قرآن مجید آسمان سے اُترا ہے اس کے غلط معنے اس نے کر لئے مگر یہ طریق تقویٰ سے بہت بعید ہے۔

(بدر جلد ۷ نمبر ۳ صفحہ ۳ مورخہ ۱۶ر جنوری ۱۹۰۸ء)

۱۲ر جنوری ۱۹۰۸ء

جُمعہ کے دن مرنا، مرتے وقت ہوش کا قائم رہنا یا چہرہ کا رنگ اچھا ہونا۔ ان علامات کو ہم قاعدہ کلیہ کے طور سے ایمان کا نشان نہیں کہہ سکتے کیونکہ دہریہ بھی اس دن مرتے ہیں۔ ان کا ہوش قائم اور چہرہ سفید رہتا ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ بعض امراض ہی ایسے ہیں مثلاً دق و سل کہ ان کے مریضوں کا اخیر تک ہوش قائم رہتا ہے بلکہ طاعون کی بعض قسمیں بھی ایسی ہی ہیں۔ ہم نے بعض دفعہ دیکھا کہ مریض کو کلمہ پڑھایا گیا اور یٰس بھی سُنائی۔ بعد ازاں وہ بچ گیا اور پھر وہی بُرے کام شروع کر دیئے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ صدق دل سے ایمان نہیں لایا۔ اگر سچی توبہ کرتا تو کبھی ایسا کام نہ کرتا۔

اصل میں اس وقت کا کلمہ پڑھنا ایمان لانا نہیں۔ یہ تو خوف کا ایمان ہے جو مقبول نہیں۔

(بدر جلد ۷ نمبر ۲ صفحہ ۳ مورخہ ۱۶ر جنوری ۱۹۰۸ء)

۱۳ ؍جنوری ۱۹۰۸ء
بوقتِ ظُہر

فرمایا :-

گویا ان کے نزدیک اپنی ہی قوم میں دجّال ، اپنی ہی میں کافر، اپنی ہی میں سب بدیاں ہیں ۔ باہر نظر نہیں جاتی تا دیکھیں کہ دجالیت کس فرقہ میں ہے اور کفّار کون ہیں ؟

(بدر جلد ۷ نمبر ۴ صفحہ ۳ مورخہ ۳۰ ؍جنوری ۱۹۰۸ء)

---

۱۸ ؍جنوری ۱۹۰۸ء

جو الہام یا خواب ہمارے مقابل پیش کئے جائیں ان کے لئے ضروری ہے کہ وہ پیش از وقت دعویٰ کے ساتھ شائع کئے گئے ہوں اور پھر پُورے ہوں ۔ یُوں تو ہر ایک مفتری کہہ سکتا ہے کہ میں نے ایسا خواب دیکھا جو پُورا ہو گیا۔

(بدر جلد ۷ نمبر ۴ صفحہ ۳ مورخہ ۳۰ ؍جنوری ۱۹۰۸ء)

---

۱۹ ؍جنوری ۱۹۰۸ء

اگر ہم ہی " المسیح الدجّال " ہیں اور یہ بات کسی صحیح واقعہ پر مبنی ہے تو پھر احادیث میں تو اس کے ساتھ ہی مسیح موعود کا ذکر بھی ہے ۔ پس بتائیں کہ وہ سچا مسیح کہاں ہے اور کب آسمان سے اُترا ۔

(بدر جلد ۷ نمبر ۴ صفحہ ۳ مورخہ ۳۰ ؍جنوری ۱۹۰۸ء)

بلا تاریخ

ایک شخص نے عرض کیا کہ مجھ پر بڑا قرض ہے ۔ دُعا کیجئے ۔

فرمایا :-

توبہ استغفار کرتے رہو کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے۔ جو استغفار کرتا ہے اُسے رزق میں کشائش دیتا ہے۔

پھر پوچھا کہ

آتنا قرض کس طرح چڑھ گیا؟

اس نے کہا۔ بہت سا حصّہ سُود ہی ہے۔

فرمایا :-

بس پھر تو شامتِ اعمال ہے۔ جو شخص اللہ تعالیٰ کے حکم کو توڑتا ہے اسے سزا ملتی ہے۔ خدا تعالیٰ نے پہلے سے فرما دیا کہ اگر سود کے لین دین سے باز نہ آؤگے تو لڑائی کا اعلان ہے۔ خدا تعالیٰ کی لڑائی یہی ہے کہ ایسے لوگوں پر عذاب بھیجتا ہے۔ پس یہ مُفلسی بطور عذاب اور اپنے کئے کا پھل ہے۔

اس شخص نے عرض کیا۔ کیا کریں مجبوری سے سُودی قرضہ لیا جاتا ہے۔

فرمایا :-

جو خدا تعالیٰ پر توکل کرتا ہے خدا تعالیٰ اس کا کوئی سبب پردۂ غیب سے بنا دیتا ہے۔ افسوس کہ لوگ اس راز کو نہیں سمجھتے کہ متقی کے لئے خدا تعالیٰ کبھی ایسا موقعہ نہیں بناتا کہ وہ سُودی قرضہ لینے پر مجبور ہو۔ یاد رکھو جیسے اَور گناہ ہیں مثلاً زنا، چوری ایسے ہی یہ سُود دینا اور لینا ہے۔ کس قدر نقصان دہ یہ بات ہے کہ مال بھی گیا، حیثیت بھی گئی اور ایمان بھی گیا۔ معمولی زندگی میں ایسا کوئی امر ہی نہیں کہ جس پر آتنا خرچ ہو جو انسان سُودی قرضہ لینے پر مجبور ہو۔ مثلاً نکاح ہے اس میں کوئی خرچ نہیں۔ طرفین نے قبول کیا اور نکاح ہو گیا۔ بعد ازاں ولیمہ سنّت ہے۔ سو اگر اس کی استطاعت بھی نہیں تو یہ بھی معاف ہے۔ انسان اگر کفایت شعاری سے کام لے تو اس کا کوئی بھی نقصان نہیں ہوتا۔ بڑے افسوس کی

بات ہے کہ لوگ اپنی نفسانی خواہشوں اور عارضی خوشیوں کے لئے خدا تعالےٰ کو ناراض کر لیتے ہیں جو ان کی تباہی کا موجب ہے۔ دیکھو سُود کا کس قدر سنگین گناہ ہے۔ کیا ان لوگوں کو معلوم نہیں۔ سُور کا کھانا تو بحالتِ اضطرار جائز رکھا ہے۔ چنانچہ فرماتا ہے فمن اضطر غیر باغٍ ولا عادٍ فلا اثم علیہ ان اللہ غفور رحیم[1]۔ یعنی جو شخص باغی نہ ہو اور نہ حد سے بڑھنے والا۔ تو اس پر کوئی گناہ نہیں اللہ غفور رحیم ہے مگر سُود کے لئے نہیں فرمایا کہ بحالت اضطرار جائز ہے بلکہ اس کے لئے تو ارشاد ہے۔ یَاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللہَ وَذَرُوْا مَا بَقِیَ مِنَ الرِّبٰوٓا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ۔ فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا فَاْذَنُوْا بِحَرْبٍ مِّنَ اللہِ وَرَسُوْلِہٖ[2]۔ اگر سُود کے لین دین سے باز نہ آؤگے تو اللہ اور اس کے رسُول سے جنگ کا اعلان ہے۔ ہمارا تو یہ مذہب ہے کہ جو خدا تعالیٰ پر توکّل کرتا ہے اسے حاجت ہی نہیں پڑتی۔ مسلمان اگر اس ابتلا میں ہیں تو یہ ان کی اپنی ہی بدعملیوں کا نتیجہ ہے۔ ہندو اگر یہ گناہ کرتے ہیں تو مالدار ہو جاتے ہیں۔ مسلمان یہ گناہ کرتے ہیں تو تباہ ہو جاتے ہیں۔ خسر الدنیا والآخرۃ کے مصداق ہیں۔ پس کیا ضروری نہیں کہ مسلمان اس سے باز آجائیں؟

انسان کو چاہیئے کہ اپنے معاش کے طریق میں پہلے ہی کفایت شعاری مدنظر رکھے تاکہ سُودی قرضہ اُٹھانے کی نوبت نہ آئے جس سے سُود اصل سے بڑھ جاتا ہے۔ ابھی کل ایک شخص کا خط آیا تھا کہ ہزار روپیہ دے چکا ہوں۔ ابھی پانچ چھ سو باقی ہے پھر مصیبت یہ ہے کہ عدالتیں بھی ڈگری دے دیتی ہیں۔ مگر اس میں عدالتوں کا کیا گناہ جب اس کا اقرار موجود ہے تو گویا اس کے یہ معنے ہیں کہ سُود دینے پر راضی ہے۔ پس وہاں سے ڈگری جاری ہو جاتی ہے۔ اس سے یہ بہتر تھا کہ مسلمان اتفاق کرتے اور کوئی فنڈ جمع کر کے تجارتی طور سے اُسے فروغ دیتے تاکہ کسی بھائی کو سُود پر قرضہ لینے کی حاجت نہ ہوتی بلکہ اسی مجلس سے ہر صاحبِ ضرورت اپنی حاجت روائی کر لیتا اور میعاد مقررہ پر

[1] البقرۃ : ۱۷۴ [2] البقرۃ : ۲۷۹، ۲۸۰

واپس دے دیتا۔

حکیم فضلدین صاحب نے سُنایا کہ علامہ نورالدین بھیرہ میں حدیث پڑھا رہے تھے۔ باب الربٰو تھا۔ ایک سُود خوار ساہوکار آ کر پاس بیٹھ گیا۔ جب سُود کی ممانعت سُنی تو کہا اچھا مولوی صاحب آپ کو نکاح کی ضرورت ہو تو پھر کیا کریں۔ انہوں نے کہا بس ایجاب قبول کرلیا جائے۔ پوچھا اگر رات کو گھر میں کھانا نہ ہو تو پھر کیا کرو۔ کہا۔ لکڑیوں کا گٹھا باہر سے لاؤں روز بیچ کر کھاؤں۔ اس پر کچھ ایسا اثر ہوا کہ کہنے لگا آپ کو دس ہزار تک اگر ضرورت ہو تو مجھ سے بلا سُود لے لیں۔

فرمایا:-

دیکھو جو حرام پر جلدی نہیں دوڑتا بلکہ اس سے بچتا ہے تو خدا تعالےٰ اس کے لئے حلال کا ذریعہ نکال دیتا ہے مَنْ یَّتَّقِ اللّٰہَ یَجْعَلْ لَّہٗ مَخْرَجًا۔[1] جو سُود دینے سے اور ایسے حرام کاموں سے بچے خدا تعالےٰ اس کے لئے کوئی سبیل بنادے گا۔ ایک کی نیکی اور نیک خیال کا اثر دوسرے پر بھی پڑتا ہے۔ کوئی اپنی جگہ پر استقلال رکھے تو سُود خوار بھی مفت دینے پر راضی ہو جاتے ہیں۔

(بدر جلد ۷ نمبر ۵ صفحہ ۵-۶ مورخہ ۶ فروری ۱۹۰۸ء)

بلا تاریخ

معاملات تجارت میں سُود

ایک صاحب کا ایک خط حضرت کی خدمت میں پہنچا کہ جب بینکوں کے سُود کے متعلق حضور نے اجازت دی ہے کہ موجودہ زمانہ اور اسلام کے حالات کو مدنظر رکھ کر اضطرار کا اعتبار کیا جائے سو اضطرار کا اصول چونکہ وسعت پذیر ہے اس لئے ذاتی، قومی، ملکی، تجارتی وغیرہ اضطرارات بھی پیدا ہو کر سود کا لین دین جاری ہو سکتا ہے یا نہیں؟

[1] الطلاق: ۳

فرمایا :-

اس طرح سے لوگ حرامخوری کا دروازہ کھولنا چاہتے ہیں کہ جو جی چاہے کرتے پھریں۔ ہم نے یہ نہیں کہا کہ بینک کا سُود بہ سبب اضطرار کے کسی انسان کو لینا اور کھانا جائز ہے۔ بلکہ اشاعتِ اسلام میں اور دینی ضروریات میں اس کا خرچ جائز ہونا بتلایا گیا ہے۔ وہ بھی اس وقت تک کہ امداد دین کے واسطے روپیہ مل نہیں سکتا اور دین غریب ہو رہا ہے۔ کیونکہ کوئی شئی خدا تعالےٰ کے واسطے تو حرام نہیں۔ باقی رہی اپنی ذاتی اور ملکی اور قومی اور تجارتی ضروریات۔ سو اُن کے واسطے اور ایسی باتوں کے واسطے سود بالکل حرام ہے۔ وہ جواز جو ہم نے بتلایا ہے وہ اس قسم کا ہے کہ مثلاً کسی جاندار کو آگ میں جلانا شرعاً منع ہے لیکن ایک مسلمان کے واسطے جائز ہے کہ اس زمانہ میں اگر کہیں جنگ پیش آوے تو توپ بندوق کا استعمال کرے کیونکہ دشمن بھی اس کا استعمال کر رہا ہے۔

تراویح کی رکعات

تراویح کے متعلق عرض ہوا کہ جب یہ تہجد ہے تو بیس رکعت پڑھنے کی نسبت کیا ارشاد ہے کیونکہ تہجد تو مع وتر گیارہ یا تیرہ رکعت ہے۔

فرمایا :-

آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی سنت دائمی تو وہی آٹھ رکعات ہے اور آپ تہجد کے وقت ہی پڑھا کرتے تھے اور یہی افضل ہے مگر پہلی رات بھی پڑھ لینا جائز ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ آپ نے رات کے اوّل حصّے میں اُسے پڑھا۔ بیس رکعات بعد میں پڑھی گئیں۔ مگر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی سُنّت وہی تھی جو پہلے بیان ہوئی۔

(بدر جلد ۷ نمبر ۵ صفحہ ۷ مورخہ ۶ فروری ۱۹۰۸ء)

بلاتاریخ

شیعہ تو اس غلطی میں تھے ہی ہمارے سُنی بھائی بھی کچھ اس رنگ میں رنگین ہوتے جاتے ہیں اور محرم کے دنوں میں مرثیہ خوانی کی مجلسوں میں شریک ہوتے تعزیئے بناتے ہیں۔ اور پھر کچھ شربت اور چاول وغیرہ تقسیم کرتے ہیں۔ اس کے متعلق امام الائمہ حجۃ اللہ خلیفۃ اللہ علی الارض کا فتویٰ نقل کر دیا جاتا ہے کہ کم از کم ہمارے احمدی بھائی ہی اس سے الگ رہیں۔

نیازمند اکمل نے سوال کیا کہ محرم کی دسویں کو جو شربت وچاول وغیرہ تقسیم کرتے ہیں اگر یہ للہ بہ نیت ایصال ثواب ہو تو اس کے متعلق حضور کا کیا ارشاد ہے (اماموں کے نام پر دینا تو حسبِ آیت وَمَآ اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ[1] حرام ہے)

فرمایا:-

ایسے کاموں کے لئے دن اور وقت مقرر کر دینا ایک رسم و بدعت ہے اور آہستہ آہستہ ایسی رسمیں شرک کی طرف لے جاتی ہیں۔ پس اس سے پرہیز کرنا چاہیئے کیونکہ ایسی رسموں کا انجام اچھا نہیں۔ ابتداء میں اسی خیال سے ہو مگر اب تو اس نے شرک اور غیر اللہ کے نام کا رنگ اختیار کر لیا ہے اس لئے ہم اسے ناجائز قرار دیتے ہیں۔ جب تک ایسی رسوم کا قلع قمع نہ ہو عقائد باطلہ دُور نہیں ہوتے

(بدر جلد ۷ نمبر ۵ صفحہ ۵ مورخہ ۶ فروری ۱۹۰۸ء)

بلاتاریخ

کسی نے اپنا خواب بیان کیا کہ مجھے بتایا گیا ہے کہ گجرات میں انجیر ہوتی ہے اس کا شربت بنوا کر پیو۔

فرمایا:-

[1] المائدۃ : ۴

خواب تعبیر طلب بھی ہوتی ہے۔ انجیر گرمی سے بچاتی ہے۔ قرآن شریف میں بھی تین کا ذکر ہے مگر وہاں اَور اشارات ہیں۔ اس سے ثبوتِ نبوت دیا گیا ہے۔

علمِ طبابت ظنی ہے۔ کسی کو کوئی دوا پسند کسی کو کوئی۔ ایک دوا ایک شخص کے لئے مُضر ہوتی ہے دوسرے کے لئے وہی دوا نافع۔ دوائیوں کا راز اور شفا دینا خدا تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے کسی کو یہ علم نہیں۔ کل ایک دوائی میں استعمال کرنے لگا تو الہام ہوا "خطرناک" دوائیں اندازہ کرنے پر مطمئن نہیں ہونا چاہیئے۔ بلکہ ضرورتوں کو لینا چاہیئے۔

آریہ اگر یہ گند نہ بولتے تو ہمارے لئے تحریک نہ ہوتی۔ حقائق و معارف کے لئے اُن کے اعتراضات بہانہ ہو گئے۔ غیر قوموں میں اپنے قومی مذہبی کاموں میں چندہ دینے کا جو جوش ہے وہ مسلمانوں میں نہیں۔ شاید اس لئے کہ کریماں را بدست اندر درم نیست۔ مگر مسلمانوں میں بھی کئی نواب ہیں۔ کئی اُمرا و دولتمند۔ ہر مسلمان کا یہ مقصد ہونا چاہیئے کہ سچائی پھیل جائے۔ مسلمانوں پر پہلے بھی جب اقبال کا زمانہ آیا تو دینی رنگ میں ترقی کرنے سے اب بھی اگر وہ پہلا زمانہ دیکھنا چاہتے ہیں تو دین کی طرف توجہ کریں۔ ان لوگوں کی تقلید سچے مسلمانوں کے لئے کوئی نتیجہ نہیں دے سکتی۔ مسلمانوں میں جو آجکل مصلح بنے ہیں وہ بجائے اس کے کہ اپنی حالت درست کریں نماز روزہ کے احکام میں ترمیم کرنا چاہتے ہیں۔ اس میں قوم کی ترقی سمجھتے ہیں۔ خدا تعالیٰ تو دین کے ذریعہ ترقی چاہتا ہے اور یہ لوگ بے دین ہونے سے ترقی طلب کرتے ہیں۔ جس میں کبھی کامیابی نہیں ہوگی۔ اسلام ہی خدا کو واحد لاشریک مانتا ہے۔ اگر یہ مسلمان بھی اس توحید سے الگ ہو گئے تو ان کے حق میں اچھا نہیں ہوگا۔

دوسری قوموں کی تقلید اُن کے لئے مبارک نہیں ہو سکتی۔ دوسروں کو اگر بے دینی سے کامیابی ہوتی بھی ہے تو یہ بطور ابتلاء ہے۔ ہر شخص سے خدا تعالیٰ کا معاملہ علیحدہ ہے عیسائی قومیں ناپسند کریں[1]۔ شراب خوری قماربازی کریں تو یہ اُن کے لئے مفید ہو سکتے ہیں لیکن اگر مسلمان

[1] حاشیہ۔ کاتب کی غلطی سے یہ فقرہ نامکمل رہ گیا ہے۔ غالباً یہ فقرہ یوں ہوگا۔ "عیسائی قومیں ناپسند کام کریں" (مرتب)

ایسے کام کریں تو ان پر ضرور عذاب نازل ہوگا۔ دیکھو ظاہری سلطنت کا بھی یہی قاعدہ ہے کہ اگر ملازم کسی شورش کے جلسہ میں شامل ہو تو اس کو عبرت ناک سزا دی جاتی ہے۔ پس اسی طرح جو کلمہ پڑھنے والے ہیں یہ خدا تعالیٰ کے خاص بندے ہیں۔ اگر یہ لوگ گستاخی کریں اور اللہ تعالےٰ کی فرمانبرداری نہ کریں تو ضرور گرفتار ہوں گے۔ یہ الہام جو ہم کو ہوا

وہ وعدہ ٹلے گا نہیں جب تک خون کی ندیاں چاروں طرف سے بہہ نہ جائیں

تو اس میں اشارہ ہے کہ اللہ تعالےٰ نہیں چاہتا کہ اس کی توحید دُنیا سے گم ہو۔ جب مسلمان ہی کُفر و شرک کو پسند کرنے لگیں تو پھر دوسری قوموں کا کیا گلہ ہو سکتا ہے۔ پہلے گھر صاف ہو تو پھر دوسرے لوگوں کی اصلاح ہو سکتی ہے۔ تمام قوموں میں دہریت بڑھتی جاتی ہے خدا تعالےٰ اپنی ہستی ثابت کرنا چاہتا ہے اور اول خویشاں بعد درویشاں کے مطابق ہمارا فرض ہے کہ پہلے اپنی قوم کی اصلاح کریں۔ جب مسلمانوں ہی میں ہزاروں گند ہوں تو دوسروں کو کیا کہا جا سکتا ہے۔ جہاد جہاد پکارتے ہیں۔ مگر میں کہتا ہوں کہ اگر ہمیں جہاد کرنے کا حکم ہوتا تو سب سے پہلے انہیں سے کیا جانا چاہیئے تھا۔ یہ عادت اللہ ہے کہ جس قوم کے اندر کتاب ہو پہلے اسے درست کیا جاتا ہے۔ پھر دوسری قوموں کی طرف توجہ ہوتی ہے۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا نمونہ موجود ہے۔ سب سے پہلے قریش کی اصلاح کی۔ پھر یہود و نصاریٰ کی طرف متوجہ ہوئے۔

مسلمانوں میں دو قسم کے لوگ ہیں۔ ایک جو پُورا کلمہ بھی پڑھنا نہیں جانتے۔ جن میں سے وہ بھی ہیں جن کی نسبت آریہ مشہور کرتے رہتے ہیں کہ ہم نے اتنے مسلمانوں کو آریہ کر لیا پہاڑ میں ایسے آدمی ہم نے بہت دیکھے ہیں کہ جن کو اسلام کی کچھ خبر ہی نہیں۔ دوسرے وہ جو مہذب تعلیمیافتہ کہلاتے ہیں۔ یہ اسلام کو کراہت کی نظر سے دیکھتے ہیں۔ نماز کے ارکان پر ہنسی ٹھٹھا کرتے ہیں اور کہتے ہیں یہ نماز روزہ وحشیانہ زمانے کی باتیں ہیں۔ یہ احکام آجکل کے زمانہ میں مناسب نہیں۔ پس ان دونو گروہوں کی اصلاح سب سے اول ضروری ہے۔ مگر ہم کیا اصلاح کر سکتے ہیں۔ جب تک آسمان ہی سے نہ ہو۔ جس کے کان سُننے کے ہوں اسے ہم بخوشی

سُناتے ہیں۔ بعض ایسے ہیں کہ بیان کرو تو وہ سُنیں گے ہی نہیں یا بات کو دوسری طرف لے جائیں گے۔ بے دینی کی ایک زہرناک ہوا چل رہی ہے جس نے کسی کو ہلاک کر دیا، کسی کو اندھا، کسی کو مست۔ وہ جو خدا تعالیٰ سے تعلق پیدا کرنے والے ہیں۔ بہت تھوڑے رہ گئے ہیں۔ خدا تعالےٰ کی ہستی ثابت کرنے کی بڑی ضرورت ہے۔ فرقے تو بہت ہو گئے بنتے مگر دہریہ سب سے زیادہ ہیں۔ عظمت الٰہی مطلق نہیں رہی۔ عظمت کیا ہو جبکہ خدا کے وجود پر ہی یقین نہیں رہا۔ ہر نبی کے زمانہ میں کچھ نہ کچھ خونریزی ہوئی۔ مَاکَانَ لِنَبِیٍّ اَنْ یَّکُوْنَ لَہٗٓ اَسْرٰی حَتّٰی یُثْخِنَ فِی الْاَرْضِ۔* انسانوں کے ہاتھوں پر جو امور مقدر تھے وہ تو ختم ہو چکے۔ اب خدا تعالےٰ نے ایسے کُل امور کو اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ یہ طاعون، زلزلے، طرح طرح کے امراض، مصائب سب خدا کی تلواریں ہیں۔ تعجب ہے کہ حادثے پر حادثے آتے ہیں، مصیبت پر مصیبت آتی ہے مگر ہماری جماعت کے سوا دوسرا کوئی ان سے متاثر نہیں ہوتا۔ حالانکہ یہ سب بلائیں اس لئے ہیں کہ لوگوں کی غفلت دُور ہو۔ وہ تضرّع اختیار کریں اور سمجھیں کہ خدا ہے۔ دیکھو ہر پہلو سے حادثے واقع ہو رہے ہیں اور ابھی کیا معلوم کہ آگے آگے کیا ہونے والا ہے۔ ہمارا مذہب تو یہ ہے کہ اب جو کچھ کرے گا خدا ہی کرے گا۔ جرّاحی آخری علاج ہے اور علاج تو سب ہو چکے۔ پس یہ آخری علاج ہے۔ اب یا بیمار مرے گا یا صحتیاب ہو گا۔ کئی لاکھ انسان مر چکا ہے مگر عملی حالت دکھاتی ہے کہ ابھی کچھ بھی نہیں ہوا۔ نیکی کی طرف سے بہت دُور ہیں۔ اور بدی کی جانب قریب ہیں۔ استغفار کرنا چاہیئے۔

آگے قاعدہ تھا کہ مسلمان بادشاہ عام طور پر وباؤں کے وقت انابت الی اللہ اور دُعا و صدقہ وخیرات کی طرف توجہ دلاتے رہتے۔ اب یہ بھی نہیں بلکہ خدا کا نام لینا بھی خلافِ تہذیب سمجھا جاتا ہے۔

سُلطان المعظم[لہ] نے وزراء سے ایک امر کی نسبت مشورہ کیا اور اس کے متعلق تجویزیں

لہ حاشیہ۔ حضور کا اشارہ غالباً سلطان ٹرکی کی طرف ہے۔ (مرتب)

* الانفال : ۶۸

پوچھیں۔ جب سب تجویزیں بیان ہو چکیں تو کہا کہ اَور تو سب کچھ کہا مگر یہ کسی نے نہ کہا کہ دُعا بھی کرو۔ آخر مسلمان کا بچّہ تھا۔ کچھ نہ کچھ خدا پرستی تو تھی۔ سلطان المعظم جمعہ کی نماز کو بھی جاتا ہے۔ فقراء سے بھی نیاز رکھتا ہے اس لئے اچھا ہے۔

خدا تعالیٰ ابتداء زمانہ میں بولا کہ میں تیرا خدا ہوں۔ ایسا ہی اخیر زمانہ میں بھی اس نے فرمایا انا الموجود۔ یاد رکھو کہ وہ ہادی ہے۔ اگر چھوڑ دے تو سب دہریہ بن جائیں۔ پس وہ اپنی ہستی کا ثبوت دیتا رہتا ہے اور یہ زمانہ تو بالخصوص اس بات کا محتاج ہے۔ جس چیز کی حکومت ہو اس کا اثر ظاہر ہو جاتا ہے۔ آجکل اگر صالح آدمی جس نے حق پا لیا ہے ضال پر اثر نہیں ڈال سکتا تو معلوم ہوا کہ ضلالت کی حکومت ابھی باقی ہے۔ جب ایسی ہوا چلتی ہے تو سب اس کے اثر سے متاثر ہو جاتے ہیں۔ مومن اگرچہ بچا رہتا ہے مگر دوسروں پر اثر نہیں ڈال سکتا۔ ضلالت کے رعب کا یہ حال ہے کہ بڑے بڑے تعلیمیافتہ ہیں۔ اُن سے مذہب کی نسبت کوئی کچھ نہیں کہتا کہ شاید یہ ناراض ہو جائیں یا مجھ سے ہنسی ٹھٹھا ہو۔ مگر صحابہ کرام کی طرف دیکھنا چاہیئے کہ اسلام کی ضُعف کی حالت میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے تمام بادشاہوں کو خط لکھ دیا۔ اس وقت ایسا مہذبانہ زمانہ بھی نہیں تھا۔ نہ یہ امن کی صورت۔ صحابہؓ نے ان خطوط کو پہنچایا۔ اور برسر دربار اپنے عقائد کو کھول کر بیان کیا۔ ایک عیسائی بادشاہ کو جب اسلام کا پیغام پہنچا اور اس نے صحابہؓ سے کلام الٰہی سُنا تو وہ بول اُٹھا یہ اس کا کلام معلوم ہوتا ہے جس نے تورات نازل کی اور کہا اگر اس نبی کے پاس میں جا سکتا تو اس کے قدم چُومتا۔ پادریوں کو بُلا کر کہا۔ دیکھو اسلام کیسا عمدہ مذہب ہے کیا تم اسے پسند کرتے ہو؟ جب ان سے مخالفت محسوس کی تو کہدیا میں تو تمہیں آزماتا تھا۔ یہ کمزوری دُنیا کی حرص کا نتیجہ تھی۔ جس میں دنیا پرستی نہیں وہ حق کہنے اور حق کا اعلان کرنے سے نہیں ڈرتے اور ان کی خدا مدد کرتا ہے۔

ہماری جماعت کے لئے نہایت ضروری ہے کہ ہر طبقہ کے انسانوں کو مناسب حال دعوت کرنے کا طریق سیکھے۔ بعض کو باتوں کا ایسا ڈھنگ ہوتا ہے کہ جو کچھ کہنا ہوتا ہے وہ کہہ لیتے

ہیں اور اس سے ناراضی بھی پیدا نہیں ہوتی۔ بعض ظاہر میں خبیث معلوم ہوتے ہیں جن سے ناامیدی ہوتی ہے مگر وہ قبول کر لیتے ہیں اور بعض غریب طبع دکھائی دیتے ہیں اور ان پر بہت کچھ امید پیدا ہوتی ہے مگر وہ قبول نہیں کرتے۔ اس لئے قول موجّہ کی ضرورت ہے جس سے آخرکار فتح ہوتی ہے۔

دہلی میں سخت مخالفت ہوئی۔ آخر میں نے کہا کہ ۱۳۰۰ برس وہ نسخہ (حیاتِ مسیح) آزمایا۔ اس کا نتیجہ دیکھا کہ کئی مُرتد ہو گئے۔ اب یہ نسخہ (وفاتِ مسیح) آزما دیکھو۔ دیکھو کیا نتیجہ نکلتا ہے۔ ایک شخص بے اختیار اُٹھ کھڑا ہوا۔ اور کہا حق وہی ہے جو آپ فرماتے ہیں۔ غرض قول موجّہ بڑی نعمت ہے۔ کسی نے کیا اچھا کہا ہے ؎

ایہو ہیگی کیمیا جو کوئی جانے بول

ہر ایک کو ایسی بات کرنی نہیں آتی۔ پس چاہیئے کہ جب کلام کرے تو سوچ کر اور مختصر کام کی بات کرے۔ بہت بحثیں کرنے سے کچھ فائدہ نہیں ہوتا۔ پس چھوٹا سا چٹکلہ کسی وقت چھوڑ دیا جو سیدھا کان کے اندر چلا جائے۔ پھر کبھی اتفاق ہوا تو پھر سہی۔ غرض آہستہ آہستہ پیغام حق پہنچاتا رہے اور تھکے نہیں کیونکہ آجکل خدا کی محبت اور اس کے ساتھ تعلق کو لوگ دیوانگی سمجھتے ہیں۔ اگر صحابہؓ اس زمانہ میں ہوتے تو لوگ انہیں سودائی کہتے اور وہ انہیں کافر کہتے۔ دن رات بیہودہ باتوں اور طرح طرح کی غفلتوں اور دنیاوی فکروں سے دل سخت ہو جاتا ہے۔ بات کا اثر دیر سے ہوتا ہے۔ ایک شخص علیگڑھی غالباً تحصیلدار تھا۔ میں نے اُسے کچھ نصیحت کی۔ وہ مجھ سے ٹھٹھا کرنے لگا۔ میں نے دل میں کہا میں بھی تمہارا پیچھا نہیں چھوڑنے کا۔ آخر باتیں کرتے کرتے اس پر وہ وقت آگیا کہ وہ یا تو مجھ پر تمسخر کر رہا تھا یا چیخیں مار مار کر رونے لگا۔ بعض وقت سعید آدمی ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے شقی ہے۔

یاد رکھو۔ ہر قفل کے لئے ایک کلید ہے۔ بات کے لئے بھی ایک چابی ہے۔ وہ مناسب طرز ہے۔ جس طرح دواؤں کی نسبت میں نے ابھی کہا ہے کہ کوئی کسی کے لئے مفید اور کوئی کسی

کے لئے مفید ہے۔ ایسے ہی ہر ایک بات ایک خاص پیرائے میں خاص شخص کے لئے مفید ہو سکتی ہے۔ یہ نہیں کہ سب سے یکساں بات کی جائے۔ بیان کرنے والے کو چاہیئے کہ کسی کے بُرا کہنے کو بُرا نہ منائے بلکہ اپنا کام کئے جائے اور تھکے نہیں۔ امراء کا مزاج بہت نازک ہوتا ہے اور وہ دنیا سے غافل بھی ہوتے ہیں۔ بہت باتیں سُن بھی نہیں سکتے۔ انہیں کسی موقعہ پر کسی پیرائے میں نہایت نرمی سے نصیحت کرنا چاہیئے۔

(بدر جلد ۷ نمبر ۶ صفحہ ۴-۵ مورخہ ۱۳ فروری ۱۹۰۸ء)

بلا تاریخ

عقیقہ کس دن کرنا چاہیئے

عقیقہ کی نسبت سوال ہوا کہ کس دن کرنا چاہیئے۔

فرمایا:۔

ساتویں دن۔ اگر نہ ہو سکے تو پھر جب خدا تعالےٰ توفیق دے۔ ایک روایت میں ہے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنا عقیقہ چالیس سال کی عُمر میں کیا تھا۔ ایسی روایات کو نیک ظن سے دیکھنا چاہیئے۔ جب تک قرآن مجید اور احادیث صحیحہ کے خلاف نہ ہوں۔

پیل پایوں کے بیچ میں کھڑا ہونا

پیل پایوں[1] کے بیچ میں کھڑے ہونے کا ذکر آیا کہ بعض احباب ایسا کرتے ہیں۔

فرمایا:۔

اضطراری حالت میں تو سب جائز ہے۔ ایسی باتوں کا چنداں خیال نہیں کرنا چاہیئے۔ اصل بات تو یہ ہے کہ خدا تعالےٰ کی رضامندی کے موافق مخلوص دل کے ساتھ اس کی عبادت کی جائے۔

---

[1] پنجابی لفظ ہے مراد ستون ہیں۔ (مرتب)

ان باتوں کی طرف کوئی خیال نہیں کرتا۔

(بدر جلد ۷ نمبر ۶ صفحہ ۱۰ مورخہ ۱۳؍فروری ۱۹۰۸ء)

۲۶؍جنوری ۱۹۰۸ء

قربِ قیامت سے مُراد

ایک شخص نے سوال کیا کہ حضور نے اپنی تقریر جلسہ ماہ دسمبر میں فرمایا تھا کہ قیامت آنے والی ہے اور اس کا وقت قریب ہے۔ کیا اس سے یہ مُراد ہے کہ کچھ سالوں کی بات ہے؟

فرمایا کہ

قرآن میں بھی ہے اقتربت السّاعة[1] اور ایسی دیگر آیات۔ پس سمجھ سکتے ہو کہ قریب کے کیا معنے ہیں۔ قرب الساعة کے جو نشانات تھے وہ تو ظاہر ہو چکے۔ جس سے صاف ظاہر ہے کہ یہ آخری زمانہ ہے۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو جب کوئی ہولناک واقعہ پیش آتا تو فرماتے کہ قیامت آگئی۔

ایک شخص کا سوال پیش ہوا۔ کہ حضور کا الہام تھا۔ ستائیس کو خوشیاں منائیں گے۔ سو ۲۷ ماہ پوہ کو بارش ہوگئی اور لوگوں نے خوشیاں منائیں۔

فرمایا:۔

یہ تکلفات ہیں جو ہم نہیں چاہتے۔ خدا کا وہ نشان ہوتا ہے جو دل بول اٹھیں بلکہ دشمن بھی کہدیں کہ یہ بات ہوگئی۔ گو دشمن کا اقرار زبان سے محال ہے مگر تاہم نشان وہ ہوتا ہے جو اپنی عظمت سے رُعب ڈال دے۔

---

[1] القمر: ۲

دُعا کی دو قسمیں

فرمایا:-

جو خط آتا ہے میں اُسے پڑھ کر اس وقت تک ہاتھ سے نہیں دیتا جب تک دُعا نہ کرلوں کہ شاید موقعہ نہ ملے یا یاد نہ رہے۔ مگر دُعا دو قسم کی ہے۔ جو اس کوچہ میں داخل ہووے وہی خوب سمجھتا ہے۔ ایک معمولی۔ ایک شدت توجہ سے۔ اور یہ آخری صورت ہر دُعا میں میسّر نہیں آتی۔ سوز اور قلق کا پیدا ہونا اپنے اختیار میں نہیں۔ کوئی مخلص ہو تو اس کے لئے خود ہی دُعا کرنے کو جی چاہتا ہے۔ یُوں تو ہر ایک شخص جو ہماری جماعت میں داخل ہے اس کے لئے ہم دُعا کرتے ہیں مگر مذکورہ بالا حالت ہر ایک کے لئے میسّر نہیں آتی۔ یہ اختیاری بات نہیں۔ پس جسے جوش دلانا ہو وہ زیادہ قرب حاصل کرے۔

مکر کے معنے

فرمایا:-

جب انسان مکر کرتا ہے تو اس کے ساتھ خدا تعالیٰ بھی مکر کرتا ہے۔ مکر کا مقابلہ مکر کرے جب ہی بات بنتی ہے۔ نادان مکر کے لفظ پر اعتراض کرتے ہیں۔ یہ زبان کی ناواقفیت کی وجہ سے ہے اس میں کوئی بُری بات نہیں۔ مکر اس باریک تدبیر کو کہتے ہیں جو خبیث آدمی کے دفع کے لئے کی جائے۔ اسی لئے خدا تعالیٰ نے اپنا نام خیر الماکرین[1] رکھا۔

حقیقی دُعا

دُعا دو قسم ہے، ایک تو معمولی طور سے، دوم وہ جب انسان اُسے انتہا تک پہنچا دیتا ہے۔ پس یہی دعا حقیقی معنوں میں دعا کہلاتی ہے۔

انسان کو چاہیئے کہ کسی مشکل پڑنے کے بغیر بھی دُعا کرتا رہے۔ کیونکہ اسے کیا معلوم کہ خدا تعالیٰ کے کیا ارادے ہیں اور کل کیا ہونے والا ہے۔ پس پہلے سے دُعا کرو تا بچائے جاؤ۔ بعض وقت بَلا اس طور پر آتی ہے کہ انسان دُعا کی مہلت ہی نہیں پاتا۔ پس پہلے

[1] انفال: ۳۱

اگر دُعا کر رکھی ہو تو اُس آڑے وقت میں کام آتی ہے۔

جب لوگ حد سے زیادہ دُنیا میں دل لگاتے ہیں۔ خدا تعالیٰ سے بے پروائی اختیار کرتے ہیں تو انہیں متنبہ کرنے کے لئے عذاب نازل ہوتا ہے۔ دیکھو طاعون کیسی تباہی ڈال رہی ہے۔ ایک کو دفن کر کے آتے ہیں تو دوسرا جنازہ تیار ہوتا ہے۔

یاد رکھو کہ بُت پرستی، انسان پرستی، مخلوق پرستی کی سزا آخرت میں ہے۔ مگر شوخیوں بدمعاشیوں، ظلم و تعدّی، غفلت اور اہلِ حق کو ستانے اور دُکھ دینے کی سزا اسی دُنیا میں دی جاتی ہے۔ نوح کے وقت جو عذاب آیا اگر خدا تعالیٰ کے رسول کو نہ ستاتے تو وہ عذاب نہ آتا۔ یہ شوخی پر اس لئے عذاب آتا ہے کہ "ایک چور دوسرا چتر۔" دُنیا دارالمکافات نہیں۔ اس میں دست بدست سزا صرف اُسے ملتی ہے جو بدمعاشی کرے۔ جو شرافت کے ساتھ گناہ میں گرفتار ہو تو اس کی سزا آخرت میں ہے اور اب جو دُنیا میں عذاب آیا تو اسی لئے کہ دلیری، شوخی، شرارت حد سے بڑھ گئی ایسی کہ گویا خدا ہے ہی نہیں۔ طاعون نے اس قدر سخت بربادی کی مگر ابھی اُن کے دلوں نے کچھ محسوس نہیں کیا۔ پوچھو تو ہنسی ٹھٹھے میں گذار دیتے ہیں۔ بعض کہتے ہیں معمولی بیماری ہے گویا خدا کی قضاء و قدر سے مُنکر ہیں۔ بیشک یہ بیماری ہے۔ مگر انہی بیماریوں سے عذاب آیا کرتا ہے۔ یہود لوں پر جب یہ دبا پڑی تو خدا تعالیٰ نے اسے عذاب فرمایا۔ یاد رکھو کہ جب خدا چاہتا ہے انہیں بیماریوں کو شدت و کثرت میں بڑھا کر ہلاک کر دیتا ہے۔ ان لوگوں کی بے یقینی کی یہ علامت ہے کہ عذاب کو عذاب نہیں سمجھتے۔ خدا تعالیٰ رحیم ہے۔ سزا دینے میں دھیما ہے مگر یہ لوگ یاد رکھیں کہ جبتک وہ وقت نہ آئے گا کہ پکار اُٹھیں "اب ہم سمجھے" یہ عذاب ہٹنے کا نہیں۔ اس کا علاج وہی ہے جو ہم بارہا دفعہ بتا چکے ہیں یعنی تضرّع و انابت الی اللہ۔

(بدر جلد ۷ نمبر ۷ صفحہ ۳ مورخہ ۲۰ فروری ۱۹۰۸ء)

۳ر فروری ۱۹۰۸ئہ

مومن پر ابتلاء نہ آنا سنت اللہ کے خلاف ہے

خدا تعالیٰ کے مامور پر ایمان لانے کے ساتھ ابتلاء ضروری ہے۔ خدا تعالےٰ فرماتا ہے کہ اَحسب النّاس ان یترکوا ان یقولوا اٰمنّا و ھم لا یفتنون[۱] + کیا لوگوں نے سمجھا کہ چھوڑے جائیں گے یہ کہنے پر کہ ہم ایمان لائے اور آزمائے نہ جائیں گے۔ گویا ایمان کی شرط ہے۔ آزمایا جانا صحابہ کرام کیسے آزمائے گئے۔ ان کی قوم نے طرح طرح کے عذاب دیئے اُن کے اموال پر بھی ابتلاء آئے۔ جانوں پر بھی، خویش و اقارب پر بھی۔ اگر ایمان لانے کے بعد آسائش کی زندگی آجاوے تو اندیشہ کرنا چاہیئے کہ میرا ایمان صحیح نہیں کیونکہ یہ سُنّت اللہ کے خلاف ہے کہ مومن پر ابتلاء نہ آئے۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے بڑھ کر کوئی نہیں ہو سکتا۔ وہ جب اپنی رسالت پر ایمان لائے تو اسی وقت سے مصائب کا سلسلہ شروع ہوگیا۔ عزیزوں سے جُدا ہوئے۔ میل ملاپ بند کیا گیا، ملک سے نکالے گئے۔ دشمنوں نے زہر تک دے دیا۔ تلواروں کے سامنے زخم کھائے۔ اخیر عمر تک یہی حال رہا۔ پس جب ہمارے مقتدا و پیشوا کے ساتھ ایسا ہوا تو پھر اس پر ایمان لانے والے کون ہیں جو بچے رہیں۔ ایسے ابتلاء جب آویں تو مردانہ طریق سے ان کا مقابلہ کرنا چاہیئے۔

ابتلاء اسی واسطے آتے ہیں کہ صادق جُدا ہو جائے اور کاذب جُدا۔ خدا رحیم ہے مگر وہ غنی اور بے نیاز بھی ہے۔ جب انسان اپنے ایمان کو استقامت کے ساتھ مدد نہ دے۔ تو خدا تعالےٰ کی مدد بھی منقطع ہو جاتی ہے۔ بعض آدمی صرف اتنی سی بات سے دہریہ ہو جاتے ہیں کہ ان کا لڑکا مر گیا یا بیوی مر گئی یا رزق کی تنگی ہو گئی حالانکہ یہ ایک ابتلاء تھا جس میں پُورا نکلتے تو انہیں اس سے بڑھ کر دیا جاتا اور رزق کی تنگی سے پراگندہ دل ہونا مومن کا کام نہیں متقی کا شیوہ نہیں یہ جو ؎

پراگندہ روزی پراگندہ دل

[۱] العنکبوت: ۳

کہتے ہیں۔ اس کے یہ معنے ہیں کہ جو پراگندہ دل ہو وہ پراگندہ روزی رہتا ہے۔ اور اوّل تو صادقوں کے سوانح دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے خود اپنے تئیں پراگندہ روزی بنا لیا۔ کیونکہ حضرت ابوبکرؓ تاجر تھے بڑے معزز، آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم پر ایمان لا کر سب کو دشمن بنا لیا۔ کاروبار میں بھی فرق آگیا یہانتک کہ اپنے شہر سے بھی نکلے۔ یہ بات خوب یاد رکھو کہ سچا تقویٰ ایسی چیز ہے جس سے تمام مشکلات حل ہو جاتی ہیں۔ اور کُل پراگندگیوں سے نجات ملتی ہے۔ جھُوٹے ہیں وہ لوگ جو خدا تعالےٰ پر تہمتیں دیتے ہیں۔ تمام انبیاء و راستبازوں کی گواہی ہے کہ اللہ تعالیٰ سے زیادہ رحیم و کریم کوئی نہیں۔ انسان جو حد سے زیادہ تنگ ہو جاتا ہے تو اس کی اپنی ہی غلطی کا نتیجہ ہے۔ توکل میں کمی ہوتی ہے صدق قدم نہیں ہوتا۔ صحیح طور سے مومن معلوم کرنا مشکل ہے انسان کہہ سکتا ہے میں صالح ہوں، زاہد ہوں مگر خدا کے نزدیک وہ بدکار ہوتا ہے۔ ایسے ہی بعض ایسے بندے بھی ہیں جو لوگوں میں بُرے سمجھے جاتے ہیں۔ مگر خدا تعالیٰ کے نزدیک وہی صالح ہیں۔ دیکھو ابوجہل نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو بہت بُرا سمجھا مگر اللہ کے نزدیک آپ سرورِ کائنات تھے۔ ابوجہل کو آپ کے بُرے ہونے پر یقین تھا کہ اُس نے مباہلہ تک کر لیا اور کہا۔ اللّٰھم من کان افسد للقوم و اقطع للرحم فاھلکه الیوم۔ معلوم ہوتا ہے اسے پکا یقین تھا جبھی تو یہ کلمات کہے۔ مگر اس کا نتیجہ کیا ہوا؟ کہ خدا تعالیٰ نے فعلی رنگ میں ظاہر کر دیا کہ صادق اور پاکباز کون ہے اور کاذب اور بدکار کون۔

اللہ تعالےٰ فرماتا ہے لوکنا نسمع او نعقل ما کُنّا فی اصحٰب السعیر[1]۔ علمِ صحیح اور عقلِ سلیم یہ بھی خوش قسمتی کی نشانیاں ہیں۔ جس میں شقاوت ہو اس کی مَت ماری جاتی ہے وہ نیک کو بد اور بد کو نیک سمجھتا ہے۔

(بدر جلد ۷ نمبر ۷ صفحہ ۳-۴ مورخہ ۲۰ فروری ۱۹۰۸ء)

---

[1] الملک: ۱۱

بلا تاریخ[1]

ایک مخلص بھائی نے اپنا قصہ سُنایا کہ ایک نواب ریاست نے جو شیعہ ہے اُن سے آپ کے بارے میں چند سوال کئے اور ان کے میں نے یہ جواب دیئے۔

مرزا صاحب کا آلِ نبیؐ کے بارے میں کیا عقیدہ ہے۔ ہم سُنتے ہیں کہ وہ ان کی توہین کرتے ہیں!

انہوں نے جواب دیا کہ ان کا ایک شعر ہے ؎

جان و دلم فدائے جمالِ محمدؐ است
خاکم نثارِ کوچۂ آلِ محمدؐ است

دوم یہ کہ یزید کے بارے میں ان کی کیا رائے ہے۔ انہوں نے یہ شعر پڑھا۔

؎ ہر طرف کُفر است جوشاں ہمچو افواجِ یزید
دینِ حق بیمار و بیکس ہمچو زین العابدینؑ

جب اس طرح کوئی اعتراض کا موقعہ نہ پایا تو پوچھا کہ تم ان کے نہ ماننے والوں کو کیا سمجھتے ہو؟ انہوں نے کہا کہ جو مہدی موعود کے مخالفین کو سمجھنا چاہیئے اور جو کچھ اہلِ سُنت و شیعہ سمجھتے ہیں۔

پوچھا کہ رسالت کے مدعی ہیں؟

انہوں نے کہا کہ ان کا ایک شعر ہے ؎

من نیستم رسُول و نیاوردہ ام کتاب
ہاں ملہم استم و زخداوند منذرم

اس پر دوسرے روز فرمایا کہ

اس کی تشریح کر دینا تھا کہ ایسا رسُول ہونے سے انکار کیا گیا ہے جو صاحب کتاب ہو

[1] حاشیہ۔ یہ ۱۹۰۱ء کا واقعہ ہے اور اسی پر حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے "ایک غلطی کا ازالہ" لکھا تھا۔ (مرتب)

دیکھو جو امور سماوی ہوتے ہیں۔ان کے بیان کرنے میں ڈرنا نہیں چاہیئے اور کسی قسم کا خوف کرنا اہلِ حق کا قاعدہ نہیں۔صحابہ کرام کے طرزِ عمل پر نظر کرو۔وہ بادشاہوں کے درباروں میں گئے اور جو کچھ ان کا عقیدہ تھا وہ صاف صاف کہہ دیا۔اور حق کہنے سے ذرا نہیں جھجکے۔جبھی تو لایخافون لومۃ لائم کے مصداق ہوئے۔ہمارا دعویٰ ہے کہ ہم نبی اور رسُول ہیں۔اصل میں یہ نزاع لفظی ہے۔خدا تعالےٰ جس کے ساتھ ایسا مکالمہ مخاطبہ کرے کہ جو بلحاظ کمیت وکیفیت دوسروں سے بڑھ کر ہو اور اس میں پیشگوئیاں بھی کثرت سے ہوں اسے نبی کہتے ہیں اور یہ تعریف ہم پر صادق آتی ہے پس ہم نبی ہیں۔ہاں یہ نبوت تشریعی نہیں جو کتاب اللہ کو منسوخ کرے اور نئی کتاب لائے۔ایسے دعویٰ کو تو ہم کفر سمجھتے ہیں۔بنی اسرائیل میں کئی ایسے نبی ہوئے ہیں جن پر کوئی کتاب نازل نہیں ہوئی۔صرف خدا کی طرف سے پیشگوئیاں کرتے تھے جن سے موسوی دین کی شوکت وصداقت کا اظہار ہوتا۔پس وہ نبی کہلائے۔یہی حال اس سلسلہ میں ہے۔بھلا اگر ہم نبی نہ کہلائیں تو اس کے لئے اور کونسا امتیازی لفظ ہے جو دوسرے ملہموں سے ممتاز کرے

دیکھو اَور لوگوں کو بھی بعض اوقات سچے خواب آجاتے ہیں بلکہ بعض دفعہ کوئی کلمہ بھی زبان پر جاری ہوجاتا ہے جو سچ نکل آتا ہے۔یہ اس لئے تا ان پر حجت پوری ہو اور وہ یہ نہ کہہ سکیں کہ ہم کو یہ حواس نہ دیئے گئے۔پس ہم سمجھ نہیں سکتے کہ یہ کس بات کا دعویٰ کرتے ہیں۔آپ کو سمجھانا تو یہ چاہیئے تھا کہ وہ کس قسم کی نبوت کے مدعی ہیں۔

ہمارا مذہب تو یہ ہے کہ جس دین میں نبوت کا سلسلہ نہ ہو وہ مُردہ ہے۔یہودیوں،عیسائیوں ہندوؤں کے دین کو جو ہم مُردہ کہتے ہیں تو اسی لئے کہ اُن میں اب کوئی نبی نہیں ہوتا۔اگر اسلام کا بھی یہی حال ہوتا تو پھر ہم بھی قصّہ گو ٹھہرے۔کس لئے اس کو دوسرے دینوں سے بڑھ کر کہتے ہیں۔آخر کوئی امتیاز بھی ہونا چاہیئے۔صرف سچے خوابوں کا آنا تو کافی نہیں کہ یہ تو چوہڑے چماروں کو بھی آجاتے ہیں۔مکالمہ مخاطبہ الٰہیہ ہونا چاہیئے اور وہ بھی ایسا کہ جس میں پیشگوئیاں ہوں اور بلحاظ کمیت وکیفیت کے بڑھ چڑھ کر ہو۔ایک مصرعہ سے تو شاعر نہیں ہوسکتے۔اسی

طرح معمولی ایک دو خوابوں یا الہاموں سے کوئی مدعی رسالت ہو تو وہ جھوٹا ہے۔ ہم پر کئی سالوں سے وحی نازل ہو رہی ہے اور اللہ تعالیٰ کے کئی نشان اس کے صدق کی گواہی دے چکے ہیں۔ اسی لئے ہم نبی ہیں۔ امر حق کے پہنچانے میں کسی قسم کا اخفا نہ رکھنا چاہیئے۔

فرمایا:۔

آریہ یہ اعتراض کرتے ہیں کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی زندگی پوتر نہیں تھی۔ یہ ان لوگوں کی سخت غلطی ہے کیونکہ پاک ناپاک ہونا بہت کچھ دل سے تعلق رکھتا ہے اور اس کا حال سوائے اللہ کے اور کسی کو معلوم نہیں۔ پس پاک وہ ہے جس کے پاک ہونے پر خدا گواہی دے۔ دیکھو ابوجہل نے مباہلہ کیا تھا کہ جو ہم میں افسد للقوم اور اقطع للرحم ہے اسے ہلاک کر۔ وہ اسی روز ہلاک ہو گیا۔ ایسا ہی خسرو پرویز۔ وہ تو خدا کی بات ہے۔ خود اس کے گھر میں ایک شخص نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے ایک غلام سے مباہلہ کیا۔ مدت مقررہ کے اندر مر کر گواہی دے گیا۔

پھر اسی آریہ نے لکھا ہے کہ الہامی کتاب وہ ہے جس سے اللہ کے اعلیٰ درجہ کے اخلاق ظاہر ہوں۔

فرمایا:۔

یہ سچ ہے اور اس میں بھی اسلام ہی کی فتح ہے۔ یہ آریہ اللہ کے رحیم و غفور ہونے کے قائل نہیں۔ حالانکہ ان میں سے کوئی مقدمہ میں پھنس جائے تو یہ دل سے چاہتا ہے کہ خواہ میں نے قصور کیا ہے مجھے حاکم بخش دے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ انسان کی فطرت چاہتی ہے کہ اس کا حاکم غفور رحیم ہو۔ پھر باوجود اس کے اللہ کی اس صفت سے انکار ایک ہٹ دھرمی ہے۔

(بدر جلد ۷ نمبر ۹ صفحہ ۲ مورخہ ۵ مارچ ۱۹۰۸ء) و (الحکم جلد ۱۲ نمبر ۱۷ صفحہ ۵ مورخہ ۶ مارچ ۱۹۰۸ء)

۱۰ر فروری ۱۹۰۸ء

بوقت ظہر

۱۶-۱۸

فرمایا:۔

شیعوں نے مبالغہ کی حد کر دی۔ ایک شیعہ اپنی کتاب میں لکھتا ہے۔ تمام انبیاء حتیٰ کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم بھی امام حسینؓ کی شفاعت کے محتاج ہیں۔ پھر کہتے ہیں کہ حضرت علیؓ پر وحی آئی تھی مگر جبریل بھول گیا۔ اور یہ بھی لکھا ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم جب معراج کو گئے تو آگے علی موجود تھے۔ اور ایک شخص حضرت علی کو خدا کہتا ہے تو کہا کہ اچھا لاکھوں کروڑوں بندے خدا کے اور ایک بندہ تو میرا ہی سہی۔ گویا حضرت علی کو خدا بنا دیا ہے۔ تعجب ہے کہ علی آسمان پر تو خدا ہے مگر زمین پر نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کا صرف ایک صحابی ہے جو معمولی خلافت کو بھی نہ سنبھال سکا۔ معلوم نہیں کہ لوگ شیعہ مذہب میں کونسا اسلام پاتے ہیں۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے کل صحابہؓ کو سوائے دو چار کے یہ مرتد کہتے ہیں۔ امہات المومنین پر سخت اعتراض کرتے ہیں۔ قرآن کو بیاض عثمانی قرار دیتے ہیں۔ جس قوم کے پاس کتاب اللہ نہیں اس کا مذہب ہی کیا ہوا۔ کیا گالیاں دینا اور گھر بیٹھ کر دوسروں پر اور مرے ہوؤں پر تبرے بھیجتے رہنا یہ بھی کوئی مذہب ہے؟

پھر تقیہ جس سے بُری بات کوئی نہیں ہو سکتی یعنی جس سے دب گئے یا جہاں کوئی اپنا مطلب جاتا دیکھا وہاں اپنے عقیدہ سے انکار کر دیا۔

پھر بتائیں کہ ان کی کوئی عمدہ تفسیر بھی ہے جس سے معلوم ہو کہ یہ لوگ کلام الٰہیہ کے واقف ہیں۔ ہم نے تو جو تفسیر دیکھی ان میں ہر ایک آیت کے یہی معنے دیکھے کہ یہ علی کے حق میں ہے۔ مقطعات میں بھی یہی خبط رہا ہے۔ کھٰیٰعص۔ ک سے مراد کربلا ہے۔ پھر توحید جو مذہب اسلام کی رُوح ہے۔ اس کا یہ حال کہ آریہ باوجود سخت معاند اسلام ہونے کے ان سے اچھے ہیں جو ہزار ہا بتوں کی پرستش سے نفرت رکھتے ہیں۔ اور ان لوگوں نے بت پرستی کو از سر نو جاری کر دیا۔ ابھی کوئی پتھر پرست یا درخت پرست یا انسان پرست ہو، ایک ہی

بات ہے۔

یہ امام حسین کے فضائل بیشک بیان کریں ہم منع نہیں کرتے اور جس حد تک انبیاء کرام کی تکذیب لازم نہ آئے اور راستبازوں کی ہتک نہ ہو ہم ماننے کو تیار ہیں مگر یہ تو نہیں کہ انہیں خدا بنالیں۔ اگر واقعی ان کو امام حسین سے محبت ہے تو ان کی پیروی کریں۔ جس سے انسان کو محبت ہو وہ اس کے رنگ سے رنگین ہونا چاہتا ہے اور اُس کے سے کام کرنا اپنا دین وایمان سمجھتا ہے۔ اتنے پیغمبر گذرے ہیں کیا کبھی کسی نے کہا ہے کہ میری بندگی کرو؟ اصل بات تو یہ ہے کہ دُور دُور سے گمراہوں کا جو اسلام میں ہو کر اس درجہ تک پہنچے ہدایت پانا نسبتاً مشکل ہے۔ امام حسین کو میں نے دو مرتبہ دیکھا کہ دُور سے ایک شخص چلا آرہا ہے اور میری زبان سے یہ لفظ نکلا۔

ابوعبداللہ حسین

پھر دوبارہ دیکھا۔

ہمارا مذہب تو یہ ہے اور یہی مومن کا طریق ہونا چاہیئے کہ بات کرے تو پُوری کرے۔ ورنہ چُپ رہے۔ جب دیکھو کہ کسی مجلس میں اللہ اور اُس کے رسُول پر ہنسی ٹھٹھا ہو رہا ہے تو یا تو وہاں سے چلے جاؤ تاکہ ان میں سے نہ گنے جاؤ اور یا پھر پورا پورا کھول کر جواب دو۔ دو باتیں ہیں۔ یا جواب یا چُپ رہنا۔ یہ تیسرا طریق نفاق ہے کہ مجلس میں بیٹھے رہنا اور ہاں میں ہاں ملائے جانا۔ دبی زبان سے اخفار کے ساتھ اپنے عقیدہ کا اظہار کرنا۔

(بدر جلد ۷ نمبر ۱۰ صفحہ ۶ مورخہ ۱۲؍ مارچ ۱۹۰۸ء)

۲۵؍فروری ۱۹۰۸ء

قبل نماز عصر

ایک شخص نے سوال کیا کہ یا حضرت۔ والدین کی خدمت اور ان کی فرمانبرداری اللہ تعالیٰ نے انسان پر فرض کی ہے مگر میرے والدین حضور کے سلسلہ بیعت میں داخل ہونے کی وجہ

سے مجھ سے سخت بیزار ہیں اور میری شکل تک دیکھنا پسند نہیں کرتے۔ چنانچہ جب میں حضور کی بیعت کے واسطے آنے کو تھا تو انہوں نے مجھے کہا کہ ہم سے خط و کتابت بھی نہ کرنا اور اب ہم تمہاری شکل بھی دیکھنا پسند نہیں کرتے اب میں اس فرضِ الٰہی کی تعمیل سے کس طرح سبکدوش ہو سکتا ہوں۔

فرمایا کہ

قرآن شریف جہاں والدین کی فرمانبرداری اور خدمت گذاری کا حکم دیتا ہے وہاں یہ بھی فرماتا ہے کہ ربکم اعلم بما فی نفوسکم ان تکونوا صالحین فانہ کان للاوابین غفوراً[1] (بنی اسرائیل رکوع ۳) اللہ تعالےٰ خوب جانتا ہے جو کچھ تمہارے دلوں میں ہے اگر تم صالح ہو تو وہ اپنی طرف جھکنے والوں کے واسطے غفور ہے۔ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کو بھی بعض ایسے مشکلات پیش آگئے تھے کہ دینی مجبوریوں کی وجہ سے ان کی ان کے والدین سے نزاع ہو گئی تھی۔ بہرحال تم اپنی طرف سے ان کی خیریت اور خبر گیری کے واسطے ہر وقت تیار رہو۔ جب کوئی موقعہ ملے اسے ہاتھ سے نہ دو۔ تمہاری نیت کا ثواب تم کو مل کے رہے گا۔ اگر محض دین کی وجہ سے اور اللہ تعالےٰ کی رضا کو مقدم کرنے کے واسطے والدین سے الگ ہونا پڑتا ہے تو یہ ایک مجبوری ہے۔ اصلاح کو مدنظر رکھو اور نیت کی صحت کا لحاظ رکھو اور ان کے حق میں دعا کرتے رہو۔ یہ معاملہ کوئی آج نیا نہیں پیش آیا۔ حضرت ابراہیم کو بھی ایسا ہی واقعہ پیش آیا تھا۔ بہرحال خدا کا حق مقدم ہے۔ پس خدا تعالےٰ کو مقدم کرو اور اپنی طرف سے والدین کے حقوق ادا کرنے کی کوشش میں لگے رہو اور اُن کے حق میں دُعا کرتے رہو اور صحتِ نیت کا خیال رکھو۔

(الحکم جلد ۱۲ نمبر ۱۶ صفحہ ۴ مورخہ ۲۹ فروری ۱۹۰۸ء)

---

[1] بنی اسرائیل : ۲۶

۲۶ فروری ۱۹۰۸ء

بوقت سیر

فرمایا کہ

اصل میں ہمارے دعویٰ کے دو پہلو ہیں۔ ایک تو حضرت عیسیٰ کی وفات، دوسرا ان کی آمدِ ثانی۔ وفات کے متعلق تو ہم ہزاروں بار بیان کر چکے ہیں کہ قرآن شریف میں خود مسیح کا اقرار لکھا ہے۔ فلما توفیتنی کنت انت الرقیب علیھم۔[1] یہ عجیب نکتہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس بیان کو قیامت کے دن کے لئے خاص کر دیا ہے۔ اس سے تو صاف ثابت ہے کہ حضرت عیسیٰ وفات پا چکے ہیں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کے سوال کے جواب میں کہ کیا ایسے مشرکانہ خیالات اور عقائد تم نے ان لوگوں کو بتائے ہیں۔ حضرت مسیح صاف انکار کرتے ہیں اور کانوں پر ہاتھ رکھتے ہیں کہ یا الٰہی میں نے تو ان کو توحید کی تعلیم دی تھی۔ یہ مشرکانہ تعلیم میری وفات کے بعد انہوں نے اختیار کی ہے۔ میں اس کا ذمہ دار نہیں ہوں۔ چاہے تو ان کو عذاب دے اور چاہے تو ان کو بخش دے تیرے بندے ہیں۔ اب صاف بات ہے کہ اگر حضرت عیسیٰ دوبارہ دُنیا میں آئے ہوتے اور عیسائیوں کے ایسے فاسد عقائد کی اصلاح کی ہوتی تو بڑے زور سے عرض کرتے کہ یا اللہ میں نے بڑے بڑے جنگ کئے ہیں اور بہت مشکلات اُٹھا کر ان کے مشرکانہ خیالات اور عقائد کی جگہ دوبارہ تیری توحید ان میں قائم کی ہے۔ میں تو بڑے انعامات کا مستحق ہوں چہ جائیکہ مجھ سے ایسا سوال کیا جاتا۔ غرض خود ان کے اس بیان سے ظاہر ہے کہ وفات پا چکے اور دوبارہ دنیا میں نہیں آئیں گے۔

پھر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے ان کو معراج کی رات مُردوں میں دیکھا۔ بھلا زندوں کو مُردوں سے کیا تعلق؟ اگر مسیح زندہ تھے تو پھر مُردوں میں کیوں جا شامل ہوئے؟

اس کے سوا سینکڑوں مقامات قرآن شریف میں ہیں جن سے ان کی وفات ثابت ہے۔ عجیب بات ہے کہ یہی توفی کا لفظ ہے جب اَوروں کے واسطے آوے تو اس کے معنے موت کے کئے جاتے ہیں اور جب حضرت عیسیٰ کے واسطے آوے تو کچھ اَور کئے جاتے

[1] المائدۃ: ۱۱۸

ہیں۔ نہ معلوم یہ خصوصیت حضرت عیسٰی کو کیوں دی جاتی ہے۔ دیکھو حضرت یُوسف کی دُعا ہے توفّنی مسلمًا و الحقنی بالصالحینؑ۔ علاوہ ازیں اور بیسیوں جگہ توفّی کا لفظ موت ہی کے معنوں میں وارد ہوا ہے۔ کوئی ثابت نہیں کرسکتا کہ توفی فعل کا فاعل اللہ ہو اور مفعول ذی رُوح چیز ہو تو معنے بجز موت کوئی اور ہو سکتے ہیں۔

احیاءِ موتٰی

ان کے مُردے زندہ کرنے کے معجزے کو بھی خواہ مخواہ خصوصیت دی گئی ہے۔ تعجب آتا ہے ان مولویوں پر کہ حضرت عیسٰی کے واسطے احیاءِ موتٰی کا لفظ آوے تو حقیقی مُردے زندہ ہو جاویں جو سنت اللہ اور قرآن مجید کے منشار کے خلاف ہیں۔ مگر جب وہی لفظ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے واسطے آتے ہیں تو اس سے مراد رُوحانی مُردے بن جاتے ہیں۔

انجیل میں لکھا ہے کہ جتنے مُردے قبروں میں تھے سب زندہ ہو کر شہروں میں آگئے اس کثرت سے آپ نے مُردے زندہ کئے۔ بھلا ان سے کوئی سوال تو کرے کہ ہزاروں مُردے زندہ ہو کر شہروں میں آگئے ان کا گذر کیسے ہوا؟ اور دوسرا یہ کہ باوجود اتنا بڑا معجزہ دیکھنے کے پھر وہ لوگ ایمان کیوں نہ لائے؟ ان کو کوئی سمجھاتا کہ انہوں نے ہی دعا کی اور تم زندہ ہوئے اب ان پر ایمان لے آؤ۔ کچھ سمجھ میں نہیں آتا کہ اتنا بڑا معجزہ نہ اُن مُردوں کے واسطے مفید ہوا نہ ان کے رشتہ داروں کے واسطے جنہوں نے ان مُردوں کو بچشم خود زندہ ہوتے قبروں میں سے نکل کر شہروں میں داخل ہوتے دیکھا تھا۔

اصل بات یہ ہے کہ علم تعبیر رؤیا میں لکھا ہے کہ جب کوئی دیکھے کہ مردے قبروں میں سے زندہ ہو کر شہروں میں آگئے ہیں تو اس کی تعبیر یہ ہوتی ہے کہ اس وقت کے نیک طبع لوگ قید سے رہائی پا جائیں گے۔ اس وقت چونکہ خود حضرت مسیح قید میں تھے تو ممکن ہے کہ انہوں نے خود یا کسی اَور نے یہ رؤیا یا مکاشفہ دیکھا مگر بعد میں وہ مکاشفہ یا رؤیا تو ترک کر دیا گیا اور اصل مطلب لے لیا گیا۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی نسبت بھی مُردے زندہ کرنے کے متعلق کئی روایات تھیں مگر معتبر

ؑ یوسف ۱۰۲:۱

کتب احادیث میں ان کا ذکر نہیں کیا گیا۔ دیکھو امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے بڑے بڑے مشکلات جھیل کر قریب ایک لاکھ کے حدیث جمع کی۔ مگر آخر ان میں سے صرف چالیس ہزار رکھیں باقی متروک کر دیں۔ ہمارے مسلمان اس بارے میں بڑے محقق گذرے ہیں۔

مسئلہ خلق طیور

اسی طرح حضرت عیسٰی کا خلق طیور کا مسئلہ ہے۔ ہم معجزات کے منکر نہیں بلکہ قائل ہیں۔ حضرت عیسٰیؑ کا خلق طیور کا مسئلہ بعینہٖ موسٰی علیہ السلام کے سوٹے والی بات ہے۔ دشمنوں کے مقابلہ کے وقت وہ اگر سانپ بن گیا تھا تو دوسرے وقت میں وہی سوٹے کا سوٹا تھا نہ یہ کہ وہ کہیں سانپوں کے گروہ میں چلا گیا تھا۔ پس اسی طرح حضرت عیسٰی کے وہ طیور بھی آخر مٹی کے مٹی ہی تھے۔ بلکہ حضرت موسٰی کا سوٹا تو چونکہ مقابلہ میں آگیا تھا اور وہ مقابلہ میں غالب ثابت ہوا تھا اس واسطے حضرت عیسٰیؑ کے طیور سے بہت بڑھا ہوا ہے کیونکہ وہ طیور تو نہ کسی مقابلہ میں آئے اور نہ اُن کا غلبہ ثابت ہوا۔

غرض ایک حصہ تو ہمارے دعاوی کا حضرت عیسٰیؑ کی وفات ثابت کرنے کے متعلق ہے جس کو ہم نے ہر طرح سے عقل سے، نقل سے، اقوال ائمہ سے غرض ہر پہلو سے بیسیوں کتابیں تالیف کر کے ثابت کر دیا ہے۔

دوسرا حصہ آمد ثانی کے متعلق ہے۔ سو وہ اللہ تعالیٰ نے خود آسمانی نشانات اور تائیدات سماوی کے ذریعہ سے اور آئے دن ہماری ترقی اور دشمنوں کا تنزل کر کے ظاہر کر دیا ہے۔ ایک طوفان اور دریا کی لہریں تائید اور نصرت کی خدا تعالےٰ کی طرف سے آرہی ہیں۔ ان کا کوئی مقابلہ نہیں کر سکتا۔ تازہ نشانات اور قبل از وقت زبردست کثیر پیشگوئیاں دلوں پر اثر ڈالتی ہیں۔ اور انہیں سے ترقی ہوئی۔ ان ملانوں کے پُرانے رطب ویابس جو ان کے پاس قصے کہانیوں کے رنگ میں ہیں ان سے کیا ترقی ہو سکتی ہے بلکہ تنزل کے اسباب ہیں۔

تعجب ہے کہ یہ لوگ ممبروں پر چڑھ کر رویا کرتے تھے کہ یہ تیرھویں صدی سخت منحوس ہے۔

چودھویں صدی انعامات و برکات کا موجب ہوگی اور امام مہدی اور مسیح موعود اس صدی میں آوے گا۔صدیق حسن خاں نے کئی اولیاء اللہ کی روایات سے اپنی کتاب میں ثابت کیا ہے کہ سب کا اتفاق تھا کہ مسیح آنے والا چودھویں صدی میں آوے گا۔ مگر خدا جانے اب لوگوں کو کیا ہو گیا۔

زبانی لاف و گزاف کسی کام کی نہیں

خیر اصل بات یہ ہے کہ انسان کو اپنی صفائی کرنی چاہیئے۔صرف زبان سے کہہ دینا کہ میں نے بیعت کر لی ہے کچھ بھی حقیقت نہیں رکھتا جب تک عملی طور سے کچھ کر کے نہ دکھلایا جاوے۔ صرف زبان کچھ نہیں بنا سکتی۔ قرآن شریف میں آیا ہے کہ لم تقولون ما لا تفعلون ٥ کبر مقتاً عند اللہ ان تقولوا ما لا تفعلون[1] یہ وقت ہے کہ سابقون میں داخل ہو جاؤ یعنی ہر نیکی کے کرنے میں سبقت لے جاؤ۔ اعمال ہی کام آتے ہیں۔ زبانی لاف و گزاف کسی کام کی نہیں۔ دیکھو حضرت فاطمہؓ کو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے کہا کہ فاطمہ اپنی جان کا خود فکر کر لے میں تیرے کسی کام نہیں آسکتا۔ بھلا خدا کا کسی سے رشتہ تو نہیں۔ وہاں یہ نہیں پوچھا جاوے گا کہ تیرا باپ کون ہے بلکہ اعمال کی پرسش ہو گی۔

انسان میں کئی قسم کے گناہ، کسل، کبر، سستیاں اور باریک در باریک گناہ ہوتے ہیں ان سب سے بچنے کی کوشش کرنی چاہیئے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن شریف میں نفس انسان کے تین مرتبے بیان فرمائے ہیں۔ امّارہ۔ لوّامہ۔ مطمئنّہ۔ نفس امارہ تو ہر وقت انسان کو گناہ اور نافرمانی کی طرف کھینچتا رہتا ہے اور بہت خطرناک ہے۔ لوامہ وہ ہے کہ کبھی کوئی بدی ہو جاوے تو ملامت کرتا ہے۔ مگر یہ بھی قابل اطمینان نہیں ہے۔ قابلِ اطمینان صرف نفس کی وہ حالت ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے نفسِ مطمئنّہ کے نام سے پکارا ہے اور وہی اچھا ہے۔ وہ اس حالت کا نام ہے کہ جب انسان خدا کے ساتھ ٹھہر جاتا ہے۔ اسی حالت میں آکر انسان گناہ کی آلائش سے پاک کیا جاتا ہے۔ یہی ایک گناہ سوز حالت ہے اور اسی درجہ کے انسانوں کے ساتھ برکات کے وعدے ہوئے ہیں۔ ملائکہ کا نزول ان پر ہوتا ہے اور حقیقی نیکی اور پاکی صرف انہیں کا حصہ

[1] الصف: ۳،

ہوتی ہے۔

صرف زبان کا اقرار تو خدا تعالیٰ کے نزدیک کچھ چیز ہی نہیں۔ ہم نے اکثر ہند و دیکھے ہیں کہ خیانت کرتے ہیں۔ کم تولتے ہیں۔ جھوٹ بولتے ہیں۔ دنیا کی محبت میں مَرے جاتے ہیں۔ مگر زبان سے دوسری طرف یہ بھی کہے جاتے ہیں کہ اجی صاحب دنیا فانی ہے ناپائیدار ہے۔

پس تم ایسے ہو جاؤ کہ خدا تعالیٰ کے ارادے تمہارے ارادے ہو جاویں۔ اسی کی رضا میں رضا ہو۔ اپنا کچھ بھی نہ ہو سب کچھ اس کا ہو جاوے۔ صفائی کے یہی معنے ہیں کہ دل سے خدا تعالےٰ کی عملی اور اعتقادی مخالفت اُٹھا دی جاوے۔ خدا تعالےٰ کسی کی نصرت نہیں کرتا جب تک وہ خود نہیں دیکھتا کہ اس کا ارادہ میرے ارادے اور اس کی مرضی میری رضا میں فنا نہیں ہے۔

میں کثرت جماعت سے کبھی خوش نہیں ہوتا۔ اب اگرچہ چار لاکھ بلکہ اس سے بھی زیادہ ہے۔ مگر حقیقی جماعت کے معنے یہ نہیں ہیں کہ ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر صرف بیعت کر لی۔ بلکہ جماعت حقیقی طور سے جماعت کہلانے کی تب مستحق ہو سکتی ہے کہ بیعت کی حقیقت پر کاربند ہو۔ سچے طور سے ان میں ایک پاک تبدیلی پیدا ہو جاوے اور ان کی زندگی گناہ کی آلائش سے بالکل صاف ہو جاوے۔ نفسانی خواہشات اور شیطان کے پنجے سے نکل کر خدا تعالےٰ کی رضا میں محو ہو جاویں۔ حق اللہ اور حق العباد کو فراخدلی سے پورے اور کامل طور سے ادا کریں۔ دین کے واسطے اور اشاعتِ دین کے لئے ان میں ایک تڑپ پیدا ہو جاوے۔ اپنی خواہشات اور ارادوں آرزوؤں کو فنا کر کے خدا کے بن جاویں۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ تم گمراہ ہو پر جسے میں ہدایت دوں۔ تم سب اندھے ہو مگر وہ جس کو میں نُور بخشوں۔ تم سب مُردے ہو مگر وہی زندہ ہے جس کو میں رُوحانی زندگی کا شربت پلاؤں۔ انسان کو خدا تعالےٰ کی ستاری ڈھانکے رکھتی ہے ورنہ اگر لوگوں کے اندرونی حالات اور باطن دنیا کے سامنے کر دیئے جاویں تو قریب ہے کہ بعض بعض کے قریب تک بھی جانا پسند نہ کریں۔ خدا تعالےٰ بڑا ستار ہے۔ انسانوں کے عیوب پر ہر ایک کو اطلاع نہیں دیتا پس انسان کو چاہیئے کہ نیکی میں کوشش کرے اور ہر وقت دعا میں لگا رہے۔

یقیناً جانو کہ جماعت کے لوگوں میں اور ان کے غیر میں اگر کوئی مابہ الامتیاز ہی نہیں ہے تو پھر خدا کو کسی کا رشتہ دار تو نہیں ہے۔ کیا وجہ ہے کہ ان کو عزت دے اور ہر طرح حفاظت میں رکھے۔ اور ان کو ذلت دے اور عذاب میں گرفتار کرے۔ اِنَّمَا یَتَقَبَّلُ اللّٰہُ مِنَ الْمُتَّقِیْنَ[ا] متقی وہی ہیں کہ خدا تعالیٰ سے ڈر کر ایسی باتوں کو ترک کر دیتے ہیں جو منشاء الٰہی کے خلاف ہیں نفس اور خواہشات نفسانی کو اور دنیا و مافیہا کو اللہ تعالیٰ کے مقابلہ میں ہیچ سمجھیں۔ ایمان کا پتہ مقابلہ کے وقت لگتا ہے۔

بعض لوگ ایسے ہوتے ہیں کہ ایک کان سے سُنتے ہیں دوسری طرف نکال دیتے ہیں ان باتوں کو دل میں نہیں اُتارتے۔ چاہے جتنی نصیحت کرو مگر ان کو اثر نہیں ہوتا۔ یاد رکھو کہ خدا تعالیٰ بڑا بے نیاز ہے جب تک کثرت سے اور بار بار اضطراب سے دعا نہیں کی جاتی وہ پروا نہیں کرتا۔ دیکھو کسی کی بیوی یا بچہ بیمار ہو یا کسی پر سخت مقدمہ آجاوے تو ان باتوں کے واسطے اس کو کیسا اضطراب ہوتا ہے۔ پس دعا میں بھی جب تک سچی تڑپ اور حالت اضطراب پیدا نہ ہو تب تک وہ بالکل بے اثر اور بیہودہ کام ہے۔ قبولیت کے واسطے اضطراب شرط ہے جیسا کہ فرمایا اَمَّنْ یُّجِیْبُ الْمُضْطَرَّ اِذَا دَعَاہُ وَیَکْشِفُ السُّوْٓءَ[۲]

ہماری جماعت کے لوگوں کو نمونہ بن کر دکھانا چاہیئے۔ اگر کسی کی زندگی بیعت کے بعد بھی اسی طرح کی ناپاک اور گندی زندگی ہے جیسا کہ بیعت سے پہلے تھی اور جو شخص ہماری جماعت میں ہو کر بُرا نمونہ دکھاتا ہے اور عملی یا اعتقادی کمزوری دکھاتا ہے تو وہ ظالم ہے کیونکہ وہ تمام جماعت کو بدنام کرتا ہے اور ہمیں بھی اعتراض کا نشانہ بناتا ہے۔ بُرے نمونے سے اوروں کو نفرت ہوتی ہے اور اچھے نمونہ سے لوگوں کو رغبت پیدا ہوتی ہے۔ بعض لوگوں کے ہمارے پاس خط آتے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں کہ میں اگرچہ آپ کی جماعت میں ابھی داخل نہیں مگر آپ کی جماعت کے بعض لوگوں کے حالات سے اندازہ لگاتا ہوں کہ اس جماعت کی تعلیم ضرور نیکی پر مشتمل ہے۔ اِنَّ اللّٰہَ مَعَ الَّذِیْنَ اتَّقَوْا وَّالَّذِیْنَ ھُمْ مُّحْسِنُوْنَ[۳]۔ خدا تعالیٰ بھی انسان کے اعمال کا روزنامچہ

[ا] المائدۃ: ۲۸ [۲] النمل: ۶۳ [۳] النحل: ۱۲۹

بناتا ہے۔ پس انسان کو بھی اپنے حالات کا ایک روزنامچہ تیار کرنا چاہیئے۔ اور اس میں غور کرنا چاہیئے کہ نیکی میں کہاں تک آگے قدم رکھا ہے۔ انسان کا آج اور کل برابر نہیں ہونے چاہئیں۔ جس کا آج اور کل اس لحاظ سے کہ نیکی میں کیا ترقی کی ہے برابر ہو گیا وہ گھاٹے میں ہے۔ انسان اگر خدا کو ماننے والا اور اسی پر کامل ایمان رکھنے والا ہو تو کبھی ضائع نہیں کیا جاتا بلکہ اس ایک کی خاطر لاکھوں جانیں بچائی جاتی ہیں۔

ایک شخص جو اولیاء اللہ میں سے تھے ان کا ذکر ہے کہ وہ جہاز میں سوار تھے۔ سمندر میں طوفان آگیا۔ قریب تھا کہ جہاز غرق ہو جاتا۔ اس کی دعا سے بچا لیا گیا اور دعا کے وقت اس کو الہام ہوا کہ تیری خاطر ہم نے سب کو بچا لیا۔ مگر یہ باتیں نرا زبانی جمع خرچ کرنے سے حاصل نہیں ہوتیں۔ دیکھو ہمیں بھی اللہ تعالیٰ نے ایک وعدہ دیا ہے انی احافظ کلّ من فی الدار۔ مگر دیکھو ان میں غافل عورتیں بھی ہیں۔ مختلف طبائع اور حالات کے انسان ہیں۔ خدانخواستہ اگر ان میں سے کوئی طاعون سے مر جاوے یا جیسا کہ بعض آدمی ہماری جماعت میں سے طاعون سے فوت ہو گئے ہیں تو ان دشمنوں کو ایک اعتراض کا موقعہ ہاتھ آگیا ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ الذین اٰمنوا و لم یلبسوا ایمانھم بظلم[1]۔ بہر حال جماعت کے افراد کی کمزوری یا بُرے نمونہ کا اثر ہم پر پڑتا ہے اور لوگوں کو خواہ مخواہ اعتراض کرنے کا موقعہ مل جاتا ہے۔ پس اس واسطے ہماری طرف سے تو یہی نصیحت ہے کہ اپنے آپ کو عمدہ اور نیک نمونہ بنانے کی کوشش میں لگے رہو۔ جب تک فرشتوں کی سی زندگی نہ بن جاوے تب تک کیسے کہا جا سکتا ہے کہ کوئی پاک ہو گیا۔ یفعلون ما یؤمرون[2]۔

فنا فی اللہ ہو جانا اور اپنے سب ارادوں اور خواہشات کو چھوڑ کر محض اللہ کے ارادوں اور احکام کا پابند ہو جانا چاہیئے کہ اپنے واسطے بھی اور اپنی اولاد بیوی بچوں خویش و اقارب اور ہمارے واسطے بھی باعث رحمت بن جاؤ۔ مخالفوں کے واسطے اعتراض کا موقعہ ہرگز ہرگز نہ دینا چاہیئے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ منھم ظالم لنفسہ ومنھم مقتصدٌ ومنھم

[1] الانعام : ۸۳ [2] النحل : ۵۱

سابق بالخیرات[1]۔ پہلی دو توصفات ادنیٰ ہیں۔ سابق بالخیرات بننا چاہیئے۔ ایک ہی مقام پر ٹھہر جانا کوئی اچھی صفت نہیں ہے۔ دیکھو ٹھہرا ہوا پانی آخر گندہ ہو جاتا ہے۔ کیچڑ کی صحبت کی وجہ سے بدبودار اور بدمزا ہو جاتا ہے۔ چلتا پانی ہمیشہ عمدہ ستھرا اور مزیدار ہوتا ہے اگرچہ اس میں بھی نیچے کیچڑ ہو مگر کیچڑ اس پر کچھ اثر نہیں کر سکتا۔ یہی حال انسان کا ہے کہ ایک ہی مقام پر ٹھہر نہیں جانا چاہیئے۔ یہ حالت خطرناک ہے۔ ہر وقت قدم آگے ہی رکھنا چاہیئے۔ نیکی میں ترقی کرنی چاہیئے ورنہ خدا تعالےٰ انسان کی مدد نہیں کرتا اور اس طرح سے انسان بے نور ہو جاتا ہے جس کا نتیجہ آخر کار بعض اوقات ارتداد ہو جاتا ہے۔ اس طرح سے انسان دل کا اندھا ہو جاتا ہے۔

خدا تعالےٰ کی نصرت انہیں کے شاملِ حال ہوتی ہے جو ہمیشہ نیکی میں آگے ہی آگے قدم رکھتے ہیں ایک جگہ نہیں ٹھہر جاتے اور وہی ہیں جن کا انجام بخیر ہوتا ہے۔ بعض لوگوں کو ہم نے دیکھا ہے کہ ان میں بڑا شوق ذوق اور شدت رقّت ہوتی ہے مگر آگے چل کر بالکل ٹھہر جاتے ہیں اور آخر ان کا انجام بخیر نہیں ہوتا۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن شریف میں یہ دعا سکھلائی ہے کہ اصلح لی فی ذرّیّتی[2] میرے بیوی بچوں کی بھی اصلاح فرما۔ اپنی حالت کی پاک تبدیلی اور دعاؤں کے ساتھ ساتھ اپنی اولاد اور بیوی کے واسطے بھی دعا کرتے رہنا چاہیئے کیونکہ اکثر فتنے اولاد کی وجہ سے انسان پر پڑ جاتے ہیں اور اکثر بیوی کی وجہ سے۔ دیکھو پہلا فتنہ حضرت آدم پر بھی عورت ہی کی وجہ سے آیا تھا۔ حضرت موسیٰؑ کے مقابلے میں بلعم کا ایمان جو حبط کیا گیا اصل میں اس کی وجہ بھی توریت سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ بلعم کی عورت کو اس بادشاہ نے بعض زیورات دکھا کر طمع دے دیا تھا اور پھر عورت نے بلعم کو حضرت موسیٰؑ پر بددعا کرنے کے واسطے اُکسایا تھا۔ غرض ان کی وجہ سے بھی اکثر انسان پر مصائب شدائد آجایا کرتے ہیں تو ان کی اصلاح کی طرف بھی پوری توجہ کرنی چاہیئے اور ان کے واسطے بھی دعائیں کرتے رہنا چاہیئے۔

(الحکم جلد ۱۲ نمبر ۱۶ صفحہ ۴ تا ۶ مورخہ ۲ مارچ ۱۹۰۸ء)

[1] فاطر: ۳۳ [2] الاحقاف: ۱۶

۱۳؍مارچ ۱۹۰۸ء

قبل نماز عصر

ایک شخص نے عرض کی کہ حضور میں نے پیشتر بذریعہ خط کے بیعت کی ہوئی ہے کیا وہی کافی ہے؟ فرمایا کہ

ہزاروں آدمی ہیں کہ ان بیچاروں کو دنیوی مشکلات کی وجہ سے استطاعت نہ ہونے کے باعث قادیان میں آنا دشوار ہے اور انہوں نے بذریعہ خطوط ہی بیعت کی ہوئی ہے۔ بیعت کرنے سے مطلب بیعت کی حقیقت سے آگاہ ہونا ہے۔ ایک شخص نے روبرو ہاتھ میں ہاتھ دے کر بیعت کی۔ اصل غرض اور غایت کو نہ سمجھا یا پروانہ کی تو اس کی بیعت بے فائدہ ہے اور اس کی خدا کے سامنے کچھ حقیقت نہیں۔ مگر دوسرا شخص ہزار کوس سے بیٹھا بیٹھا صدق دل سے بیعت کی حقیقت اور غرض و غایت کو مان کر بیعت کرتا ہے اور پھر اس اقرار کے اوپر کاربند ہو کر اپنی عملی اصلاح کرتا ہے وہ اس روبرو بیعت کر کے بیعت کی حقیقت پر نہ چلنے والے سے ہزار درجہ بہتر ہے۔

دیکھو مولوی عبد اللطیف صاحب شہید اسی بیعت کی وجہ سے پتھروں سے مارے گئے ایک گھنٹہ تک برابر ان پر پتھر برسائے گئے حتیٰ کہ ان کا جسم پتھروں میں چھپ گیا مگر انہوں نے اُف تک نہ کی۔ ایک چیخ تک نہ ماری بلکہ ان کو اس ظالمانہ کارروائی سے پیشتر تین بار خود امیر نے اس امر سے توبہ کرنے کے واسطے کہا اور وعدہ کیا کہ اگر تم توبہ کرو تو معاف کر دیا جاوے گا اور پیشتر سے زیادہ عزت اور عہدہ عطا کیا جاوے گا۔ مگر وہ تھا کہ خدا کو مقدم کیا اور کسی دُکھ کی جو خدا کے واسطے اُن پر آنے والا تھا پروانہ کی اور ثابت قدم رہ کر ایک نہایت عمدہ زندہ نمونہ اپنے کامل ایمان کا چھوڑ گئے۔ وہ بڑے فاضل، عالم اور محدث تھے۔

سُنا ہے کہ جب ان کو پکڑ کر لے جانے لگے تو اُن سے کہا گیا کہ اپنے بال بچوں سے مل لو ان کو دیکھ لو مگر انہوں نے کہا کہ اب کچھ ضرورت نہیں۔ یہ ہے بیعت کی حقیقت اور غرض و غایت۔

بعض لوگوں کے ہمارے پاس خطوط آتے ہیں کہ میں ایک مسجد کا مُلّاں تھا۔ آپ کی بیعت

کرنے کی وجہ سے لوگ مجھ سے ناراض ہیں۔ مخالفت کرتے ہیں۔ غرض مجھے بیعت کی وجہ سے سخت تکلیف ہے حالانکہ اس آزادی اور امن کے زمانہ اور سلطنت میں ان لوگوں کو کوئی تکلیف ہی کیا پہنچا سکتا ہے۔ زیادہ سے زیادہ کسی نے زبان سے گالیاں نکال دی ہوں گی۔ تو ان باتوں سے ہوتا بھی کیا ہے۔ مگر وہ اس کو تکلیف سمجھتے ہیں اور شکایت کرتے ہیں کہ بیعت کرنے کی وجہ سے مجھے یہ تکلیف پہنچی۔ غرض بعض لوگ ذرا سی مخالفت کی بھی برداشت نہیں کر سکتے۔ اصل میں انہوں نے بیعت کی حقیقت ہی کو نہیں سمجھا۔

(الحکم جلد ۱۲ نمبر ۱۷ صفحہ ۶ مورخہ ۶؍ مارچ ۱۹۰۸ء)

۵؍ مارچ ۱۹۰۸ء

بوقت سیر

مولوی ابو رحمت صاحب نے حضرت اقدس کی خدمت میں عرض کیا کہ حضور کرشن جی مہاراج کا مذہب جیسا کہ خود ان کے اقوال سے معلوم ہوتا ہے ان کے زمانہ کے عام اہل ہنود سے الگ تھا۔

حضرت اقدس نے فرمایا:۔

یہ واقعی اور صحیح بات ہے کہ بعد کے لوگ بزرگوں کی تعلیم کو بوجہ امتداد زمانہ بھول جاتے ہیں اور اُن کی سچی تعلیموں میں بہت کچھ بے جا تصرف کر لیا کرتے ہیں اور مرور زمانہ سے ان کی اصلی تعلیم پر سینکڑوں پردے پڑ جاتے ہیں اور حقیقت حال دُنیا کی نظروں سے پوشیدہ ہو جاتی ہے اصل بات یہی سچ ہے کہ اُن کا مذہب موجودہ مذہب اہل ہنود سے بالکل مختلف اور توحید کی سچی تعلیم پر مبنی تھا

حضرت اقدس نے اس جگہ اپنے دو الہام بیان فرمائے۔ اول یہ ہے کہ

کرشن رودر گوپال تیری مہما گیتا میں لکھی گئی ہے

اور دوسرا الہام یہ بیان فرمایا کہ

ایک بار الہام ہوا تھا کہ آریوں کا بادشاہ آیا۔

ایک خواب

ایک اور خواب حضرت اقدس نے بیان فرمایا کہ

ایک بار ہم نے کرشن جی کو دیکھا کہ وہ کالے رنگ کے تھے اور پتلی ناک، کشادہ پیشانی والے ہیں کرشن جی نے اُٹھ کر اپنی ناک ہماری ناک سے اور اپنی پیشانی ہماری پیشانی سے ملا کر چسپاں کر دی۔

ایک واقعہ

ایک اور واقعہ آپ نے یوں بیان فرمایا کہ

خواجہ باقی باللہ صاحب کے سامنے کسی شخص نے اپنی خواب یوں بیان کی کہ میں نے دیکھا ہے کہ ایک آگ ہے اور راجہ رامچندر جی اس کے کنارے پر ہیں اور کرشن جی عین اس کے وسط میں پڑے ہیں۔ حاضرین مجلس میں سے ایک شخص نے یُوں اس خواب کی تعبیر بیان کی کہ چونکہ وہ دونو کافر ہیں اس واسطے آگ میں ہیں۔ مگر ایک کا فر کم ہے اس لئے وہ کنارے پر ہے اور دوسرا سخت کافر ہے اسواسطے وہ آگ کے بیچوں بیچ پڑا ہے مگر مرزا جان جاناں صاحب جو کہ خواجہ صاحب کے مُرید تھے انہوں نے عرض کی کہ حضور یہ تعبیر صحیح نہیں ہے۔ خواجہ صاحب نے فرمایا کہ تم کیا بیان کرتے ہو۔ اس پر مرزا جان جاناں نے یُوں تعبیر کی کہ وہ آگ آتش محبت الہٰی ہے دوزخ کی آگ نہیں۔ رامچندر جی سالک ہیں انہیں ابھی کمال عشق حاصل نہیں ہوا۔ اسواسطے اس کو کنارے پر دیکھا۔ مگر کرشن جی مجذوب ہیں اور محبت الہٰی کی آگ جس سے غیراللہ جل جاتا ہے اس میں ان کو کمال حاصل ہو گیا ہے۔ اسواسطے ان کو عین بیچوں بیچ میں دیکھا ہے۔

ایک اور واقعہ

ایک اور واقعہ اسی مضمون کے متعلق حضرت اقدسؑ نے یوں بیان فرمایا کہ

اولیاءاللہ میں سے ایک صاحب کشف ایک دفعہ اجودھیا میں پہنچے۔ وہاں پہنچ کر مسجد میں لیٹ گئے۔ دیکھتے کیا ہیں کہ کرشن جی آئے اور ساٹھ روپے اُن کی نذر کئے کہ ہماری طرف سے بطور دعوت قبول کیا جاوے۔ وہ ولی اللہ صاحب چونکہ مسلمان تھے انہوں نے کہا کہ تم لوگ کافر ہو ہم تمہارا مال نہیں کھاتے تو اس پر کرشن جی نے عرض کیا کہ کیا آپ موجودہ ہندوؤں سے ہماری حالت اور ایمان کا اندازہ لگاتے ہیں؟ ہم ان میں سے ہرگز ہرگز نہیں ہیں بلکہ ہمارا مذہب توحید ہے اور ہم آپ لوگوں کے بالکل قریب ہیں۔

علاوہ ازیں ابن عربی اپنی کتاب میں لکھتے ہیں کہ ایک حدیث میں آیا ہے کہ کان فی الھند نبیٌّ اسود اللون اسمہ کاھن یعنی ہندوستان میں ایک نبی گذرا ہے جس کا رنگ کالا تھا اور نام اس کا کاہن تھا۔

مجدد الف ثانی سرہندی صاحب فرماتے ہیں کہ ہندوستان میں بعض قبریں ایسی ہیں جن کو میں پہچانتا ہوں کہ نبیوں کی قبریں ہیں۔

غرض ان سب واقعات اور شہادتوں سے اور نیز قرآن شریف سے صاف طور سے ثابت ہے کہ ہندوستان میں بھی نبی گذرے ہیں۔ چنانچہ قرآن شریف میں آیا ہے کہ ان من امۃ الا خلا فیھا نذیر[1]۔ اور حضرت کرشن بھی انہیں انبیاء میں سے ایک تھے جو خدا تعالیٰ کی طرف سے مامور ہو کر خلق اللہ کی ہدایت اور توحید قائم کرنے کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے آئے۔ اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ ہر ایک قوم میں نبی آئے ہیں۔ یہ بات الگ ہے کہ ان کے نام ہمیں معلوم نہ ہوں۔ منھم من قصصنا علیک ومنھم من لم نقصص علیک[2]۔ زمانہ گذر جانے کی وجہ سے لوگ ان کی تعلیمات کو بھول کر کچھ اور کا اور ہی ان کی طرف منسوب کرنے لگ جاتے ہیں۔ اب دیکھو بیچارے حضرت عیسیٰؑ وہ تو خود اپنی وفات کا اقرار کرتے ہیں اور اپنے آپ کو خدا کا ایک عاجز بندہ اور معمولی انسان کی طرح کھاتا پیتا اور دیگر حوائج انسانی کا محتاج بیان کرتے ہیں اور خدائی سے کانوں پر ہاتھ رکھتے ہیں مگر عیسائی ہیں کہ ان کو زبردستی خدا بناتے

[1] فاطر: ۲۵ [2] المومن: ۷۹

بیٹھے ہیں۔ یہی حال حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کا ہے

ایک شخص نے کچھ عرصہ ہوا لکھا تھا کہ تمام انبیاء اولیاء اور ہر طبقہ کے لوگ حضرت امام حسین کی شفاعت ہی سے نجات پاویں گے۔ دیکھو صحابہ رضی اللہ تعالےٰ عنہم کی طرف سے تو انہوں نے پہلے ہی قصہ تمام کر رکھا تھا۔ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم باقی رہ گئے تھے۔ سو اب دیکھ لو کہ آپؐ کے متعلق بھی قصہ تمام کر دیا کہ ان کو بھی بجز امام حسینؓ نعوذ باللہ نجات نہیں ہوگی اور بجز شفاعت امام حسینؓ آپ کو بھی کوئی چارہ نہ ہوگا۔ دیکھو ان لوگوں نے کہانتک غلو کر دیا ہے۔

غرض انبیاء کے دُنیا سے گذر جانے کے بعد ان کی پاک تعلیمات کا یہ حال کیا جاتا ہے قرآن شریف کیا ہے حَکَم ہے۔ کُل کتب سابقہ کی اصلیت کھول کر دکھا دی ہے۔

مولوی ابو رحمت صاحب نے عرض کی۔ حضور میرے واسطے دُعا فرمائی جاوے کہ پیشتر تو میری زندگی اور رنگ میں تھی مگر اب جب سے میں نے علی الاعلان حضور کے عقائد کی اشاعت اپنا فرض مقرر کر لیا ہے تو میری برادری بھی مخالف ہوگئی ہے اور درپئے آزار ہے اور عام طور سے لوگ بھی مجلسوں میں کم آتے ہیں۔

اس پر حضرت اقدس نے فرمایا کہ

آپ صبر سے کام لیں اور استقلال رکھیں۔ آپ دیکھ لیں گے کہ پہلے سے بھی زیادہ لوگ آپ کے مجلسوں میں جمع ہوں گے اور ساری مشکلات دُور ہو جاویں گی۔ ایسی مشکلات کا آنا از بس ضروری ہے۔ دیکھو امتحان کے بغیر کسی کی کچھ قدر نہیں ہوتی۔ دنیا ہی میں دیکھ لو کہ پاسوں کی کیسی پُوچھ ہوتی ہے کہ کیا پاس کیا ہے۔ پس جو لوگ خدائی امتحان میں پاس ہو جاتے ہیں پھر اُن کے واسطے ہر طرح کے آرام و آسائش، رحمت اور فضل کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں۔ دیکھو۔ قرآن شریف میں صاف فرمایا ہے کہ اَحسب النّاس ان یترکوا ان یقولوا اٰمنّا وھم لایفتنون[۱]۔ صرف زبان سے کہہ لینا تو آسان ہے مگر کچھ کر کے دکھانا اور خدائی امتحان میں پاس ہونا بڑی بات ہے۔

[۱] العنکبوت : ۳

دیکھو ہماری ہی ابتدائی حالت پر غور کرو کہ اوّل اوّل ہمارے ساتھ ایک آدمی بھی نہ تھا۔ مولوی محمد حسین نے ہمارے واسطے کُفر کا فتویٰ تیار کیا اور پشاور سے لے کر بنارس تک تمام ہندوستان کے بڑے بڑے مولویوں کی دو تین صد مُہریں لگوائیں اور فتویٰ دے دیا کہ ان کا قتل کرنا، ان کا مال لوٹ لینا، ان کی عورتیں چھین لینا سب جائز ہے۔ اور یہ لوگ کافر، اکفر ضال، مضل اور یہود نصاریٰ سے بھی بد تر ہیں۔ مگر دیکھ لو کہ ان کی کیا پیش گئی۔ خدا تعالیٰ نے ان کو کیسا ذلیل کیا۔ ۶۰-۱۹

پس سچے مومن بننا چاہیئے۔ دیکھو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے حالات پر ذرا نظر ڈالو۔ آپ کے زمانہ میں کیسی مشکلات کا سامنا تھا۔ مگر آپ کے اور آپ کے صحابہؓ کے وفا، صدق، صبر اور استقامت نے کیا کچھ کر دکھایا۔ یقیناً جانو کہ اگر کروڑ توپ بھی ہوتی جب بھی یہ کام جو ان لوگوں کے ایمان، صدق، صبر اور استقلال نے کر دکھایا۔ ہرگز ہرگز نہ کر سکتی۔ دیکھو آپ کے پاس نہ کوئی فوج تھی نہ توپیں تھیں نہ سپاہی تھے مگر اللہ تعالیٰ نے کیسی تائید کی کہ بڑے بڑے لوگ خس و خاشاک کی طرح فتح ہوتے چلے گئے۔

ہمیں خیال آیا کہ ہمارا نام مہدی ہے۔ عیسیٰ ہے اور کرشن کے نام سے بھی اللہ تعالیٰ نے ہمیں پکارا ہے اور انہیں تینوں کی آمد کی انتظار میں اس وقت تین بڑی قومیں لگی ہوئی ہیں۔ مسلمان مہدی کے، عیسائی عیسیٰ کی آمد ثانی کے اور ہندو کرشن اوتار کے۔ چنانچہ ان ناموں میں یہی حکمت الٰہی ہے۔

مولوی ابو رحمت صاحب نے عرض کی کہ حضور کرشن کے معنے ان کی لغت کے بموجب ہیں وہ روشنی جو آہستہ آہستہ دنیا کو روشن کرتی ہے۔ تاریکی جہالت کے مٹانے والے کا نام کرشن ہے۔

حضرت اقدس نے فرمایا کہ

ان کے متعلق جو گوپیوں کی کثرت مشہور ہے اصل میں ہمارے خیال میں بات یہ ہے کہ اُمّت

کی مثال عورت سے بھی دی جاتی ہے چنانچہ قرآن شریف سے بھی اس کی نظیر ملتی ہے۔ جیسا کہ فرماتا ہے۔ ضرب اللہ مثلاً للذین اٰمنوا امرأت فرعون[1] الخ یہ ایک نہایت ہی باریک رنگ کا لطیف استعارہ ہوتا ہے۔ امت میں جو ہر صلاحیت ہوتا ہے اور نبی اور امت کے تعلق سے بڑے بڑے حقائق معارف اور فیضان کے چشمے پیدا ہوتے ہیں اور نبی اور امت کے سچے تعلق سے وہ نتائج پیدا ہوتے ہیں جن سے خدائی فیضان اور رحم کا جذب ہوتا ہے۔ پس کرشن اور گوپیوں کے ظاہری قصہ کی تہہ میں ہمارے خیال میں یہی رازِ حقیقت پنہاں ہے۔

مولوی ابو رحمت صاحب نے عرض کی کہ گوپی کے معنے یوں بھی ہیں کہ گو کہتے ہیں زمین کو اور پی پالنے والے یعنی کرشن جی کے مریدان باصفا ایسے لوگ تھے جو نیک مزاج اور مخلوق کی پرورش کرنے والے تھے۔

حضرت اقدس نے فرمایا کہ

اس میں بھی کوئی حرج نہیں کیونکہ انسان کو زمین سے بھی تشبیہ دی گئی ہے جیسا کہ قرآن شریف میں ذکر ہے کہ اعلموا ان اللہ یحی الارض بعد موتہا[2]۔ ارض کے زندہ کرنے سے مراد اہل زمین ہیں۔

پھر مولوی ابو رحمت صاحب نے عرض کی کہ یہ بھی ممکن ہے کہ کرشن جی نے اپنی تعلیم کو عورتوں ہی کے ذریعہ سے پھیلایا ہو کیونکہ ان کے مرد تو عموماً کھیتی کے دھندوں میں جنگلوں بنوں میں رہتے تھے اور ان کو اشاعتِ مذہب کے واسطے کم فرصت ہوتی تھی عورتیں ہی یہ کام کرتی ہوں گی۔

حضرت اقدسؑ نے فرمایا کہ

ہمیں ایک دفعہ خیال آیا کہ کرشن جی کو داؤدؑ کے ساتھ بالکل مشابہت معلوم ہوتی ہے۔ بلحاظ راگ، رقص، مجمع مستورات اور بہادری میں۔ خدا جانے یہ کیا بات ہے۔

---

[1] التحریم : ۱۲ [2] الحدید : ۱۸

"چشمہ معرفت"

فرمایا کہ

ہم نے اپنی کتاب کا نام (جس کا ابھی کچھ حصہ باقی ہے) چشمہ معرفت رکھا ہے کیونکہ اس میں بڑی معرفت کی باتیں اور حقائق و معارف درج کئے گئے ہیں۔

فرمایا

وہ لیکچر تو ہم نے خاص اس مجمع کا لحاظ رکھ کر اور ان کے شائع کردہ شرائط کے مطابق اور مناسب موقعہ اختصار سے لکھا تھا مگر جب انہوں نے خود اپنے شائع کردہ شرائط کی پابندی نہ کی اور اپنے اقرار کی ذرہ بھی پروا نہ کر کے بہت سے وہی پرانے اعتراضات جن کا بار بار جواب دے دیا گیا ہے۔ پھر دلآزاری کے واسطے بیان کئے تو ہمیں بطور تتمہ ان کے سب سوالات کا جواب لکھنے کے واسطے کتاب کو اور بڑھانا پڑا۔

فرمایا

مشکل یہ ہے کہ ان لوگوں نے تو قسم کھائی ہوئی ہے کہ ہماری کتاب نہ پڑھیں۔ جہل، نادانی اور تعصب کی پٹی آنکھوں پر باندھی ہوئی ہے۔ ہماری کسی کتاب کو نہیں پڑھتے۔ دلائل کو نہیں مانتے بے تحاشا اعتراض کئے جاتے ہیں۔

فرمایا

اس کتاب میں ہم نے بڑی بسط سے ان کے متعلق لکھ دیا ہے اور اگر کوئی حق جو بن کر مطالعہ کرے تو اس کے واسطے کافی ہے۔

دوران تقریر میں حضرت اقدسؑ نے یہ بھی فرمایا کہ

آریوں کے ہاتھ میں آجکل مسلمانوں کے برخلاف غلط فہمی پھیلانے کیواسطے صرف تعددِ ازدواج ہی کا مسئلہ رہ گیا ہے جس پر یہ لوگ اپنی نادانی کی وجہ سے اس کی حکمت اور حقیقت سے بے خبر ہونے کی وجہ سے اعتراض کئے جاتے ہیں۔ حالانکہ موجودہ زمانہ پکار اُٹھا ہے اور زبان حال سے کہہ

رہا ہے کہ واقعی تعدد ازدواج کی ضرورت ہے۔ آریوں نے بھی اس ضرورت کو محسوس کیا ہے۔ غرض ضرورت کا احساس تو سب نے کر لیا ہے۔ باقی رہی یہ بات کہ اس ضرورت کو ہم نے کس رنگ میں پورا کیا اور آریوں نے اس کے پورا کرنے کی کیا راہ سوچی۔ سو وہ تعدد ازدواج اور نیوگ ہے۔ اب ان دونو باتوں کا مقابلہ کر کے دیکھ لو کہ کونسی راہ اچھی ہے۔

(الحکم جلد ۱۲ نمبر ۱۷ صفحہ ۷-۸ مورخہ ۶ مارچ ۱۹۰۸ء)

قبل از نماز ظہر[1]

زندگی کا بیمہ کرانا منع ہے

ایک دوست کا خط حضرت اقدس کی خدمت میں پیش ہوا جس میں لکھا تھا

بحضور جناب مسیح موعود و مہدی مسعود علیہ السلام

مارچ ۱۹۰۱ء میں مَیں نے اپنی زندگی کا بیمہ واسطے دو ہزار روپے کے کرایا تھا۔ شرائط یہ تھیں کہ اس تاریخ سے تا مرگ میں ۴۶ سالانہ بطور چندہ کے ادا کرتا رہوں گا۔ تب دو ہزار روپیہ بعد مرگ میرے وارثان کو ملے گا اور زندگی میں یہ روپیہ لینے کا حقدار نہ ہوں گا۔ اب تک میں نے تقریباً مبلغ چھ سو روپیہ کے بیمہ کرنے والی کمپنی کو دے دیا ہے۔ اب اگر میں اس بیمہ کو توڑ دوں تو بموجب شرائط اس کمپنی کے صرف تیسرے حصہ کا حقدار ہوں۔ یعنی دو صد روپیہ ملے گا اور باقی چار صد روپیہ ضائع جائے گا۔ مگر چونکہ میں نے آپ کے ہاتھ پر اس شرط کی بیعت کی ہوئی ہے کہ میں دین کو دُنیا پر مقدم رکھوں گا۔ اس واسطے بعد اس مسئلہ کے معلوم ہو جانے کے میں اس حرکت کا مرتکب ہونا نہیں چاہتا جو خدا اور اس کے

---

[1] حاشیہ "البدر" کے زیرِ عنوان "بدر" میں شائع ہونے والی اس ڈائری پر کوئی تاریخ درج نہیں لیکن الحکم جلد ۱۲ نمبر ۱۷ مورخہ ۶ مارچ ۱۹۰۸ء صفحہ ۹ کالم اول سے واضح طور پر ثابت ہوتا ہے کہ یہ ڈائری ۵ مارچ ۱۹۰۸ء قبل از نماز ظہر کی ہے۔ (مرتب)

رسُول کے احکام کے برخلاف ہو اور آپ حکم اور عدل ہیں۔ اس واسطے نہایت عجز سے ملتجی ہوں کہ جیسا مناسب حکم ہو صادر فرمایا جاوے تاکہ اس کی تعمیل کی جاوے۔

اس کے جواب میں حضرت نے فرمایا کہ

زندگی کا بیمہ جس طرح رائج ہے اور سُنا جاتا ہے اس کے جواز کی ہم کوئی صورت بظاہر نہیں دیکھتے کیونکہ یہ ایک قمار بازی ہے۔ اگرچہ وہ بہت سارا روپیہ خرچ کر چکے ہیں لیکن اگر وہ جاری رکھیں گے تو یہ روپیہ اُن سے اَور بھی گناہ کروائے گا۔ اُن کو چاہیئے کہ آئندہ زندگی کے گناہ سے بچنے کے واسطے اس کو ترک کر دیویں اور جتنا روپیہ اب مل سکتا ہے وہ واپس لے لیں۔

قبولیت دُعا

ایک صاحب نے حضرت کی خدمت میں لکھا کہ میرے واسطے آپ ایسی دعا کریں جو ضرور قبول ہو اور اس اور اُس معاملہ میں ہو۔

حضرت نے فرمایا۔

اس کو جواب لکھ دیں کہ خدا تعالیٰ کی یہ عادت نہیں کہ ہر ایک دعا قبول کرے جب سے دُنیا پیدا ہوئی ہے ایسا کبھی نہیں ہوا۔ ہاں مقبولوں کی دُعائیں بہ نسبت دوسروں کے بہت قبول ہوتی ہیں۔ خدا کے معاملہ میں کسی کا زور نہیں۔

(بدر جلد ۷ نمبر ۱۴ صفحہ ۳ مورخہ ۹ اپریل ۱۹۰۸ء)

۶ مارچ ۱۹۰۸ء

قبل نماز عصر

مولوی محمد حسین صاحب نے حضرت اقدس کی خدمت میں بذریعہ ایک دو خطوں کے اور زبانی بھی کسی مقدمہ میں منصف بننے کے واسطے لکھا اور کہلا بھیجا تھا اور ساتھ ہی

دھمکیاں بھی دی تھیں کہ اگر آپ اس معاملہ میں منصف نہ بنیں گے تو میں عدالت میں آپ کو گواہ لکھوا دوں گا اور اس طرح سے آپ کو عدالت میں حاضر ہونا پڑے گا۔

حضرت اقدس نے فرمایا :-

تعجب آتا ہے کہ ایک طرف تو ہمیں کافر دجال، بیدین اور مُرتد ٹھہرایا جاتا ہے اور پھر یہی نہیں کہ اپنے آپ تک ہی محدود رکھا ہو بلکہ اس فتویٰ میں قریباً تمام ہندوستان کے بڑے بڑے مولویوں کو اپنے ساتھ شامل کرنے کے واسطے سر توڑ کوشش کرتا رہا ہے۔ دوسری طرف ہمیں ایک شرعی معاملہ میں منصف بنانا چاہتا ہے۔ اس کے نزدیک جب ہم دائرۂ اسلام سے ہی خارج ہیں۔ تو پھر ایک شرعی معاملہ میں ہمارا دخل کیا اور فیصلہ کیسا؟ اس سے کہو کہ پہلے تم ہمارے کُفر و اسلام کا تو فیصلہ کر لو۔ پھر ہمیں منصف بھی بنا لینا۔

اس شخص نے تو جہاں تک اس سے ممکن ہو سکا اور اس کا بس چلا ہے ہمیں پھانسی دلانے کی کوششوں میں بھی کمی نہیں کی۔ مگر یہ اللہ تعالےٰ کا فضل اور اس کی خاص نصرت تھی کہ اُس نے ہمیں ہر میدان میں عزت دی اور اعداء اور ہماری ذلت چاہنے والوں کو ذلیل کیا۔ دیکھو لیکھرام کے قتل کے وقت بھی اس نے کس طرح آریوں کو اُکسایا۔ ہماری تلاشی ہوئی اور پھر خون کے مقدمہ میں ایک عیسائی کی طرف سے گواہ بن کر ہمارے برخلاف اقدامِ قتل کے ثبوت کے واسطے کوششیں کیں۔ گورنمنٹ کو ہم سے بدظن کرنے میں اس نے کوئی دقیقہ اُٹھا نہ رکھا۔ ہمیں باغی بنایا اور صاف کہا کہ گورنمنٹ کیوں ایسے باغی کو نہیں پکڑتی۔ عام لوگوں کو ہم سے بدظن کرنے میں اپنے ناخنوں تک زور لگایا۔ لوگوں سے کہہ دیا کہ ان سے سلام مت کرو۔ مصافحہ مت کرو۔ ان کی چوری کرنا، ان کو قتل کر دینا اور ان کی عورتیں چھین لینا جائز ہے۔ پھر جب اس کے ہم پر ایسے ایسے احسانات ہیں تو اب یہ نامہ و پیام کیسے ہیں؟

معلوم ہوتا ہے کہ اس معاملہ میں جس کے واسطے یہ اتنے زور دیتا ہے اس کی کوئی ذاتی اور نفسانی غرض ہے۔ اگر کچھ بھی سعادت کا حصہ اس میں ہوتا تو اسی معاملہ میں غور

کرتا کہ جس دن سے اس نے ہماری مخالفت کا بیڑا اُٹھایا ہے اور ہمارے نیست و نابود کرنے میں جان توڑ کوششیں کی ہیں۔ اسی دن سے اندازہ تو لگائے کہ ہم پر اللہ تعالیٰ کے کیسے فیضان نازل ہوئے اور ہمیں کس طرح خدا تعالیٰ نے بڑھایا اور اس کا اپنا کیا حال ہوا۔ ایک سعید انسان اور سلیم الفطرت آدمی کے ہدایت پا جانے کے واسطے صرف یہی بات کافی تھی۔

پھر اپنے خط میں لکھا ہے کہ میرے گھر لڑکا پیدا ہوگا۔ یہ فقرہ لکھنے سے اس کی مراد نکتہ چینی ہے اور پیشگوئیوں اور امور نبوت کا نعوذ باللہ استخفاف کرنا مدنظر ہے۔ سو اس کے جواب میں اس سے کہہ دیا جاوے کہ ہماری کتاب حقیقۃ الوحی کا مطالعہ کرے۔ ہم نے ان امور کو اس میں بالتفصیل لکھ دیا ہے۔ وہ نہیں جانتا کہ خواب تو اکثر چوہڑے چماروں اور مُردار خوروں کو بھی ہو جاتا ہے اور اکثر سچا بھی ہوتا ہے تو پھر اس میں کیا شیخی ہے کہ میرے گھر لڑکا ہوگا۔

ہمارے پاس بعض ہندو آتے ہیں اور خواب سُناتے ہیں اور یہ بھی کہتے ہیں کہ خواب سچا بھی نکلا۔ اس سے مطلب ان کا صرف یہ ہوتا ہے کہ اعتراض کریں کہ اسلام کی اس میں خصوصیت ہی کیا ہے۔ ہم ایسی نظیریں بتا سکتے ہیں کہ بعض فاسق، فاجر، بدمعاش، مشرک، چور، زانی، ڈاکوؤں کو بھی خواب آجاتے ہیں۔ اور ان میں سچے بھی ہوتے ہیں تو پھر اس میں مولوی محمد حسین کی کیا خصوصیت ہوئی؟

شرمپت یہاں کا ایک آریہ ہے اس نے ایک خواب میں اپنے ہاں لڑکا پیدا ہونا بتایا تھا۔ چنانچہ لڑکا پیدا ہوا۔ اور پھر ایک بار بیان کیا کہ بابو اللہ دتہ تبدیل ہو جاوے گا چنانچہ یہ خواب بھی اس کا پورا ہو گیا اور بابو اللہ دتا کو وہ اس معاملہ کا گواہ بھی کرتا ہے تو پھر کیا ان باتوں سے یہ نتیجہ نکالنا چاہیئے کہ شرمپت کو یا اور ایسے لوگوں کو نعوذ باللہ ہم نبی مان لیں؟

بلکہ اصل بات یہ ہے کہ یہ امور بطور شہادت اللہ تعالیٰ نے ہر طبقہ کے لوگوں میں اس لئے ودیعت کر دیئے ہیں کہ تا انسان ملزم ہو جاوے اور قبول نبوت کے واسطے اس کے پاس اپنے نفس میں سے شاہد پیدا ہو جاوے۔ خواب کا ملکہ اللہ تعالیٰ نے اس لئے انسان کی بناوٹ میں

رکھ دیا ہے کہ کہیں یہ نبوت کا انکار ہی نہ کر دے۔

سچی خواب کے واسطے اللہ تعالیٰ نے کوئی شرط نہیں رکھی بلکہ بلا امتیاز کفر و اسلام، نیک و بد یہ ملکہ ہر فرد بشر میں رکھ دیا ہے۔ بھلا دیکھو تو حضرت یوسفؑ کے ساتھ جو دو آدمی قید تھے ان دونو کو بھی خوابیں آئیں اور وہ دونو سچی بھی تھیں۔ فرعون کو بھی جو اس وقت کا بادشاہ تھا خواب آئی اور سچی نکلی تو کیا حضرت یوسفؑ نے اُن کی کوئی تعظیم کی یا ان کو نبی مان لیا؟ یا بتاؤ تو بھلا تم نے بھی ان کو کوئی مرتبہ دیا ہے؟ بھلا ایک نے تو اپنے خواب کو قتل ہو کر سچا کر دیا مگر دوسرا تو بادشاہ کا مقرب بن گیا تھا اس کی عزت کی ہوتی؟ اگر اسی طرح کی ایک دو خوابیں سچی ہو جانے سے کوئی نبی بن جاتا ہے اور اس میں نبوت کی شان آجاتی ہے تو بتاؤ کس کس کو امام مانو گے؟ نعوذ باللہ اس طرح تو شانِ نبوت کی ہتک اور انبیاء کا تمسخر کرتے ہو۔

یاد رکھو کہ ایک دو پیسے پاس ہونے سے یا دو چار آنے کا مالک بننے سے یا چند پونڈوں کے پاس ہونے سے کوئی بادشاہ نہیں بن جاتا۔ بلکہ پیسے روپے اور پونڈ تو کثرت مال و زر کی ایک شہادت ہیں کہ تا ان سے قیاس کر لیا جاوے کہ کروڑ در کروڑ پونڈ اور لاتعداد خزانے بھی ضرور اور یقیناً ہیں۔

پس ان لوگوں کی خوابوں اور انبیاء کے الہامات مکالمات اور مخاطبات میں ایک مابہ الامتیاز ہوتا ہے۔ انبیاء کی وحی اپنے تمام لوازمات کے ساتھ ہوتی ہے۔ اس میں ایک شوکت اور جلال و رُعب ہوتا ہے۔ انبیاء کی وحی کیا بلحاظ کیفیت اور کیا بلحاظ کمیت عام لوگوں سے بہت بڑھی ہوئی ہوتی ہے اور وہ ان کی کامیابی اور ان کے دشمنوں کی نامرادی پر مبنی ہوتی ہے۔ انبیاء کی وحی غیب پر مشتمل ہوتی ہے لا یظھر علٰی غیبہٖ احداً الّا من ارتضٰی من رسولٍ۔[1] غرض انبیاء کی وحی میں کسی انسان کو کسی طرح کا اشتراک نہیں ہوتا۔ جنسیت کے لحاظ سے جو اشتراک رکھا گیا ہے وہ بھی صرف اس واسطے کہ تا انسان کو انبیاء کی پاک وحی پر ایمان لانے میں

[1] الجن: ۲۷

مردود ہے ورنہ اس کی کوئی حقیقت نہیں اور وہ تو انبیاء کی وحی کے مقابلہ میں کچھ بھی نہیں۔

پس مولوی محمد حسین صاحب کو آپ (جو صاحب پیغام لائے تھے) کہدیں کہ مولوی ہو کر آپ کے مُنہ سے کس طرح ایسی باتیں نکلتی ہیں جن سے نعوذ باللہ شانِ نبوّت کا تمسخر اور استخفاف ہوتا ہے۔ اوّل تو آپ کا یہ خواب یا الہام جو کچھ بھی ہے تعبیر طلب ہے۔ دوسرے اگر یہ سچا بھی ہو تو نہ یہ شان نبوّت کے لئے اعتراض ہو سکتا ہے اور نہ ہی آپ اس سے نبی بن سکتے ہیں۔ آپ سے پہلے بھی ایک شخص نے ہمارے مقابلہ میں امرتسر سے اپنے ہاں لڑکا ہونے کی پیشگوئی کی تھی۔ مگر خدا جانے کیا ہوا وہ موہوم حمل بھی حمل نہ رہا اور ایک چوہا بھی پیدا نہ ہوا۔ غرض آپ کا خواب یا الہام بھی تو ابھی تصدیق طلب ہے مگر جن کے خوابوں کی تصدیق ہو چکی ہے اور ان میں سے بعض مشرک اور دہریہ بھی ہیں اور بعض فاسق و فاجر اور چور و زانی ان کو بھی تو آپ کچھ جواب دیں کہ کیا آپ ان کو نبی یا ولی اللہ مان لیں گے ؟

یہاں آنا ہو تو نفسانی غرض سے نہ آؤ بلکہ تحقیق حق کے لئے آؤ۔ اسی تصفیہ کے واسطے آ جاؤ کہ خوابیں کفار فجار کو بھی آجاتی ہیں اور انبیاء کو بھی۔ جنسیت میں دونو مشترک ہیں تو پھر کفّار اور انبیاء کی خوابوں اور الہامات میں مابہ الامتیاز کیا ہے ؟ ان میں کوئی معیار بھی خدا تعالےٰ نے دکھا ہے کہ نہیں؟ یہ ایک دینی کام ہے اس کی تحقیق کے واسطے آجاؤ۔ ثواب بھی ہے۔

یاد رکھو کہ قرآن شریف نے ان دونو قسموں میں امتیازی معیار پیشگوئی کو رکھا ہے جو انسانی طاقتوں سے بالاتر اور خارق عادت رنگ میں غیب پر مشتمل ہو۔

معجزات دو قسم کے ہوتے ہیں ایک وہ جو کہ موسیٰؑ کے سونٹے کی طرح فوراً دکھا دیئے جاتے ہیں۔ دوسرے علمی رنگ کے معجزات اور غیب پر مشتمل پیشگوئیاں۔ اول الذکر معجزات اس قسم کے ہوتے ہیں کہ ان سے دشمنوں کے مُنہ بند ہو جاتے ہیں مگر دیرپا اور ہمیشہ کے واسطے نہیں ہوتے بلکہ وہ وقتی ضرورت کے مناسب حال ہوتے ہیں پیچھے آنے والی قوموں

کے واسطے وہ کوئی حجت اور دلیل نہیں ہوتے کیونکہ ان میں تدبر و فکر کا انسان کو موقعہ نہیں ملتا۔ مگر موخر الذکر معجزات ایسے علمی رنگ میں ہوتے ہیں کہ وہ ہمیشہ کے واسطے اور دیرپا ہوتے ہیں۔ انسان جوں جوں ان میں غور و خوض کرتا ہے توں توں ان کی شوکت اور عظمت بھی بڑھتی جاتی ہے۔ اور جوں جوں بعد زمانی ہوتا جاتا ہے۔ ان کی ضیاء اور شوکت میں ترقی ہوتی جاتی ہے۔ ان کی عظمت میں فرق نہیں آتا۔ چنانچہ ہمارے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے معجزات اس قسم ثانی کے ہیں۔ دیکھ لو۔ تیرہ سو برس گذر چکے ہیں۔ زمانہ ترقی کے لحاظ سے معراج پر پہنچ گیا ہے۔ نئے نئے علوم اور طبعیات نکلے مگر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی تعلیم کا کوئی نقص کوئی ثابت نہ کر سکا اور نہ ہی آپ کے معجزات کی قدر و عظمت میں فرق آیا بلکہ روز افزوں ان کی عظمت اور شوکت بڑھتی ہی جاتی ہے اور جوں جوں نئے نئے علوم نکلتے ہیں، سائنس اور فلسفہ ترقی کرتا جاتا ہے توں توں آپ کی تعلیم کی عظمت اور آپ کے معجزات کی شوکت زیادہ ہوتی ہے۔

دیکھو ایک اور بڑا بھاری مابہ الامتیاز اللہ تعالیٰ نے یہ قائم کیا ہے لو تقول علینا بعض الاقاویل لاخذنا منه باليمين ثم لقطعنا منه الوتين[۱]۔ یعنی اگر کوئی شخص تقول علی اللہ کرے تو وہ ہلاک کر دیا جاوے گا۔ خبر نہیں کیوں اس میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم ہی کی خصوصیت رکھی جاتی ہے۔ کیا وجہ کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اگر تقول علی اللہ کریں تو ان کو تو گرفت کی جاوے اور اگر کوئی اَور کرے تو اس کی پروا نہ کی جاوے۔ نعوذ باللہ اس طرح سے تو امان اُٹھ جاتی ہے۔ صادق اور مفتری میں مابہ الامتیاز ہی نہیں رہتا۔ انه من يات ربه مجرما فان له جهنم[۲]۔ من يعمل مثقال ذرة خيرا يره ومن يعمل مثقال ذرة شرا يره[۳]۔ انه لا يفلح الظالمون[۴]۔ ان آیات سے صاف طور سے عموم ظاہر ہو رہا ہے۔ کوئی خصوصیت نہیں۔ تو نہ معلوم پھر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اگر افتراء علی اللہ کریں تو خدا بُرا مناتا ہے مگر کوئی اور یہی جُرم کر دے تو خیر چنداں ہرج کی بات نہیں۔ معاذ اللہ،

براہین کے زمانہ کو دیکھو جبکہ اس نے خود ریویو بھی لکھا ہے۔ اس سے قسمًا پوچھ لو کہ اس

[۱] الحاقة ۴۵-۴۷ [۲] طٰہٰ : ۷۵ [۳] الزلزال : ۸-۹ [۴] الانعام : ۲۲

وقت میں اکیلا تھا یا نہیں اور اب اس وقت چار لاکھ سے بھی زیادہ آدمی ہمارے ساتھ ہیں۔ بھلا کبھی مفتری کی بھی اللہ تعالیٰ ایسی نصرت کرتا ہے ؟

پس عام لوگوں کی خوابوں اور انبیاء کی وحی میں اللہ تعالیٰ نے خود مابہ الامتیاز مقرر کر دیئے ہیں جنسیت کے لحاظ سے تو کم وبیش ہر طبقہ کے لوگ شامل ہیں مگر بلحاظ اپنی کیفیت اور کمیت، مقدار و نصرت انبیاء ہی کی وحی ممتاز اور قابل اعتبار ہوتی ہے۔

پھر ہمیں تشریعی نبوت کا دعویٰ نہیں ہے۔ ہمارا ایمان ہے کہ تشریعی نبوت آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم پر ختم ہو گئی۔ اب اسی شریعت کی خدمت بذریعہ الہامات، مکالمات، مخاطبات اور بذریعہ پیشگوئیوں کے کرنے کا ہمارا دعویٰ ہے۔

مجدد صاحب لکھتے ہیں کہ یہی خوابیں اور الہامات جو گاہ گاہ انسان کو ہوتے ہیں اگر کثرت سے کسی کو ہوں تو وہ محدث کہلاتا ہے۔ غرض یہ سب کچھ ہم نے اپنی کتاب حقیقۃ الوحی میں مفصل لکھ دیا ہے۔ اس کا مطالعہ کر کے تسلی کر لیں۔

(الحکم جلد ۱۲ نمبر ۱۸ صفحہ ۴ - ۵ مورخہ ۱۰ مارچ ۱۹۰۸ء)

---

۷ مارچ ۱۹۰۸ء

بوقت سیر

کسی آریہ کے اس اعتراض پر کہ نعوذ باللہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو خود اپنی وحی اور اور الہامات پر یقین اور وثوق نہ تھا اسی واسطے تحویل کعبہ ہوئی۔

فرمایا کہ

یہ نادان لوگ نہیں جانتے کہ تحویل کعبہ اور یہ انقلاب اللہ تعالیٰ نے اس واسطے کرائے کہ تا یہ ظاہر ہو جاوے کہ مسلمان کعبہ پرست نہیں ہیں۔ ہر دو متبرک مقامات جن کی بزرگی اور عزت کی وجہ سے کبھی کسی زمانے میں کسی کو ان کی پرستش کا خیال ہو سکتا تھا ان کو پیٹھ کے پیچھے

کرا کے اس امر کا اظہار عام طور پر کرا دیا کہ مسلمان واقعی اور حقیقی طور سے خدا پرست ہیں نہ کعبہ پرست۔ بایں ہمہ یہ لوگ مسلمانوں پر حجر اسود کی پرستش کا الزام دیئے ہی جاتے ہیں۔ صاف بات ہے کہ عبادت کے لئے انسان کو کسی نہ کسی طرف تو مُنہ کرنا ہی پڑتا ہے۔ پس ایک شخص تو خود اپنی خواہش سے کسی طرف کو پسند کرتا ہے اور دوسرا حکم الٰہی سے ایک خاص طرف مُنہ کرتا ہے۔ بھلا بتاؤ تو سہی ان میں سے کون اچھا ہے۔ ایک تو حکم پرست ہے اور دوسرا نفس پرست۔ بایں ہمہ یہ لوگ مسلمانوں کو کعبہ پرست کہتے ہوئے شرماتے کیوں نہیں؟

پس آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا تحویل کعبہ کرنا اسی حقیقت پر مبنی تھا کہ مسلمان خاص موحد اور توحید کے پابند ہو جاویں۔ کعبہ پرستی کا وہم تک بھی ان کے دل سے نکل جاوے نہ کسی تلون اور یقین کی کمی کی وجہ سے جیسا کہ نادان آریوں کا وہم ہے کیونکہ آپ تو صاف کہتے ہیں۔ قل هٰذه سبيلي ادعوا الى الله على بصيرة انا ومن اتبعني۔[1]

ایک دوسرے اعتراض پر کہ مسلمان لوگ جو جنگوں میں لونڈیاں بنا لیا کرتے تھے یہ بڑا ظلم اور وحشت ہے، فرمایا کہ

مسلمانوں نے جو کچھ بھی کیا تھا سب کچھ کفارِ مکہ کے جَور وستم اور ظُلم و تعدی کے بعد کیا تھا۔ ان کے مظالم کے کارنامے دیکھ کر پھر مسلمانوں پر اعتراض کرنا چاہیئے۔ بھلا غور کرو کہ مکہ میں آپ کی زندگی کس طرح گذری ہے۔ کس غربت اور انکساری سے اہلِ مکّہ کے تشدد اور مظالم کا مسلمان نشانہ بنتے رہے تھے۔ کہ آخر ان کی شرارتوں سے تنگ آکر آپ کو اپنا عزیز وطن بھی چھوڑنا پڑا۔ اس زندگی میں ایک مسلمان بیوی کا ایک جگر خراش واقعہ ہے جو کفار مکّہ کے جَور و ظُلم کا مُشتے نمونہ از خروارے است۔ ہماری فطرت تقاضا نہیں کرتی کہ اس ظُلم کی تفصیل اور تشریح کریں۔ جنہوں نے وہ واقعہ کتب تواریخ میں پڑھا ہے وہ خوب جانتے ہیں کہ وہ کیسا جانکاہ واقعہ ہے۔

غرض مسلمانوں نے جو کچھ بھی کیا ہے دفاعی رنگ میں کیا ہے۔ مقابل لوگوں نے پہلے وہ

[1] یوسف : ۱۰۹

سارے کام کئے تھے بعد میں مسلمانوں نے کئے جیسا جیسا انہوں نے کیا تھا ویسا ان سے کیا گیا۔ جزٰؤا سیئۃٍ سیّئۃٌ مثلھا۔[1]

اصل بات یہ ہے کہ دنیا کے انتظام کے واسطے خدا تعالیٰ نے دو حکومتیں بنائی ہیں۔ ایک ظاہری اور ایک باطنی۔ ہمارے رسُول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کو یہ دونو حکومتیں عطا کی گئی تھیں۔ پس شریروں، بدمعاشوں، لٹیروں، راہزنوں کو ان کی شرارتوں کی سزا دینی ملک میں امن قائم کرنے کے واسطے ضروری تھی۔ مدینہ کے لوگوں نے آپ کو اس وقت اپنا ظاہری بادشاہ بھی مان لیا تھا۔ اکثر مقدمات کے فیصلے آپ سے ہی کراتے تھے۔ چنانچہ ایک مقدمہ ایک مسلمان اور یہودی کا تھا۔ آپ نے یہودی کو اس میں ڈگری دی تھی۔ بعض وقت آپ نے کفار کے جرائم ان کو معاف بھی کئے اور بعض رسوم بد کو آپ نے مقابلہ میں بھی ترک کر دیا ہے چنانچہ کفارِ مکّہ لڑائی میں مسلمان مُردوں کی بیحرمتی کیا کرتے تھے۔ ناک کان کاٹ لئے جاتے تھے مگر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو اس رسم بد کے ترک کر دینے کا حکم دیا تھا۔

غرض ان معترضوں کو دونو آنکھوں سے کام لینا چاہیئے۔ دو آنکھوں کے ہوتے کانے کیوں بنتے ہیں۔ کفار مکّہ کے مظالم کو پہلے مطالعہ کریں۔ پھر مسلمانوں کی اگر کوئی زیادتی ثابت ہو تو ان کو حق ہے مسلمانوں کے تمام جنگ اور کفار کے ساتھ تمام سلوک دفاعی رنگ میں ہیں۔ ابتداء ہرگز ہرگز مسلمانوں نے کبھی نہیں کی۔ اچھا اب دیکھو یہ سرحدی لٹیرے جو آئے دن گورنمنٹ کی رعایا کے جان و مال پر حملے کرتے ہیں اور بدامنی پھیلاتے ہیں۔ تو کیا گورنمنٹ کو چُپکے بیٹھے رہنا چاہیئے اور ان کی سرکوبی اور سزا کی کوئی مناسب تجویز نہیں کرنی چاہیئے؟ ذرا غور کرو اور سوچو!

(الحکم جلد ۱۲ نمبر ۱۹ صفحہ ۲-۳ مورخہ ۱۴ مارچ ۱۹۰۸ء)

---

[1] الشوریٰ: ۴۱

۱۰ر مارچ ۱۹۰۸ء

بوقت سیر

فرمایا:۔

دینی ضروریات کے انجام دینے کے واسطے چندوں کی ضرورت آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو بھی پیش آئی تھی۔ دیکھو ہماری جماعت جو اس وقت چار لاکھ یا اس سے بھی زیادہ ہے اگر اس میں سے صرف دس ہزار آدمی جو خواہ غریب کسان ہی ہوں اور اخلاص سے ضروریاتِ دینی کے واسطے اپنے نفس پروہ اگر صرف ۸ر ماہوار ہی مقرر کرلیں اور التزام سے ماہوار ادا کرتے رہیں تو پانچ ہزار روپیہ ماہوار کی کافی امداد دینی ضروریات کی انجام دہی کے واسطے پہنچ سکتی اور یہ امر جفاکش، محنتی اور دیانتدار واعظوں کے ذریعہ سے اچھی طرح سے پورا ہوسکتا ہے جو لوگوں کو دینی ضروریات سے آگاہ کرتے رہیں۔

فرمایا کہ

سلسلہ خطوط کے دیکھنے سے پتہ لگ سکتا ہے کہ کس قدر لوگوں کے خط ہر روز بیعت کے واسطے آتے ہیں اور یوں بھی کوئی ہفتہ خالی نہیں جاتا کہ دس بیس آدمی بیعت نہ کرتے ہوں۔ اب اس طرح سے بیعت کے رجسٹروں کی تعداد میں تو روز افزوں ترقی ہے مگر یہ رجسٹر (یعنی باقاعدہ چندہ دہندگان کا) اپنی اسی حالت پر ہے۔ اس میں کوئی نمایاں ترقی نہیں ہوتی۔ اصل وجہ یہی ہے کہ لوگ بذریعہ خطوط بیعت کرتے ہیں یا اس جگہ آکر بیعت کرتے ہیں اور چلے جاتے ہیں مگر ان کو ضروریات سلسلہ سے مطلع کرنے کا کوئی کافی ذریعہ نہیں ہے۔ ہمارے خیال میں مولوی فتح دین صاحب بھی اس کام کے واسطے موزون ہیں۔ آدمی مخلص دیانتدار ہیں اور یوں ان کی کلام بھی مؤثر ہے۔ ان کی پنجابی نظم جو اس ملک کی مادری زبان ہے اور جسے لوگ خوب سمجھتے ہیں وہ بھی اچھی مؤثر ہے۔ ہمارے خیال میں ان کے ذریعہ سے تبلیغ واشاعت کا کام بھی ہوتا رہے گا اور چندہ کی وصولی کا بھی باقاعدہ انتظام ہو جاوے گا۔

مولوی فتح دین صاحب کی کسی عرض پر فرمایا کہ

خدا جب بندے سے خوش ہو جاتا ہے تو وہ اپنے بندے کو خود عظمت اور رعب عطا کر دیتا ہے کیونکہ حق کے ساتھ ایک عظمت اور رُعب ہوتا ہے۔ دیکھو ابوجہل وغیرہ جو اس وقت مکہ میں بڑے آدمی بنے ہوئے تھے اصل میں ان کا سارا تکبر اور دبدبہ جھوٹا تھا۔ ان کی عظمت فانی تھی چنانچہ نتیجہ میں دیکھ لو کہ ان کی عظمت و شوکت کہاں گئی۔

اصل بات یہ ہے کہ سچا رُعب اور حقیقی عظمت ان لوگوں کو عطا کی جاتی ہے جو اول خدا کے واسطے اپنے اُوپر ایک موت وارد کر لیتے ہیں اور اپنی عظمت اور جلال کو خاکساری سے، انکساری سے، تواضع سے تبدیل کر دیتے ہیں۔ تب چونکہ انہوں نے خدا کے لئے اپنا سب کچھ خرچ کیا ہوتا ہے خدا خود اُن کو اُٹھاتا ہے اور قدرت نمائی سے ان کو نوازتا ہے۔ دیکھو تو بھلا اگر حضرت ابوبکر اور عُمر بھی اپنی پہلی خاندانی بزرگی اور عظمت ہی کو دل میں جگہ دیئے رہتے اور خدا کے لئے وہ اپنا سب کچھ نہ کھو بیٹھتے تو کیا تھے زیادہ سے زیادہ مکہ کے کھڑپینچ بن جاتے مگر نہیں خدا تعالیٰ نے ان کے دلوں کے اندرونہ حالات کو خلوص سے بھرا پایا اور انہوں نے خدا تعالےٰ کی راہ میں اپنی کسی بزرگی اور عظمت و سطوت کی پروانہ کی بلکہ سب کچھ نثار کر دیا اور خدا کے لئے فروتن، متواضع، اور خاکسار ہو گئے تو اللہ تعالیٰ نے ان کو کیسا نوازا۔ کیسی عظمت اور جبروت عطا کی۔ بھلا جو کچھ خدا نے ان کو دیا اس کا وہم بھی کبھی کسی عرب کے دل میں اس وقت آ سکتا تھا؟ ہرگز نہیں۔ پس یہی عظمت اور سچا رعب یہی تھا نہ کہ ابوجہل وغیرہ کا۔ اور یہ سچی باتیں انہی کو دی جاتی ہیں جو پہلے اپنے اُوپر خدا کے لئے ایک موت وارد کر لیتے ہیں۔

فرمایا کہ

بات دراصل یہ ہے کہ صبر سے کام لینا چاہیئے۔ ترقی ہو رہی ہے۔ قبولیت دلوں میں پیدا ہوتی جاتی ہے اور دُنیا کے کناروں تک اب یہ سلسلہ پہنچ چلا ہے۔ ہمارے پاس بعض ایسے لوگوں کے بھی خط آتے ہیں جن میں سے بعض رؤسائے ریاست بھی ہوتے ہیں اور انہوں نے بیعت بھی

نہیں کی ہوتی وہ لکھتے ہیں کہ ہمارے لئے فلاں امر میں دعا کی جاوے۔ اصل بات یہ ہے کہ دنیا کے دل مان گئے ہیں اور اب دیکھو متواتر ۲۶ یا ۲۷ برس سے ہمارا دعویٰ چلا آرہا ہے اور خدا تعالیٰ اس میں روز بروز ترقی دے رہا ہے۔ جب سے دنیا پیدا ہوئی ہے اس بات کی نظیر نہیں ملتی کہ کسی مفتری علی اللہ کو اس قدر مہلت دی گئی ہو اور ایسی قبولیت اور ترقی عطا کی گئی ہو۔ آسمانی اور زمینی نشان اس کے واسطے بطور شاہد پیدا کئے گئے ہوں۔ آخر ان باتوں کا بھی تو دلوں پر اثر ہوتا ہے۔ گھبرانا نہیں چاہیئے۔ صبر، استقامت اور دعا سے کام لینا چاہیئے۔

سیر سے واپسی پر ایک کسان منگو نام سکنہ بھینی نے سامنے سے آکر سلام مسنون اور مصافحہ کرنے کے بعد عرض کی کہ حضور تھوڑی دیر ٹھہر جاویں میں کچھ گنے نذر کرنا چاہتا ہوں حضور نے فرمایا۔

کچھ ضرورت نہیں تمہیں ثواب ہوگیا۔ اب تکلیف مت کرو

مگر اس نے نہ مانا اور اصرار کیا۔ حضرت اقدس نے فرمایا کہ

اچھا میاں شادی خاں کو دیدو۔ وہ ہمارے واسطے لے آوے گا

مگر اس شخص نے نہایت ہی الحاح سے عرض کی کہ نہیں حضور ٹھہر ہی جاویں اور حضور کے سارے ساتھی گنوں کی دعوت قبول کریں۔ یہ کہکر لپٹ گیا اور حضور کا ہاتھ پکڑ کر اپنے کھیت میں لے گیا۔ حضرت اقدس مسکرائے اور اس کے کھیت میں چند منٹ تک ٹہلتے رہے۔ اتنے میں اس نے گنے لا ڈھیر کئے۔ چنانچہ حضرت کے تمام ساتھیوں نے لے لئے۔ چلنے سے پہلے حضرت اقدس نے نہایت لطف اور مہربانی سے اس شخص کو بُلا کر اس کا نام وغیرہ دریافت کیا اور اس کے صدق اور خلوص محبت سے مسکرا کر رخصت ہوئے۔ اس واقعہ سے حضرت کے ہمراہیوں پر خاص اثر ہوا کہ لطف اور شفقت سے اور فراخدلی سے حضرت اقدس اس سے پیش آئے اور یہ آپ کے اخلاق حمیدہ کا ایک نمونہ تھا۔

فرمایا۔

ہر قوم کی اصلی تعلیم کا خواہ اس پر ہزاروں ہی برس کیوں نہ گذر جائیں کچھ نہ کچھ اثر یا نمونہ بطور بیج کے رہ ہی جاتا ہے۔ ویدوں میں اگر توحید کی تعلیم کا کوئی بھی شعبہ موجود ہوتا تو اس تعلیم کا اثر اس کے ماننے والوں میں ضرور کچھ نہ کچھ تو پایا جاتا۔ کروڑوں نمونے بُت پرستی کے موجود ہیں۔ لاکھوں مندروں میں طرح طرح کے بُت رکھے ہیں بلکہ اکثروں میں تو فحش اور ننگی مورتیاں ان کے تمدن اور ویدوں کی تعلیم کی اصلیت کا راز عملی طور سے دنیا کے سامنے پیش کرتی ہیں۔ علمی رنگ میں ان کی کتب جو دیانند سے پہلے اسلام کے مقابل میں علم مناظرہ میں لکھی گئی ہیں وہ ان کی تعلیم کی اصلیت ظاہر کرتی ہیں۔ چنانچہ وہ لوگ ہمیشہ مسلمان موحدوں کے مقابلہ میں بُت پرستی کے اثبات کے دلائل انہی انہی کتب متبرکہ یعنی ویدوں سے پیش کیا کرتے تھے۔ اور ان کی ساری جد وجہد مورتی پوجا کے اثبات کے لئے ہوا کرتی تھی سوائے چندان آدمیوں کے جن کو دیانند نے پیدا کیا ہے۔ کُل بڑے بڑے علماء اور فضلاء مُورتی پوجا ہی کے معتقد تھے۔ اب ہم ان لاکھ در لاکھ پنڈتوں اور متقدمین بزرگان اہلِ ہنود کو ان معدودے چند دیانندی خیال کے مقلدوں کے مقابلہ میں کس طرح جھوٹا جان سکتے ہیں۔ والفضل للمتقدم۔

یہ بات دو حال سے خالی نہیں۔ یا تو یہ دعویٰ توحید پنڈت دیانند کا زمانہ حال کی موجودہ روش اور ترقی کو دیکھ کر خود ساختہ مسئلہ ہے اور دراصل ویدوں میں اس کا نام ونشان نہیں۔ بلکہ وہی مُورتی پُوجا کا پُرانا مسلمہ مسئلہ ان کتب میں اصل الاصول ہے جس کا ثبوت مدت ہائے دراز سے اہلِ ہنود کے کروڑوں رشی اور پنڈت بزرگ اپنے عملی نمونے سے دنیا میں قائم کر گئے ہیں اور یا اگر پنڈت دیانند کو اپنے دعویٰ میں سچا مان لیں اور ان متقدمین کو جو ان کتابوں کے اصل وارث اور اہل تھے غلطی پر خیال کر لیں تو یوں ماننا پڑے گا کہ وید گونگے ہیں اور وہ اپنے اظہار مطلب سے بالکل عاری ہیں۔ توحید اور بُت پرستی میں زمین وآسمان کا فرق ہے مگر ان دونو کا سرچشمہ وہی کتب مقدسہ یعنی وید ہی بتایا جاتا ہے۔ ایک طرف متقدمین اہلِ ہنود انہی ویدوں کو ہاتھ میں لیکر بُت پرستی

ثابت کرتے ہیں اور موحدوں سے مباحثہ کرتے ہیں۔ دوسری طرف انہی پاک کتب سے آج کل موجودہ نسل کے دیانتدار خیال کے لوگ جو بلحاظ زمانہ اور زبان کے بہت پیچھے کی نسلیں ہیں وہ انہی کتب سے توحید نکالتے ہیں اور بُت پرستی کے دشمن ہیں۔ بہرحال ایک بات سے انکار نہیں یا تو پہلے بزرگ راستی پر ہیں اور یا وید گونگے ہیں کہ اپنے اظہار مطلب سے عاجز اور عاری ہیں۔ بھلا کبھی کسی نے کسی مسلمان کو بھی بُت پرستی اور مُورتی پوجا کا حامی دیکھا یا سُنا ہے۔ قرآن شریف نے توحید کے مسئلہ کو ایسا صاف اور بیّن دلائل سے کھُلے کھُلے طور سے بیان کیا ہے کہ بُت پرستی کا کبھی کسی مسلمان کے دل میں وہم و گمان تک بھی نہیں پیدا ہوا۔

فرمایا کہ

چشمہ معرفت میں ہم نے ان لوگوں کے کُل اعتراضات کا پُورے طور سے ہمیشہ کے واسطے فیصلہ ہی کر دیا ہے۔ ہم یقین کرتے ہیں کہ اگر کوئی حق جو انسان تعصب اور ہٹ دھرمی کو چھوڑ کر حق کی تلاش کے واسطے ہماری اس کتاب کو اوّل سے آخر تک پڑھ لے گا تو وہ کم از کم کبھی بھی اسلام کے برخلاف زبان یا قلم نہیں اُٹھا سکتا۔ پوری توجہ سے ایک سرے سے دوسرے سرے تک نظر انصاف سے پڑھنا شرط ہے۔

(الحکم جلد ۱۲ نمبر ۱۹ صفحہ ۳-۴ مورخہ ۱۴ مارچ ۱۹۰۸ء)

---

۱۷ مارچ ۱۹۰۸ء

فرمایا:-

شیعہ کہتے ہیں۔ قرآن مجید میں کچھ کمی بیشی ہے۔ اس اعتراض کی زد میں سب سے پہلے وہی آتے ہیں۔ حضرت علیؓ اسی لئے خلیفہ نہیں ہوئے تھے کہ معاویہ کے ساتھ جنگ کریں بلکہ ان کا فرض تھا کہ قرآن شریف کی حفاظت کریں جو اصل الاصول دین ہے۔ پس وہ اپنی خلافت کے زمانے میں اصل قرآن کو شائع کر جاتے۔ کیا جس قرآن مجید کی اشاعت نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے سامنے ہزاروں

مخالف و موافق لوگوں میں ہوتی رہی ہو اس میں کچھ تغیر ممکن تھا؟ یہ کیسی لغو بات ہے۔

پھر ہم پوچھتے ہیں کہ ان ہی خلفاء کے پیچھے حضرت علیؓ نمازیں پڑھتے رہے۔ اگر ان کے غاصب ظالم ہونے کا یقین تھا تو ایسا کیوں کیا؟ دیکھو ہمارے مُرید ہیں وہ دوسروں کے پیچھے نماز نہ پڑھیں گے تو کیا حضرت علیؓ ان سے بھی ایمانی حالت میں کمزور تھے جو تقیہ کرتے رہے۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ اللہ کی زمین وسیع ہے۔ ایسی بات ہو تو ہجرت کر جاؤ۔ آپ نے یہ بھی نہ کیا جس سے صاف ظاہر ہے کہ آپ خلفائے ثلاثہ کو اپنا مقتدا تسلیم کرتے تھے۔

فرمایا:۔

شر الفقراء من ھو علیٰ باب الامراء۔ یہ لوگ (اولیاء، انبیاء) اللہ تعالیٰ سے بہتری چاہتے ہیں۔ پس انہیں امراء کے پاس جانے کی کیا ضرورت ہے۔ ہاں امراء ان کے بہت محتاج ہیں۔

فرمایا:۔

لوگ دینِ حق اختیار کر کے داعی الی اللہ پر احسان رکھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے کہا یہ تو میرا احسان ہے کہ تمہیں ہلاکت سے بچا لیا۔ تم بجائے احسان نمائی کے نبی کا شکریہ ادا کرو۔

کیمیاء

فرمایا کہ

بہت سے لوگ کیمیاء کی فکر میں لگے رہتے ہیں اور عمر کو ضائع کرتے ہیں اور بجائے اس کے کہ کچھ حاصل کریں جو کچھ پاس ہوتا ہے اس کو بھی کھو دیتے ہیں۔ ایک شخص بٹالہ کا رہنے والا تھا جو کہ کسی قدر غربت سے گذارہ کرتا تھا اور اس نے جو مکان رہائش کے لئے بنایا تھا اس کے باہر کی ایک ایک اینٹ تو پکی تھی اور باقی اندر سے کچا تھا۔ ایک دن اسے ایک فقیر ملا جو بہت وظیفہ

پڑھتا رہتا تھا اور ظاہرا نہایت نیک معلوم ہوتا تھا۔ بوجہ اس کے ظاہری ورد وظائف کے وہ سادہ لوح آدمی اس کے ساتھ بہت بیٹھتا اور تعلق رکھتا تھا۔ کچھ مدت کے بعد اس فقیر نے بڑی سنجیدگی سے اُس آدمی سے پوچھا کہ تم نے یہ مکان اس طرح پر کیوں بنایا ہے کیوں نہیں سارا پختہ بنا لیتے۔ اس نے جواب دیا کہ روپیہ نہیں غریب ہوں۔ اس پر فقیر نے کہا روپیہ کی کیا بات ہے اور اتنا کہہ کر خاموش ہو گیا۔ اس ذو معنے جواب پر اس شخص کو کچھ خیال پیدا ہوا۔ اور اس نے اس سے پُوچھا کہ کیا تم کچھ کیمیا جانتے ہو۔ اس نے کہا کہ ہاں اُستاد صاحب جانتے تھے اور بہت اصرار کے بعد مان لیا کہ مجھ کو بھی آتا ہے پر میں کسی کو بتاتا نہیں۔ چونکہ تم بہت پیچھے پڑے ہو اس لئے کچھ تم کو بتا دیتا ہوں اور یہ کہہ کر اس کو گھر کا زیور اکٹھا کرنے کی ترغیب دی اور کچھ مدت تک باہر میدان میں جا کر وظیفہ پڑھتا رہا۔ ایک دن زیور لے کر ہنڈیا میں رکھنے لگا مگر کسی طرح اس زیور کو تو چرا لیا اور اس کی جگہ اینٹیں اور روڑے بھر دیئے اور خود وظیفہ کے بہانے باہر چلا گیا اور جاتے وقت کہہ گیا کہ اس ہنڈیا کو بہت سے اُپلوں میں رکھ کر آگ دو۔ مگر دیکھنا کپڑا نہ اُتارنا بلکہ جب تک میں نہ آؤں اسے ہاتھ نہ لگانا۔ اس نے اس کے کہنے کے مطابق اس ہنڈیا کو خوب آگ دی اور اس قدر دھواں ہوا کہ ہمسائے اکٹھے ہو گئے اور دروازہ کھلوا کر اندر گئے اور جب اس سے پوچھنے پر معلوم کیا کہ کیمیا بن رہا ہے تو انہوں نے اس شخص کو سمجھایا کہ وہ تجھے لُوٹ کر لے گیا اور جب ہنڈیا کھولی تو اس میں سے روڑے نکلے۔ چنانچہ وہ شخص جب کسی کام کے لئے گورداسپور گیا تو اُسے وہاں معلوم ہوا کہ وہی شخص کسی اَور کو دھوکا دے گیا ہے اور وہاں آگ جل رہی ہے۔ پس اس نے ان کو بھی سمجھا دیا کہ مجھ کو بھی لُوٹ کر لے گیا ہے اور وہاں بھی ہنڈیا کھولنے پر اینٹ پتھر ہی نکلے۔

اسی طرح قادیان کے پاس ایک گاؤں ہے۔ وہاں ایک کیمیا گر آیا اور مسجد میں ٹھہرا۔ مسجد والے سے پوچھا کہ یہ مسجد ٹوٹی پھوٹی ہے اس کو بناتے کیوں نہیں۔ اس نے کہا کہ ہمارے آباؤ اجداد کے زمانے میں یہ مسجد بنی تھی اب ہم غریب ہیں اس قدر روپیہ نہیں۔ اس نے کہا کہ نہیں روپیہ کا کیا ہے بندوبست ہو جائے گا اور پوچھے جانے پر جواب دیا کہ میں چاندی بنا سکتا ہوں۔ چنانچہ

اس شخص نے پچیس روپے دیئے اور وہ کیمیا گر اس کو لے کر بٹالہ آیا اور وہاں پہنچ کر اس کو صاف کی ہوئی قلعی دے دی۔ وہ شخص بیچارہ سادہ لوح تھا فرق نہ کر سکا اور اپنے گاؤں آکر سُنار کو دکھلائی تو معلوم ہوا کہ بالکل بے قیمت ہے۔

اسی طرح ایک ڈپٹی صاحب تھے جن کو مُدت سے کیمیا کا شوق تھا اور اس میں بہت روپیہ ضائع کر چکے تھے۔ ایک دن ایک آدمی اُن کے پاس آیا اور کہا کہ میں کیمیا بنانی جانتا ہوں مگر سامان وغیرہ کے لئے پانچ سو روپیہ درکار ہے۔ وہ ڈپٹی صاحب نے فوراً دلوا دیا۔ روپیہ لے کر وہ شخص ایک پاس کی دکان میں بیٹھ گیا اور ڈپٹی صاحب کو کہلا بھیجا کہ روپیہ تو میں لے چکا۔ اب جو مرضی ہو کرو۔ میں نہیں دیتا۔ لینا ہے تو عدالت میں نالش کرو۔ ڈپٹی صاحب اب ایسے بڑھاپے میں نالش کس طرح کرتے اور کرتے تو اپنی بے عزتی ہوتی چُپ ہو رہے۔ غرض یہ سب بیہودہ ہے۔

کیمیا کی مرض پہلے زمانہ میں تو عام طور پر تھی۔ اور ہنود اس میں مدت سے پھنسے ہوئے تھے۔ مگر افسوس بعض تعلیمیافتہ لوگ ابتک اس کے دلدادہ ہیں۔ اسلام اس کو بالکل ناجائز قرار دیتا ہے۔ اور قرآن شریف سے ثابت ہے کہ رزق کریم متقی کو ضرور ملتا ہے۔ اور وہ رزق جس سے فائدہ پہنچے کریم ہی ہوتا ہے۔ ورنہ بہت سے ایسے مال ہوتے ہیں جو ناجائز طریقوں سے کمائے جاتے ہیں اور ناجائز باتوں میں اور فضول رسُومات میں اُٹھ جاتے ہیں۔ حالانکہ محنت اور نیکی سے کمایا ہوا روپیہ اپنے اصل موقعہ پر خرچ ہوتا ہے جیسا کہ ان دو بھائیوں کے قصّہ سے ظاہر ہے کہ خدا تعالیٰ نے ابوھما صالحًا[1] کی وجہ سے دو نبیوں کو اس بات پر مامور کیا کہ اس روپیہ کی حفاظت کے لئے جو کہ نیکی اور تقویٰ سے کمایا ہوا تھا ایک دیوار بنائیں۔ خدا تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ فی السماء رزقکم وما توعدون ۔ فو رب السماء والارض انہٗ لحق مثل ما انکم تنطقون[2] یعنی ہر ایک انسان کو خدا تعالیٰ اپنے پاس سے روزی دیتا ہے۔ حضرت داؤد کہتے ہیں کہ میں بچّہ تھا اور بوڑھا ہو گیا ہوں مگر آجتک میں نے کسی صالح کی اولاد کو ٹکڑے مانگتے نہیں دیکھا۔ اسی طرح توریت میں ہے کہ نیک بخت انسان کا اثر اس کی

[1] الکھف : ۸۳ [2] الذاریات : ۲۳، ۲۴

سات پُشت تک جاتا ہے۔ پھر قرآن مجید میں بھی ہے کہ کان ابوھما صالحاً[1] یعنی ان کا باپ صالح تھا اس لئے خدا تعالیٰ نے ان کا خزانہ محفوظ رکھا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ لڑکے کچھ ایسے نیک نہ تھے۔ باپ کی نیکی کی وجہ سے بچائے گئے۔

پس انسان کے لئے متقی اور نیک بننا کیمیا گر سے بہت بہتر ہے۔ اس کیمیا گری میں تو روپیہ ضائع ہوتا ہے مگر اس کیمیا گری میں دین بھی اور دنیا بھی دونو سدھر جاتے ہیں۔ افسوس ہے ان لوگوں پر جو ساری عمر یونہی فضول ضائع کر دیتے ہیں اور کیمیا کی تلاش میں ہی مر جاتے ہیں حالانکہ اس کوچہ میں سوائے نقصان مال اور نقصان ایمان اور کچھ نہیں اور ایسا شخص یکے نقصان مایہ و دیگر شماتت ہمسایہ کا مستحق ٹھہرتا ہے۔

اصل کیمیا تقویٰ ہے جس نے اس کو حاصل کر لیا اس نے سب کچھ حاصل کر لیا اور جس نے اس نسخہ کو نہ آزمایا اُس نے اپنی عمر ضائع کی۔ اگر کیمیا واقعی ہو بھی تو بھی اس کے پیچھے عمر کھونے والا کبھی متقی اور پرہیزگار نہیں ہو سکتا۔ جس کو رات دن دنیا کی محبت لگی رہے گی وہ اپنے پاک اور پیارے خدا کی محبت کو اپنے دل میں کس طرح جگہ دے گا

کفارہ

کفارہ کی نسبت فرمایا کہ

عیسائی کفارہ پر اس قدر زور دیتے ہیں حالانکہ یہ بالکل لغو بات ہے۔ ان کے اعتقاد کے موافق مسیح کی انسانیت قربان ہوگئی مگر صفت خدائی زندہ رہی۔ اب اس پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ وہ جو دنیا کے لئے فدا ہوا وہ تو ایک انسان تھا خدا نہ تھا۔ حالانکہ کفارہ کے لئے بموجب انہی کے اعتقاد کے خدا کو قربان ہونا ضروری تھا مگر ایسا نہیں ہوا بلکہ ایک انسانی جسم فدا ہوا اور خدا زندہ رہا۔ اور اگر خدا فدا ہوا تو اس پر موت آئی۔

اصل میں اس کفارہ کی وجہ سے ہی دنیا میں گناہوں کی کثرت ہو رہی ہے مگر جب عیسائیوں

[1] الکھف : ۸۳

کو کہا جاتا ہے کہ کفارہ نے دنیا میں گناہ پھیلایا ہے تو وہ جواب دیتے ہیں کہ کفارہ صرف نجات کے لئے ہے۔ ورنہ جب تک انسان پاک نہ ہو اور گناہوں سے پرہیز نہ کرتا ہو کفارہ کچھ نہیں۔ مگر جب انہی لوگوں کی طرف دیکھا جاتا ہے جو اس قول کے کہنے والے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ طرح طرح کے گناہوں میں مبتلا ہیں۔ ایک دفعہ ایک پادری کسی گندگی کی وجہ سے پکڑا گیا تو اس نے جواب دیا کہ کفارہ ہو چکا ہے اب کوئی گناہ نہیں۔ اگر کفارہ گناہ کرنے سے نہیں بچاتا تو اس کا کیا فائدہ؟ چنانچہ اس کا جواب عیسائی کچھ نہیں دے سکتے۔[۱]

---

۱۷ / مارچ ۱۹۰۸ء کو ایک صاحب علاقہ بلوچستان نے حضرت اقدس کی خدمت میں خط لکھا کہ "آپ کا ایک مرید نور محمد نام میرا دلی دوست ہے۔ وہ بڑا نمازی ہے، نیکوکار ہے۔ سب اس کی عزت کرتے ہیں۔ ہمہ صفت موصوف خلیق شخص ہے۔ دیندار ہے۔ اس سے ہم کو آپ کے حالات معلوم ہوئے تو ہمارا عقیدہ یہ ہو گیا ہے کہ حضور بڑے ہی خیر خواہ امت محمدیہ و مداح جناب رسول مقبول و اصحاب کبار ہیں۔ آپ کو جو بُرے نام سے یاد کرے وہ خود بُرا ہے مگر باوجود ہمارے اس عقیدہ و خیال کے نور محمد مذکور ہمارے ساتھ باجماعت نماز نہیں پڑھتا اور نہ جمعہ پڑھتا ہے اور وجہ یہ بتلاتا ہے کہ غیر احمدی کے پیچھے ہماری نماز نہیں ہوتی۔ آپ اس کو تاکید فرما دیں کہ وہ ہمارے پیچھے نماز پڑھ لیا کرے تاکہ تفرقہ نہ پڑے کیونکہ ہم آپ کے حق میں بُرا نہیں کہتے" یہ اس خط کا اقتباس اور خلاصہ ہے۔ اس کے جواب میں اسی خط پر حضرت نے عاجز[۲] کے نام تحریر فرمایا

جواب میں لکھ دیں کہ چونکہ عام طور پر اس ملک کے ملّاں لوگوں نے اپنے تعصب کی وجہ سے ہمیں کافر ٹھہرایا ہے اور فتوے لکھے ہیں اور باقی لوگ ان کے پیرو ہیں پس اگر ایسے لوگ ہوں کہ وہ صفائی

---

[۱] الحکم جلد ۱۲ نمبر ۲۰ صفحہ ۷-۸ مورخہ ۱۸ / مارچ ۱۹۰۸ء

[۲] یعنی حضرت مفتی محمد صادق صاحب رضی اللہ عنہ ایڈیٹر "بدر" (مرتب)

ثابت کرنے کے لئے اشتہار دے دیں کہ ہم ان مکفر مولویوں کے پیرو نہیں ہیں تو پھر ان کے ساتھ نماز پڑھنا روا ہے ورنہ جو شخص مسلمانوں کو کافر کہے وہ آپ کافر ہو جاتا ہے پھر اس کے پیچھے نماز کیونکر پڑھیں یہ تو شرع شریف کی رُو سے جائز نہیں ہے۔

فوٹوگرافی

ایک شخص نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے سوال کیا تھا کہ کیا عکسی تصویر لینا شرعاً جائز ہے؟

فرمایا کہ

یہ ایک نئی ایجاد ہے۔ پہلی کتب میں اس کا ذکر نہیں۔ بعض اشیاء میں ایک منجانب اللہ خاصیت ہے جس سے تصویر اُتر آتی ہے۔ اگر اس فن کو خادم شریعت بنایا جاوے تو جائز ہے۔

قضا نماز

ایک شخص نے سوال کیا کہ چھ ماہ تک تارک صلوٰۃ تھا۔ اب میں نے توبہ کی ہے کیا وہ سب نمازیں اب پڑھوں؟

فرمایا:

نماز کی قضا نہیں ہوتی۔ اب اس کا علاج توبہ ہی کافی ہے۔

(بدر جلد ۸ نمبر ۷-۸-۹ صفحہ ۵ مورخہ ۲۴-۳۱ دسمبر ۱۹۰۸ء)

بلا تاریخ[1]

تین سال کے اندر طلب نشان والی پیشگوئی کے اشتہار کا انگریزی میں ترجمہ ہو کر لاہور میں

---

[1] حاشیہ۔ حضرت مفتی محمد صادق صاحب رضی اللہ عنہ نے دسمبر ۱۸۹۹ء میں ڈاکٹر رحمت علی صاحب کے نام ایک مکتوب لکھا جس میں دارالامان کے حالات اور سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ملفوظات درج کئے

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

طبع ہونے کے واسطے آیا ہوا تھا۔ اس کو لیکر ہفتہ کی شام کو میں یہاں سے روانہ ہوا۔ اور چھینہ کے سٹیشن پر اُتر کر دارالامان کو روانہ ہوا۔ راستہ میں سے چراغ علی صاحب جو کہ شیخ حامد علی صاحب کے چچا ہیں نہایت مہربانی سے میرے ساتھ ہوئے اور میرا بوجھ اُٹھایا اور مجھے راستہ دکھایا اور ہم دارالامان میں پہنچے۔ فالحمد للہ علیٰ ذالک۔

نمازِ فجر کے وقت حضور اقدس کی زیارت مسجد میں ہوئی جس سے قلب کو نُور حاصل ہوا۔ اور نمازِ فجر کے بعد آپ نے وہ انگریزی اشتہار اول سے آخر تک سُنا۔ عبارت انگریزی پڑھ کر اور ہر ایک فقرہ کے ساتھ ترجمہ کر کے میں نے سُنایا اور اس کے بعد آپ اندر تشریف لے گئے۔ اور پھر نَو بجے کے قریب سَیر کے واسطے تشریف لائے۔ ملتے ہی فرمایا:۔

آپ نے اس کام میں خوب ہمت کی۔

فرمایا کہ

اس میں اللہ تعالیٰ کی حکمت ہے کہ ہم نے انگریزی نہیں پڑھی کہ آپ لوگوں کو ثواب میں شامل کرنا چاہتا ہے۔ انگریزی اگر ہم پڑھے ہوئے ہوتے تو اردو کی طرح اس کے بھی دو چار صفحے ہم لکھ دیا کرتے مگر خدا نے چاہا کہ جیسے آپ ہیں اور مولوی محمد علی صاحب ہیں آپ لوگوں کو بھی یہ ثواب دیا جاوے۔

میں نے عرض کی کہ یہ ہمت اور ثواب تو مولوی محمد علی صاحب کی ہی ہے۔

فرمایا کہ

عالمگیر کے زمانہ میں مسجد شاہی کو آگ لگ گئی تو لوگ دوڑے دوڑے بادشاہ سلامت کے پاس پہنچے اور عرض کی کہ مسجد کو تو آگ لگ گئی۔ اس خبر کو سُنکر وہ فوراً سجدہ میں گرا اور شکر کیا۔

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ۔

یہ خط ۱۹ مارچ ۱۹۰۸ء کے بدر میں "دارالامان کے حالات آج سے آٹھ سال پہلے" کے عنوان سے شائع ہوا جن کے یہ ملفوظات اسی مکتوب میں سے لئے گئے ہیں جو ۱۸۹۹ء کے ہیں۔ (مرتب)

حاشیہ نشینوں نے تعجب سے پوچھا کہ حضور سلامت یہ کونسا وقت شکر گذاری کا ہے کہ خانۂ خدا کو آگ لگ گئی اور مسلمانوں کے دلوں کو سخت صدمہ پہنچا ہے۔ تو بادشاہ نے کہا کہ میں مدت سے سوچتا تھا اور آہ سرد بھرتا تھا کہ اتنی بڑی عظیم الشان مسجد جو بنی ہے اور اس عمارت کے ذریعہ سے ہزارہا مخلوقات کو فائدہ پہنچتا ہے۔ کاش کوئی ایسی تجویز ہوتی کہ اس کارخیر میں کوئی میرا بھی حصہ ہوتا لیکن چاروں طرف سے میں اس کو مکمل اور بے نقص دیکھتا تھا کہ مجھے کچھ سوجھ نہ سکتا کہ اس میں میرا ثواب کس طرح ہو جاوے۔ سو آج خدا نے میرے واسطے حصول ثواب کی ایک راہ نکال دی۔

واللہ سمیع علیم۔

پھر لیکھرام کے متعلق دیر تک باتیں ہوتی رہیں۔ فرمایا:۔

اسلام پر حملہ کرتے ہیں اور مسلمانوں کا بے جا دل دکھانے میں آریوں کے درمیان ایک طرح کی ترمورتی تھی جن میں سے سب سے بڑھ کر لیکھرام تھا اور اس کے بعد اندرمن اور الکھ دھاری تھے۔

فرمایا کہ

دیانند بھی تھا مگر اس کو ایسا موقعہ نہیں ملا تھا اور نہ وہ اس طرح سے کتابیں لکھتا تھا۔

فرمایا۔

ان تینوں نے اور خصوصاً لیکھرام نے بڑی بے ادبیاں حضرت رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی کی تھیں۔ اللہ تعالیٰ کا طریق ہے کہ جس راہ سے کوئی بدی کرے اسی راہ سے گرفتار کیا جاتا ہے۔ چونکہ لیکھرام نے زبان کی چھری کو اسلام کے برخلاف حد سے بڑھ کر چلایا۔ اس واسطے خدا نے اس کو چھری سے سزا دی۔

فرمایا۔

لیکھرام کے معاملہ میں غیب کا ہاتھ کام کرتا ہوا صاف دکھائی دیتا ہے۔ ایک شخص کا شدھ ہونے کے لئے اس کے پاس آنا، اس کا اس پر بھروسہ کرنا یہانتک کہ اپنے گھر میں بلا تکلف اس

کو لے جانا۔ شام کے وقت دیگر ملاقاتیوں کا چلا جانا، ان کا اکیلا رہ جانا، عین عید کے دوسرے دن اس کا اس کام کے لئے عازم ہونا، لیکھرام کا لکھتے لکھتے کھڑے ہو کر انگڑائی لینا اور اپنے پیٹ کو سامنے نکالنا اور چھری کا وار کاری پڑنا، مرتے وقت تک اس کی زبان کو خدا تعالیٰ نے ایسا بند کرنا کہ باوجود ہوش کے اور اس علم کے کہ ہم نے اس کے برخلاف پیشگوئی کی ہوئی ہے ایک سیکنڈ کے واسطے اس شبہ کا اظہار بھی نہ کرتا کہ مجھے مرزا صاحب پر شک ہے۔ پھر آجتک اس کے قاتل کا پتہ نہ چلنا، یہ سب خدا کے فعل ہیں جو ہیبت ناک طور پر اس کی قدرت اور طاقت کو جلوہ دے رہے ہیں۔

فرمایا کہ

لیکھرام بڑا ہی زبان دراز تھا اور اس کے بعد ایسا کوئی پیدا نہیں ہوا کیونکہ اذا ھلک کسریٰ فلا کسریٰ بعدہٗ۔ اب اللہ تعالیٰ زمین کو ایسے لوگوں سے پاک رکھے گا۔

فرمایا کہ

دنیا کے اندر جو نشانات حضرت موسیٰ یا دیگر انبیاء نے اس طرح کے دکھائے جیسا کہ سوٹے سے رسی کا سانپ بنانا، یہ سب شبہ میں ڈالنے والی باتیں ہیں۔ خصوصاً اس زمانہ کے درمیان جبکہ ہر طرح کی شعبدہ بازیاں مداری لوگ دکھاتے ہیں کہ انسان کی سمجھ میں ہرگز نہیں آتا کہ یہ امر کس طرح سے ہو گیا اور انگریز لوگ ایسے ایسے کرتوت شعبدہ بازی کے دکھاتے ہیں کہ مرا ہوا آدمی واپس آجاتا ہے اور ٹوٹی ہوئی چیزیں ثابت دکھائی دیتی ہیں جیسا کہ آئین اکبری میں بھی ابوالفضل نے ایک قصہ بیان کیا ہے کہ ایک شعبدہ باز آسمان پر لوگوں کے سامنے چڑھ گیا اور اوپر سے اس کے اعضا ایک ایک ہو کر گرے اور اس کی بیوی ستی ہو گئی لیکن وہ آسمان سے پھر اتر آیا اور اس نے اپنی بیوی کے لئے مطالبہ کیا اور ایک وزیر پر شبہ کیا کہ اس نے چھپا رکھی ہے اور یہ اس پر عاشق ہے اور پھر اس کی تلاشی کی اجازت بادشاہ سے لیکر اسی کی بغل سے نکال لی۔

فرمایا:۔

ایسی صورتوں میں پھر سوائے اس کے اور کچھ بات باقی نہیں رہتی ہے کہ انسان ایمان سے کام لے اور انبیاء کے کاموں کو خدا کی طرف سے سمجھے اور شعبدہ بازوں کے کاموں کو دھوکا اور فریب خیال کرے اور اس طرح سے یہ معاملہ بہت نازک ہو جاتا ہے۔ لیکن خدا تعالیٰ نے قرآن شریف کو جو معجزہ عطا فرمایا ہے وہ اعلےٰ درجہ کی اخلاقی تعلیم اور اصول تمدن کا ہے اور اس کی بلاغت اور فصاحت کا ہے جس کا مقابلہ کوئی انسان کر نہیں سکتا اور ایسا ہی معجزہ غیب کی خبروں اور پیشگوئیوں کا ہے۔ اس زمانہ کا کوئی شعبدہ بازی میں اُستاد ہرگز ایسا کہنے کا دعویٰ نہیں کرتا اور اس طرح اللہ تعالیٰ نے ہمارے نشانات کو ایک تمیز صاف عطا فرمائی ہے تاکہ کسی شخص کو حیلہ حجت بازی کا نہ رہے اور اس طرح خدا تعالیٰ نے اپنے نشانات کھول کھول کر دکھائے ہیں جن میں کوئی شک وشُبہ اپنا دخل نہیں پیدا کر سکتا۔

ایک شخص نے کہا کہ کوئی اعتراض کرتا تھا کہ مرزا صاحب نے لیکھرام کو آپ مروا ڈالا۔

فرمایا۔

ایک بیہودہ اور جھُوٹ بات ہے۔ مگر ان لوگوں کو یہ تو خیال کرنا چاہیئے کہ رسُول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ابو رافع اور کعب کو کیوں قتل کروا دیا تھا؟

فرمایا:۔

ہماری پیشگوئیاں سب اقتداری پیشگوئیاں ہیں اور نشان ہے کہ وہ اللہ تعالےٰ کی طرف سے ہوتی ہیں۔

فرمایا:۔

لوگوں کی فصاحت اور بلاغت الفاظ کے ماتحت ہوتی ہے اور اس میں سوائے قافیہ بندی کے اور کچھ نہیں ہوتا۔ جیسے ایک عرب نے لکھا ہے سافرت الیٰ روم دانا علیٰ جمل مالوم۔

میں روم کو روانہ ہوا۔ اور میں ایک ایسے اونٹ پر سوار ہوا جس کا پیشاب بند تھا۔ یہ الفاظ صرف قافیہ بندی کے واسطے لائے گئے ہیں۔ یہ قرآن شریف کا اعجاز ہے کہ اس میں سارے الفاظ ایسے موتی کی طرح پروئے گئے ہیں اور اپنے اپنے مقام پر رکھے گئے ہیں کہ کوئی ایک جگہ سے اٹھا کر دوسری جگہ نہیں رکھا جا سکتا اور کسی کو دوسرے لفظ سے بدلا نہیں جا سکتا۔ لیکن اس کے باوجود اس کے قافیہ بندی اور فصاحت و بلاغت کے تمام لوازم موجود ہیں۔

ایک شخص نے کسی صوفی گدی نشین کی تعریف کی کہ وہ آدمی بظاہر نیک معلوم ہوتا ہے اور اگر اس کو سمجھایا جاوے تو امید کی جا سکتی ہے کہ وہ اس بات کو پا جاوے اور عرض کی کہ میرا اس کے ساتھ ایک ایسا تعلق ہے کہ اگر حضور مجھے ایک خط ان کے نام لکھ دیں تو میں لے جاؤں اور امید ہے کہ ان کو فائدہ ہو۔

فرمایا:۔

آپ دو چار دن اور یہاں ٹھہریں۔ میں انتظار کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ خود بخود استقامت کے ساتھ کوئی بات دل میں ڈال دے تو میں آپ کو لکھ دوں۔

پھر فرمایا کہ

جب تک ان لوگوں کو استقامت حسن نیت کے ساتھ چند دن کی صحبت نہ حاصل ہو جاوے تب تک مشکل ہے۔ چاہیئے کہ نیکی کے واسطے دل جوش مارے اور خدا کی رضا کے حصول کے لئے دل ترساں ہو۔

اس شخص نے عرض کی کہ ان لوگوں کو اکثر یہ حجاب بھی ہوتا ہے کہ شاید کسی کو معلوم ہو جاوے تو لوگ ہمارے پیچھے پڑ جاویں۔

فرمایا:۔

اس کا سبب یہ ہے کہ ایسے لوگ لا الٰہ الا اللہ کے قائل نہیں ہوتے اور سچے دل سے

اس کلمہ کو زبان سے نکالنے والے نہیں ہوتے۔

فرمایا:۔

جب زید و بکر کا خوف درمیان میں ہے تب تک لاالٰہ الا اللہ کا نقش دل میں نہیں جم سکتا۔

فرمایا:۔

یہ جو رات دن مسلمانوں کو کلمہ طیبہ کہنے کے واسطے تائید اور تاکید ہے اس کی وجہ یہی ہے کہ بغیر اس کے کوئی شجاعت پیدا نہیں ہو سکتی۔ جب آدمی لاالٰہ الا اللہ کہتا ہے تو تمام انسانوں اور چیزوں اور حاکموں اور افسروں اور دشمنوں اور دوستوں کی قوت اور طاقت ہیچ ہو کر صرف اللہ کو دیکھتا ہے اور اس کے سوائے سب اس کی نظروں میں ہیچ ہو جاتے ہیں پس وہ شجاعت اور بہادری کے ساتھ کام کرتا ہے اور کوئی ڈرانیوالا اس کو ڈرا نہیں سکتا۔

فراست

فرمایا:۔

فراست بھی ایک چیز ہے جیسا کہ اس یہودی نے دیکھتے ہی حضرت رسُول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کو کہدیا کہ میں ان میں نبوت کے نشان پاتا ہوں اور ایسا ہی مباہلہ کے وقت عیسائی حضرت رسُول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے سامنے نہ آئے کیونکہ ان کے مشیر نے ان کو کہہ دیا تھا کہ میں ایسے مونہہ دیکھتا ہوں کہ اگر وہ پہاڑ کو کہیں گے کہ یہاں سے ٹل جا تو وہ ٹل جائے گا۔

فرمایا:۔

اگر کسی کے باطن میں کوئی حصہ رُوحانیت کا ہے تو وہ مجھ کو قبول کرے گا۔

فرمایا کہ

میں چاہتا ہوں کہ ایک کتاب تعلیم کی لکھوں اور مولوی محمد علی صاحب اس کا ترجمہ کریں۔ اس کتاب کے تین حصے ہوں گے ایک یہ کہ اللہ تعالیٰ کے حضور میں ہمارے کیا فرائض ہیں اور دوسرے یہ کہ اپنے نفس کے کیا کیا حقوق ہم پر ہیں اور تیسرے یہ کہ بنی نوع کے ہم پر کیا کیا حقوق ہیں۔

فرمایا:۔

زمانہ نبوت تو نورٌ علیٰ نور تھا اور ایک آفتاب تھا۔ لیکن اس کے بعد کے اولیاؤں کے جو خوارق و کرامات بتلائے جاتے ہیں وہ اپنے ساتھ انکشاف نہیں رکھتے اور ان کی تاریخ کا صحیح پتہ نہیں لگ سکتا۔ چنانچہ شیخ عبدالقادر جیلانی کے کرامات ان کے دو سو سال بعد لکھے گئے اور علاوہ اس کے ان لوگوں کو یہ موقعہ مقابلہ دشمن کا نہیں ملا اور نہ ان کو ایسا فتنہ درپیش آیا جیسا کہ ہم کو۔

ایسی ہی باتوں پر سیر کا وقت ختم ہوا۔ اور رُوحوں کو ایک تازگی حاصل ہوئی۔

اس کے بعد حضور اقدس ظہر اور عصر کی نماز میں ہمارے ساتھ شامل ہوئے اور مغرب سے عشاء کے پڑھ چکنے تک باہر تشریف فرما رہے اور مغرب کے بعد آپ نے ایک مخلص کا خط سُنا اور دو اخبار بھی سنیں ایک تو سیالکوٹ کی جس میں مرہم عیسیٰ کا ذکر ہے اور اس کو سُنکر بہت محظوظ ہوئے۔ میں امید کرتا ہوں کہ لکھنے والے کا اجر قائم ہو گیا۔ خصوصاً ڈاکٹر لوقا کے لفظ پر بہت خوش ہوئے اور اس کے ڈاکٹر ہونے کے متعلق زیادہ تحقیقات کرنے کے واسطے اس عاجز کو ارشاد صادر فرمایا۔

نماز فجر کے وقت حضرت اقدس تشریف لائے اور نماز کے بعد اندر چلے گئے اور اس کے بعد نو بجے کے قریب سیر کے واسطے تشریف لائے اور احباب ہمہ گوش ہو کر ساتھ

ہو لئے۔ وہی رات والے مضمون ڈاکٹر لوقا کا ذکر درمیان آیا۔ میاں اللہ دیا صاحب لدھیانوی بھی اتفاقاً ساتھ تھے۔ انہوں نے بھی تصدیق کی کہ لُوقا ڈاکٹر تھا مگر یہ ثابت نہیں ہوتا تھا کہ حضرت مسیح کے زمانہ میں تھا۔ اس کے واسطے زیادہ تحقیقات کے لئے میاں اللہ دیا کو بھی ارشاد ہوا۔ اسی پر بہت دیر تک گفتگو ہوتی چلی گئی۔ حضرت نے فرمایا:۔

عربی میں لق چٹنی کو بھی کہتے ہیں

میں نے عرض کی کہ انگریزی میں لِق چاٹنے کو کہتے ہیں۔

فرمایا:۔

چٹنی تک تو بات پہنچ گئی ہے۔ امید ہے مرہم پٹی تک بھی بات نکل آوے۔

فرمایا کہ

انگریزی کتابوں اور تاریخ کلیسیا سے اس کے حالات کے متعلق تحقیقات کرنی چاہیئے یہ ایک نئی بات نکلی ہے۔

پھر فرمایا کہ

یہ مشکل امر نہیں ہے۔ اگر ہم چاہیں تو لوقا پر توجہ کریں اور اس سے سب حال دریافت کریں مگر ہماری طبیعت اس امر سے کراہت کرتی ہے کہ ہم اللہ کے سوائے کسی اور کی طرف توجہ کریں۔ خدا تعالیٰ آپ ہمارے سب کام بناتا ہے۔

پھر فرمایا کہ

یہ لوگ جو کشف قبور لئے پھرتے ہیں یہ سب جھوٹ اور لغو اور بیہودہ بات ہے اور شرک ہے۔ ہم نے سُنا ہے کہ اس طرف ایک شخص پھرتا ہے اور اس کو بڑا دعویٰ کشفِ قبور کا ہے۔ اگر اس کا علم سچا ہے تو چاہیئے کہ وہ ہمارے پاس آئے اور ہم اس کو ایسی قبروں پر لے جائیں گے جن سے ہم خوب واقف ہیں۔ مگر یہ سب بیہودہ باتیں ہیں اور ان کے پیچھے پڑنا وقت کو ضائع کرتا ہے۔ سعید آدمی کو چاہیئے کہ ایسے خیالات میں اپنے اوقات کو خراب

نہ کرے اور اس طریق کو اختیار کرے جو اللہ اور اس کے رسولؐ اور اس کے صحابہؓ نے اختیار کیا

اس کے بعد صاحبزادہ صاحب نے ایک اشتہار پڑھا جو کہ ان کے بھائی صاحب نے اپنے سلسلہ کے عرس کے واسطے مریدین کو دیا ہے۔ اس میں ہر قسم کے کھانوں اور ہر قسم کے کھیل تماشوں اور ناچ رنگوں اور آتشبازیوں کا نقشہ بڑی مقفیٰ عبارت میں اور رنگین فقروں میں لکھا ہوا تھا۔ اس پر گدی نشینوں کے حالات پر افسوس ہوتا رہا اور مولوی برہان الدین صاحب نے اپنے مشاہدہ کی چند گدیوں اور ان کی مجلسوں کا نقشہ کھینچ کر احباب کو خوش کیا۔ چونکہ اس میں سرود سے حظ اُٹھانے اور سرور لینے کا ذکر تھا۔ اس پر حضرت اقدس نے فرمایا کہ ۲۶-۲۷ء

انسان میں ایک ملکہ استلذاذ کا ہوتا ہے کہ وہ سرود سے حظ اُٹھاتا ہے اور اس کے نفس کو دھوکا لگتا ہے کہ میں اس مضمون سے سرور پا رہا ہوں مگر دراصل نفس کو صرف حظ درکار ہوتا ہے خواہ اس میں شیطان کی تعریف ہو یا خدا کی۔ جب یہ لوگ اس میں گرفتار ہو کر فنا ہو جاتے ہیں تو ان کے واسطے شیطان کی تعریف یا خدا کی سب برابر ہو جاتے ہیں۔

اس پر آج کا سیر ختم ہوا۔ لیکن کل کے سیر میں سے ایک بات رہ گئی تھی جس کو میں اب عرض کرنا چاہتا ہوں اور وہ یہ ہے کہ آپ نے فرمایا کہ

ابھی ہمارے مخالفوں میں سے بہت سے ایسے آدمی بھی ہیں جن کا ہماری جماعت میں داخل ہونا مقدر ہے۔ وہ مخالفت کرتے ہیں پر فرشتے ان کو دیکھ کر ہنستے ہیں کہ تم بالآخر انہی لوگوں میں شامل ہو جاؤ گے۔ وہ ہماری مخفی جماعت ہے جو کہ ہمارے ساتھ ایک دن مل جائے گی۔

پھر کھانے کے وقت حضور اقدس تشریف لائے اور روٹی کھانے کے بعد حضور اقدس نے ایک تقریر فرمائی جو دلوں کے واسطے نُور اور ہدایت حاصل کرنے کا موجب ہوئی۔ جو کچھ اس میں سے میں ضبط رکھ سکا وہ آپ کو سُناتا ہوں آپ توجہ سے سُنیں۔ اس زمانہ کے فتنہ و فساد کا ذکر تھا۔ فرمایا:۔

ایک مسلمان کے لئے ضروری ہے کہ اس زمانہ کے درمیان جو فتنہ اسلام پر پڑا ہوا ہے

اس کے دُور کرنے میں کچھ حصہ لے جاوے۔ بڑی عبادت یہی ہے کہ اس فتنہ کے دور کرنے میں ہر ایک حصہ لے۔ اس وقت جو بدیاں اور گستاخیاں پھیلی ہوئی ہیں چاہیئے کہ اپنی تقریر اور علم کے ساتھ اور ہر ایک قوت کے ساتھ جو اس کو دی گئی ہے۔ مخلصانہ کوشش کے ساتھ ان باتوں کو دنیا سے اُٹھاوے۔ اگر اسی دنیا میں کسی کو آرام اور لذت مل گئی تو کیا فائدہ؟ اگر دنیا میں ہی اجر پا لیا تو کیا حاصل؟ عقبیٰ کا ثواب لو جس کا انتہا نہیں۔ ہر ایک کو خدا کی توحید و تفرید کے لئے ایسا جوش ہونا چاہیئے جیسا خود خدا کو اپنی توحید کا جوش ہے۔ غور کرو کہ دنیا میں اس طرح کا مظلوم کہاں ملے گا۔ جیسا کہ ہمارے نبی صلے اللہ علیہ وسلم ہیں۔ کوئی گند اور گالی اور دشنام نہیں جو آپ کی طرف نہ پھینکی گئی ہو۔ کیا یہ وقت ہے کہ مسلمان خاموش ہو کر بیٹھ رہیں۔ اگر اس وقت میں کوئی کھڑا نہیں ہوتا اور حق کی گواہی دے کر جھوٹے کے مُنہ کو بند نہیں کرتا اور جائز رکھتا ہے کہ کافر بے حیائی سے ہمارے نبی پہ اتہام لگا جائے۔ اور لوگوں کو گمراہ کرتا جائے۔ تو یاد رکھو کہ وہ بیشک بڑی بازپرس کے نیچے ہے۔ چاہیئے کہ جو کچھ علم اور واقفیت تم کو حاصل ہے وہ اس راہ میں خرچ کرو اور لوگوں کو اس مصیبت سے بچاؤ۔ حدیث سے ثابت ہے کہ اگر تم دجال کو نہ مارو تب بھی وہ تو مر ہی جائے گا۔ مثل مشہور ہے کہ ہر کمالے را زوالے۔ تیرھویں صدی سے یہ آفتیں شروع ہوئیں اور اب وہ وقت قریب ہے کہ اس کا خاتمہ ہو جاوے۔ ہر ایک کا فرض ہے کہ جہانتک ہو سکے پوری کوشش کرے۔ نور اور روشنی لوگوں کو دکھائے۔ خدا تعالیٰ کے نزدیک ولی اللہ اور صاحب برکات وہی ہے جس کو یہ جوش حاصل ہو جائے۔ خدا تعالےٰ چاہتا ہے کہ اس کا جلال ظاہر ہو۔ نماز میں جو سبحان ربی العظیم اور سبحان ربی الاعلےٰ کہا جاتا ہے وہ بھی خدا تعالیٰ کے جلال کے ظاہر ہونے کی تمنا ہے خدا تعالےٰ کی ایسی عظمت ہو کہ اس کی نظیر نہ ہو۔ نماز میں تسبیح و تقدیس کرتے ہوئے یہی حالت ظاہر ہوتی ہے کہ خدا تعالیٰ نے ترغیب دی ہے کہ طبعاً جوش کے ساتھ اپنے کاموں سے اور اپنی کوششوں سے دکھاوے کہ اس کی عظمت کے برخلاف کوئی شئے مجھ پر غالب نہیں

آسکتی۔ یہ بڑی عبادت ہے۔ جو اس کی مرضی کے مطابق جوش رکھتے ہیں وہی مؤید کہلاتے ہیں اور وہی برکتیں پاتے ہیں جو خدا تعالےٰ کی عظمت اور جلال اور تقدیس کے واسطے جوش نہیں رکھتے ان کی نمازیں جھوٹی ہیں اور ان کے سجدے بیکار ہیں۔ جب تک خدا تعالیٰ کے لئے جوش نہ ہو۔ یہ سجدے صرف جنتر منتر ٹھہریں گے جن کے ذریعہ یہ بہشت کو لینا چاہتا ہے۔

یاد رکھو کوئی جسمانی بات جس کے ساتھ کیفیت نہ ہو فائدہ مند نہیں ہو سکتی جیساکہ خدا تعالیٰ کو قربانی کے گوشت نہیں پہنچتے ایسے ہی تمہارے رکوع اور سجود بھی نہیں پہنچتے جبتک ان کے ساتھ کیفیت نہ ہو خدا تعالےٰ کیفیت کو چاہتا ہے۔ خدا ان سے محبت کرتا ہے جو اس کی عزت اور عظمت کیلئے جوش رکھتے ہیں۔ جو لوگ ایسا کرتے ہیں وہ ایک باریک راہ سے جاتے ہیں اور کوئی دوسرا ان کے ساتھ نہیں جا سکتا۔ جب تک کیفیت نہ ہو انسان ترقی نہیں کر سکتا گویا خدا تعالیٰ نے قسم کھائی ہے کہ جب تک اس کے لئے جوش نہ ہو کوئی لذت نہیں دے گا۔

ہر ایک آدمی کے ساتھ ایک تمنا ہوتی ہے پر مومن نہیں بن سکتا جب تک ساری تمناؤں پر خدا تعالےٰ کی عظمت کو مقدم نہ کر لے۔ ولی قریب اور دوست کو کہتے ہیں۔ جو دوست چاہتا ہے وہی یہ چاہتا ہے تب یہ ولی کہلاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ماخلقت الجن والانس الّا لیعبدون[1]۔ چاہیئے کہ یہ خدا تعالیٰ کے لئے جوش رکھے۔ پھر یہ اپنے ابنائے جنس سے بڑھ جائے گا۔ خدا تعالیٰ کے مقرب لوگوں میں سے بن جائے گا۔ مُردوں کی طرح نہیں ہونا چاہیئے کہ مُردہ کے مُنہ میں ایک شئے ایک طرف سے ڈالی جاتی ہے تو دوسری طرف سے نکل آتی ہے۔ اسی طرح شقاوت کے وقت کوئی چیز اچھی ہو اندر نہیں جاتی۔

یاد رکھو کہ کوئی عبادت اور صدقہ قبول نہیں ہوتا جبتک کہ اللہ تعالیٰ کے لئے جوش نہ ہو۔ ذاتی جوش نہ ہو۔ جس کے ساتھ کوئی ملونی ذاتی فوائد اور منافع کی نہ ہو۔ ایسا ہو کہ خود بھی نہ جانے کہ یہ جوش میرے میں کیوں ہے۔ بہت ضرورت ہے کہ ایسے لوگ بکثرت پیدا ہوں مگر سوائے خدا کے ارادہ کے کچھ ہو نہیں سکتا اور جو لوگ اس طرح دینی خدمات میں مصروف ہوئے ہیں وہ

[1] الذّٰریٰت : ۵۷

یاد رکھیں کہ وہ خدا پر کوئی احسان نہیں کرتے۔ جیسا کہ ہر ایک فصل کے کاٹنے کا وقت آ جاتا ہے ایسا ہی مفاسد کے دُور کر دینے کا اب وقت آگیا ہے۔ تثلیث پرستی حد کو پہنچ گئی ہے صادق کی توہین و گستاخی انتہا رتک کی گئی ہے۔ رسُول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا قدر مکھی اور زنبور جتنا نہیں کیا گیا۔ زنبور سے بھی آدمی ڈرتا ہے اور چیونٹی سے بھی اندیشہ کرتا ہے۔ مگر حضرت رسُول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کو بُرا کہنے میں کوئی نہیں جھجکا۔ کذبوا بایاتنا[1] کے مصداق ہو رہے ہیں۔ جتنا مُنہ اُن کا کُھل سکتا ہے انہوں نے کھولا اور مُنہ پھاڑ پھاڑ کر سب وشتم کئے۔ اب وہ وقت واقعی آگیا ہے کہ خدا تعالےٰ ان کا تدارک کرے۔ ایسے وقت میں وہ ہمیشہ ایک آدمی کو پیدا کیا کرتا ہے ولن تجد لسنة اللہ تبدیلا۔[2] وہ ایسے آدمی کو پیدا کرتا ہے جو اس کی عظمت وجلال کے لئے بہت ہی جوش رکھتا ہو۔ باطنی مدد کا اس آدمی کو سہارا ہوتا ہے۔ دراصل سب کچھ خدا تعالےٰ آپ کرتا ہے مگر اس کا پیدا کرنا صرف ایک سُنّت کا پورا کرنا ہوتا ہے۔ اب وقت آگیا ہے۔ خدا تعالیٰ نے عیسائیوں کو قرآن کریم میں نصیحت کی تھی کہ اپنے دین میں غلُو نہ کریں پر انہوں نے اس نصیحت پر عمل نہ کیا اور پہلے وہ صرف ضالّین تھے پر اب مضلّین بھی بن گئے۔ خدا تعالیٰ کے صحفِ قدرت پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ جب بات حد سے گذر جاتی ہے تو آسمان پر تیاری کی جاتی ہے۔ یہی اس کا نشان ہے کہ اب تیاری کا وقت آگیا ہے سچے نبی رسُول مجدد کی بڑی نشانی یہی ہے کہ وہ وقت پر آوے، ضرورت کے وقت آوے۔ لوگ قسم کھا کر کہیں کہ کیا یہ وقت نہیں کہ آسمان پر کوئی تیاری ہو۔

مگر یاد رکھو کہ خدا تعالیٰ سب کچھ آپ کرتا ہے۔ ہم اور ہماری جماعت اگر سب کے سب حجروں میں بیٹھ جاویں تب بھی کام ہو جاوے گا اور دجّال کو زوال آوے گا۔ تلک الایام نداولھا۔[3] اس کا کمال بتاتا ہے کہ اب اس کے زوال کا وقت ہے۔ اس کا ارتفاع ظاہر کرتا ہے کہ اب وہ نیچا دیکھے گا۔ اس کی آبادی اس کی بربادی کا نشان ہے۔ ہاں ٹھنڈی ہوا چل پڑی ہے۔ خدا تعالیٰ کے کام آہستگی کے ساتھ ہوتے ہیں۔

[1] الحدید : ۲۰ [2] الاحزاب : ۶۳ [3] آل عمران : ۱۴۱

اگر ہمارے پاس کوئی دلیل بھی نہ ہوتی تو پھر بھی مسلمانوں کو چاہیئے تھا کہ دیوانہ وار پھرتے اور تلاش کرتے کہ مسیح اب تک کیوں نہیں آیا؟ کسر صلیب کے لئے آیا ان کو چاہیئے نہیں تھا کہ یہ اس کو اپنے جھگڑوں کے لئے بُلاتے؟ اس کا کام کسر صلیب ہے اور اسی کی زمانہ کو ضرورت ہے اور اسی واسطے اس کا نام مسیح موعود ہے۔ اگر مُلّانوں کو نوع انسان کی بہبودی مدنظر ہوتی تو وہ ہرگز ایسا نہ کرتے۔ ان کو سوچنا چاہیئے تھا کہ ہم نے فتویٰ لکھ کر کیا بنا لیا ہے جس کو خدا تعالیٰ نے کہا کہ ہو جاوے اس کو کون کہہ سکتا ہے کہ نہ ہو وے۔ یہ ہمارے مخالف بھی ہمارے نوکر چاکر ہیں کہ مشرق و مغرب میں ہماری بات کو پہنچا دیتے ہیں۔ ابھی ہم نے سُنا ہے کہ گولڑے والا پیر ایک کتاب ہمارے برخلاف لکھنے والا ہے سو ہم خوش ہوئے کہ اس کے مریدوں میں سے جس کو خبر نہ تھی اس کو بھی خبر ہو جاوے گی اور ان کو ہماری کتابوں کے دیکھنے کے لئے ایک تحریک پیدا ہوگی۔

اس کے بعد آپ اندر تشریف لے گئے۔

ایک اَور وقت میں فرمایا کہ

یہ جو حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ اس زمانہ میں ذلیل لوگ عزت پا جائیں گے، سو یہ بات چوہڑوں اور چماروں کے عیسائی ہونے میں پوری ہوئی کہ انگریزی کی تعلیم دے کر اور انگریزی نام رکھ کر دفتروں میں افسر کیا جاتا ہے اور بڑے بڑے خاندانی ان کے سامنے ایک ذلیل کی طرح کھڑے ہوتے ہیں۔

صاحبزادہ سراج الحق صاحب نے ایک لطیفہ سُنایا کہ میں وحدت وجود کے مسئلہ کا قائل تھا اور شہودیوں کا سخت مخالف۔ جب میں پہلے پہلے حضرت اقدس مرزا صاحب کی خدمت میں پہنچا تو آپ سے اس کے متعلق سوال کیا تو آپ نے فرمایا کہ

ایک سمندر ہے جس سے سب شاخیں نکلتی ہیں مگر ہمیں شہودیوں والی بات درست معلوم ہوتی ہے کیونکہ قرآن شریف کے شروع ہی میں جو کہا گیا ہے الحمد للہ رب العالمین۔ عالمین

؎ الفاتحہ: ۲

کا رب۔ تو اس سے معلوم ہوتا ہے کہ رب اور ہے اور عالم اَور ہے۔ ورنہ اگر وحدت وجود والی بات صحیح ہوتی تو رب العٰلمین کہا جاتا۔

(بدر جلد ۷ نمبر ۱۱ صفحہ ۳ تا ۶ مورخہ ۱۹ مارچ ۱۹۰۸ء)

---

۱۹ مارچ ۱۹۰۸ء

بوقت سَیر

فرمایا کہ

شیعہ لوگ خواہ مخواہ غلو کرتے ہیں ان کے مقابلہ میں خارجی ان کا مُنہ بند کرتے ہیں۔ اصل بات یہ ہے کہ صحابہؓ میں کبھی کوئی نزاع بھی اگر واقع ہو گئی ہو تو کیا ہرج کی بات ہے۔ نزاع اور جھگڑا ہمیشہ وہیں ہوا کرتا ہے جن کے آپس میں گہرے تعلقات ہوں۔ یہ کوئی عیب کی بات نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان سب باتوں کا یوں فرما کر فیصلہ ہی کر دیا ہے کہ نزعنا ما فی صدورھم من غلٍّ اخوانًا علیٰ سررٍ متقابلین[1]۔ پس خدائی فیصلہ کے بعد ان امور میں زبان کھولنا ایمان کا نشان نہیں۔ اگر صحابہ کرامؓ پر شیعہ اعتراض کرتے ہیں۔ تو خارجی حضرت علی کرم اللہ وجہہ پر بھی تو اعتراض کرتے ہیں۔ چنانچہ لکھا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ارادہ تھا کہ ابوجہل کی لڑکی سے شادی کریں مگر جب آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو اس بات کی اطلاع ہوئی تو آپ بہت ناراض ہوئے اور فرمایا کہ ایسا ہرگز نہیں ہو سکے گا کہ خدا کے رسُول کی لڑکی اور خدا کے دشمن کی لڑکی ایک گھر میں جمع ہوں۔ اگر ایسا ہی کرنا منظور ہو تو فاطمہؓ کو طلاق دے دی جاوے۔ بلکہ خارجی تو یہانتک کہتے ہیں کہ حضرت علیؓ نے نعوذ باللہ اپنے اسی ارادے کو پورا کرنے کے واسطے خود دانستہ حضرت فاطمہؓ کو زہر دے کر مار دیا تھا اور آخر کار اس طرح اپنے اس ارادے کو پُورا بھی کر لیا۔

آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی بیویوں کے متعلق قرآن شریف نے فرمایا ہے کہ وہ امہات المومنین

[1] الحجر: ۴۸

ہیں تو حضرت علی گویا مدت تک ماں سے جھگڑا کرتے رہے ہیں۔ حضرت حسنؓ نے حضرت معاویہ کے مقابلہ میں ملک ہی چھوڑ دیا تھا مگر دیکھو حضرت علیؓ نے ماں سے جھگڑا نہ چھوڑا بلکہ یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے اوّل اوّل حضرت ابوبکر کی بیعت سے بھی تخلف کیا تھا مگر پھر گھر میں جا کر خدا جانے یک دفعہ کیا خیال آیا کہ پگڑی بھی نہ باندھی اور فوراً ٹوپی سے ہی بیعت کرنے کو آ گئے اور پگڑی پیچھے منگائی۔ معلوم ہوتا ہے کہ ان کے دل میں خیال آگیا ہوگا کہ یہ تو بڑی معصیت ہے۔ اسی واسطے اتنی جلدی کی کہ پگڑی بھی نہ باندھی۔ اصل بات یہ ہے کہ یہ سب باتیں قرآن شریف میں تدبّر نہ کرنے کی وجہ سے ہیں۔

وفاتِ مسیح

وفاتِ مسیح پر فرمایا کہ

قرآن شریف یہود و نصاریٰ کے اختلافات کے لئے بطور حکم ہے۔ اصل جھگڑا تو یہ تھا کہ توریت میں لکھا تھا کہ جو سُولی پر لٹکایا جاوے اس کا رفع رُوحانی نہیں ہوتا اور وہ اس قابل نہیں ہوتا کہ خدا تعالیٰ کی طرف سے ایسے شخص کو خلعت نبوت عطا کیا جاوے۔ بلکہ ملعون اور لعنتی ہوتا ہے۔ سُولی جرائم پیشہ لوگوں کی سزا ہے اور جو جرائم پیشہ لوگوں کی سزا سے موت کا لقمہ بن جاوے وہ اس قابل کہاں ہوتا ہے کہ اس کا رفع رُوحانی ہو۔ غرض ان یہود کا دعویٰ تو صرف یہی تھا کہ حضرت عیسیٰؑ کا رفع رُوحانی نہیں ہوا۔ وہ حضرت موسیٰؑ کے رفع رُوحانی کے قائل تھے نہ کہ رفع جسمانی کے۔ رفع جسمانی کا تو ان کے دلوں میں خیال تک بھی نہ تھا۔ پس سچی بات یہی ہے کہ مسلمانوں اور یہود کا متفقہ اور مسلّم اعتقاد اس پر ہے کہ خدا کے نیک بندوں کا بعد وفات رفع رُوحانی ہوا کرتا ہے اور یہی قابل بڑائی بات ہے۔ رفع جسمانی کے یہ نہ قائل ہیں اور نہ کوئی اس میں فضیلت مدنظر ہے چنانچہ قرآن شریف بھی اسی اصول کو یوں بیان فرماتا ہے کہ مفتّحة لهم الابواب[1] یعنی جو خدا کے نزدیک متقی اور برگزیدہ انسان

[1] ص: ۵۱

ہوتے ہیں خدا ان کے لئے آسمانی رحمت کے دروازے کھول دیتا ہے اور ان کا رفع روحانی بعد الموت کیا جاتا ہے اور ان کے مقابل میں جو لوگ بدکار اور خدا تعالیٰ سے دُور ہوتے ہیں اور ان کو خدا تعالیٰ سے کوئی تعلق صدق و اخلاص نہیں ہوتا اُن کے واسطے آسمانی دروازے نہیں کھولے جاتے جیسا کہ فرمایا لاتفتح لھم ابواب السماء ولا یدخلون الجنۃ حتیٰ یلج الجمل فی سم الخیاط۔[1]

غرض یہود کا اعتراض تو یہی تھا کہ نعوذ باللہ حضرت عیسیٰؑ چونکہ سُولی پر چڑھائے گئے ہیں اس واسطے وہ ملعون ہیں اور صاف بات ہے کہ ملعون کا رفع روحانی نہیں ہو سکتا۔ اسی کے جواب میں قرآن شریف نے فرمایا ہے بل رفعہ اللہ الیہ۔[2]

اچھا ہم یہ دریافت کرتے ہیں کہ اگر یہودیوں کا یہی اعتراض تھا کہ حضرت عیسیٰؑ کا رفع جسمانی نہیں ہوا تو پھر قرآن شریف جو کہ ان دونو قوموں میں حکم ہو کر آیا ہے اس نے یہود کے اس اعتراض کا کیا جواب دیا ہے؟ کیا وجہ کہ قرآن شریف نے یہود کے اصل اعتراض کا تو کہیں جواب نہ دیا اور رفع روحانی پر اتنا زور دیا اور رفعہ اللہ الیہ فرمایا۔ رفعہ اللہ الی السماء کیوں نہ فرمایا۔

عرش الٰہی ایک وراء الورا مخلوق ہے جو زمین سے اور آسمان سے بلکہ تمام جہات سے برابر ہے۔ یہ نہیں کہ نعوذ باللہ عرش الٰہی آسمان سے قریب اور زمین سے دُور ہے۔ لعنتی ہے وہ شخص جو ایسا اعتقاد رکھتا ہے۔ عرش مقام تنزیہ ہے اور اسی لئے خدا ہر جگہ حاضر ناظر ہے جیسا کہ فرماتا ہے ھو معکم اینما کنتم[3] اور ما یکون من نجویٰ ثلثۃ الا ھو رابعھم[4] اور فرماتا ہے کہ نحن اقرب الیہ من حبل الورید۔[5]

غرض اصل جھگڑا تو صرف ان کے رفع رُوحانی اور مقرب بارگاہ سلطانی ہونے کے متعلق تھا سو اللہ تعالیٰ نے اس کا فیصلہ ہی کر دیا یہ فرما کر کہ بل رفعہ اللہ الیہ۔[6] اب کوئی بتائے کہ بھلا اس سے ان کا آسمان پر چڑھ جانا کیسے ثابت ہوتا ہے۔ کیا خدا تعالیٰ آسمان پر ہے

[1] الاعراف: ۴۱ [2] النساء: ۱۵۹ [3] الحدید: ۵ [4] المجادلہ: ۸ [5] ق: ۱۷ [6] النساء: ۱۵۹

اور زمین پر نہیں ؟

اللہ تعالیٰ نے تو حضرت عیسیٰؑ کا قصہ ہی تمام کر دیا ہے جہاں یہ سوال و جواب ہے کہ فلما توفیتنی کنت انت الرقیب علیھم[1]۔ اس آیت سے دو باتیں ثابت ہوتی ہیں۔ ایک تو حضرت عیسیٰؑ کا وفات پا جانا اور دوسرے ان کا دوبارہ دُنیا میں نہ آنا۔ کیونکہ یہ سوال و جواب قیامت کے دن کو ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ کا یہ سوال حضرت عیسیٰ سے کہ کیا تم نے عیسائیوں کو یہ شرک کی تعلیم دی تھی اور حضرت عیسیٰؑ کا یہ جواب دینا کہ یا الٰہی یہ میری وفات کے بعد بگڑے ہیں۔ مجھے اس بات کا علم نہیں کہ میرے بعد انہوں نے کیسے عقائد اختیار کر لئے۔ میں نے تو ان کو صرف توحید کی تعلیم دی تھی۔ اس سوال و جواب سے صاف صریح اور واضح طور پر معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عیسیٰؑ وفات پا چکے ہیں اور وہ دُنیا میں دوبارہ نہیں آئیں گے ورنہ اگر وہ دوبارہ کبھی دُنیا میں آئے ہوتے اور ان کی گندی تعلیم اور مشرکانہ عقائد کی اصلاح کی ہوتی۔ صلیب توڑی ہوتی اور خنزیر قتل کئے ہوتے تو کیا اللہ تعالیٰ اُن کو ایسے صریح جھوٹ سے سرزنش نہ کرتا ؟ اور وہ ایسی جُرأت اور دلیری سے حضور الٰہی کے سامنے قیامت کے دن ایسا جھوٹ بولتے ؟ ہرگز نہیں۔ پس واقعی اور حق بات یہی ہے کہ حضرت عیسیٰؑ وفات پا چکے اور وہ دوبارہ دُنیا میں نہیں آئیں گے۔ یہ تو اللہ تعالیٰ کا قول ہوا اس کی تصدیق آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فعل سے کر دی۔ اور آپ نے معراج کی رات حضرت عیسیٰؑ کو حضرت یحییٰ کے پاس بیٹھے دیکھا۔ غور کا مقام ہے کہ زندہ کو مُردہ سے کیا تعلق اور کیا کام ؟ حیات اور وفات تو دو ضدیں ہیں جس طرح نور اور ظلمت ایک جگہ جمع نہیں ہو سکتے۔ اسی طرح مُردے اور زندہ لوگوں کا بھی آپس میں کوئی تعلق نہیں کہ ایک جگہ رہیں بلکہ حضرت عیسیٰؑ کے واسطے تو کوئی الگ کوٹھڑی درکار تھی۔

اس کے بعد اور زیادہ تشریح بخاری اور مُسلم نے کر دی ہے۔ جنہوں نے آخری زمانہ کی علامات کا ذکر کرتے ہوئے ایک نئی سواری کا ذکر کر کے یہ کہا کہ لیُترکن القلاص فلا

[1] المائدۃ : ۱۱۸

یسعٰی علیھا اور قرآن شریف نے اسی مضمون کو عبارت ذیل میں بیان فرما کر اور بھی صراحت کردی کہ اذا العشار عطلت[1]۔ قرآن و حدیث کا تطابق اور پھر عملی رنگ میں اس دُور دراز زمانہ میں جبکہ ان پیشگوئیوں کو ۱۳ سو برس سے بھی زائد عرصہ گذر چکا ہے ان کا پورا ہونا ایمان کو کیسا تازہ اور مضبوط کرتا ہے۔ چنانچہ ایک اخبار میں ہم نے دیکھا ہے کہ شاید روم نے تاکیدی حکم دیا ہے کہ ایک سال کے اندر حجاز ریلوے تیار ہو جاوے۔ سبحان اللہ کیسا عجیب نظارہ ہوگا اور ایمان کیسے تازے ہوں گے کہ جب پیشگوئی کے بالکل مطابق بجائے اونٹوں کی لمبی لمبی قطاروں کے ریل کی قطاریں دوڑتی ہوئی نظر آویں گی۔ پس جب یہ پیشگوئی جو آثار قرب قیامت اور مسیح موعود کی آمد کے نشانات میں سے ایک زبردست اور اقتداری پیشگوئی ہے پوری ہو رہی ہے تو ایمان لانا چاہیئے کہ مسیح موعود بھی موجود ہے۔

زلازل اور طاعون کا سلسلہ

فرمایا کہ

زلازل اور طاعون کا سلسلہ بھی حکام وقت کے دورہ کی طرح دورہ ہی کر رہا ہے۔ جس طرح حکام وقت اپنے انتظامی دَوروں میں جہاں کوئی سرکشی یا بدنظمی پاتے ہیں اس کی اصلاح کرتے ہیں اسی طرح زلازل اور طاعون بھی ملک کے مختلف حصوں میں دورہ کر رہے ہیں۔ بعض ممالک میں سُنا گیا ہے کہ زلزلوں سے پہاڑ گر گئے اور شہروں کے شہر فنا ہو گئے۔ یہی حال طاعون کا ہے۔ جب لوگ کسی قدر وقفہ دیکھ کر مطمئن ہو جاتے ہیں اور گناہ اور غفلت میں ترقی کرنے لگ جاتے ہیں تو پھر خدا طاعون کو ان کی سرزنش اور سرکوبی کے واسطے بھیج دیتا ہے۔ پس بے فکر اور مطمئن نہیں ہونا چاہیئے بلکہ قبل اس کے کہ کوئی مصیبت اچانک آن پکڑے اپنی اصلاح میں لگے رہنا چاہیئے اور توبہ استغفار میں مشغول ہونا چاہیئے۔

[1] التکویر: ۵

فرمایا :-

خدا جب کسی کام کو کرانا ہی چاہتا ہے تو گردن سے پکڑ کر بھی کرا دیتا ہے۔ اس کے منوانے کے عجیب عجیب رنگ ہیں چنانچہ ایک مسلمان بادشاہ کا ذکر ہے کہ اُس نے امام موسیٰ رضا کو کسی وجہ سے قید کر دیا ہوا تھا۔ خدا کی قدرت ایک رات بادشاہ نے اپنے وزیر اعظم کو نصف رات کے وقت بُلوایا اور نہایت سخت تاکید کی کہ جس حالت میں ہو اسی حالت میں آجاؤ حتیٰ کہ لباس بدلنا بھی تم پر حرام ہے۔ وزیر حکم پاتے ہی ننگے سر ننگے بدن فوراً حاضر ہوئے اور اس جلدی اور گھبراہٹ کا باعث دریافت کیا۔ بادشاہ نے اپنا ایک خواب بیان کیا کہ میں نے خواب دیکھا ہے کہ ایک حبشی آیا اور اس نے گنڈاسے کی قسم کے ایک ہتھیار سے مجھے ڈرایا اور دھمکایا ہے اس کی شکل نہایت پُرہیبت اور خوفناک ہے۔ اس نے مجھے کہا ہے کہ امام موسیٰ کو ابھی چھوڑ دو ورنہ میں تمہیں ہلاک کر دوں گا اور اسے ایک ہزار اشرفی دے کر جہاں اس کا جی چاہے رہنے کی اجازت دو۔ سو تم ابھی جاؤ اور امام موسیٰ رضا کو قید سے رہا کر دو۔ چنانچہ وزیر اعظم قید خانہ میں گئے اور قبل اس کے کہ وہ اپنا عندیہ ظاہر کرتے امام موسیٰ رضا بولے کہ پہلے میرا خواب سُن لو۔ چنانچہ انہوں نے اپنا خواب یُوں بیان کیا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے بشارت دی ہے کہ تم آج ہی قبل اس کے کہ صبح ہو قید سے رہا کئے جاؤ گے۔ غرض یہ ہیں خدا تعالیٰ کے اقتداری نشانات۔

فرمایا :-

شیعہ لوگ جس راہ کو اختیار کئے ہوئے ہیں اس راہ سے تو نعوذ باللہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا سارا مذہب ہی برباد ہو جاتا ہے۔ دیکھو اذا جاء نصر اللّٰہ والفتح ورأیت النّاس یدخلون فی دین اللّٰہ افواجًا۔[1] اس سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ دین الٰہی یعنی اسلام میں بہت کثرت اور بہتات سے لوگ شامل ہوں گے اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی عین حیات میں ہی ایسا ظہور میں آوے گا۔ بھلا ان لوگوں سے کوئی پوچھے کہ کیا دو چار آدمیوں کا نام ہی افواج ہے اور کیا یہی آنحضرت

[1] النصر : ۲-۳

صلے اللہ علیہ وسلم کی اتنی لمبی محنت اور جانکاہ کوششوں کا نتیجہ تھا۔ افسوس۔ دیکھو فوج ہی کچھ کم نہیں ہوتی یہاں تو اللہ تعالیٰ نے فوج کی بھی جمع کا لفظ بولا ہے اور افواجاً کہا ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی زندگی ہی میں فوجوں کی فوجیں داخل اسلام ہو جاویں گی۔ ان لوگوں کے عقائد کے لحاظ سے تو قرآن شریف ہی کی تکذیب لازم آتی ہے۔ انہوں نے قرآن شریف کو تو محرف مبدل کا الزام دے کر چھوڑ دیا۔ رہے قرآن شریف کے پہنچانے والے جن کی نسبت اللہ تعالیٰ نے رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ[1] فرمایا اور ان کو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے تخت کا وارث بنایا اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے مُنہ سے نکلی ہوئی پیشگوئیوں کی تصدیق کرنے والے اور پُورا کرنے والے بتایا۔ انہی کے ہاتھ سے بڑے بڑے قرآنی وعدے پورے کئے۔ قیصر و کسریٰ کے تخت اور خزانے انہی کے ذریعہ اسلام کا ورثہ بنائے۔ سواُن کو غدار، ظالم، منافق اور غاصب کا لقب دے کر چھوڑ دیا۔ ان کا تو وہ حال ہے جس طرح ایک عورت کو جب اس کے دن حمل کے پورے ہو چکتے ہیں تو دردِ زہ شروع ہوتی ہے جس کی تکلیف سے وہ اور اس کے عزیز و اقارب اور خویش روتے اور دردمند ہوتے ہیں کیونکہ وہ ایک تاریک حالت ہوتی ہے۔ نتیجہ کی کسی کو خبر نہیں ہوتی۔ مگر جب اس کے ہاں لڑکا پیدا ہو جاوے اور وہ چلہ پورا کر کے غسل صحت بھی کر لے اور بچہ بھی اس کا صحیح سالم جیتا جاگتا ہو اس وقت لگے کوئی آدمی رونے تو اس کا رونا کیسا بے محل اور بے موقعہ ہوگا۔

سو یہی حال ہے ان کا، وقت گذر چکا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کامیابی کے ساتھ تختِ خلافت کو مقررہ وقت تک زیب دے کر اپنی اپنی خدمات بجا لا کر بڑی کامیابی اور اللہ تعالیٰ کی رضوان لے کر چل بسے اور جنّات وعیون جو آخرت میں ان کے واسطے مقرر تھے اور وعدے تھے وہ اُن کو عطا ہو گئے۔ اب یہ روتے ہیں اور چلاتے ہیں کہ نعوذ باللہ ایسے تھے اور ایسے تھے۔

محرم میں شہیدانِ کربلا کو یاد کر کر کے رونے سے کیا حاصل؟ اپنے نفس کا غم کرنا چاہیئے

[1] البیّنۃ : ۹

اس کی اصلاح کی فکر کرنی چاہیئے۔ سب سے بڑا فکر انسان کو جو کرنا چاہیئے وہ یہی ہے کہ اپنے نفس کی اصلاح کر لے اور آخرت کے واسطے زاد راہ لے لے۔ دیکھو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو کیا کہا تھا۔ اے فاطمہؓ اپنی جان کو آگ سے بچانے کی فکر کر لے۔ میں تیرے کسی کام نہیں آسکتا۔ جب آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا یہ حال ہے تو پھر اور کسی کا کیا حال۔

(الحکم جلد ۱۲ نمبر ۲۰ صفحہ ۲ - ۳ مورخہ ۲۲ مارچ ۱۹۰۸ء)

---

۲۴ مارچ ۱۹۰۸ء

بوقت سیر

حضرت مولانا مولوی سید محمد احسن صاحب جو کہ کسی کار ضروری کے واسطے حضرت اقدس کی اجازت سے امروہہ تشریف لے گئے ہوئے تھے۔ بخیر و عافیت واپس تشریف لے آئے ہیں۔ انہوں نے حضرت اقدس کی خدمت میں عرض کی کہ حضور کانے دجال[1] نے بڑا دجل کر رکھا ہے اور بعض جاہل اور بے علم لوگ اس کے دھوکے میں آئے ہوئے ہیں کہ اس نے اپنی کتاب میں ۲۵ یا ۲۶ دفعہ چاند یا سورج گرہن رمضان میں ہونے کا ثبوت دیا ہے۔ اس پر فرمایا کہ

ہم نے اس بات سے کبھی انکار نہیں کیا کہ پہلے بھی رمضان میں کبھی کسوف خسوف ہوا ہو بلکہ ہم تو نظام شمسی کے قائل ہیں اور ایمان رکھتے ہیں کہ ممکن ہے کبھی پہلے بھی ایسا واقعہ ہو گیا ہو۔ ہمارا دعویٰ تو صرف یہ ہے کہ جن شرائط اور لوازم کا ذکر حدیث دار قطنی میں درج ہے ایسا آج سے پہلے کبھی واقعہ نہیں ہوا مثلاً اس حدیث میں صاف تاریخ مقرر کی گئی ہے کہ چاند گرہن اپنے گرہن کی مقررہ تاریخوں میں سے اول تاریخ میں اور سورج گرہن اپنے گرہن کی مقررہ تاریخوں میں سے ان کے نصف میں یعنی تیرھویں چاند اور اٹھائیسویں کو سورج گرہن

[1] ڈاکٹر عبد الحکیم مرتد کی طرف اشارہ ہے (مرتب)

ہوگا اور اس وقت پہلے سے ایک مدعی مہدویت کا دعویٰ موجود ہوگا نہ کہ سُورج گرہن اور چاند گرہن کو دیکھ کر دعویٰ کرے گا بلکہ وہ پیشتر ہی سے دعویٰ موجود ہوگا اور اس کی تائید اور نصرت کے واسطے آسمان پر اس طرح سے چاند اور سورج گرہن ہوگا اور علاوہ ازیں اور اور نشانات زمینی و آسمانی اور دلائل و براہین سے اپنے دعویٰ کو مبرہن کرتا ہوگا اور اس کا دعویٰ خوب طرح سے شہرت پاکر دُور دُور اطراف میں مشہور ہو گیا ہوگا۔

پس کیا عبدالحکیم نے ایسا بھی ثبوت دیا ہے کہ وہ پہلے گرہن جو رمضان میں واقع ہوئے تھے ان میں سے کوئی ان شرائط و لوازم اور قید تاریخ سے بھی واقع ہوا تھا؟ اور کیا اس وقت پہلے اس کے کہ وہ اس طرح کا موعودہ کسوف خسوف ظہور میں آوے کوئی مدعی مہدویت اور مسیحیت موجود تھا جس نے اپنے دعویٰ کو عام کتب کے ذریعہ سے شائع بھی کیا ہو اور اس کا دعویٰ دنیا میں شہرت یافتہ ہو اور پھر اس کے ساتھ کوئی آسمانی یا زمینی نشان اور تائیدات بھی موجود ہوں یا قرآن و حدیث سے مبرہن کیا گیا ہو۔ ہمارا مطالبہ تو ان شرائط و لوازم کے ساتھ کسوف خسوف ثابت کرنے کا ہے۔

دیکھو اس واقعہ کا بیان تو انگریزی اخبارات مثل سول ملٹری اور پاؤنیر وغیرہ نے بھی کر دیا تھا کہ اس ہیئت کذائی سے اس سے پہلے کبھی کوئی واقعہ ظہور میں نہیں آیا۔ اس سے بڑھ کر دجل اور بے ایمانی کیا ہوگی کہ سب لوازم کو ترک کر کے صرف ایک بات کو ہاتھ میں لے کر اعتراض کر دینا۔ دکھانا تو یہ چاہیئے تھا کہ ایسا نشان ظاہر ہونے سے پہلے کہ وہ مقررہ تاریخوں میں ظاہر ہوا ہو، کوئی مدعی بھی موجود ہو۔ پھر اُس نے دعویٰ بھی کیا ہو۔ اس دعویٰ کی اشاعت بھی کی ہو اور اس کو آیات و نشانات ارضی و سماوی اور دلائل قاطعہ سے مبرہن بھی کیا ہو۔ یونہی زبان اعتراض ہلا دینے سے کیا ہوتا ہے۔ اس طرح سے تو تمام نبوت کا خاتمہ ہو سکتا ہے۔

مولوی عبداللہ خاں صاحب پٹیالوی نے عرض کیا کہ حضور تمام جماعت پٹیالہ نے بڑا

شکر کیا تھا جس دن یہ شخص جماعت میں سے خارج کیا گیا تھا۔ وہ بارہا مجھ سے یوں مخاطب ہوا کرتا تھا کہ مولوی صاحب جب کونین میں ذاتی خاصیت شفا کی موجود ہے تو کیا ضرورت ہے کہ عبدالحکیم کو ڈاکٹر ماننے ہی سے کونین شفا دے۔ اس طرح سے جب توحید الٰہی پر ایمان لانے کا نتیجہ نجات ہے تو کیا ضرورت ہے کہ ہم محمدؐ کو نبی مانیں بلکہ جس طرح سے کونین بغیر اس کے بھی کہ کسی زید بکر کو ڈاکٹر تسلیم کیا جاوے نفع پہنچاتی ہے اسی طرح توحید بھی اپنے نفع پہنچانے اور نجات دلانے کے لئے کسی کے رسول اور نبی ماننے کی محتاج نہیں۔

فرمایا:۔

ہم نے یہی مناسب سمجھا کہ بجائے اس کے کہ نعوذ باللہ ہم آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی نبوت پر اعتراض سُنیں اور ایمان لانے کی ضرورت نہ سمجھنے کا سوال سُنیں کیوں عبدالحکیم ہی کو جماعت سے خارج نہ کر دیں۔

(الحکم جلد ۱۲ نمبر ۲۲ صفحہ ۳ مورخہ ۲۶ مارچ ۱۹۰۸ء)

---

۲۵ مارچ ۱۹۰۸ء

بوقت سیر

جناب خلیفہ ڈاکٹر رشید الدین صاحب اسسٹنٹ سرجن فرخ آباد کے گذشتہ نوابی حالات کا ذکر کرتے ہوئے ان کی تباہی اور بربادی اور ان کے محلات کے کھنڈرات بتائے جانے کے متعلق ذکر کرتے تھے۔ اس پر حضرت اقدس (علیہ السلام) نے فرمایا کہ

پہلے بادشاہوں کے زمانہ میں یہ قاعدہ ہوتا تھا کہ ان کے درباروں میں کوئی نہ کوئی اہل اللہ بھی موجود ہوا کرتے تھے جن کے صلاح مشوروں سے بادشاہ کام کیا کرتے تھے اور ان کی دعاؤں سے فائدہ اُٹھایا کرتے تھے مگر اب وہ حال نہیں رہا بلکہ ان مسلمانوں کا بھی

بنی اسرائیل دوالاحال ہو گیا۔ ان کو بھی خدا نے بوجہ ان کی بدکاریوں کے چھوڑ دیا تھا اور کوئی نصرت ان کی نہیں ہوتی تھی۔ وہی حال اب بھی ہو رہا ہے۔ اسلام کی نصرت اور مدد کا خدا تعالیٰ نے خود وعدہ کیا ہے مگر کوئی مسلمان بھی ہو مسلمان تو خود ہی مورد قہر و عذاب الٰہی ہو رہے ہیں۔ ان کی نصرت کیسے ہو۔ یہ چند ہندوستانی مسلمانوں کی ریاستیں جو خدا کے قہر کا نشانہ بنیں۔ اگر یہ کچھ بھی نیک طینت ہوتے تو خدا بضرور ان کو محفوظ رکھتا اور ان کی نصرت کرتا یہ عذاب اور تنزل جو ان کو نصیب ہوا یہ ان کی اپنی ہی بدعملیوں کا باعث تھا۔ دیکھو بنی اسرائیل کو خود موسیٰ کے ہوتے ہوئے شکست ہوئی تھی اس کی بھی یہی وجہ تھی کہ ان کی حالت خود جاذب نصرت نہیں تھی بلکہ حضرت موسیٰ نے ان کو کہدیا تھا اسوقت مقابلہ مت کرو۔ موقعہ مناسب نہیں اور نہ ہی وہ وقت آیا ہے کہ تمہاری نصرت ہو

صلاح الدین ایک نیک بخت شخص تھا۔ نمازوں کا بھی پابند تھا۔ چنانچہ خدا تعالیٰ نے بھی اس کی تائید کی اور سخت سے سخت مشکلات اور مخالفوں کے حملوں میں اس کو فتح نصیب کی۔ اصل بات یہ ہے کہ جب کوئی قوم بگڑ جاتی ہے اور خدا کو چھوڑ کر دنیا کی طرف جھک جاتی ہے اور بدکاریوں اور فسق و فجور میں غرق ہو تی ہے تو اللہ تعالےٰ ایک دوسری قوم کو خود اپنے ارادہ سے اس پر مسلط کر دیتا ہے۔

ایک دوست نے خط کے ذریعہ اس امر کا استفسار کیا کہ میری والدہ میری بیوی سے ناراض ہے اور مجھے طلاق کے واسطے حکم دیتی ہے مگر مجھے میری بیوی سے کوئی رنجش نہیں۔ میرے لئے کیا حکم ہے؟

فرمایا کہ

والدہ کا حق بہت بڑا ہے اور اس کی اطاعت فرض۔ مگر پہلے یہ دریافت کرنا چاہیئے کہ آیا اس ناراضگی کی تہہ میں کوئی اور بات تو نہیں ہے جو خدا کے حکم کے بموجب والدہ کی ایسی اطاعت سے بری الذمہ کرتی ہو مثلاً اگر والدہ اس سے کسی دینی وجہ سے ناراض ہو یا نماز روزہ کی پابندی کی وجہ سے ایسا کرتی ہو تو اس کا حکم ماننے اور اطاعت کرنے کی ضرورت نہیں۔ اور اگر کوئی ایسا مشروع امر ممنوع نہیں ہے

جب تو وہ خود واجب الطلاق ہے۔

اصل میں بعض عورتیں محض شرارت کی وجہ سے ساس کو دُکھ دیتی ہیں۔ گالیاں دیتی ہیں۔ ستاتی ہیں۔ بات بات میں اس کو تنگ کرتی ہیں۔ والدہ کی ناراضگی بیٹے کی بیوی پر بے وجہ نہیں ہوا کرتی۔ سب سے زیادہ خواہشمند بیٹے کے گھر کی آبادی کی والدہ ہوتی ہے اور اس معاملہ میں ماں کو خاص دلچسپی ہوتی ہے۔ بڑے شوق سے ہزاروں روپیہ خرچ کرکے غدا لغدا کرکے بیٹے کی شادی کرتی ہے تو بھلا اس سے ایسی امید وہم میں بھی آسکتی ہے کہ وہ بے جا طور سے اپنے بیٹے کی بہو سے لڑے جھگڑے اور خانہ بربادی چاہے۔ ایسے لڑائی جھگڑوں میں عموماً دیکھا گیا ہے کہ والدہ ہی حق بجانب ہوتی ہے۔ ایسے بیٹے کی بھی نادانی اور حماقت ہے کہ وہ کہتا ہے کہ والدہ تو ناراض ہے مگر میں ناراض نہیں ہوں۔ جب اس کی والدہ ناراض ہے تو وہ کیوں ایسی بے ادبی کے الفاظ بولتا ہے کہ میں ناراض نہیں ہوں۔ یہ کوئی سوکنوں کا معاملہ تو ہے نہیں۔ والدہ اور بیوی کے معاملہ میں اگر کوئی دینی وجہ نہیں تو پھر کیوں یہ ایسی بے ادبی کرتا ہے۔ اگر کوئی وجہ اور باعث اَور ہے تو فوراً اُسے دور کرنا چاہیئے۔ خرچ وغیرہ کے معاملہ میں اگر والدہ ناراض ہے اور یہ بیوی کے ہاتھ میں خرچ دیتا ہے تو لازم ہے کہ ماں کے ذریعہ سے خرچ کرادے اور کل انتظام والدہ کے ہاتھ میں دے۔ والدہ کو بیوی کا محتاج اور دست نگر نہ کرے۔ ۲۶-۲-۵۱ھ

بعض عورتیں اوپر سے نرم معلوم ہوتی ہیں مگر اندر ہی اندر وہ بڑی بڑی نیش زنیاں کرتی ہیں۔ پس سبب کو دُور کرنا چاہیئے اور جو وجہ ناراضگی ہے اس کو ہٹا دینا چاہیئے اور والدہ کو خوش کرنا چاہیئے۔ دیکھو شیر اور بھیڑیئے اور اَور درندے بھی تو ہلانے سے ہل جاتے ہیں اور بے ضرر ہو جاتے ہیں۔ دشمن سے بھی دوستی ہو جاتی ہے اگر صلح کی جاوے تو پھر کیا وجہ ہے کہ والدہ کو ناراض رکھا جاوے۔

فرمایا کہ

ایک شخص کی دو بیویاں تھیں۔ بیویوں میں باہم نزاع ہو جانے پر ایک بیوی خود بخود بلااجازت اپنے گھر میکے چلی گئی۔ وہ شخص میرے پاس آیا اور کہنے لگا کہ میں طلاق دے دوں۔ میں نے سوچا کہ یہ معاملات بہت باریک ہوتے ہیں۔ سوکن کو بڑی بڑی تلخیاں اُٹھانی پڑتی ہیں اور بعض اوقات دیکھا گیا ہے کہ بعض عورتیں اپنی مشکلات کی وجہ سے خودکشی کر لیتی ہیں۔ جس طرح سے دیوانہ آدمی مرفوع القلم ہوتا ہے اسی طرح سے یہ بھی ایسے معاملات کی وجہ سے مرفوع القلم اور واجب الرحم ہوتی ہیں کیونکہ سوکن کی مشکلات بھی دیوانگی کی حد تک پہنچا دیتی ہیں۔

اصل بات یہ تھی کہ وہ شخص خود بھی دوسری بیوی کی طرف ذرا زیادہ التفات کرتا تھا اور وہ بیوی بھی اس بیچاری کو کوستی اور تنگ کرتی تھی۔ آخر مجبور ہو کر اور ان کی مشکلات کی برداشت نہ کر کے چلی گئی۔ چنانچہ اس شخص نے خود اقرار کیا کہ واقعی یہی بات تھی اور اپنے ارادے سے باز آیا۔

ایسے قصوروں کو تو خود خدا تعالیٰ بھی معاف کر دیتا ہے۔ چنانچہ قرآن شریف میں ہے لاتحملنا مالاطاقۃ لنابہٖ[1] جو امر فوق الطاقت اور ناقابل برداشت ہو جاوے اس سے خدا بھی درگذر کرتا ہے۔ دیکھو حضرت ہاجرہ کا واقعہ بھی ایسا ہی ہے جو کہ مومنین کی دادی تھی پہلی مرتبہ جب وہ نکالی گئی تو فرشتہ نے اُسے آواز دی اور بڑی تسلی دی اور اس سے اچھا سلوک کیا مگر جب دوسری مرتبہ نکالی گئی تو سوکن نے کہا کہ اس کو ایسی جگہ چھوڑو جہاں نہ دانہ ہو نہ پانی۔ اس کی غرض یہی تھی کہ وہ اس طرح سے ہلاک ہو کر نیست و نابود ہو جائے گی۔ اور حضرت ابراہیم کا ایسا منشاء نہ تھا مگر خدا تعالیٰ نے حضرت ابراہیم کو کہا کہ اچھا جس طرح یہ کہتی ہے اسی طرح کیا جاوے اور سارہ کی بات کو مان لے۔

اصل میں بات یہ تھی کہ خدا تعالیٰ کا منشاء قدرت نمائی کا تھا۔ توریت میں یہ قصہ مفصل لکھا ہے۔ بچہ جب بوجہ شدت پیاس رونے لگا تو بی بی ہاجرہؑ پہاڑ کی طرف پانی کی تلاش میں

[1] بقرۃ : ۲۸۷

ادھر ادھر گھبراہٹ سے دوڑتی بھاگتی پھرتی رہی مگر جب دیکھا کہ اب یہ مرتا ہے تو بچے کو ایک جگہ ڈال کر پہاڑ کی چوٹی پر دعا کرنے لگ گئی کیونکہ اس کی موت کو دیکھ نہ سکتی تھی۔ اسی اثنا میں غیب سے آواز آئی کہ ہاجرہ ! ہاجرہ لڑکے کی خبر لے وہ جیتا ہے۔ آکر دیکھا تو لڑکا جیتا تھا اور پانی کا چشمہ جاری تھا۔ اب وہی کنواں ہے جس کا پانی ساری دنیا میں پہنچتا ہے اور بڑی حفاظت اور تعظیم اور شوق سے پیا جاتا ہے۔

غرض یہ سارا معاملہ بھی سوکنوں کے باہمی حسد و ضد کی وجہ سے تھا۔

انبیاء خدا نما ہوتے ہیں

فرمایا :-

خدا کا نام ظاہر بھی ہے اور باطن بھی۔ وہی ظاہر ہے اور کوئی ظاہر نہیں۔ خدا کا ظہور دنیا میں انبیاء کے ذریعہ سے ہوتا ہے۔ انبیاء کا وجود خدا تعالیٰ کے ظہور کا باعث ہوتا ہے انبیاء کے آنے سے پہلے خدا مخفی ہوتا ہے۔ لوگ خدا کو بھول جاتے ہیں اور زبان حال سے دنیا بول اٹھتی ہے کہ گویا خدا ہے ہی نہیں۔ انبیاء آکر دنیا کو خواب غفلت سے جگاتے ہیں اور ان کے ذریعہ سے خدا اپنے آپ کو ظاہر کرتا ہے اسی واسطے انبیاء خدا نما کہلاتے ہیں۔ وہ خود فنا ہو جاتے ہیں جب خدا کا ظہور ہوتا ہے۔

دیکھو جب تک انسان اپنے نفسانی جذبات اور خودی سے فنا نہ ہو جاوے تب تک خواہ الہام بھی ہو اور کشوف بھی دکھائے جاویں مگر کسی کام کے نہیں ہیں کیونکہ بجز اس کے کہ خدا میں اپنے آپ کو فنا کر دیا جاوے یہ امور عارضی ہوتے ہیں اور دیرپا نہیں ہوتے اور ان کی کچھ بھی قدر و قیمت نہیں ہوتی۔

قبولیتِ دعا کا راز

دعا کی قبولیت کا بھی یہی راز ہے۔ انسان جب تک اپنی خواہشات ، اولادوں اور علموں کو

ترک کر کے خدا میں فنا نہ ہو جاوے اور خدا کی قدرت کاملہ اور قادر مطلق ہونے اور سُننے اور قبول کرنے والا ہونے پر یقین کامل اور پورا وثوق نہ رکھتا ہو تب تک دعا بھی ایک بے حقیقت چیز ہے۔ فلسفیوں کو کیوں قبولیت دعا پر ایمان نہیں ہوتا۔ اس کی یہی وجہ ہے کہ ان کو خدا کی وسیع قدرت اور باریک در باریک سامانوں کے پیدا کر دینے والا ہونے پر ایمان نہیں ہوتا

. . . .

. . . . . . اور وہ خدا کی قدرت کو محدود جانتے ہیں اور اپنے تجارب اور علوم پر بھی بھروسہ کر بیٹھتے ہیں۔ ان کو اپنے تجارب کے مقابلہ میں یہ خیال بھی نہیں ہوتا کہ خدا بھی ہے اور وہ بھی کچھ کر سکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بعض اوقات بعض سخت مہلک امراض میں وہ لوگ یقینی اور قطعی حکم لگا دیتے ہیں کہ یہ شخص بچ نہیں سکتا یا اتنے عرصے میں مرجاویگا یا اس طرز سے مرے گا۔ مگر بیسیوں مثالیں ایسی خود ہماری چشم دید ہیں اور بعض کو ہم جانتے ہیں جن میں باوجود ان کے یقینی اور قطعی حکم لگا دینے کے خدا تعالیٰ نے ان بیماروں کے واسطے ایسے اسباب پیدا کر دیئے کہ وہ آخرکار بچ گئے اور بعض اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ بعض وہ بیمار جن کے حق میں یہ لوگ موت کا قطعی اور اٹل فتویٰ دے چکے تھے زندہ سلامت ہو گئے اور کسی دوسرے موقعہ پر ان کو مل کر شرمندہ کیا اور ان کے علم و دعویٰ کو بھی شرمندہ کیا ہے

حدیث میں آیا ہے ما من داءٍ الّا ولهٗ دواءٌ۔ ایک مشہور ڈاکٹر کا ہمیں قول یاد ہے وہ کہتا ہے کہ کوئی مرض بھی ناقابل علاج نہیں ہے بلکہ یہ ہماری سمجھ اور عقل و علم کا نقص ہے کہ ہمارے علم کی رسائی وہاں تک نہیں ہوتی۔ ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس مرض کے واسطے بعض ایسے ایسے اسباب پیدا کئے ہوں جن سے وہ شخص جس کو ہم ناقابل علاج یقین خیال کرتے ہیں قابل علاج اور صحت یاب ہو کر تندرست ہو جاوے۔ پس قطعی حکم ہرگز نہ لگانا چاہیئے بلکہ اگر رائے ظاہر بھی کرنی ہو تو یوں کہدو کہ ہمیں ایسا شک پڑتا ہے مگر ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ کوئی ایسے سامان پیدا کر دے کہ جن سے یہ روک اُٹھ جاوے اور بیمار

اچھا ہو جاوے۔ دُعا ایک ایسا ہتھیار خدا تعالیٰ نے بنایا ہے کہ اُنہوں نے کام بھی جن کو انسان ناممکن خیال کرتا ہے ہو جاتے ہیں کیونکہ خدا کے لئے کوئی بات بھی اَنہونی نہیں۔[۱]

حاجی الٰہی بخش صاحب گجراتی حضرت کے حضور میں حاضر تھے۔ انہوں نے عرض کی کہ مجھے قبل از بیعت پندرہ سال کی عادت افیون اور حقہ نوشی کی تھی۔ بیعت کے بعد میں شرمندہ ہوا کہ اب تک مجھ میں ایسی عادتیں پائی جاتی ہیں تب میں جنگل میں جا کر خدا تعالیٰ کے آگے رویا اور میں نے دعا کی اور پھر یک دفعہ دونو چیزوں کو چھوڑ دیا۔ نہ مجھے کوئی تکلیف ہوئی اور نہ کوئی بیماری وارد ہوئی۔

فرمایا:-

یہ خدا تعالےٰ کا فضل ہے

قبل از ظہر

فرمایا:-

بہشت کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ عطاء غیر مجذوذ۔[۲] یہ ایک ایسی نعمت ہے جس کا انقطاع نہیں۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو بہشت کے درمیان بھی مومنوں کو کھٹکا رہتا کہ کہیں نکالے نہ جاویں۔ لیکن برخلاف اس کے دوزخ کے متعلق ایسا نہیں۔ بلکہ حدیث سے ثابت ہے کہ ایک وقت ایسا آئے گا کہ سب دوزخ سے نکل چکے ہوں گے خدا تعالیٰ کی رحمت کا تقاضا بھی یہی ہے۔ آخر انسان خدا تعالےٰ کی مخلوق ہے۔ خدا تعالیٰ اس کی کمزوریوں کو دور کر دیگا اور اس کو رفتہ رفتہ دوزخ کے عذاب سے نجات بخشے گا۔

(بدر جلد ۷ نمبر ۱۲ صفحہ ۴ مورخہ ۲ر اپریل ۱۹۰۸ء)

---

[۱] الحکم جلد ۱۲ نمبر ۲۲ صفحہ ۳۔۴ مورخہ ۲۶ر مارچ ۱۹۰۸ء [۲] ھود: ۱۰۹

۲۶؍مارچ ۱۹۰۸ء

بوقت سیر

فرمایا:-

اگر انسان تکبّر چھوڑ دے اور اخلاق اور ملنساری سے پیش آوے تو یہ ایک بھاری معجزہ ہوتا ہے۔ اخلاقی معجزہ ہمیشہ اپنے اندر ایک زبردست تاثیر رکھتا ہے۔ درخت اپنے پھل سے پہچانا جاتا ہے۔ سچی تعلیم اور پاک ایمان کا اثر اخلاق سے ظاہر ہوتا ہے۔

درجہ کمال کے دو ہی حصّے ہیں۔ ایک تعظیم لامراللہ، دوسرے شفقت علیٰ خلق اللہ۔ امر اوّل کا تعلق تو دل سے اور خدا سے ہوتا ہے جس کو یکایک ہر کوئی نہیں جان سکتا۔ دوسرا پہلو چونکہ خلقت سے تعلق رکھتا ہے اور اوّل ہی اوّل انسان کی نظر انسانی اخلاق پر پڑتی ہے اس واسطے اس خُلق کا کمال ایک بڑا بھاری اور شاندار معجزہ ہے۔ دیکھو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں ایسے کئی ایک نمونے پائے جاتے ہیں کہ بعض لوگوں نے محض آپؐ کے اخلاقی کمال کی وجہ سے اسلام قبول کیا۔ چنانچہ ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ ایک مشرک عیسائی مہمان آیا۔ صحابہؓ اس کو اپنا مہمان بنانا چاہتے تھے مگر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نہیں یہ میرا مہمان ہے اس کا کھانا میں لاؤں گا۔ چنانچہ اس مشرک کو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنے ہاں مہمان رکھا اور اس کی بہت خاطر تواضع کی اور عمدہ عمدہ کھانے اس کو کھلائے اور عمدہ مکان اور اچھا بستر اس کو رات بسر کرنے کے واسطے دیا مگر وہ بوجہ کھانا زیادہ کھا جانے کے بدہضمی کی وجہ سے رات بھر اسی کوٹھڑی میں رفع حاجت کرتا رہا۔ مکان اور بستر خراب کر دیا۔ صبح منہ اندھیرے ہی اس شرم کے مارے اُٹھ کر چلا گیا مگر جب آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے تلاش کی اور وہ نہ ملا تو بہت ہی افسوس کیا اور کپڑے جو نجاست سے آلودہ ہو گئے تھے خود اپنے دست مبارک سے صاف کر رہے تھے کہ وہ اتنے میں واپس آگیا کیونکہ وہ اپنی ایک بیش قیمت صلیب بھول گیا تھا۔ اس کو آتے دیکھ کر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم بہت خوش

ہوئے اور اس سے کوئی اظہار رنج نہیں فرمایا بلکہ آپ نے اس کی مدارات اور خاطر کی اور اس کی صلیب نکال کر اس کو دے دی۔ وہ شخص اس واقعہ سے ایسا متاثر ہوا کہ وہیں مسلمان ہو گیا۔

اس کے سوا اور کئی ایسے ایسے واقعات اس قسم کے اعلیٰ درجۂ اخلاق کے موجود ہیں۔ غرض یہ ہے کہ اخلاقی معجزہ صداقت کی ایک بڑی بھاری دلیل ہے۔

تمام اسلامی جنگیں دفاعی تھیں

یہ نہایت درجہ کا ظلم ہے کہ اسلام کو ظالم کہا جاتا ہے حالانکہ ظالم وہ خود ہیں جو تعصب کی وجہ سے بے سوچے سمجھے اسلام پر بے جا اعتراض کرتے ہیں اور باوجود بار بار سمجھانے کے نہیں سمجھتے کہ اسلام کے کل جنگ اور مقابلے کفار مکہ کے ظلم و ستم سے تنگ آکر دفاعی رنگ میں حفاظت جان و مال کی غرض سے کئے تھے اور کوئی بھی حرکت مسلمانوں کی طرف سے ایسی سرزد نہیں ہوئی جس کا ارتکاب اور ابتداء پہلے کفار کی طرف سے نہ ہوئی ہو۔ بلکہ بعض قابل نفریں حرکات کا مقابلہ بتقاضائے وسعت اخلاق آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے خود عمداً ترک کرنے کا حکم دے دیا تھا۔ مثلاً کفار میں ایک سخت قابل نفرت رسم تھی جو کہ وہ مسلمان مُردوں سے کیا کرتے تھے مگر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اس قبیح فعل سے مسلمانوں کو قطعاً روک دیا۔

قرآن شریف میں بڑی بسط اور تفصیل سے اس امر کا ذکر موجود ہے مگر کوئی غور کرنے والا اور بے تعصب دل سچائی اور حق کی پیاس بھی اپنے اندر رکھتا ہو۔ قرآن شریف میں صاف طور سے اس امر کا ذکر آگیا ہے وَھُمْ بَدَءُوْکُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ[1] یعنی ہر ایک شرارت اور فساد کی ابتداء پہلے کفار کی طرف سے ہوئی ہے بلکہ قرآن شریف نے تو اس امر کی بڑی وضاحت کر دی ہے کہ جنہوں نے مقابلہ کیا ان کا مقابلہ تلوار سے کیا جاوے اور جو لوگ الگ رہتے ہیں اور انہوں نے ایسی جنگوں میں کوئی حصہ نہیں لیا ان سے تم بھی جنگ مت کرو بلکہ اُن سے بیشک احسان کرو اور ان کے معاملات میں عدل کرو۔ چنانچہ فرماتا ہے لَا یَنْھٰکُمُ اللّٰہُ عَنِ

[1] توبہ : ۱۳

الَّذِيْنَ لَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ وَلَمْ يُخْرِجُوْكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ اَنْ تَبَرُّوْهُمْ وَتُقْسِطُوْا اِلَيْهِمْ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ۔ [1]

اب جائے غور ہے کہ قرآن شریف نے جن اضطراری حالتوں میں جنگ کرنے کی اجازت دی ہے اُن میں سے آج اس زمانہ میں کوئی بھی حالت موجود ہے؟ ظاہر ہے کہ کوئی جبر و تشدد کسی دینی معاملہ میں ہم پر نہیں کیا جاتا بلکہ ہر ایک کو پوری مذہبی آزادی دی گئی ہے۔ اب نہ کوئی جنگ کرتا ہے کسی دینی غرض کے لئے اور نہ ہی لونڈی غلام کوئی بناتا ہے، نہ کوئی نماز روزے اذان حج اور ارکان اسلام کی ادائیگی سے روکتا ہے تو پھر جہاد کیسا اور لونڈی غلام کیسے؟

مسئلہ مساوات

فرمایا کہ

آریہ لوگ اپنی ضد اور ہٹ دھرمی سے ایک یہ بھی اسلام پر اعتراض کیا کرتے ہیں کہ اسلام نے مرد اور عورت میں مساوات نہیں رکھی۔ مردوں کو ترجیح دی ہے۔

فرمایا

تعصب اور حق کی مخالفت نے ان کو اندھا کر دیا ہے۔ ایسا کہتے ان کو شرم نہیں آتی۔ پہلے اپنے گریبان میں تو مُنہ ڈال کر دیکھیں اور پھر انصاف کریں۔ غور کا مقام ہے کہ ان میں سے اگر کسی آریہ کے ہاں چالیس لڑکیاں بھی ہو جاویں تب بھی ان کے مذہب کی رُو سے اپنی بیوی کو کسی دوسرے سے مُنہ کالا کرانے کے واسطے بھیجنا پڑے گا تاکہ وہ اپنی نجات کے واسطے لڑکا حاصل کرے کیونکہ ویدوں کی تعلیم کے مطابق جس کے ہاں لڑکا نہیں اُس کی مکتی نہیں۔

اب ذرا انصاف تو کریں کہ مساوات کس جانور کا نام ہے۔ چالیس پچاس لاتعداد لڑکیاں بھی ایک لڑکے کی برابری نہیں کر سکتیں اور لڑکیاں بلحاظ کثرت کے خواہ کتنی بھی ہوں اپنی

[1] : الممتحنة : ۹

ماں کو اس قابلِ نفرت اور خلافِ فطرت قبیح فعل سے بچا نہیں سکتیں جب تک لڑکا پیدا نہ ہو اسے نیوگ کرانا ہی پڑے گا۔ اب بتاؤ کہ کیا تم نے مرد و عورت میں مساوات رکھی ہے؟

اسلام کامل اور حکیمانہ تعلیم رکھتا ہے

اسلام جو کہ بڑا پاک اور بالکل فطرتِ انسانی کے مطابق واقع ہوا ہے اور بڑی کامل اور حکیمانہ تعلیم اپنے اندر رکھتا ہے اس نے عورتوں کے نکاح میں جس طرح ولی کا ہونا ضروری قرار دیا ہے اسی طرح ان کی طلاق میں بھی ایک ولی کا ہونا ضروری رکھا ہے مثلاً جس طرح عورت اپنے نکاح کے واسطے اپنے ولی کی محتاج ہے اسی طرح طلاق کے واسطے بھی ولی کی محتاج ہے۔ اگر کسی عورت کا کسی خاص شخص سے گذارہ اور نباہ نہیں ہو سکتا تو اس کو اجازت ہے کہ قاضی یا حاکمِ وقت کی معرفت خلع کرائے۔ وہی قاضی یا حاکمِ وقت اس کا ولی طلاق ہوگا۔ کوئی روک ٹوک نہیں۔

ورثہ میں عورت کا حق

باقی رہا ورثہ کے متعلق سو قرآن شریف نے مرد سے عورت کا حصہ نصف رکھا ہے اس میں بھید یہ ہے کہ نصف اس کو والدین کے ترکہ میں سے مل جاتا ہے اور باقی نصف وہ اپنے سسرال میں سے لیتی ہے اور پھر اس کے نان و نفقہ، لباس و پوشاک کا ذمہ دار بھی اس کا خاوند ہوتا ہے۔ اس طرح پر ایک طرح سے عورت مرد سے بھی بڑھ جاتی ہے۔ ان معترضوں کو شرم اور حیا سے کام لینا چاہیئے۔ پہلے اپنے گریبان میں تو منہ ڈال کر جھانک لیا کریں، پھر زبانِ اعتراض کھولا کریں۔

فرمایا:-

ایک حدیث میں آیا ہے کہ ظالم کو ظالم مت کہو بلکہ خود اپنے آپ کو کوسو۔ بادشاہ یا حاکم کو مت کوسو۔ اگر تم اپنی حالت کو سنوار لو تو حاکم بھی نرم اور رحمدل ہو جاویں گے۔ اگر کسی کا حاکم

ظالم اور جابر ہے تو وہ جان لے کہ اس کے اعمال ہی اس لائق ہیں۔ قرآن شریف نے کیا پاک اصول قائم کیا ہے اِنَّ اللّٰہَ لَا یُغَیِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰی یُغَیِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِہِمْ۔[1] جب انسان پر خدا تعالیٰ کی طرف سے ہی فردِ جرم لگ جاوے تو کون ہے جو اس کی رعایت کرے اور بچا سکے۔ حکام خدا کے قہر اور رحم کا نمونہ ہوتے ہیں۔ اگر خدا خوش ہو تو حکام کے دل میں خود بخود رحم پیدا ہو جاتا ہے اور اگر خدا ہی ناراض ہے تو پھر انسان خود واجب سزا ہے کسی کے کیا بس کی بات۔

پس اگر تم اس دنیا میں آرام کی زندگی بسر کرنا چاہتے ہو تو خدا کی طرف جُھک جاؤ اور اپنی اصلاح کر لو اور پورے طور سے خدا کے ہو جاؤ۔ من کان للّٰہ کان اللّٰہ لہٗ۔ پنجابی کی مشہور مثل ہے کہ جے توں میرا ہو رہیں سب جگ تیرا ہو۔ اصل بات یہی ہے کہ خدا خوش ہو تو سب خوش ہو جاتے ہیں۔ خدا کا راضی کرنا مقدم ہے۔ نادر شاہ کے حملہ کے وقت دلّی کے بعض عقلمندوں نے کیا خوب کہا ہے۔ ؎

شومئے اعمال ما صورتِ نادر گرفت

(الحکم جلد ۱۲ نمبر ۲۲ صفحہ ۷۔۸ مورخہ ۲۶؍ مارچ ۱۹۰۸ء)

۲۹؍ مارچ ۱۹۰۸ء

قبل از ظہر

ایک معزز صاحب جو حضرت حکیم الامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دوستوں میں سے ہیں اور رامپور میں قیام رکھتے ہیں۔ رامپور سے کانگڑہ تشریف لیجا رہے تھے حضرت حکیم الامت کی ملاقات کے واسطے قادیان بھی تشریف لائے۔ حضرت اقدس سے ملاقات ہوئی۔ اور انہوں نے ذکر کیا کہ گرما کی شدت کی مَیں برداشت نہیں کر سکتا اور تمام گرما اپریل سے نومبر تک کانگڑہ میں جہاں میرے چائے کے باغ ہیں بسر کرتا ہوں اور آج ہی واپس

[1] الرعد: ۱۲

جانے کا ارادہ ہے کیونکہ میں گرمی کی برداشت نہیں کر سکتا۔

حضرت اقدس علیہ السلام نے فرمایا کہ

موسم تو کوئی بھی اللہ تعالیٰ نے بے فائدہ نہیں بنایا۔ آپ نے جہاں جسمانی تپش سے بچنے کا فکر کیا ہے اور آرام و آسائش کی راہیں سوچی ہیں وہاں چند روز یہاں رہ کر روحانی تپش کی اصلاح کے واسطے بھی غور کریں

قبل عصر ایک شخص نے اپنی کچھ حاجات تحریری طور سے پیش کیں۔ حضرت اقدس نے پڑھ کر فرمایا کہ

اچھا ہم دُعا کریں گے

تو وہ شخص کسی قدر متحیر ہو کر پوچھنے لگا۔ آپ نے میری عرضداشت کا جواب نہیں دیا۔ حضرت اقدس نے فرمایا کہ

ہم نے تو کہا ہے کہ دُعا کریں گے

اس پر وہ شخص بولا کہ حضور کوئی تعویذ نہیں کیا کرتے؟ فرمایا:۔

تعویذ گنڈے کرنا ہمارا کام نہیں۔ ہمارا کام تو صرف اللہ تعالیٰ کے حضور دعا کرنا ہے۔

(الحکم جلد ۱۲ نمبر ۲۵ صفحہ ۱ مورخہ ۱۰ اپریل ۱۹۰۸ء)

---

۲۰ مارچ ۱۹۰۸ء
قبل از عصر

ملک مولا بخش صاحب کا ایک خط حضرت اقدس علیہ السلام کی خدمت میں بدیں مضمون آیا تھا کہ لائف انشورنس کی کسی کمپنی میں وہ حضرت اقدس کے سلسلہ بیعت میں داخل ہونے سے کئی سال پیشتر سے ممبر ہیں اور کہ وہ قریب چھ سو روپیہ کے اس

کمپنی کو دے چکے ہیں۔ وہ خط حضرت مفتی محمد صادق صاحب نے حضرت اقدس کی خدمت میں پیش کر کے اس کے متعلق استفسار کیا۔ ملک صاحب موصوف نے اپنے خط میں یہ بھی لکھا کہ چونکہ میں نے حضور کے ہاتھ پر دین کو دُنیا پر مقدم کرنے کا عہد کر لیا ہے۔ اس واسطے اگر اب یہ سلسلہ دین کے کسی رنگ میں بھی مخالف ہو تو میں خوشی سے اس سے دست بردار ہونا چاہتا ہوں۔

حضرت اقدس نے فرمایا کہ

ہم تو اس کے جواز کی کوئی راہ نہیں پاتے۔ جو نقصان ہو چکا ہے وہ خدا کی راہ میں نقصان سمجھ کر آئندہ گناہ سے توبہ کر لینی چاہیئے۔ اللہ تعالٰے اجر دینے والا ہے۔ اصل میں یہ بھی ایک قمار بازی ہے۔

(الحکم جلد ۱۲ نمبر ۲۵ صفحہ ۱ مورخہ ۱۴ اپریل ۱۹۰۸ء)

---

۳۱ مارچ ۱۹۰۸ء

قبل نماز ظہر

پیر عبداللہ شاہ صاحب ساکن پنڈ مصاحب خاں ضلع اٹک جو کہ پیر مہر علی شاہ صاحب گولڑوی کے ایک معزز خلیفہ ہیں اور ان کو پیر صاحب موصوف کی طرف سے بیعت لینے کی بھی اجازت ہے دو تین دن سے قادیان میں تشریف رکھتے تھے۔ انہوں نے آج حضرت اقدس کی خدمت میں نہایت ادب اور حق جوئی اور اطمینان قلب کی خاطر یوں عرض کی کہ "خدا کے بندوں کے ساتھ خدا کے نشان ہوتے ہیں اور آپ کو بھی اللہ تعالیٰ نے اس زمانہ میں مامور و مرسل بنا کر دُنیا میں بھیجا ہے اور آپ کے ہزاروں نشان ظاہر ہو چکے ہیں۔ مگر چونکہ میں ایک بہت دُور دراز ملک کا رہنے والا ہوں اور ہم نے آپ کے ان نشانات سے کوئی حصہ نہیں لیا جس طرح آپ کی موجودہ

جماعت کے لوگوں نے آپ کے نشانات کو دیکھا ہے۔ لہذا میری عرض یہ ہے کہ کوئی نشان دکھایا جاوے جو کہ اطمینان قلب اور ترقی ایمان کا باعث ہو"

فرمایا:۔

اصل بات یہ ہے کہ بموجب تعلیم قرآن شریف ہمیں یہ امر یوں معلوم ہوتا ہے کہ ایک طرف تو اللہ تعالیٰ قرآن شریف میں اپنے کرم، رحم، لطف اور مہربانیوں کی صفات بیان کرتا ہے اور رحمان ہونا ظاہر کرتا ہے اور دوسری طرف فرماتا ہے کہ ان لیس للانسان الاّ ما سعٰی[1] اور والذین جاھدوا فینا لنھدینّھم سبلنا[2] فرما کر اپنے فیض کو سعی اور مجاہدہ میں منحصر فرماتا ہے نیز اس میں صحابہ رضی اللہ عنہم کا طرز عمل ہمارے واسطے ایک اسوہ حسنہ اور عمدہ نمونہ ہے۔ صحابہ کی زندگی میں غور کر کے دیکھو۔ بھلا انہوں نے محض معمولی نمازوں سے ہی وہ مدارج حاصل کر لئے تھے؟ نہیں۔ بلکہ انہوں نے تو خدا تعالیٰ کی رضا کے حصول کے واسطے اپنی جانوں تک کی پروا نہیں کی اور بھیڑ بکریوں کی طرح خدا تعالیٰ کی راہ میں قربان ہو گئے جب جا کر کہیں ان کو یہ رتبہ حاصل ہوا تھا۔ اکثر لوگ ہم نے ایسے دیکھے ہیں۔ وہ یہی چاہتے ہیں کہ ایک پھونک مار کر ان کو وہ درجات دلا دیئے جاویں اور عرش تک ان کی رسائی ہو جاوے۔

ہمارے رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم سے بڑھ کر کون ہوگا وہ افضل البشر افضل الرسل والانبیاء تھے جب انہوں نے ہی پھونک سے وہ کام نہیں کئے تو اور کون ہے جو ایسا کر سکے۔ دیکھو آپ نے غار حرا میں کیسے کیسے ریاضات کئے۔ خدا جانے کتنی مدت تک تضرعات اور گریہ وزاری کیا کئے۔ تزکیہ کے لئے کیسی کیسی جانفشانیاں اور سخت سے سخت محنتیں کیا کئے جب جا کر کہیں خدا تعالیٰ کی طرف سے فیضان نازل ہوا۔

اصل بات یہی ہے کہ انسان خدا کی راہ میں جب تک اپنے اوپر ایک موت اور حالت فناوارد نہ کر لے تب تک ادھر سے کوئی پروا نہیں کی جاتی۔ البتہ جب خدا دیکھتا ہے کہ انسان نے

[1] النجم: ۴۰ [2] العنکبوت: ۷۰

اپنی طرف سے کمال کوشش کی ہے اور میرے پانے کے واسطے اپنے اُوپر موت وارد کرلی ہے تو پھر وہ انسان پر خود ظاہر ہوتا ہے اور اس کو نوازتا اور قدرت نمائی سے بلند کرتا ہے۔ دیکھو قرآن شریف میں ہے۔ وفضّل اللّٰہ المجاھدین علی القاعدین اجراً عظیماً۔ قاعدین یعنی سُست اور معمولی حیثیت کے لوگ اور خدا کی راہ میں کوشش اور سعی کرنے والے ایک برابر نہیں ہوتے۔ یہ تجربہ کی بات ہے اور سالہائے دراز سے ایسا ہی دیکھنے میں آرہا ہے۔

انسان دنیا میں دو قسم کے ہوتے ہیں ایک تو وہ جن کو بد قسمتی سے یہ سکھایا جاتا ہے کہ بعض اولیاء اور اقطاب دنیا میں ایسے بھی موجود ہیں کہ جن کی ایک توجہ سے انسان ولایت کے درجہ تک پہنچ سکتا ہے اور عرش تک کی اُسے خبر ہو جاتی ہے۔ دوسرے وہ لوگ ہیں جو قرآن شریف میں تدبّر کرتے ہیں اور خدا کی راہ میں اس کے پانے کے واسطے صدق و اخلاص سے کوشش اور ورزش کرتے ہیں اور یہی ہیں کہ آخر جن کی پُرسوز اور درد مندانہ محنتیں اور کوششیں ضائع نہیں کی جاتیں اور آخر یہ لوگ جو صبر سے خدا تعالیٰ کے دروازے پر مانگتے ہیں اور اخلاص اور صدق سے کھٹکھٹاتے ہیں ان کے واسطے کھولا جاتا ہے اور آخر وہ اپنے صدق و اخلاص اور سچی تڑپ اور حقیقی اضطراب کی وجہ سے خدائی فیوض کے خزانوں کے مالک اور وارث بنائے جاتے ہیں۔

دیکھو خدا بڑا بے نیاز ہے۔ اس کو اس بات کی کیا پروا ہے کہ کوئی جہنم میں جاوے یا کہ بہشت میں جاوے۔ کسی کے دوزخ میں جانے سے خدا کا کچھ بگڑتا نہیں اور کسی کے بہشت میں جانے سے سنورتا نہیں۔ خدا کا اس میں ذاتی نفع یا نقصان کچھ بھی نہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اَحسب النّاس ان یترکوا ان یقولوا اٰمنّا وھم لا یفتنون[۱]۔ یعنی کیا بس اتنی بات سے کہ لوگ زبان سے اتنا کہہ دیں کہ ہم ایمان لائے خدا راضی ہو جاتا ہے اور حال یہ کہ ابھی ان کے اس قول کا امتحان نہیں کیا گیا کہ آیا وہ

۱؎ العنکبوت: ۳

حقیقتاً مومن ہیں بھی یا کہ نہیں اور ان کے اس قول کا صدق و کذب ظاہر نہیں ہوا۔ پس سچی اور پکی بات یہی ہے کہ انسان اوّل صدق، اخلاص اور گدازش اختیار کر کے اپنے اُوپر ہزاروں موتیں وارد کرے جب جا کر اللہ تعالیٰ رحم کرتا ہے اور اس کی طرف جھانکتا ہے۔ جنتر منتر سے ولی بن جانے والے خیالات کے لوگ اور صرف ایک چھوہ سے آسمانی خزانوں کے مالک بن جانے کے خیالات رکھنے والے ہمیشہ محروم رہتے ہیں۔

ایک دفعہ ایک آدمی ہمارے پاس آیا اور کہا کہ میں تو ایسے کامل انسان کی تلاش میں ہوں جو دم بھر میں ایک توجہ سے ولی بنا دیوے۔ ہم نے بہتیرا سمجھایا مگر جب وہ باز نہ آیا تو ہم نے کہا کہ اچھا جاؤ تلاش کرو۔ اگر کہیں ایسا کوئی قطب غوث مل جاوے۔ آخر ایک مدت دراز کے بعد وہ ہمیں پھر مل گیا۔ بُرے حال مَندے دہاڑے۔ ہم نے پوچھا کہ کیوں، تم کو ایسا پھُونک مارنے والا آدمی ملا بھی جیسے تم تلاش کرتے تھے؟ وہ چُپکا ہی رہ گیا اور کچھ جواب نہ دے سکا۔

ہمارے عقیدہ کے موافق تو یہ بات ہے کہ نہ اللہ تعالیٰ نے اور نہ ہی اس کے رسُول نے کسی نے بھی یہ راہ نہیں سکھائی۔ دیکھو صحابہؓ نے کس قدر کوششیں کی ہیں جس کی قسمت میں ہی ایسا ہو کہ اس کی عُمر ضائع ہو وہ کتاب اللہ سے فائدہ نہیں اُٹھا سکتا۔ قرآن شریف پڑھ کر دیکھ لو اس میں کہیں بھی ایسا نہیں ملے گا کہ خدا تعالےٰ اس شخص پر بھی راضی ہوتا ہے جو اس کی رضامندی کی راہوں سے غافل اور لاپرواہی کرنے والا ہو۔ خدا تعالیٰ نے اپنی رضامندی کی جو راہیں مقرر کر دی ہیں۔ انہیں کے اختیار کرنے سے وہ راضی ہوتا ہے۔ صاف طور سے اُس نے یہ دُعا سکھا دی ہے کہ اھدنا الصراط المستقیم[1] دیکھو انسان انسان سے خوش ہو کر اس کو انعامات عطا کرتا ہے تو کیا خدا اپنی رضامندی کی راہوں پر چلنے والوں اور اس کی تلاش کرنے والوں سے محبت نہیں کرے گا مگر استعداد بھی ہو اس کے فیوض کے لینے کی۔ ایک گندہ پھوڑا جس میں پیپ اور گندے مواد بھرے

[1] الفاتحہ ۶

ہوں۔ اس پر کیسے رحم کیا جاوے۔ دیکھو صحابہؓ نے حق فرماں برداری اور رضا جوئی ادا کیا تھا اور وہ ایک عمدہ نمونہ اور اعلیٰ مثال ہیں۔ اس ثبوت کے واسطے انہوں نے کس طرح اپنی جانیں قربان کر دیں، اطاعت کی، خون کی ندیاں بہا دیں تو وہ بھی ان کی اس حالت پر کیسا راضی ہو گیا۔

جتنے بھی بزرگ اور اولیاء گذرے ہیں وہ سب مجاہدات اور ریاضات میں اپنے اوقات گذارتے تھے۔ دیکھو بابا فرید صاحب اور جتنے بھی اولیاء اور ابدال گذرے ہیں یہ سب گروہ ایک وقت تک خاص ریاضات اور مجاہدات شاقہ کرنے کی وجہ سے ان مدارج پر پہنچے ہیں اور ان لوگوں نے بڑی سختی سے اور پورے طور سے اتباع سنت کی ہے جب جا کر ان کی مشیخیت، ننگ و ناموس اور خواہ نخواہ کی کبریائی نکلی اور وہ گویا کہ سوئی کے ناکے میں سے ہو کر نکلے ہیں جس سے ہمیشہ ایسے لوگ نکلا کرتے ہیں جب جا کر کہیں ان لوگوں کو یہ حالتیں نصیب ہوئی ہیں۔ دعائیں بھی انہی لوگوں کی قبول ہوتی ہیں۔ ورنہ دیکھو جس طرح سے ایک حکیم کی دوائی بجز پرہیز کرنے کے مؤثر نہیں ہوتی اسی طرح سے دُعا کی قبولیت کا بھی یہی راز ہے۔ دُعا کچھ اثر نہیں کر سکتی جب تک انسان پُورا اور کامل پرہیزگار نہ ہو۔

لوگوں نے بعض اولیاء کی نسبت بعض جھوٹے قصّے کہانیاں بنا رکھی ہیں وہ بھی مخلوق کی راہ میں بڑا بھاری پتھر اور روک ہو جاتے ہیں اور بہتوں کی ٹھوکر کا باعث ہو جاتے ہیں۔ دیکھو حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے متعلق بھی ایک قصہ ایسا گھڑ رکھا ہے کہ ایک چور ان کے سامنے آیا اور انہوں نے گویا ایک ہی پھُونک سے اس کو ولی اور قطب بنا دیا تھا۔ یاد رکھو کہ کوئی بھی بجز اپنے اُوپر ایک موت وارد کرنے اور پُوری اتباع سُنّت کے کسی خاص اور اعلیٰ مقام پر نہیں پہنچا۔ ہاں البتہ یہ بھی صحیح ہے کہ استعداد کے سوا کچھ نہیں ہو سکتا بعض طبیعتیں اور استعدادیں ہی اس قسم کی اللہ تعالیٰ نے بنائی ہوتی ہیں اور ان میں ایسا مادہ رکھا ہوتا ہے کہ نخوت، تکبر، عجب، پندار وغیرہ رذیل اخلاق ان سے خود بخود آسانی سے نکل جاتے ہیں اور ایک فانی اور لاشئے بن جاتے ہیں اور جس طرح سے ایک دانہ زمین میں رل کر پہلے خاک ہو جاتا

ہے تو پھر خدا اس کو قدرت سے بڑھاتا ہے۔ اسی طرح سے وہ لوگ بھی اول اپنا سب کچھ اللہ کی راہ میں کھو دیتے ہیں۔ تب خدا ان کو پھر زندہ کرتا ہے اور بڑھاتا اور پھیلاتا ہے اور ان کی قبولیت دنیا کے دلوں میں بڑھا دیتا ہے۔ پس اس طرح سے جو انسان کل مشکلات کو جو اس پر اللہ تعالےٰ کی طرف سے اس کے امتحان کے واسطے وقتاً فوقتاً وارد ہوں۔ اُن کی برداشت کرلیتا ہے اور اپنی طرف سے کوئی خاص حدود اور شرائط نہیں مقرر کرتا بلکہ خدا پر چھوڑ دیتا ہے تو خدا اس کو اپنے فضل سے وہ کچھ دکھا دیتا ہے جس سے اس کا ایمان قوی اور مضبوط ہو جاتا ہے اور سلیم قلب حاصل ہو جاتا ہے مگر جو لوگ ضد کرتے ہیں اور خدا کو اپنے ارادوں کے ماتحت چلانے کی خواہش کرتے ہیں وہ لوگ محروم رہ جاتے ہیں اور پھر خدا ایسے لوگوں کی پرواہی کیا رکھتا ہے۔ وہ بے نیاز ہے۔ اس کے کروڑوں بندے ہیں۔ اگر نہیں مانتا تو نہ سہی وہ بھی جہنمی گروہ میں داخل کر دیا جاتا ہے۔ خدا تعالیٰ نشان دکھانے میں بندے کی خواہش اور ارادے کے ماتحت نہیں ہوتا۔ فیضان بھی استعداد پر ہوا کرتے ہیں۔ جس طرح سے اگر ایک کھایا ہوا دانہ زمین میں باقاعدہ طور سے کاشت کیا جائے تو نہیں اُگتا اور بار ور نہیں ہوتا اسی طرح سے بدبخت لوگ جن پر فردِ جُرم شقاوت کا لگ چکا ہے خدا تعالےٰ کے انعامات اور نشانات کے وارث نہیں ہو سکتے۔ بھلا نبی سے بڑھ کر اور کون ہوگا۔ سارا قرآن شریف تدبّر سے پڑھ کر دیکھ لو کہ اللہ تعالیٰ نے فیض کے حصول کے جو سامان مقرر فرمائے ہیں۔ انہی کی پیروی سے وہ فیضان ملے گا اور ان کی خلاف ورزی کرنے سے ہرگز ہرگز ممکن نہیں کہ کوئی خدا کے فیض کا وارث ہو سکے۔ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے فَمِنْهُمْ شَقِیٌّ وَّ سَعِیْدٌ۔[1] یعنی انسان بلحاظ اپنی استعدادوں کے دو طرح کے ہیں۔ ایک تو وہ گروہ جس کو ایسے سامانوں کے جمع کرنے اور ایسے اعمال بجالانے کی توفیق ہوتی ہے جو فیوض و برکات الٰہی کے انوار کے جاذب ہوتے ہیں اور وہ سعید کے نام سے پکارے جاتے ہیں۔ دوسرے وہ جن کے اعمال بد اور خبث باطن ان کی ترقیوں کے آگے روک ہو کر ان کو اعمال صالحہ اور خدائی

[1] ھود : ۱۰۶

فیوض و برکات سے دُور و مہجور کر دیتے ہیں۔ اب بھی دیکھ لو کہ خوب زور سے تائیدات سماوی اور نشانات کی ایک بارش ہو رہی ہے اور ایک سیلاب کی طرح ترقی ہو رہی ہے۔ مگر اس میں بھی وہی داخل ہو سکتے ہیں جن کی روحوں میں سعادت کا حصہ ہے۔ شقی اور بدبخت لوگ باوجود ہزارہا نشانات کے دیکھنے کے ان میں بھی وساوس شیطانی کو داخل کر کے سعادت اور قبول حق سے محروم رہ جاتے ہیں اور خدا کا بھی یہی منشاء ہے کہ بعض سعادت کی وجہ سے سعید اور بعض شقاوت کی وجہ سے شقی ہو کر یہ اختلاف قیامت تک برابر قائم رہے۔ پس جن کو خدا تعالیٰ کا منشاء ہی ہماری جماعت سے باہر رکھنے کا ہو اس کو ہم کیسے ہدایت دے سکتے ہیں۔

دیکھو کسی خاص شخص کی پرواہ نہ خدا کو ہوا کرتی ہے اور نہ ہی اس کے رسول کسی خاص شخص کی ہدایت کے لئے زور دیا کرتے ہیں بلکہ ان کی دُعائیں اور اضطراب عام خلق خدا کے واسطے ہوتے ہیں۔ دیکھو رسُول اکرم سے بھی معجزات مانگے گئے تھے مگر اللہ تعالیٰ نے کیا جواب دیا وقالوا لولا انزل علیہ اٰیٰت من ربہ قل انما الاٰیات عند اللہ[1]۔ اللہ تعالیٰ نے اقتراح کو منع کیا ہے اور تجربہ بتاتا ہے کہ اقتراح کرنے والے لوگ ہمیشہ ہدایت سے محروم ہی رہتے ہیں کیونکہ خدا تعالیٰ نہ ان کی مرضی اور خواہشات کا تابع ہوتا ہے اور نہ وہ ہدایت پاتے ہیں۔ دیکھو جب نشانات اور معجزات اقتراحی رنگ میں طلب کئے گئے جب ہی یہی جواب ملا قل سبحان ربی ھل کنت الا بشرا رسولا[2]۔ خدا تعالیٰ کے اب بھی ہزاروں نشانات ہیں جو گننے سے گنے نہیں جا سکتے اور ہماری کتابوں میں تفصیل سے درج ہیں۔ ان کو دیکھا جاوے کیا وہ قابل قبول اور خدائی شان و شوکت کا رعب اپنے اندر رکھتے ہیں یا کہ کسی انسان کی طاقت میں ان کا امکان ہے۔ پھر جو نشانات خدا تعالیٰ نے خود اپنی مرضی سے اور خوشی سے دیئے ہیں۔ ان سے تسلّی تشفی نہ پا کر اپنی تسلّی تشفی کے واسطے خاص نشانات طلب کرنا نہ تو قرآن کریم میں ثابت ہے اور نہ کسی پہلے نبی کی زندگی میں ملتا ہے

[1] العنکبوت : ۵۱ [2] بنی اسرائیل : ۹۴

پس ہم سے کیوں منہاج نبوت سے باہر سوال کیا جاتا ہے ایسا ہرگز جائز نہیں۔ پہلے سوال کرنے والوں اور معجزات مانگنے والوں کو دیکھ لو اُن سے کیا معاملہ ہوا۔ وہی اب موجود ہے ہم نے خدائی کا دعویٰ تو نہیں کیا۔ نشان خدا تعالیٰ کے ہاتھ میں ہیں۔ جب اور جس قسم کے وہ چاہے اپنی مرضی سے ظاہر کرے۔ وہ کسی زید بکر کی خواہشات کا پابند اور ماتحت نہیں ہے۔ اور میں نہیں سمجھ سکتا کہ ایسا انسان کبھی کامیاب بھی ہوا ہو۔ وہی قرآن شریف موجود ہے اس میں دیکھ لیا جاوے۔ خدا تعالےٰ کبھی مجبور نہیں ہوا۔ اور نہ وہ مجبور ہو کر ایسا کیا کرتا ہے بلکہ جب وہ چاہتا ہے اپنی مرضی سے مانگنے والوں کی خواہشات سے ہزار درجہ بڑھ چڑھکر بھی نشان دکھا سکتا ہے اور دکھاتا ہے۔ اس کو کسی خاص انسان کی پروا نہیں ہوا کرتی کہ یہی شخص ہدایت پاوے گا تو یہ کارخانہ چلے گا۔

آپ بھی مسلمان ہیں بھلا آپ نے بھی کہیں قرآن شریف میں اس قسم کا مضمون پایا ہے کہ کبھی کسی نے اقتراحی رنگ میں معجزہ مانگا ہو اور پھر اس نے پا بھی لیا ہو۔ ہرگز ایسا ثابت نہ ہوگا کہ کسی نے اس طرح مانگا اور پھر پالیا ہو۔ پس اگر ایسا ثابت نہیں ہوتا تو یہ ایک قسم کی جرأت اور بے ادبی ہے۔ اس سے مسلمان کو بچنا چاہیئے۔ پس جس طرح سے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے نشان مانگنے والوں کو کہا اور جواب دیا تھا۔ ہم بھی اسی طرح کہتے ہیں کہ نشان خدا کے پاس ہیں وہ جس طرح کے چاہے اور جس وقت چاہے دکھا سکتا ہے۔ نشان دکھانا ہمارا کام نہیں۔ خدا تعالیٰ کے دکھائے ہوئے نشانات ہزاروں موجود ہیں۔ ہاں البتہ ان میں یہ بات ضرور ہے کہ وہ کسی کے خاص کر کے مانگے ہوئے نہیں ہیں بلکہ وہ ہیں جو خدا تعالیٰ نے خود اپنے ارادے اور خوشی سے دکھائے۔

میں تو ایسے شخص کے اسلام میں ہی شک کرتا ہوں جو مسلمان کہلا کر قرآن شریف اور سنت رسولؐ سے باہر کوئی سوال کرتا ہے۔ اگر سعادت و رشد کا انسان میں کچھ بھی حصہ ہو اور حق طلبی کی پیاس اور سچی تڑپ موجود ہو تو کیوں خدائی نشانات میں غور نہیں کی جاتی اور اُن

کو کیوں قبول نہیں کیا جاتا۔ کیا وہ نشانات باسی ہو گئے ہیں کہ ان کی پروا نہیں کی جاتی اور کہا جاتا ہے کہ جو ہم مانگتے ہیں وہ ہمیں دیا جاوے۔

یاد رکھو یہ بڑی بھاری جرأت اور بے ادبی ہے۔ خدا بڑا بے نیاز ہے۔ اُسے کسی کی پرواہی کیا ہے۔ اگر ساری دُنیا بھی اس سے مُنہ پھیر لے تو اس کا کچھ نہیں بگڑتا۔ کسی کی خواہشات کا ماتحت ہو کر اور مجبور ہو کر وہ نہیں چلے گا۔

نماز ظہر کے بعد پھر پیر صاحب موصوف کو بُلا کر نہایت نرمی، اخلاق اور محبت بھرے الفاظ سے یُوں فرمایا کہ اصل بات یہ ہے کہ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ جب انسان کے دل کی حالت صاف ہوتی ہے اور خدا کو جو دلوں کے حالات سے واقف ہے اس کے لئے کوئی امر ہدایت کا منظور ہوتا ہے تو خدا اپنے ماموروں کے دل میں اس شخص کے لئے ایک خاص جوش اور توجہ پیدا کر دیتا ہے۔ اور الہام خفی سے مامور کو اس کی طرف متوجہ کر دیتا ہے مگر جب یہ ہوتا ہے کہ خدا تعالےٰ کو سائل کی حالت تقویٰ اور سچی تڑپ معلوم ہو جاوے۔ پس اس سے سمجھا جاتا ہے کہ حضور الہٰی میں سائل کا سوال قابلِ قبول ہو گیا ہے۔ پس آپ اس امر کے لئے خدا تعالیٰ کے حضور دُعا کریں اور توبہ استغفار سے کام لیں۔ ممکن ہے کہ آپ کی دُعا کی وجہ سے خدا تعالےٰ کوئی ایسے سامان مہیا کر دے جس سے آپ کے واسطے تسلّی کے سامان مہیا ہو جاویں۔ اس کے بغیر چارہ نہیں کیونکہ وہ بڑا بے نیاز ہے اور انسان اس کا ہر آن محتاج ہے اور اسی کی مدد کا محتاج ہے۔

اس کے بعد حضرت اقدس تشریف لے گئے۔

(الحکم جلد ۱۲ نمبر ۲۴ صفحہ ۱-۳ مورخہ ۲ اپریل ۱۹۰۸ء)

۴؍اپریل ۱۹۰۸ء

کسی صاحب نے حضرت اقدس کی خدمت میں اس قسم کی ایک درخواست کی تھی کہ یہاں کے رئیس اعظم کو حضرت اقدس کے حالات کی تحقیق کا شوق ہے لہٰذا اگر ان کی خدمت میں براہ راست اس قسم کی کوئی تحریر بھیج کر تحریک کی جاوے تو خالی از فائدہ نہ ہوگی۔

اس پر حضرت اقدس نے فرمایا کہ

ہم اس قسم کی سردردی کو ہرگز پسند نہیں کرتے۔ اگر ان کو اس قسم کی تحقیق کا خیال ہے تو کیوں خود اپنے ہاتھ سے درخواست نہیں کی۔ اصل میں ان لوگوں میں ایک قسم کا مخفی کبر ہوتا ہے جس کی وجہ سے یہ لوگ ایسا کرتے ہیں۔ یہ لوگ رعایا پر تو حکومت کرتے ہیں مگر اس طرح سے خدا پر بھی حکومت کرنا چاہتے ہیں۔ یہ نہیں جانتے کہ خدا کے ماموروں میں کبریائی ہوتی ہے کیونکہ وہ ظلّ الٰہی ہوتے ہیں۔ خدا سے ان کو تواضع اور بندوں سے لاپروائی ہوتی ہے۔ بجز اس کے کہ ان لوگوں میں سے کوئی شخص خود توجہ کرے اور پھر خدا بھی اُس کے لئے دل میں جوش پیدا کر دے۔ خواہ مخواہ بناوٹ سے توجہ کرنا بھی ایک قسم کی بُت پرستی ہے۔ خدا کے مامور کسی فرد واحد کی خصوصیت کرنا بھی شرک جانتے ہیں کیونکہ ایسے لوگوں میں باریک در باریک رنگ میں کبر مخفی ہوتا ہے۔

(الحکم جلد ۱۲ نمبر ۲۹ صفحہ ۲ مورخہ ۲۲؍اپریل ۱۹۰۸ء)

۷؍اپریل ۱۹۰۸ء

۱۰½ بجے دن

۷؍اپریل ۱۹۰۸ء کو ایک انگریز اور لیڈی جنہوں نے اپنے آپ کو امریکہ (شکاگو) کے رہنے والے ظاہر کیا اور کہ وہ سیاحت کی غرض سے ملک بہ ملک پھر رہے ہیں اور ہندوستان میں بھی یہاں کے پولیٹیکل اور ریلیجس حالات سے واقفیت حاصل کرنے کے واسطے آئے

ہیں لاہور سے بہمراہی ایک سکاچ انگریز قادیان میں قریب دس بجے کے پہنچے۔ مسجد مبارک کے نیچے دفتروں میں ان کو اچھی طرح سے بٹھایا گیا اور چونکہ انہوں نے حضرت اقدس سے ملاقات کرنے کی درخواست کی اس لئے حضرت اقدس بھی وہیں تشریف لے آئے اور سلسلہ گفتگو مترجم (مترجم کا کام اوّل اوّل ڈپٹی علی احمد صاحب نے اور پھر جناب مفتی محمد صادق صاحب نے کیا) کے ذریعہ سے یوں شروع ہوا۔

سوال۔ ہم نے سُنا ہے کہ آپ نے مسٹر ڈوئی کو کوئی چیلنج دیا تھا کیا یہ درست ہے ؟

جواب۔ ہاں یہ درست ہے ہم نے ڈوئی کو چیلنج دیا تھا۔

سوال۔ کس بنار پر آپ نے اس کو چیلنج دیا تھا ؟

جواب۔ ڈوئی نے یہ دعویٰ کیا تھا کہ میں خدا کا رسُول ہوں اور کہ خدا نے مجھے بذریعہ الہام یہ بتایا ہے کہ مسیح خدا کا بیٹا اور خود خدا تھا اور کہ خود مسیح نے مجھے بحیثیت خدا ہونے کے ایسا الہام کیا ہے اور کہ (نعوذ باللہ) اسلام تباہ ہو جاوے گا اور کہ (نعوذ باللہ) آنحضرتؐ جھوٹے نبی تھے۔ چونکہ ہمیں خدا نے بذریعہ اپنے الہام کے یہ بتایا ہے کہ مسیح نہ خدا، نہ خدا کا بیٹا بلکہ صرف ایک پاکباز انسان اور رسُول تھا اور کہ ڈوئی اپنے اس دعویٰ رسالت میں کاذب ہے کیونکہ یہ ممکن ہی نہیں کہ ایک ہی وقت میں اسی ایک ہی خدا کی طرف سے ایک دوسرے کے بالکل متضاد اور مخالف راہوں پر چلنے والے دو رسُول موجود ہوں۔ پس چونکہ اس طرح سے دُنیا میں فساد پیدا ہوتا اور حق و باطل میں امتیاز اُٹھ جاتا ہے ہم نے اسے صادق اور کاذب کے فیصلہ کرنے کے واسطے چیلنج دیا۔ اگرچہ مسیح کو ابن اللہ اور پھر واحد یگانہ خدا ماننے والے لوگ دنیا میں بہت پائے جاتے ہیں مگر ان پر ایسا افسوس نہیں کیونکہ وہ خیالات اور عقائد صرف پُرانے غلط اور مصنوعی قصے کہانیوں کی بنار پر ہیں اور وہ لوگ منقولات کے پیرو ہیں۔ مگر ڈوئی نے تو اپنے اس دعویٰ سے خدا پر ایک افترار کیا اور اس طرح سے خدا پر تہمت باندھ

کر لوگوں کو گمراہ کرنا چاہا تھا اور وہ تو کہتا تھا کہ خود خدا نے مجھے ایسا بتایا ہے اور بحیثیت ایک خدا کے رسُول ہونے کے وہ مسیح کی ابنیت اور الوہیت کی منادی کر کے لوگوں کو گمراہ کرتا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ ہم نے اسے اس فیصلہ کے واسطے چیلنج دیا۔

سوال۔ ڈوئی نے تو ایک جھوٹا دعویٰ کیا تھا کیونکہ وہ اپنی صداقت ثابت نہیں کر سکا۔ اور بائیبل میں لکھا ہے کہ آخر زمانے میں جھوٹے نبی آئیں گے تو پھر آپ کے دعویٰ کی سچائی کی کیا دلیل ہے؟

جواب۔ فرمایا:-

بائیبل میں جہاں یہ لکھا ہے کہ جھوٹے نبی آئیں گے وہاں سچے نبی کے آنے کی نفی تو نہیں کی گئی۔ یہ تو نہیں لکھا کہ سچا نہیں آئے گا بلکہ جھوٹے نبیوں کا آنا خود بخود اس امر کی صراحت کرتا ہے کہ ان میں سچا بھی ہو گا۔

سوال۔ حضرت مسیح نے مُردے زندہ کئے تھے چنانچہ ایک شخص جس کا نام[1]   اسے زندہ کرنا ثابت ہے اور بائیبل حضرت مسیح کی وفات کے بہت جلد بعد ہی ضبط تحریر میں لائی گئی اور بجز حضرت مسیح کے کسی اور کا مُردے زندہ کرنا ثابت نہیں ہے۔ پس یہ شہادت اُن کے دعویٰ کی دلیل اور ثبوت کے واسطے کافی ہے۔

جواب۔ مُردوں کا زندہ ہونا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر بھی قرآن شریف میں مذکور ہے۔ مگر ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مُردے زندہ کرنے کو رُوحانی رنگ میں مانتے ہیں نہ کہ جسمانی رنگ میں۔ اور اسی طرح حضرت عیسیٰؑ کا مُردے زندہ کرنا بھی رُوحانی رنگ میں مانتے ہیں نہ کہ جسمانی طور پر۔ اور یہ امر کوئی حضرت عیسیٰؑ تک ہی محدود نہیں ہے بلکہ بائیبل میں لکھا ہے کہ ایلیاء نبی نے بھی بعض مُردے زندہ کئے تھے بلکہ وہ حضرت عیسیٰؑ سے اس کام میں بہت بڑھے ہُوئے تھے۔ اگر فرض محال کے طور پر ہم مان بھی لیں کہ بائیبل میں حضرت عیسیٰؑ کا حقیقی مُردوں کے زندہ کرنے کا ذکر ہے تو پھر ساتھ ہی ایلیا نبی کو بھی خدا ماننا پڑے گا۔ اس میں حضرت عیسیٰ کی خدائی کی خصوصیت ہی کیا ہوئی۔

---

[1] یہاں نام درج نہیں (مرتب) غالباً لعزر مراد ہے

اور مابہ الامتیاز کیا ہوا۔ بلکہ لیسعیاہ نبی کے متعلق تو یہاں تک بھی لکھا ہے کہ مُردے ان کے جسم سے چھو جانے پر ہی زندہ ہو جایا کرتے تھے۔ ان باتوں سے جو کہ اس بائیبل میں درج ہیں صاف شہادت ملتی ہے کہ مُردوں کا زندہ کرنا حضرت مسیح کی خدائی کے واسطے کوئی دلیل نہیں ہو سکتا اور اگر اس کو دلیل مانا جاوے تو کیوں ان دوسرے لوگوں کو بھی جنہوں نے حضرت مسیح سے بھی بڑھ کر یہ کام کیا خدا نہ مانا جاوے اور خدائی کا خاصہ صرف حضرت مسیح کی ذات تک ہی محدود و مخصوص رکھا جاوے۔ بلکہ ہمارے خیال میں تو حضرت موسیٰ کا سوٹے کا سانپ بنانے کا معجزہ مُردے زندہ کرنے سے بھی کہیں بڑھ کر ہے کیونکہ مُردہ کو زندہ سے ایک تشبیہ اور لگاؤ بھی ہے کیونکہ وہی چیز ابھی زندہ تھی اور مُردے میں زندہ ہونے کی ایک استعداد خیال کی جا سکتی ہے۔ مگر سانپ کو سوٹے سے کوئی بھی نسبت اور تعلق نہیں ہے۔ وہ ایک نبات کی قسم کی چیز اور وہ سانپ۔ تو یہ سوٹے کا سانپ بن جانا تو مُردوں کے زندہ ہو جانے سے نہایت ہی عجیب بات ہے۔ لہٰذا حضرت موسیٰ کو بڑا خدا ماننا چاہیئے۔ مگر حقیقی اور اصلی بات یہ ہے کہ ہم حقیقی مُردوں کی زندگی کے قائل نہیں ہیں۔

سوال۔ حضرت مسیح ازلی ابدی ہیں اور وہ اب بھی زندہ ہیں اور اس وقت خدا کے دہنے ہاتھ بیٹھے ہیں۔ ان کے بعد کوئی ایسا نبی نہیں آیا جس میں یہ خاصے پائے جاتے ہوں۔

جواب۔ ہم قطعی طور سے انکار کرتے ہیں کہ کوئی حقیقی مُردے بھی زندہ کر سکتا ہے جیسا کہ قرآن شریف میں آیا ہے یمسك التی قضٰی علیها الموت[1] الخ

باقی رہے آپ کے دعوے سو ہم ان کو بغیر کسی دلیل کے قبول نہیں کر سکتے۔ مُردوں کے زندہ کرنے کے ساتھ ان کا خود ازلی ابدی ہونا اور اب زندہ اور خدا کے دہنے ہاتھ بیٹھے ہونا بھی آپ کے دعوے ہیں جن کی کوئی دلیل آپ نے پیش نہیں کی اور دلیل کی جگہ ایک اور دعویٰ پیش کر دیا۔

[1] الزمر: ۴۳

حضرت عیسیٰؑ کو بھی ہم اور انبیاء کی طرح خدا تعالیٰ کا ایک نبی یقین کرتے ہیں۔ ہم مانتے ہیں کہ خدا تعالیٰ کی راہ میں صدق اور اخلاص رکھنے والے لوگ خدا تعالیٰ کے مقرب ہوتے ہیں جس طرح خدا تعالیٰ نے اپنے اور مخلص بندوں کے حق میں بباعث ان کے کمال صدق اور محبت کے بیٹے کا لفظ بولا ہے۔ اس طرح سے حضرت عیسیٰؑ بھی انہی کی ذیل میں ہیں۔ حضرت عیسیٰؑ میں کوئی ایسی بڑی طاقت نہ تھی جو اور نبیوں میں نہ پائی جاتی ہو اور نہ ہی اُن میں کوئی ایسی نئی بات پائی جاتی ہے جس سے دوسرے محروم رہے ہوں۔ اگر حضرت عیسیٰؑ میں مُردے زندہ کرنے کی طاقت تھی تو اب بھی اُن کا پیرو مُردے زندہ کر کے دکھائے۔ مُردے زندہ کرنے تو درکنار بلکہ ہمارے مقابلہ میں کوئی نشان ہی دکھا دیوے۔

دیکھو انسان اپنی انسانی حدود اور ہیئت کے اندر ترقی مدارج کر سکتا ہے نہ یہ کہ وہ خدا بھی بن سکتا ہے۔ جب انسان خدا بن ہی نہیں سکتا تو پھر ایسے نمونے کی کیا ضرورت جس سے انسان فائدہ نہیں اُٹھا سکتا۔ انسان کے واسطے ایک انسانی نمونے کی ضرورت ہے جو کہ رسولوں کے رنگ میں ہمیشہ خدا کی طرف سے دنیا میں آیا کرتے ہیں نہ کہ خدائی نمونہ کی جس کی پیروی انسانی مقدرت سے بھی باہر اور بالا تر ہے۔ ہم حیران ہیں کہ کیا خدا کا منشاء انسانوں کو خدا بنانے کا تھا کہ اُن کے واسطے خدائی کا نمونہ بھیجا تھا۔ پھر یہ اَور بھی عجیب بات ہے کہ خدا ہو کر پھر یہود کے ہاتھ سے اتنی ذلت اُٹھائی اور رُسوا ہوا اور ان پر غالب نہ آسکا بلکہ مغلوب ہو گیا۔

سوال۔ آپ نے جو دعویٰ کیا ہے اس کی سچائی کے دلائل کیا ہیں؟

جواب۔ میں کوئی نیا نبی نہیں۔ مجھ سے پہلے سینکڑوں نبی آچکے ہیں۔ توریت میں جن انبیاء کا ذکر ہے اور آپ ان کو سچا مانتے ہیں۔ جو دلائل ان کی صداقت کے اور ان کو نبی اور خدا تعالیٰ کا فرستادہ یقین کرنے کے ہیں وہ آپ پیش کریں۔ انہی دلائل سے میری صداقت کا ثبوت مل جائے گا۔ جن دلائل سے کوئی سچا نبی مانا جا سکتا ہے وہی دلائل میرے صادق ہونے

کے ہیں۔ میں بھی منہاج نبوت پر آیا ہوں۔

سوال۔ نہیں بلکہ ہم چاہتے ہیں کہ آپ سے وہ دلائل سُنیں جن سے آپ کو اپنے صدق کا یقین ہوا اور آپ کو کیسے معلوم ہوا کہ آپ نبی ہیں؟

جواب۔ خدا تعالیٰ نے ہمیں اپنے کلام سے اس بات کا علم دیا ہے اور خدا تعالےٰ کی طرف سے آنے والے لوگوں کے ساتھ خدائی نشان ہوتے ہیں جو کہ اقتداری اور غیب پر مشتمل زبردست پیشگوئیوں کے رنگ میں ان کو عطا کئے جاتے ہیں۔ کوئی دشمن ان پر فتح نہیں پاسکتا اور باوجود کمزور اور ناتواں اور بے سروسامان، بے یار و مددگار ہونے کے انجام کار انہی کی فتح ہوتی ہے۔ ان کی مخالفت کرنے والوں کا نام و نشان مٹا دیا جاتا ہے۔ منجملہ ہزاروں نشانات کے آپ لوگوں کے واسطے تو ایک ڈوئی کا معاملہ ہی جو کہ آپ کے ملک میں ہی ظہور میں آیا۔ اگر غور کریں تو کافی ہے۔ وہ دعویٰ کرتا تھا کہ مسیح خدا ہے۔ مگر ہمارے خدا نے ہم پر یہ ظاہر کیا کہ وہ خدا نہیں بلکہ ایک عاجز انسان ہے۔ تب ہم نے اُس سے اس معاملہ میں خط و کتابت کی مگر وہ اپنے دعویٰ سے باز نہ آیا۔ آخر ہم نے خدا سے خبر پا کر اس کی ہلاکت اور نامُرادی کی پیشگوئی کی۔ جو ہماری زندگی میں پُوری ہونی ضروری تھی۔ چنانچہ ایسا ہی ظہور میں آیا اور وہ پیشگوئی کے مطابق نہایت ذلّت اور عذاب سے صادق کی زندگی میں ہی ہلاک ہو گیا۔ اب کوئی غور کرنے والا دماغ اور مان لینے والا دل چاہیئے کہ اس میں غور کرے کہ آیا یہ پیشگوئی اس قابل ہے یا کہ نہیں کہ اس کو خدا تعالےٰ کی طرف سے یقین کیا جاوے یا کیا یہ بھی کوئی انسانی منصوبہ ہے۔

دوم۔ آپ لوگوں کا یہاں آنا بھی تو ہمارے واسطے ایک نشان ہے جو اگر آپ کو اس کا علم ہوتا تو شاید آپ یہاں آنے میں بھی مضائقہ اور تامّل کرتے۔ اصل میں آپ لوگوں کا اتنے دور دراز سفر کر کے یہاں ایک چھوٹی سی بستی میں آنا بھی ایک پیشگوئی کے نیچے

ہے اور ہماری صداقت کے واسطے ایک نشان اور دلیل ہے۔ کہاں امریکہ اور کہاں قادیان
مُردے زندہ کر لینا تو ایک طرف دھرا رہ گیا ایک کوڑھی (مجذوم) تو صحت یاب ہو نہ
سکا اور اُسے تو حضرت مسیح چنگا نہ کر سکے تو مُردے زندہ کرنا کیسا؟ وہ باتیں تو ہزاروں
سال کی ہیں اور خدا جانے ان میں کیا کچھ ملاوٹیں ہو گئی ہیں اور وہ تو صرف قصے کہانیوں
کے رنگ میں باقی رہ گئی ہیں۔ ان کی صداقت کا کوئی نشان یا ان کے سچے ہونے کے
کوئی آثار ہی پائے جاتے تو بھی اُن کو مان لینے کی ایک راہ ہوتی۔ مگر وہ تو اب باتیں
ہی باتیں اور نرے دعوے ہی دعوے ہیں۔ مگر ہم تو آجکل کی موجودہ اور زندہ
مثال پیش کرتے ہیں۔

سوال۔ ڈوئی کے انجام کا تو ہر شخص اندازہ لگا سکتا تھا کیونکہ اس نے ایک جھوٹا دعویٰ کیا تھا۔ اور یہ
صاف بات ہے کہ جھوٹا مدعی ذلیل ہوا کرتا ہے۔ ہم تو آپ کے دعویٰ کی عظمت کی وجہ سے یہاں
آئے ہیں کہ اتنا بڑا دعویٰ کرنے والا انسان کیسا ہوگا نہ یہ کہ آپ کے واسطے نشان بننے کے
واسطے آئے ہوں۔

جواب۔ فرمایا کہ
اگر ڈوئی کو آپ لوگ ایسا ہی سمجھتے تھے اور جانتے تھے کہ وہ اپنے دعویٰ میں جھوٹا ہے اور
خدا پر بہتان باندھ رہا ہے تو پھر کیا اسی یقین سے آپ لوگوں نے لاکھوں بلکہ کروڑوں روپے
کے نذرانے اُسے دیئے؟ اور بیش قیمت تحائف اس کے واسطے دور دراز سے مہیا کئے؟
اور اس کی حد سے زیادہ عزت کی؟ حتّٰی کہ دس ہزار سے بھی زیادہ لوگ اس کے مُرید بن
گئے۔ تعجب کی بات ہے کہ ایک انسان کو باوجود جھوٹا یقین کرنے کے بھی کوئی یہ عزت و
عظمت دیتا ہو اور اپنا مال و جان اس پر نثار اور تصدق کرتا ہو۔
امر دوم کے لئے ان کو سُننا چاہیئے کہ ایک ایسے وقت میں جبکہ ایک فرد واحد بھی ہمارا
واقف نہ تھا اور کسی کو ہمارے وجود کا علم تک بھی نہ تھا بلکہ بہت کم لوگ تھے جن کو

قادیان کے نام سے بھی اس وقت واقفیت ہو گی حتیٰ کہ ہماری طرف کسی کا خط تک بھی نہ آتا تھا اور ہم ایک گمنامی کی حالت میں پڑے ہوئے تھے۔ اس زمانے میں اللہ تعالےٰ کی طرف سے یہ الہام ہوا کہ یأتون من کل فجّ عمیق اور یأتیك من کل فجّ عمیق اور ولا تصعّر لخلق الله ولا تسئم من النّاس اور بعض اس مضمون کے الہام زبان انگریزی میں بھی تھے۔ حالانکہ ہم زبان انگریزی سے بالکل ناآشنا ہیں۔ اور یہ سب خبریں اس زمانہ کی ہیں جبکہ ان کے کچھ بھی آثار موجود نہ تھے اور ہماری اس وقت کی حالت کو دیکھنے اور جاننے والے اندازہ لگا سکتے ہیں کہ اس حالت میں ایسی خبروں کے امکان کا وہم وگمان بھی نہیں ہو سکتا تھا بلکہ ان الہامات کے بعد اندرونی اور بیرونی طور سے یعنی خود اپنی قوم بھی اور دیگر عیسائی اور ہندو وغیرہ بھی سب دشمن ہو گئے مگر باوجود ان سب امور کے اللہ تعالےٰ کی نصرت ہمیشہ ہمارے شامل حال رہی اور اس نے ایسی ایسی تائیدات کیں کہ اب اس وقت چار لاکھ یا اس سے بھی کچھ زیادہ انسان ہمارے ساتھ ہیں اور دور دراز سے آتے ہیں۔ تحفے تحائف اور نقد وجنس جن کے وعدے خدا تعالیٰ کے کلام میں کئے گئے تھے سب پورے ہوئے اور ہو رہے ہیں۔ پیشگوئیوں کو ان کے تمام لوازم پیشگوئی کے وقت اور حالت سے دیکھنا چاہیئے اور پھر اس کا انجام دیکھنا چاہیئے کہ کس کروفر سے پورا ہوا۔ اگر کسی مفتری کے سوانح میں بھی اس کی نظیر ہے تو پیش کرو اور اگر ہماری اس پیشگوئی کے ماننے سے انکار ہے تو کوئی نظیر دو کہ بجز خدا تعالےٰ کی تائید اور نصرت کے کسی مفتری نے بھی ایسا عروج پالیا ہو۔

حضرت مفتی محمد صادق صاحب کا لڑکا عبدالسلام حضرت اقدس کے نزدیک کھڑا تھا حضرت اقدس نے اس کا ہاتھ پکڑ کر اسے انگریزوں کے روبرو کیا اور فرمایا کہ

ان کو سمجھایا جاوے کہ اگر مثلاً یہ لڑکا آج اس حالت میں پیشگوئی کرے کہ میں ستر برس

کی عمر پاؤں گا یا لاکھوں انسان دور دراز کی راہوں سے میرے دیکھنے کے واسطے آئیں گے یا کوئی اَور عظیم الشان انقلاب کی خبر دے تو کیا ایسی پیشگوئیوں کی اس کی موجودہ حالت کے لحاظ سے کچھ وقعت کی جاوے گی؟ اور پھر اگر بالفرض جو کچھ اس نے اس حالت میں کہا ہو وہ ایک وقت میں پورا ہو جاوے تو اس وقت اس کو کوئی جھوٹا کہہ سکے گا؟ یا کسی کو یہ کہنے کا استحقاق ہوگا کہ یہ امر انسانی منصوبوں یا تدبیروں سے اسے حاصل ہوا ہے۔

حضرت اقدسؑ کے اتنے بیان کے بعد انہوں نے اقرار کیا کہ ہاں ہم اسے تسلیم کرتے ہیں کہ پیشگوئیاں ثبوت دعویٰ کی ایک دلیل ہوتی ہیں۔

سوال۔ ہم کوئی اَور دلیل بھی سُننا چاہتے ہیں۔

جواب۔ فرمایا:۔

اور دلیل قبولیت دعا ہے

اس موقعہ پر حضرت حکیم الامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا فرزند صاحبزادہ عبدالحیؓ بھی حضرت اقدس کے قریب ہی موجود تھا۔ حضرت حکیم الامت نے اُسے آگے کر دیا اور حضرت نے اُسے بازو سے پکڑ کر ان لوگوں کے روبرو کر کے یوں فرمایا کہ

ایک شخص نے جو کہ مولوی صاحب کا دشمن تھا اس نے آپ کے متعلق یہ کہا تھا کہ آپ ابتر ہیں اور اشتہار بھی شائع کر دیا تھا۔ اس پر ہم نے دعا کی وہ جناب الٰہی میں قبول کی گئی۔ اور ہمیں بتایا گیا کہ لڑکا پیدا ہوگا اور اس کا یہ نشان ہوگا کہ اس کے بدن پر پھنسیاں ہونگی۔ اور یہ اس کی پیدائش کے ۲ برس پہلے کا واقعہ ہے۔ چنانچہ خدا تعالیٰ کے فضل سے لڑکا پیدا ہوا اور اس کے بدن پر پھنسیاں نکلیں جن کے داغ اب تک موجود ہیں۔ علاوہ ازیں اور ایسے ہزاروں نمونے قبولیت دُعا کے موجود ہیں۔

سوال۔ آپ کے آنے کا مقصد کیا ہے اور اب آئندہ کیا ہوگا؟

جواب۔ فرمایا کہ

ہمارے آنے کا یہ مقصد ہے کہ عیسائیوں، ہندوؤں اور مسلمانوں میں جو غلطیاں (خواہ وہ عملی ہوں یا اعتقادی) پیدا ہو گئی ہیں ان کی اصلاح کی جاوے۔ بھلا آپ ہی بتائیں کہ آیا عیسائیت یورپ میں اپنی اصلیت پر ہے؟ یا عیسائیوں نے توریت یا انجیل کی تعلیم کے کسی نقطہ پر بھی عمل کیا ہے؟ تمام یورپ کی عملی حالت کیا کہہ رہی ہے؟ آیا ان لوگوں کے دلوں میں خدا تعالیٰ پر بھی ایمان ہے؟ اور کیا ان کو خدا کا خوف بھی ہے؟

(ان باتوں کے جواب میں انگریز نے صاف اقرار کیا کہ واقعی نہ تو توریت پر عمل ہے اور نہ ہی یورپ کی عملی حالت درست ہے)

فرمایا کہ

ہمیں خدا نے بتایا ہے کہ حضرت مسیح خدا کے ایک برگزیدہ بندے اور نبی تھے۔ یہ نہیں کہ وہی ایک ہی ایسا نمونہ تھے اور پھر خدا تعالیٰ نے اپنا فیضان کسی پر نازل نہیں کیا اور ہمیشہ کے واسطے ایسی برکات کا دروازہ بند کر دیا ہو بلکہ وہ خدا جس کی شان بلند ہے اور وہ تمام ملکوں کا ایک اکیلا خدا ہے۔ اس نے اپنے فیضان بھی تمام ملکوں پر کئے ہیں۔

دیکھو توریت چھوڑ دی گئی۔ اس کی تعلیمات کی کچھ پروا نہیں کی جاتی۔ اس میں ہزاروں غلطیاں لگائی گئی ہیں۔ حضرت عیسٰی کی شان کی بے ادبی کی جاتی ہے کیونکہ ان کو خواہ نخواہ خدا بنایا جاتا ہے۔ کیا یہ کافی نہ تھا کہ اُن کو خدا کے ایک برگزیدہ بندے مان کر ان کی پیروی کی جاتی اور ان کے نقشِ قدم پر ان کا نمونہ اور رنگ اختیار کیا جاتا۔

انسان کا یہ کام نہیں کہ وہ خدا بن جاوے تو پھر اُسے ایسے نمونے کیوں دیئے جاتے ہیں؟ جب کسی کو کوئی نمونہ دیا جاتا ہے تو اس سے نمونہ دینے والے کا یہ منشا ہوتا

ہے کہ اس نمونہ کے رنگ میں رنگین ہونے کی کوشش کی جاوے اور پھر وہ اس شخص کی طاقت میں بھی ہوتا ہے کہ اس نمونے کے مطابق ترقی کر سکے۔ خدا جو فطرت انسانی کا خالق ہے اور اسے انسانی قویٰ کے متعلق پورا علم ہے اور کہ اس نے انسانی قویٰ میں یہ مادہ ہی نہیں رکھا کہ خدا بھی بن سکے تو پھر کیوں اس نے ایسی صریح غلطی کھائی کہ جس کام کے کرنے کی طاقت ہی انسان کو نہیں دی اس کام کے کرنے کے واسطے اُسے مجبور کیا جاتا۔ کیا یہ ظلم صریح نہ ہوگا؟ رسالت اور نبوت کے درجہ تک تو انسان ترقی کر سکتا ہے کیونکہ وہ انسانی طاقت میں ہے۔ پس اگر حضرت عیسیٰؑ خدا تھے تو اُن کا آنا ہی لاحاصل ٹھہرتا ہے اور اگر ان کو نبی اور رسُول مانا جاوے تو بے شک مفید ثابت ہوتا ہے۔

پھر اِس میں خدا تعالےٰ کی بھی ہتک اور بے ادبی لازم آتی ہے۔ گویا خدا نے بخل کیا کہ اپنی تجلیات کا مظہر صرف ایک ہی شخص کو ٹھہرایا اور اپنے فیوض کو صرف حضرت عیسیٰ تک ہی محدود کر دیا۔ غور تو کرو اگر کسی بادشاہ کی رعایا صرف ایک فردِ واحد ہی ہو تو کیا اس میں اس بادشاہ کی تعریف ہے یا ہتک؟ اگر یہ کہا جاوے کہ بادشاہ کا فیض اور انعام صرف ایک خاص نفس واحد تک ہی محدود ہے تو پھر اس میں اس بادشاہ کی کیا بڑائی ہوگی؟ پس جب خدا کے کروڑوں بندے دنیا کے مختلف ممالک میں موجود تھے تو کیا وجہ کہ خدا تعالیٰ نے اپنے فیوض کو صرف بنی اسرائیل ہی تک محدود رکھا۔ دیکھو بند پانی بھی آخر کار گندہ ہو جاتا ہے اور کیچڑ کی صحبت سے اس میں ایک قسم کا تعفن پیدا ہو جاتا ہے تو پھر خدا کے اُوپر ایسا بہتان باندھنا کہ اس کے فیوض اور برکات صرف ایک خاص قوم تک ہی محدود اور بند ہیں خدا کی شان کی ہتک اور بے ادبی ہے۔

حضرت عیسیٰ کے خدا بنانے میں فائدہ کیا؟ اور ان کی شان میں ترقی کیا؟ بلکہ اُلٹی اس میں تو ان کی ہتک اور کسرِ شان ہے۔ مردی اس میں ہے کہ جو کام وہ کرتے تھے وہ

کام کئے جاویں اور ان کی تعلیم پر عمل در آمد کر کے اچھا نمونہ دکھانے کے ذریعہ دکھایا جاوے کہ وہ خود اعلیٰ قسم کے انسان تھے اور ان کے انفاس میں تزکیہ کا اثر اور تعلیم میں اعلیٰ درجہ تک ترقی کرنے کی طاقت موجود تھی۔ زبانی تعریف کرنے میں غلو کرنے سے کیا فائدہ؟ کیا ان کی تعلیم کا اثر اسی زمانہ تک محدود تھا یا اب بھی ہے؟ اور اگر ہے تو کہاں اور کس ملک میں؟

افسوس آتا ہے اگر عیسیٰ اب آجاویں تو وہ تو اس قوم کو پہچان بھی نہ سکیں۔ ہم اُن سے محبت رکھتے ہیں اور آپ محبت نہیں رکھتے ہوں گے کیونکہ آپ کو اُن کی خبر نہیں۔ ہم نے تو اُن کو بارہا دیکھا ہے۔ بلکہ ہم تو جانتے ہیں کہ اب بھی خود آپ لوگوں کے گھر میں ہی تفرقہ ہے، اختلاف ہے۔ بعض ایسے فرقے عیسائیوں میں اب بھی موجود ہیں جو حضرت عیسیٰ کو خدا نہیں مانتے بلکہ صرف ایک برگزیدہ نبی مانتے ہیں۔ اور قرآن شریف سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے تو جب گھر میں ہی اختلاف ہے تو کیوں وہ راہ ترک نہیں کی جاتی جو کہ بالاتفاق خطرناک ثابت ہو چکی ہے۔ باقی رہا یہ کہ اب دُنیا میں کیا ہوگا سو اس کے متعلق ہم صرف اتنا کہہ دینا کافی سمجھتے ہیں کہ دُنیا اپنی اس موجودہ حالت پر نہیں رہے گی بلکہ اس میں ایک عظیم الشان تغیر اور انقلاب واقع ہوگا۔

سوال۔ مسیح کو آپ نے کس طور سے دیکھا ہے۔ آیا جسمانی رنگ میں دیکھا ہے؟

جواب۔ فرمایا کہ

ہاں جسمانی رنگ میں اور عین حالت بیداری میں دیکھا ہے۔

سوال۔ ہم نے بھی مسیح کو دیکھا ہے اور دیکھتے ہیں مگر وہ رُوحانی رنگ میں ہے۔ کیا آپ نے بھی اسی طرح دیکھا ہے جس طرح ہم دیکھتے ہیں۔

جواب۔ نہیں ہم نے ان کو جسمانی رنگ میں دیکھا ہے اور بیداری میں دیکھا ہے۔

اس تقریر کے بعد حضرت اقدسؑ نے فرمایا کہ

ان کے واسطے چائے تیار ہے لہذا ان کو چائے پلائی جاوے

اور اس طرح سے جلسہ برخاست ہوا۔ انگریزوں نے حضرت اقدسؑ کا بہت بہت شکریہ ۱۹۰۸ء
ادا کیا اور کچھ کھانا اور چائے پینے کے بعد مدرسہ کو دیکھتے ہوئے جہاں ایک طالب علم ہائی کلاس محمد منظور علی شاکر نے سُورۂ مریم کی چند ابتدائی آیات نہایت خوش الحانی سے پڑھ کر سنائیں کیونکہ اس وقت ان کی قرآن شریف کی گھنٹی تھی۔ قرآن شریف سُن کر وہ خوش ہوئے اور پھر بٹالہ کو چلے گئے۔

کھانا کھانے کے میز پر بیٹھے ہوئے انہوں نے حضرت مفتی محمد صادق صاحب سے ایک سوال کیا کہ مرزا صاحب کی وفات کے بعد کیا ہوگا؟ جس کا جواب مفتی صاحب موصوف نے یوں دیا کہ آپ کی وفات کے بعد وہ ہوگا جو خدا کو منظور ہوگا اور جو ہمیشہ انبیاء کی موت کے بعد ہوا کرتا ہے۔

(الحکم جلد ۱۲ نمبر ۲۶ صفحہ ۱-۲ مورخہ ۱۰ اپریل ۱۹۰۸ء)

۱۱ اپریل ۱۹۰۸ء

بوقت سیر

کسی معترض کا ایک خط حضرت مولنا مولوی سید محمد احسن صاحب کی خدمت میں آیا تھا جس میں اس نے مرزا احمد بیگ والی پیشگوئی پر اعتراض کیا تھا حضرت مولوی صاحب موصوف نے حضرت اقدسؑ کی خدمت میں بوقت سیر اس کا تذکرہ کیا۔

حضرت اقدسؑ نے فرمایا کہ

ایسے آدمی سے پہلے یہ دریافت کرنا چاہیئے کہ آیا تم کلمہ گو بھی ہو یا کہ نہیں؟[۱] اور آنحضرت

---

[۱] حاشیہ۔ بدر سے۔ فرمایا۔

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

صلے اللہ علیہ وسلم اور اور انبیاء سابقین پر بھی ایمان رکھتے ہو یا کہ نہیں؟ تعجب آتا ہے ایسے لوگوں کی حالت اور عقل پر کہ ہزارہا قسم کے نشانات دیکھتے ہیں ان کی تو کچھ پروا نہیں کرتے اور نہ اُن سے کوئی فائدہ اُٹھاتے ہیں۔ مگر جب ایک ایسے امر کو جو متشابہات میں سے ہوتا ہے بوجہ اپنی کم فہمی اور کم عقلی کے اس کی حقیقت کو نہ سمجھنے کے باعث اعتراض کرنے بیٹھ جاتے ہیں حالانکہ اُن سے اگر یہ سوال کیا جاوے کہ اور جو ہزارہا بیّن نشان موجود ہیں۔ ان سے تم نے کیا فائدہ اُٹھایا ہے تو یقیناً اُن سے کوئی جواب بن نہیں آتا۔ حالانکہ وہ امر جس کو وہ اپنی کم علمی کی وجہ سے نشانہ اعتراض بناتے ہیں۔ عین سنّت اللہ کے موافق ایک امر ہوتا ہے اور کوئی بھی نبی نہیں گذرا جو اس سنّت سے باہر رہا ہو۔ پس اس سُنّت سے انکار کرنے والے کا ایمان کیسے خطرے میں ہے وہ صرف ہماری پیشگوئی پر ہی اعتراض نہیں کرتا بلکہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی بھی تکذیب کرتا ہے اور اس طرح سے تو دوسرے تمام انبیاء کی بھی تکذیب لازم آتی ہے۔

دیکھو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا صلح حدیبیہ کا معاملہ جس میں بعض بڑے بڑے اکابر صحابہؓ کو بھی ٹھوکر لگ گئی تھی مگر پھر خدا نے ان کی دستگیری فرما کر ان کو بچا لیا تھا کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ بھی اس میں شریک تھے۔ پھر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا اس امر کا اظہار فرمانا کہ ابوجہل مسلمان ہو جاوے گا۔[1] ماسوائے ان کے حضرت عیسیٰؑ کے بارہ حواریوں کے بارہ تختوں کا

" یہ شخص ہمیں چھپا ہوا نیم مُرتد معلوم ہوتا ہے۔ ہزارہا روشن نشانات دیکھنے کے بعد بھی ابھی اُسے تاریکی ہی نظر آتی ہے۔ یہ اس کی آنکھوں کا قصور ہے۔ اگر وہ اس قسم کے شبہات کرنے لگا تو قریب ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم پر بھی اس کا ایمان نہ رہے۔"

(بدر جلد ۷ نمبر ۱۶ صفحہ ۴ مورخہ ۲۳ را اپریل ۱۹۰۸ء)

[1] بدر ۔۱

" ابوجہل کی نسبت دیکھا گیا کہ بہشتی انگور کا خوشہ اس کو ملا ہے مگر وہ مسلمان نہ ہوا "

(بدر حوالہ مذکور)

معاملہ۔ حضرت یونسؑ نبی کی قوم کا معاملہ۔ حضرت موسیٰؑ کی زندگی میں بھی ایسا معاملہ موجود ہے[1]۔ تو پھر ہم حیران ہیں کہ ایسا معترض مسلمان کہلا کر کس کس بات کا انکار کرے گا۔ یہ تو ایک بیہودہ بات ہے کہ جس بات کی سمجھ نہ آئی اس کا انکار کر دیا۔

دیکھو ہماری اس پیشگوئی کی ایک ٹانگ تو اسی وقت پیشگوئی کے عین مطابق ٹوٹ گئی جس کی وجہ سے ان لوگوں پر خوف طاری ہوا اور انہوں نے صدقہ اور خیرات سے اور اور طرح سے عجز و انکسار، گریہ و بکا سے توبہ کر لی تو اللہ تعالیٰ نے بھی مطابق اپنی سنّت کے اُن سے سلوک کیا۔ دیکھو حضرت یونس نبی کا قوم سے جو عذاب کا وعدہ ہوا تھا اس میں تو کوئی بھی شرط موجود نہ تھی اور صاف اور صریح الفاظ تھے کہ چالیس دن کے بعد تم پر عذاب نازل ہو جاوے گا۔ پس جب ایک غیر مشروط اور قطعی پیشگوئی کا توبہ اور اضطراب اور گریہ و بکا سے ٹل جانا سُنّت اللہ کے مطابق ہے تو پھر مشروط پیشگوئی پر کیوں اعتراض کیا جاتا ہے جس میں صاف یہ الفاظ موجود ہیں توبی توبی فان البلاء علی عقبک[2]

حضرت شاہ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ تعالےٰ عنہ اپنی کتاب فتوح الغیب میں لکھتے ہیں کہ قد یوعد و لا یوفیٰ کہ بعض وعدے خدا تعالیٰ کے ایسے بھی ہوتے ہیں جو پورے

---

[1] بدر ہے:۔

"حضرت موسیٰ سے اللہ تعالیٰ نے وعدہ کیا کہ اس ارض کے تم مالک ہو گے اور اس میں کئی برس گذر گئے" (بدر جلد ۷ نمبر ۱۹ صفحہ ۴ مورخہ ۲۳ اپریل ۱۹۰۸ء)

[2] بدر ہے:۔

"جس سے صاف ظاہر ہے کہ توبہ سے یہ سب باتیں ٹل جاویں گی اور احمد بیگ کی موت سے جو خوف ان پر چھا گیا اس نے پیشگوئی کے ایک حصہ کو ٹال دیا۔ اصل بات یہ ہے۔ خدا ہزارہا نشان دکھا کر بعض نشان ایسی حالت میں بھی رکھ لیتا ہے جو منافقین وغیرہ کے امتیاز کا موجب ہوں" (بدر حوالہ مذکور)

نہیں کئے جاتے۔ خود قرآن شریف میں متشابہات کا ذکر ہے۔ مومن اور کافر میں ایسے متشابہات سے تمیز ہو جاتی ہے اور چھپے ہوئے مُرتد اور منافق لوگوں کے الگ کرنے کا یہ ایک آلہ ہوتے ہیں خدا تعالیٰ اگر متشابہات نہ رکھتا تو دُنیا دُنیا ہی نہ رہتی۔ منافق کا قاعدہ ہے کہ اس کو دیا بہتا ہوا نظر نہیں آتا اور وہ اس سے فائدہ نہیں اُٹھاتا بلکہ خس و خاشاک کی طرف جُھک جاتا ہے اور مُرتد ہو جاتا ہے۔

اگر ہم منہاج نبوت سے باہر کوئی امر پیش کرتے ہوں اور کوئی نئی بات اپنی طرف سے پیش کرتے تو اعتراض کا موقعہ بھی تھا۔ قرآن شریف میں آیا ہے کہ لو کنا نسمع او نعقل ما کنا فی اصحاب السعیر[1] پس جس شخص نے نہ کبھی صحبت میں رہ کر ہماری باتوں کو سُنا ہو اور نہ خود منہاج نبوت کے ثبوت پہ پرکھنے کی عقل ہو وہ کیسے ہدایت پا سکتا ہے[1]۔ دیکھو موجودہ زمانے میں خدا نے اتنی کثرت سے زبردست نشانات کا ذخیرہ جمع کر دیا ہے اور ایسے ایسے اسباب مہیا کر دیئے ہیں کہ اگر ایک لاکھ نبی بھی ان نشانات سے اپنی نبوت کا ثبوت کرنا چاہے تو کر سکے کیونکہ اس وقت نہ تو ایسی ضرورتیں تھیں اور نہ ہی ایسے ذرائع و اسباب مہیا تھے۔ دیکھو اگر انبیاء کی بعثت کے ساتھ ہی بڑے بڑے زبردست نشانات اور کھُلے کھُلے معجزات دکھا دیئے جایا کریں تو پھر ایمان ایمان ہی نہیں رہ سکتا بلکہ وہ تو عرفان ہو جاتا ہے۔ اور پھر اس میں انسان کو ثواب اور مدارج کے حصول کی کوئی وجہ ہی نہیں رہتی۔ اگر ابتدا ہی میں کھُلی کھُلی کامیابیاں اور فتوحات ہو جائیں تو سب سے پہلے انبیاء علیہم السلام کے ساتھ ہونے والے بدمعاش اور فاسق فاجر لوگ ہی ہوتے[2] اور صادق اور کاذب، مخلص اور منافق

[1] بدر سے:۔ "پس انجام اچھا معلوم نہیں ہوتا" (بدر جلد ۸ نمبر ۲۶ صفحہ ۴ مورخہ ۲۳ اپریل ۱۹۰۹ء)

[2] بدر سے:۔ "اگر تمام نشانات یکساں روشن اور بیّن اور حسب خواہش ہوتے تو ابوجہل بھی ایمان ہی لے آتا مگر وہ خبیث النفس تھا۔ خدا نے نہ چاہا کہ ایسی پاک جماعت میں شامل ہو" (بحوالہ مذکور)

[1] الملک: ۱۱

میں تمیز کی کوئی راہ باقی رہ نہ جاتی اور نعوذباللہ اس طرح سے تو امان اُٹھ جاتی۔

صدیق اکبر

دیکھو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو فراست صحیحہ اور نورِ ایمان سے پہچان لیا تھا کیا انہوں نے کوئی معجزہ مانگا تھا؟ ہرگز نہیں بلکہ صرف آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے ابتدائی واقعات ہی سے آپ کے صدق دعویٰ کو بڑی قوت اور استقلال سے قبول کر لیا۔

خلیفہ

صوفیاء نے لکھا ہے کہ جو شخص کسی شیخ یا رسول اور نبی کے بعد خلیفہ ہونے والا ہوتا ہے تو سب سے پہلے خدا کی طرف سے اس کے دل میں حق ڈالا جاتا ہے۔ جب کوئی رسول یا مشائخ وفات پاتے ہیں تو دنیا پر ایک زلزلہ آجاتا ہے اور وہ ایک بہت ہی خطرناک وقت ہوتا ہے مگر خدا تعالیٰ کسی خلیفہ کے ذریعہ اس کو مٹاتا ہے اور پھر گویا اس امر کا ازسرِنَو اس خلیفہ کے ذریعہ اصلاح و استحکام ہوتا ہے۔

آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے کیوں اپنے بعد خلیفہ مقرر نہ کیا اس میں بھی یہی بھید تھا کہ آپ کو خوب علم تھا کہ اللہ تعالےٰ خود ایک خلیفہ مقرر فرما دے گا کیونکہ یہ خدا کا ہی کام ہے اور خدا کے انتخاب میں نقص نہیں۔ چنانچہ اللہ تعالےٰ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالےٰ عنہ کو اس کام کے واسطے خلیفہ بنایا اور سب سے اوّل حق انہی کے دل میں ڈالا۔

حضرت مولٰنا المکرم سید محمد احسن صاحب نے عرض کیا کہ حضور کے الہام میں بھی تو یہی مضمون ہے۔ الحمد للہ الذی جعلک المسیح ابن مریم اور آیت استخلاف میں بھی اللہ تعالیٰ نے اسناد لیستخلفنّ اور لیمکننّ کی اپنی طرف ہی فرمائی ہے نہ کہ رسول کی طرف۔

حضرت اقدس نے فرمایا کہ

ایک الہام میں اللہ تعالیٰ نے ہمارا نام بھی شیلخ رکھا ہے۔ انت الشیخ المسیح الذی لایضاع وقتہ اور ایک اَور الہام میں یوں آیا ہے کہ مثلک درٌ لایضاع۔ ان الہامات سے ہماری کامیابی کا بیّن ثبوت ملتا ہے۔

حضرت مولانا سید محمد احسن صاحب نے ایک اور خط کے متعلق عرض کیا۔ حضرت اقدس نے فرمایا کہ

ہمارے پاس تو جب کوئی اس قسم کا خط آتا ہے کہ میں اکیلا ہوں تو ہمیں اس کے ایمان ہی کا خطرہ ہو جاتا ہے۔ مومن خود جماعت ہے۔ مومن اکیلا کبھی نہیں رہتا۔ جس کا خدا تعالیٰ پر ایمان کامل ہوتا ہے خدا تعالیٰ اسے اکیلا نہیں رہنے دیتا۔

غیر احمدی کو لڑکی دینا گناہ ہے

فرمایا کہ

غیر احمدیوں کی لڑکی لے لینے میں حرج نہیں ہے کیونکہ اہل کتاب عورتوں سے بھی تو نکاح جائز ہے بلکہ اس میں تو فائدہ ہے کہ ایک اَور انسان ہدایت پاتا ہے۔ اپنی لڑکی کسی غیر احمدی کو نہ دینی چاہیئے۔ اگر ملے تو لے بیشک لو۔ لینے میں حرج نہیں۔ اور دینے میں گناہ ہے۔

فرمایا:۔

بعض لوگ جو یکتم ایمانہٗ[1] میں داخل ہیں اور بعض مخفی در مخفی معقول وجوہات کے باعث وہ اپنے ایمان کا اظہار بھی نہیں کر سکتے اور وہ ایسے نہیں ہیں کہ لَا الٰی ھٰؤلاء و لا الٰی ھٰؤلاء بلکہ انہوں نے تمہارے پاس اپنے ایمان اور صدق خلوص کا اظہار کر دیا ہے تو وہ لوگ معذور ہیں اور بعض وہ لوگ جو اپنے آپ کو ظاہر کرتے ہیں کہ وہ مکفرین میں

[1] المومن : ۲۹

داخل نہیں ہیں ان کو چاہیئے کہ وہ اس قسم کا ایک اشتہار دے دیں کہ وہ ہمارے مکفرین میں سے نہیں ہیں اور جو لوگ ہم کو کافر وغیرہ ناموں سے یاد کرتے ہیں اُن سے اپنے آپ کو یوں الگ کر دیں بلکہ یہ بھی لکھ دیں کہ جو لوگ ہمیں کافر کہتے ہیں وہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی حدیث کے مطابق ایک مسلمان کو کافر کہنے کی وجہ سے خود کافر ہیں۔ لیکن چپکے چپکے کبھی ہم میں آئے تو ہمارے بن بیٹھے اور ان میں گئے تو ان کے ہو گئے۔ یہ ایمانداروں کی روش نہیں ہے۔ ہم کوئی غیب کا علم تو رکھتے نہیں کہ کسی کے دل کی حالت سے ہمیں آگاہی ہو جاوے۔ پس یہ ایک راہ ہے کہ جس سے یہ لوگ اگر ان کے دلوں میں کوئی نفاق کا مرض نہیں ہے تو ہمارے مکفرین میں سے الگ ہو کر الگ ایک جماعت بن سکتے ہیں اور اگر فی قلوبھم مرضٌ فزادھم اللہ مرضًا[1] والا معاملہ ہے اور ان کے دلوں میں واقعی نفاق کی آگ ہے تو اس طرح سے ان کی بیماری اور بھی زیادہ ہو جاوے گی اور ظاہر ہو جاوے گی۔

اصل بات یہ ہے کہ بعض اوقات حبِ دُنیا کا غلبہ بھی سلبِ ایمان کا باعث ہو جایا کرتا ہے لہذا دنیوی امور میں بہت انہماک اور دنیوی امور کو اتنی اہمیت دے دینا کہ گویا دین ایمان اور آخرت کی پروا ہی نہ رہے۔ یہ بھی خطرناک زہریلا مرض ہے۔ یہ تو وہ زمانہ ہے جس کے متعلق رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم پہاڑوں کی چوٹیوں پر چلے جاؤ، درختوں کے تنوں سے لگ جاؤ اور جس طرح سے بن پڑے زمانہ کے فتن سے اپنے ایمان کو سلامت رکھنے کی کوشش کرو۔ پس اگر بحالت مجبوری کوئی احمدی اکیلا ہی ہو تو اُسے تنہا ہی نماز گذار لینی چاہیئے اور کوشش اور دُعا کرنی چاہیئے کہ خدا اسے جماعت بنا دے۔ اصل میں مومن کو بھی تبلیغ دین میں حفظ مراتب کا خیال رکھنا چاہیئے۔ جہاں نرمی کا موقعہ ہو وہاں سختی اور درشتی نہ کرے اور جہاں بجز سختی کرنے کے کام ہوتا نظر نہ آوے وہاں نرمی کرنا بھی گناہ ہے۔[1]

[1] بدر سے:- "ہر معترض سے جو باوجود سمجھانے کے پھر بھی اعتراض کرتا چلا جائے نرمی کا برتاؤ ٹھیک نہیں" (بدر جلد ۷ نمبر ۱۶ صفحہ ۴)

[1] البقرۃ : ۱۱

گر حفظ مراتب نہ کنی زندیقی

دیکھو فرعون بظاہر کیسا سخت کافر انسان تھا مگر اللہ تعالیٰ کی طرف سے حضرت موسیٰ کو یہی ہدایت ہوئی کہ قولا لہٗ قولاً لیناً[1]۔ رسُول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے واسطے بھی قرآن شریف میں اسی قسم کا حکم ہے وان جنحوا للسلم فاجنح لھا[2]۔ مومنوں اور مسلمانوں کے واسطے نرمی اور شفقت کا حکم ہے۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اور صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کی بھی ایسی ہی حالت بیان کی گئی جہاں فرمایا ہے کہ محمد رسول اللہ والذین معه اشداء علے الکفار رحماء بینھم[3] (پارہ ۲۶ رکوع ۱۲) چنانچہ ایک دوسرے مقام پر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کرکے فرماتا ہے کہ یاایھا النبی جاھد الکفار و المنافقین واغلظ علیھم[4] (پارہ ۲۸ رکوع ۲۰)۔ غرض ان آیات سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ خود خدا تعالیٰ نے بھی حفظ مراتب کا لحاظ رکھا ہے۔ مومنین اور ایمانداروں کے واسطے کیسی نرمی کا حکم ہے اور کفار میں سے بعض میں مادہ ہی ایسا ہوتا ہے کہ ان کو سختی کی ضرورت ہوتی ہے جس طرح سے بعض بیماریوں یا زخموں میں ایک حکیم حاذق کو چیرا پھاڑی اور عمل جرّاحی سے کام لینا پڑتا ہے۔

حضرت ابن عربی لکھتے ہیں کہ فرعون کے لئے کیوں اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ کو نرمی کا سلوک کرنے کی ہدایت کی۔ اس میں بھید یہی تھا کہ اللہ تعالیٰ جانتا تھا کہ آخر اُسے ایمان نصیب ہو جاوے گا۔ چنانچہ اٰمنتُ کا لفظ اسی کے مُنہ سے نکلا۔ بلکہ وہ تو یہانتک لکھتے ہیں کہ قرآن شریف سے اس کی نجات بھی ثابت ہے۔ قرآن شریف میں یہ نہیں لکھا کہ فرعون جہنّم میں داخل ہوگا۔ صرف یہی لکھا ہے یقدم قومه یوم القیامة فاوردھم النار[5]

فرمایا:-

خدا تعالیٰ کی ہیبت ناک اور غضب کی تجلّیات کا سب سے اکمل اور اتم مظہر صاعقہ

[1] طٰہٰ: ۴۵ [2] الانفال: ۶۲ [3] الفتح: ۳۰ [4] التحریم: ۱۰ [5] ھود: ۹۹

ہے اس میں دونو باتیں سمندر میں میٹھے اور کڑوے پانی کی طرح خدا تعالیٰ کے غضب اور رحم کی پہلو بہ پہلو چلی جا رہی ہیں[1]۔ ایک طرف صاعقہ خدا تعالیٰ کے غضب کا مظہر ہے تو دوسری طرف روشنی اور بارش خدا تعالیٰ کے رحم کے مظہر بھی موجود ہیں۔

فرمایا:۔

ایک الہام بھی ہے کہ انّی انا الصاعقۃ

فرمایا کہ

بعض اوقات ایسا بھی دیکھنے میں آیا ہے کہ بغیر اس کے کہ بجلی اپنا اثر کرے موت کا باعث ہو جایا کرتی ہے چنانچہ ایک دفعہ ہم نے دیکھا کہ ایک موقعہ پر کچھ گدھے بجلی کے صدمے سے ہی مر گئے۔ ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ ہم سیالکوٹ میں ایک مکان پر تھے اور پندرہ یا سولہ آدمی اور بھی ہمارے ساتھ تھے۔ دفعتاً بجلی اس مکان کے دروازے پر پڑی۔ اور دروازے کی شاخ کو دو ٹکڑے کر دیا اور مکان دھوآں دھار ہو گیا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ گویا بڑی کثرت سے گندھک جلائی گئی ہے۔ پھر چند منٹ کے بعد ہی ایک دوسرے محلے میں ایک مندر تھا اور اس کے پیچ در پیچ راستے تھے۔

چنانچہ اس موقعہ پر آپ نے کھڑے ہو کر اپنے دست مبارک کی لکڑی سے زمین پر ذیل کی صورت کا ایک نقشہ کھینچا



اور فرمایا کہ

اس قسم کے پیچ در پیچ راستوں سے ہو کر وہ بجلی اندر مندر میں گئی اور وہاں ایک سادھو بیٹھا تھا اس پر جا کر گری چنانچہ وہ سادھو ایک چو[2] کی طرح ہو گیا ہوا تھا۔

[1] بدر سے :۔ "خدا تعالیٰ کی دو صفتیں ہیں۔ جلال اور جمال۔ دونوں ساتھ ساتھ کام کر رہی ہیں" (بدر جلد ۲ نمبر ۱۶ صفحہ ۴)۔

[2] پنجابی میں جلی ہوئی لکڑی کو کہتے ہیں (مرتب)

فرمایا کہ

ہمارا معاملہ تو غور کرنے والوں کے واسطے بالکل صاف اور کھلا ہے۔ عقلمند انسان کے واسطے تو اگر اور کوئی بھی معجزہ نہ ہو (حالانکہ یہاں تو ہزاروں زمینی آسمانی نشانات اور تائیدات موجود ہیں) تو بھی اتنی مدت دراز تک ہمارے وجود کا (ایسے زبردست دعاوی اور ایسے خطرناک حالات کے باوجود) ابقا ہی کافی ہے۔ غور کا مقام ہے کہ ابھی تیرھویں صدی میں سے کچھ سال باقی تھے جب سے ہمارا دعویٰ ہے اور اب چودھویں صدی کے بھی ۲۶ برس گذر چکے ہیں اندرونی بیرونی دشمنوں کی مخالفتیں اور جوشیلی تدابیر کے ساتھ ساتھ خود ہمارے اپنے وجود کی بعض خطرناک بیماریوں کے ہوتے ہوئے پھر بھی خدا نے ہمیں معجزانہ زندگی عطا کی ہے پھر خود ہی کہتے ہیں کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے واسطے تو ایک آدھ گھڑی کا افترا بھی خطرناک اور رگ جان کے کٹ جانے کا باعث تھا مگر ہمیں خدا نے باوجودیکہ ہم ان کے زعم میں مفتری ہیں برابر تیس برس تک مہلت دی۔ اور پھر یہی نہیں بلکہ ہزارہا قسم کے زمینی آسمانی نشانوں سے ہمارے صدق دعویٰ کی تائید کی اور سارے معاملے ہمارے ساتھ صادقوں والے کئے۔ ایک بھی ایسی بات نہ کی جو کاذبوں والی ہو پھر بایں خدا جانے ان کی عقلوں پر کیسی جہالت کے پردے پڑ گئے ہیں اور یہ کیوں نہیں سمجھتے۔

(الحکم جلد ۱۲ نمبر ۲۷ صفحہ ۱ - ۳ مورخہ ۱۴ اپریل ۱۹۰۸ء)

---

۱۲ اپریل ۱۹۰۸ء

فرمایا:-

یہ زندگی کچھ شئے نہیں

فرمایا:-

وہ ذوالقرنین جس کا ذکر قرآن شریف میں ہے اَور ہے اور سکندر رومی اَور شخص ہے۔ بعض لوگ ہر دو کو ایک سمجھتے ہیں۔ دو صدیوں میں سے حصہ لینے والا ہے۔

(بدر جلد ۸ نمبر ۷-۸-۹ صفحہ ۳ مورخہ ۲۴/۳۱ دسمبر ۱۹۰۸ء)

بلا تاریخ

سفوف بھلاوہ کا ذکر تھا۔ فرمایا:-

باہ کے مایوسوں کے واسطے مفید ہے

فرمایا:-

یہ امر گناہ میں داخل ہے کہ انسان لوگوں کے ہنسی ٹھٹھے سے ڈر کر حق گوئی سے رہ جاوے

سلطان روم کا ذکر تھا۔ فرمایا:-

اس گئے گذرے زمانے میں بھی اسلامی بادشاہوں نے خدا تعالیٰ کی یاد کی راہ کو نہیں چھوڑا۔ سُنا گیا ہے کہ سلطان روم نماز جمعہ کے واسطے مسجد جاتا ہے اور فقراء کو ملتا ہے۔

فرمایا:-

ہمارے اصول میں یہ بات ہے کہ سچائی کو دنیا میں پھیلایا جائے۔ اس زمانہ میں بڑی ضرورت یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کی ہستی کو ثابت کیا جاوے۔

فرمایا:-

قول موجہ صفت انبیاء ہے

فرمایا:-

اُونٹ کی سواری بھی محلل ہے۔ امراض ذیابطیس سلسل البول کو مفید ہے۔

فرمایا:-

مبلغ کو چاہیئے کہ امراء کو جو لمبا کلام نہیں سُن سکتے ایک چھوٹا سا ٹوٹکا سُنائے جو سیدھا کان کے اندر چلا جائے اور اپنا کام کرے۔

تعدّد ازواج

تعدد ازواج کا ذکر تھا۔ فرمایا کہ

شریعت حقّہ نے اس کو ضرورت کے واسطے جائز رکھا ہے۔ ایک لائق آدمی کی بیوی اگر اس قسم کی ہے کہ اس سے اولاد نہیں ہو سکتی تو وہ کیوں بے اولاد رہے اور اپنے آپ کو بھی عقیم بنا لے۔ ایک عمدہ گھوڑا ہوتا ہے تو اس کی نسل بھی قائم رکھنے کی کوشش کی جاتی ہے انسان کی نسل کو کیوں ضائع کیا جاوے۔

پادری لوگ دوسری شادی کو زناکاری قرار دیتے ہیں تو پھر پہلے انبیاء کی نسبت کیا کہتے ہیں۔ حضرت سلیمان کی کہتے ہیں کئی سو بیویاں تھیں اور ایسا ہی حضرت داؤد کی تھیں نیت صحیح ہو اور تقویٰ کی خاطر ہو تو دس بیس بیویاں بھی گناہ نہیں۔ اگر نعوذ باللہ عیسائیوں کے قول کے مطابق ایک سے زیادہ نکاح سب زنا ہیں تو حضرت داؤد کی اولاد سے ہی ان کا خدا بھی پیدا ہوا ہے۔ تب تو یہ نسخہ اچھا ہے اور بڑی برکت والا طریق ہے۔

پادری لوگ نکمی باتوں کی طرف جاتے اور اصل امر کو نہیں دیکھتے۔ انجیل میں لکھا ہے جس کے اندر رائی کے برابر ایمان ہے وہ پہاڑ کو کہے کہ یہاں سے اُٹھ کر وہاں چلا جا تو وہ چلا جائے گا۔ عیسائیوں کو چاہیئے کہ اپنے ایمان کا ثبوت دیں ورنہ سب بے ایمان ہیں۔

مسلمانوں میں ہمیشہ ایسے لوگ ہوتے رہے ہیں جنہوں نے نشانات دکھلائے۔

ایک سرکاری افسر کی ملاقات کے وقت فرمایا :۔

خدا وہ دن لائے کہ روحانی ملاقاتیں ہوں۔ جسمانی ملاقات کوئی شئے نہیں نہ زبان کوئی شئے ہے دل چاہیئے۔

فرمایا :۔

جس قدر کوئی شخص انصاف اختیار کرتا ہے اسی قدر روشن ضمیر ہو جاتا ہے۔

فرمایا :۔

جو لوگ اس نبی کی تکذیب کرتے ہیں وہ سب انبیاء کے مکذب ہیں۔

فرمایا :۔

دین آسمان سے آیا ہے اور ہمیشہ آسمان سے ہی اس کو آبپاشی حاصل ہوتی ہے

(بدر جلد ۸ نمبر ۷-۸-۹ صفحہ ۳ مورخہ ۲۴/۳۱ دسمبر ۱۹۰۸ء)

---

۱۵ اپریل ۱۹۰۸ء

بوقت ظہر

ایک شخص کا خط حضرت اقدس کی خدمت میں پیش ہوا کہ فلاں شخص نماز نہیں پڑھتا، روزے نہیں رکھتا، یہ ہے وہ ہے، اس کو کافر کہنا چاہیئے یا نہیں۔ وہ احمدی ہے یا نہیں؟

فرمایا:۔

اس کو کہنا چاہیئے کہ تم اپنے آپ کو سنبھالو اور اپنی حالت کو درست کرو۔ ہر شخص کا معاملہ خدا تعالیٰ کے ساتھ الگ ہے۔ تم کو کس نے داروغہ بنایا ہے جو تم لوگوں کے اعمال پڑتال کرتے پھرو اور ان پر کفر یا ایمان کا فتویٰ لگاتے پھرو۔ مومن کا کام نہیں کہ بے فائدہ لوگوں کے پیچھے پڑتا رہے۔

ایک صاحب کے ایک خوفناک جگہ پر مکان بنوانے اور بسبب کمی روپیہ تعمیر مکان کو پورا نہ کر سکنے کا ذکر تھا۔ فرمایا:۔

افسوس ہے کہ بعض لوگ پہلے مشورہ نہیں کر لیتے۔ مشورہ ایک بڑی بابرکت چیز ہے

اس پر حضرت مولوی نورالدین صاحب نے فرمایا کہ قرآن شریف میں اللہ تعالیٰ خود اپنے رسُول کو حکم دیتا ہے کہ وہ مشورہ کیا کرے تو پھر دوسروں کے لئے یہ حکم کس قدر زیادہ تاکیدی ہو سکتا ہے۔ آجکل لوگوں کا حال یہ ہے کہ یا تو مشورہ پوچھتے نہیں یا پوچھتے ہیں تو پھر مانتے نہیں۔

حضرت نے فرمایا کہ

پھر ایسی بات کی لوگ سزا بھی پاتے ہیں۔ ایسوں کے حالات سے زیادہ تر وہ لوگ اب فائدہ اُٹھا سکتے ہیں جو عبرت حاصل کریں۔

(بدر جلد ۷ نمبر ۱۶ صفحہ ۱۲ مورخہ ۲۳ر اپریل ۱۹۰۸ء)

بلا تاریخ

(منقول از تشحیذ الاذہان بابت اپریل ۱۹۱۱ء)

فرمایا کہ

آجکل کے نواب اور امرا عیاشی میں پڑے ہوئے ہیں۔ دین کی طرف بالکل توجہ نہیں۔ ہر قسم کے عیش و عشرت کے کاموں میں مصروف ہیں مگر دین سے بالکل غافل ہیں اور دوسرے آدمی بھی جب ان کو کوئی بڑا عہدہ ملتا ہے یا کسی اعلیٰ جگہ پر مقرر ہوتے ہیں تو پھر غافل ہو جاتے ہیں اور بالکل مخلوق کی بہتری کا خیال نہیں رہتا۔ دنیا میں عام طور پر دیکھا جاتا ہے کہ جب انسان کسی اعلیٰ مرتبہ کو حاصل کر لیتا ہے تو پھر وہ مغرور ہو جاتا ہے۔ حالانکہ وہ اس عرصہ میں بہت کچھ نیک کام کر سکتا ہے اور بنی نوع انسان کو فائدہ پہنچا سکتا ہے خدا تعالیٰ قرآن شریف میں فرماتا ہے لئن شکرتم لازیدنکم ولئن کفرتم ان عذابی لشدید[1]۔ اگر تم میرا شکر ادا کرو تو میں اپنے احسانات کو اَور بھی زیادہ کرتا ہوں اور اگر تم کفر کرو تو پھر میرا عذاب بھی بڑا سخت ہے۔ یعنی انسان پر جب خدا تعالیٰ کے احسانات ہوں تو اس کو چاہیئے کہ وہ اس کا شکر ادا کرے اور انسانوں کی بہتری کا خیال رکھے اور اگر کوئی ایسا نہ کرے اور اُلٹا ظلم شروع کر دے تو پھر خدا تعالیٰ اس سے وہ نعمتیں چھین لیتا ہے اور عذاب کرتا ہے۔ آجکل نواب اور راجہ بالکل بھولے ہیں اور پھر اپنے عیش و آرام میں پڑے ہوئے ہیں۔ دوسرے لوگوں کو چاہیئے کہ ایسے کاموں میں مخلوق کی بھلائی کا خیال رکھیں اور ان باتوں کو بھولیں نہیں جن سے اہل ملک کا فائدہ ہو اور ایسا نہ ہو کہ بڑا عہدہ پا کر انسان خدا کو بھُول جائے اور اس کا دماغ آسمان پر چڑھ جائے بلکہ چاہیئے کہ نرمی اور پیار سے کام کیا جائے اور چاہیئے کہ جو شخص کسی ذمہ داری کے عہدہ پر مقرر ہو تو وہ لوگوں سے خواہ امیر ہوں یا غریب نرمی اور اخلاق سے پیش آئے کیونکہ اس میں نہ صرف ان لوگوں کی بہتری ہے بلکہ خود اس کی بھی بہتری ہے۔

(بدر جلد ۷ نمبر ۱۶ صفحہ ۱۴ مورخہ ۲۳ اپریل ۱۹۰۸ء)

---

[1] ابراھیم: ۸

۲۰ر اپریل ۱۹۰۸ء

قبل ظہر

شیخ فضل کریم صاحب جنہوں نے اسی سال حج کعبۃ اللہ کا شرف حاصل کیا ہے چند روز سے دارالامان میں تشریف رکھتے ہیں۔ قبل ظہر حضرت اقدس سے ملاقات ہوئی اور انہوں نے اس سال کی ناقابل برداشت تکالیف کا جو حجاج کو برداشت کرنی پڑیں سارا حال بیان کیا۔ انہوں نے بیان کیا کہ انگلش حدود سے نکل کر ٹرکش حدود میں داخل ہوتے ہی ایسی مشکلات کا سامنا ہوا کہ جن کی وجہ سے یقیناً کہا جا سکتا ہے کہ یہ مشکلات ایسی ہیں جن سے حج کے بالکل بند ہو جانے کا اندیشہ ہے خصوصاً اہل ہند کے واسطے۔ انہوں نے بیان کیا کہ ٹرکی حدود میں کوئرنٹائن کی ناقابل برداشت سختیاں وہاں کے ڈاکٹروں اور حاکموں کا سخت درجہ کا حریص اور طامع ہونا اور اپنے فائدے کے لئے ہزاروں جانوں کی ذرہ بھر پروا نہ کرنا، لوگوں کا سامان خوراک پوشاک بھپاڑ میں ضائع کر دینا یا نقدی کا ضائع جانا۔ اور پھر جو چیز ایک مصری حاجی ۵؍ میں حاصل کر سکتا ہے وہ ہندیوں کو ۵؍ تک بھی بمشکل دینا۔ راستوں میں باوجودیکہ سلطان المعظم نے ہر دو میل پر کنواں تیار کروا رکھا ہے عمال اور کارکنوں کا بغیر دو چار آنے لئے کے پانی کا گلاس تک نہ دینا۔ اور پھر راستہ میں باوجود چوکی پہروں کے انتظام کے جو کہ سلطان المعظم کی طرف سے کیا گیا ہے پرلے درجہ کی بدامنی کا ہونا یہانتک کہ انسان اگر راستے سے دو چار گز بھی ادھر ادھر ہو جاوے تو پھر وہ زندہ نہیں بچ سکتا اور پھر ہندیوں سے خصوصاً سخت برتاؤ ہونا، بات بات پر پٹ جانا اور کوئی داد فریاد نہیں۔ بات بات پر کذاب، بطال اور الفاظ حقارت سے مخاطب کیا جانا وغیرہ وغیرہ ایسے سامان ہیں کہ بہت ہی مصیبت کا سامنا نظر آتا ہے۔

یہ سارا ماجرا سُنکر حضرت اقدس نے فرمایا کہ

۱۹۰۴ء

ہم آپ کو ایک نصیحت کرتے ہیں۔ ایسا ہو کہ ان تمام امور تکالیف سے آپ کی قوت ایمانی میں کسی قسم کا فرق اور تزلزل نہ آوے۔ یہ خدا تعالیٰ کی طرف سے ابتلاء ہے۔ اس سے پاک عقائد پر اثر نہیں پڑنا چاہیئے۔ ان باتوں سے اُس متبرک مقام کی عظمت دلوں میں کم نہ ہونی چاہیئے کیونکہ اس سے بدتر ایک زمانہ گذرا ہے کہ یہی مقدس مقام نجس مشرکوں کے قبضہ میں تھا اور انہوں نے اُسے بُت خانہ بنا رکھا تھا۔ بلکہ یہ تمام مشکلات اور مصائب خوش آئند زمانے اور زندگی کے درجات ہیں۔ دیکھو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے مبعوث ہونے سے پہلے بھی زمانہ کی حالت خطرناک ہو گئی تھی اور کفر و شرک اور فساد اور ناپاکی حد سے بڑھ گئے تھے تو اس ظلمت کے بعد بھی ایک نُور دنیا میں ظاہر ہوا تھا۔ اسی طرح اب بھی امید کرنی چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ ان مشکلات کے بعد کوئی بہتری کے سامان بھی پیدا کر دیگا اور خدا تعالیٰ کوئی سامان اصلاح پیدا کر دیگا بلکہ اسی متبرک اور مقدس مقام پر ایک اور بھی ایسا ہی خطرناک اور نازک وقت گذر چکا تھا جس کی طرف آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے توجہ دلائی تھی۔ الم تر کیف فعل ربك باصحاب الفیل[1] الخ۔

غرض یہ اب تیسرا واقعہ ہے۔ اس کی طرف بھی اللہ تعالیٰ ضرور توجہ کرے گا اور خدا کا توجہ کرنا تو پھر قہری رنگ میں ہی ہوگا۔

ایک شخص کابلی سید عبد المجید خاں نامی چند روز سے قادیان میں آیا ہوا تھا۔ اس نے عرض کی کہ حضور میرا ارادہ ہے کہ حضور کے قدموں میں رہوں اور تحصیل علم دینی کروں۔

فرمایا کہ

اب تمہاری عمر اس قابل نہیں کہ تحصیل علم کی طرف توجہ کرو۔ تمہارا کام یہ ہے کہ محنت کرو اور کماؤ اور خدا کی راہ میں تقویٰ اختیار کرو۔ تمام علوم صحیحہ کی انتہائی غرض عمل ہوتی

[1] الفیل: ۲

ہے۔ اگر انسان پڑھ کر عمل نہیں کرتا تو وہ سخت گناہ کرتا ہے اور پکڑ بھی سخت ہوگی۔ مولوی ہو اور پھر گناہ کرے یہ خدا تعالیٰ کے غضب اور قہر کی علامت ہے اور جو لوگ دین العجائز رکھتے ہیں اور معمولی مسلمان ہیں مؤاخذہ میں بھی اُن سے نرمی کی جاوے گی۔ پس کوشش کرو۔ عملی حالت میں ترقی کرو۔

(الحکم جلد ۱۲ نمبر ۲۹ صفحہ ۱ مورخہ ۲۲ را پریل ۱۹۰۸ء)

۲۱ را پریل ۱۹۰۸ء

قبل از ظہر

تمباکو، افیون اور شراب وغیرہ کے متعلق ذکر تھا کہ ان کی عادت جن لوگوں کو ہو جاتی ہے پھر ان کا چھوٹنا مشکل ہو جاتا ہے اور بالخصوص شراب تو ایک ایسی چیز ہے کہ چھوڑ دینے کے بعد بھی کتابوں میں لکھا ہے کہ اس کا عام دوری امراض کی طرح بعض اوقات دورہ ہو جاتا ہے اور وہ ایسا خطرناک اور شدید دورہ ہوتا ہے کہ ایک انسان پاگل ہو جاتا ہے اور آخر کار پی ہی لیتا ہے خواہ پھر ہوش سنبھالنے پر توبہ ہی کرے۔

فرمایا:۔

وہ معاصی کا دورہ ہوتا ہے ورنہ اللہ تعالیٰ کے آگے کوئی بات انہونی نہیں ہے۔ جہاں قوت ایمانی ہو وہاں معاصی ٹھہر ہی نہیں سکتے۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی زندگی کی طرف دیکھا جاوے کہ انہوں نے حُرمت کی آیت نازل ہونے کے بعد کیسی چھوڑی کہ پھر اس توبہ کی حالت میں ہی مر گئے۔ وہاں تو شراب نے کبھی دورہ نہ کیا اور نہ ہی کسی کو از خود رفتہ کر لیا کہ وہ مجبور ہو جاتا۔ حکم حرمت کے دن شہر کی گلیوں میں ٹخنوں تک بہہ نکلی۔ مگر یہ سب کچھ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی قوت قدسی اور تاثیر کا نتیجہ تھا کہ صحابہؓ کے ایمان ایسے قوی ہو گئے تھے کہ شراب بھی جس کا وہ لوگ پانی کی جگہ استعمال کرتے تھے شرک کی طرح ایسی نابود ہوئی کہ پھر نہ عود کر سکی۔

آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے ابتدا ہی سے کیسا معصوم رکھا تھا کہ باوجودیکہ آپ کے تمام رشتہ دار اور اقربا، اور ہم قوم اس خبیث چیز کے استعمال میں مستغرق تھے اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنی ابتدائی چالیس سالہ زندگی انہی لوگوں میں بسر کی مگر کسی کا اثر آپ پر نہ ہوا۔ گویا روزِ ازل ہی سے اللہ تعالیٰ نے آپ کو معصوم بنایا تھا اور یہ آپ کی فطرت سلیم کی اور عصمت کی ایک خاص دلیل ہے۔

(الحکم جلد ۱۲ نمبر ۳۰ صفحہ ۱ مورخہ ۲۶ را پریل ۱۹۰۸ء)

---

۲۲ را پریل ۱۹۰۸ء

کسی شخص کا یہ اعتراض پیش ہوا کہ احمدیوں نے کوئی تبدیلی پیدا نہیں کی۔ بات بات پر آپس میں لڑتے جھگڑتے ہیں وغیرہ وغیرہ۔

فرمایا:۔

ایسے اعتراض باریک در باریک بغض کی وجہ سے ہوتے ہیں۔ کیا شرک گناہ اور ناپاک زندگی سے توبہ کرنا تبدیلی نہیں ہے؟ ہم دیکھتے ہیں کہ جو شخص بیعت کر کے جاتا ہے اس میں تبدیلی ضرور ہوتی ہے۔ شاذ و نادر پر اعتراض کرنا ایمانداری نہیں ہے بلکہ قرآن شریف نے تو نکتہ چینی کرنے سے بھی منع فرمایا ہے۔ كَذٰلِكَ كُنْتُمْ مِّنْ قَبْلُ فَمَنَّ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ۔[1] یعنی تم بھی تو ایسے ہی تھے۔ خدا تعالیٰ نے تم پر احسان کیا۔

غور سے دیکھا جاوے تو جو کچھ ترقی اور تبدیلی ہماری جماعت میں پائی جاتی ہے۔ وہ زمانہ بھر میں اس وقت کسی دوسرے میں نہیں ہے۔ دیکھو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد دنیا میں کیسا طوفان ارتداد برپا ہوا تھا کہ سوائے چند ایک جگہ کے جماعت بھی نہ ہوتی تھی۔ معترض کو کوئی خاص عناد اور بغض ہے اور اس نے ظلم کیا ہے اور خواہ مخواہ حملہ کیا ہے ورنہ ان لوگوں کی تبدیلی تو حیرت میں ڈالتی ہے۔ معترض غیب دان تو ہے نہیں کہ دوسرے

---

[1] النساء : ۹۵

کے دل کے خیالات نیک و بد پر اطلاع پا سکے۔ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ انسان اندر ہی اندر تبدیلی کرتا ہے اور خدا تعالیٰ سے ایک خاص خلوص اور تعلق محبت رکھتا ہے مگر وہ دوسروں کی نظر سے پوشیدہ ہوتا ہے۔

(الحکم جلد ۱۲ نمبر ۳۰ صفحہ ۱-۲ مورخہ ۲۶ را پریل ۱۹۰۸ء)

۲۴ر اپریل ۱۹۰۸ء

فرمایا کہ

بیماریوں میں جہاں قضاء مبرم ہوتی ہے وہاں تو کسی کی پیش ہی نہیں جاتی اور جہاں ایسی نہیں وہاں البتہ بہت سی دعاؤں اور توجہ سے اللہ تعالیٰ جواب بھی دے دیتا ہے اور بعض اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ مشابہ بمبرم ہوتی ہے اس کے ٹلا دینے پر بھی خدا تعالیٰ قادر ہے۔ یہ حالت ایسی خطرناک ہوتی ہے کہ تحقیقات بھی کام نہیں دیتی اور ڈاکٹر بھی لاعلاج بتادیتے ہیں مگر خدا تعالیٰ کے فضل کی یہ علامت ہوتی ہے کہ بہتر سامان پیدا ہوتے جاویں اور حالت دن بدن اچھی ہوتی جاوے ورنہ بصورت دیگر حالت مریض کی دن بدن ردّی ہوتی جاتی ہے اور سامان ہی کچھ ایسے پیدا ہونے لگتے ہیں کہ ؎

مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی

فرمایا:-

اکثر ایسے مریض جن کے لئے ڈاکٹر بھی فتویٰ دے چکتے ہیں اور کوئی سامان ظاہری زندگی کے نظر نہیں آتے۔ ان کے واسطے دعا کی جاتی ہے تو اللہ تعالیٰ ان کو معجزانہ رنگ میں شفا اور زندگی عطا کرتا ہے گویا کہ مردہ زندہ ہونے والی بات ہوتی ہے۔ حضرت عیسیٰؑ کے مُردوں کو زندہ کرنے کے جو قصے مشہور ہیں معلوم ہوتا ہے کہ ان میں جھوٹ کی بہت کچھ ملاوٹ کی گئی ہے ورنہ اگر ہزاروں مردے زندہ ہو جاتے تو یہودی کیا بالکل ہی اندھے ہو گئے تھے کہ ایسا کھلا

کھُلا نشان دیکھ کر بھی کہ جس میں غیب بالکل اُٹھ گیا اور گویا کہ خدا خود سامنے نظر آ گیا ایسی حالت دیکھ کر بھی ایمان نہ لائے۔ کیا وہ ایسے ہی قسی القلب تھے کہ ایمان لانا تو درکنار بلکہ خود حضرت مسیحؑ کو جن کے لئے ایسے ایسے معجزات خدا نے دکھائے کہ گویا آسمان کے کُل پردے اُٹھا دیئے ان کو پکڑ کر سُولی دی اور ان کے سر پر کانٹوں کا تاج پہنایا۔

اصل بات یہی ہے کہ زمانہ دراز گذرا ہے۔ اصل کتاب موجود نہیں۔ نرے تراجم ہی تراجم رہ گئے ہیں۔ خدا جانے کیا کچھ ان لوگوں نے اپنی طرف سے بڑھایا اور کیا کیا نکال دیا۔ اس کا علم خدا ہی کو ہے۔

فرمایا کہ

خدا کے معجزات تو ہوتے ہیں مگر ان سے فائدہ صرف مومن ہی اُٹھاتے ہیں۔ بے ایمان لوگ ان سے فائدہ نہیں اُٹھا سکتے اور محروم ہی رہ جاتے ہیں کیونکہ معجزات میں بھی ایک قسم کا پردہ اور غیب ضرور ہوتا ہے۔

مکرمی جناب ڈاکٹر خلیفہ رشید الدین صاحب نے ذکر کیا کہ بعض انگریز ان پادریوں سے سخت متنفر ہوتے ہیں حتی کہ بعض تو گرجوں کو بجائے اس کے کہ ان میں نماز پڑھیں کسی اور مفید کام پر لگا لینا بہتر جانتے ہیں۔

اس پر حضرت اقدس علیہ السلام نے فرمایا کہ

اکثر ایسے کہ وہ تو خدا سے انکار کر بیٹھے ہیں کیونکہ عیسائی ہو کر سب سے پہلی نیکی شراب پینا ہے اور پھر آگے جُوں جُوں ترقی کرے گا اور اپنے کمال کو پہنچے گا تو کفارہ پر ایمان لاوے گا اور یقین کرے گا کہ شریعت لعنت ہے اور کہ حضرت مسیحؑ ساری امت کے گناہوں کے بدلے پھانسی پا کر ہمارے گناہوں کا کفارہ ہو چکا۔ پھر گناہ کرے گا اور پیٹ بھر کر کرے گا اور اُسے کسی کا خوف نہ ہوگا اور خوف ہو تو کیسے؟ کیا مسیح ان کے لئے پھانسی نہیں دیا گیا؟ غرض یہ تو ان کی عملی حالت ہے پھر دنیا کو خدائی کا جو نمونہ دیا گیا تھا وہ ایسا کمزور اور ناتواں نکلا کہ

تھپڑ کھائے۔ پھانسی دیا گیا اور دشمنوں کا کچھ نہ کر سکا۔ پس انہی باتوں سے وہ خدا کے بھی منکر ہو گئے ہیں اور وہ لوگ بیچارے ہیں بھی معذور۔ کیونکہ یہ سب امور فطرتِ انسانی کے بالکل خلاف پڑے ہیں۔ بھلا کفارہ ایسی بیہودہ تعلیم سے بجز ناپاک زندگی کے اور ایسے کمزور و ناتواں خدا کے ماننے سے بجز ذلّت و ادبار کی مار کے اور حاصل ہی کیا؟ انہوں نے بھی فیصلہ کر لیا کہ ایسے خدا سے ہم یونہی اچھے ہیں۔ یہ ان کا قصور نہیں بلکہ تعلیم کا قصور ہے آریوں کو دیکھا جاوے تو انہوں نے ذرہ ذرہ کو خدا بنا رکھا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ ان کے اعمال ہی ان کے سُکھ اور دُکھ کا باعث ہیں گویا ان کے اعمال ہی ان کا خدا ہیں۔ غور کا مقام ہے کہ ذرّات عالم مع اپنے خواص کے خدا کی طرح ازلی ابدی ہیں تو پھر خدا کو ان پر فضیلت کیسی اور حکم کیسا؟ خواہ مخواہ مداخلت بیجا کر کے ان کی آزادی میں تصرّف کرنے کا حق ہی کیا تھا خدا کا۔

اصل بات یہ ہے کہ یہ وہ زمانہ آ گیا ہے کہ جس کا ذکر اللہ تعالےٰ کی کتاب میں ہے کہ وترکنا بعضھم یومئذٍ یموج فی بعضٍ ونفخ فی الصور فجمعنٰھم جمعًا[1] موجودہ آزادی کی وجہ سے انسانی فطرت نے ہر طرح کے رنگ ظاہر کر دیئے ہیں اور تفرقہ اپنے کمال کو پہنچ گیا ہے۔ گویا ایسا زمانہ ہے کہ ہر شخص کا ایک الگ مذہب ہے۔ یہی امور دلالت کرتے ہیں کہ اب نفخ صور کا وقت بھی یہی ہے اور فجمعنٰھم جمعًا کی پیشگوئی کے پورا ہونے کا بھی یہی زمانہ ہے۔

(الحکم جلد ۱۲ نمبر ۳۰ صفحہ ۲ مورخہ ۲۶ / اپریل ۱۹۰۸ء)

---

۲۷ / اپریل ۱۹۰۸ء

حضرت اقدس علیہ السلام کا سفر لاہور

بمقام بٹالہ

ایک شخص نے عرض کیا کہ حضور کیا اچھا ہو کہ اگر کوئی ایسی سبیل ہو جاوے کہ مسلمانوں کا

[1] الکھف : ۱۰۰

باہمی اختلاف اُٹھ جاوے اور جس طرح دیگر اقوام دنیوی معاملات میں اپنی یکجائی اور متفقہ کوششوں سے کامیاب ہو رہے ہیں مسلمان بھی کم از کم دنیوی معاملات میں تو مل کر کام کریں وغیرہ وغیرہ

حضرت اقدس (علیہ السلام) نے فرمایا :-

خدا تعالیٰ نے تو کہا ہے کہ اختلاف ہمیشہ رہے گا تو پھر انسان کون ہے جو اس اختلاف کو مٹانے کی کوشش کرے؟ اصل میں غور سے دیکھا جاوے تو اندرونی اتحاد تو انگریزوں میں بھی نہیں ہے۔ انہی میں سے بعض لوگ تو ایسے ہیں جو حضرت عیسیٰؑ کو نعوذ باللہ خدا مانتے ہیں۔ بعض ایسے ہیں جو موحد ہیں وہ ان کو صرف ایک رسول خدا کا یقین کرتے ہیں اور پھر بعض انہی میں ایسے بھی موجود ہیں کہ وہ نہ عیسیٰ کو مانتے ہیں نہ خدا کو، دہریہ ہیں۔ البتہ فرق یہ ہے کہ کسی نے تو دلیری سے اپنے ان عقائد کا اظہار کیا ہے اور بعض نے ذرا نرمی سے اظہار کیا ہے پس جب سب کا اختلاف ہے تو باوجود اس اختلاف کے کسی کی ہاں میں ہاں ملانے کے تو یہی معنے ہیں کہ انسان نفاق کا طریق اختیار کرے۔ مگر اللہ تعالیٰ اس امت کو منافق نہیں بنانا چاہتا بلکہ اللہ تعالیٰ تو نفاق سے ڈراتا ہے اور اس طریق زندگی کو بدترین حالت بیان فرماتا ہے۔ انّ المنافقین فی الدرك الاسفل من النّار[1] کسی پکے مسلمان کی غیرت اور حمیت یہ کب گوارا کر سکتی ہے کہ اپنے معتقدات اور مذہبی مسلمہ پیارے عقائد کے خلاف سُن سکے یا ان کی توہین ہوتی دیکھ سکے یا ایسے لوگوں سے جو اس کے بزرگوں کو جن کو وہ دین کا پیشوا یقین کرتا ہے بُرا کہنے والے یا گالیاں دینے والوں سے سچی محبت اور اتفاق رکھ سکے۔ ہمارے نزدیک تو ایسا انسان جو باں ہمہ کسی سے محبت و مودت رکھتا ہے دُنیا کا کُتا اور منافق ہے کیونکہ ایک سچے مسلمان کی غیرت یہ چاہ سکتی ہی نہیں کہ وہ نفاق کرتا ہے۔

ابھی تھوڑا عرصہ گذرا ہے کہ ایک انگریز سیاح امریکہ سے ہمارے پاس آیا تھا ہم نے اس سے سوال کیا کہ آپ لوگ جو اتنی جان توڑ کوششیں کرتے ہو کہ لوگ، آپ کا مذہب قبول کر لیں اور ساری دنیا کو عیسائی بنانا چاہتے ہیں۔ بھلا آپ یہ تو فرمائیں کہ عیسائی ہو کر آپ لوگوں نے کیا بنایا ہے

[1] النسآء: ۱۴۶

کہ دوسرے وہ فائدہ اُٹھاویں گے۔ فسق وفجور میں عیسائی قوم نے جو ترقی کی ہے وہ کوئی پوشیدہ امر نہیں۔ اکثر حصہ اس قوم کا ایسا ہے کہ خدا سے بھی برگشتہ ہے اور گویا کہ اپنے فعل سے بتا رہا ہے کہ خدا کی ان کو ضرورت ہی نہیں . . . . . اب کہئے کہ آپ ایک ایسی قوم کے کس طرح حامی بنتے ہیں جو خود ایسا اقرار کرتے ہیں۔ آپ کس طرح مسلمانوں سے ایسی خطرناک عادات اور فسق وفجور میں غرق شدہ قوم کی تقلید کرانا چاہتے ہیں جن پر خوف ہے کہ ان کے اعمال بد کی وجہ سے عذاب نازل ہو۔

خدا تعالیٰ تقویٰ طہارت کو چاہتا ہے۔ ہم مانتے ہیں کہ مسلمان بھی فاسق ہیں، فاجر ہیں، مگر اس قوم کے مقابلہ میں نسبتاً دیکھا جاوے تو صاف معلوم ہو سکتا ہے کہ مسلمانوں کی زندگی اُن کے مقابلہ میں ہزار درجہ بہتر ہے۔ خدا تعالیٰ نے مسلمانوں میں توحید کی برکت سے یہ فسق وفجور اور بے غیرتی پیدا نہیں ہونے دی۔ خود بعض انگریز مصنّفوں نے اس بات کو تسلیم کیا ہے کہ مسلمان قوم دنیا میں غنیمت ہے اور عیسائی اقوام کے مقابلہ میں اُن کی زندگی ہزار درجہ بہتر ہے۔ عیسائی قوم کے واسطے کفارہ کی جو راہ کھلی ہے اس کے ذریعہ سے اس قوم میں کونسا گناہ ہے جو جرأت اور دلیری سے کیا نہیں جاتا؟ اور وہ کونسی بدی ہے جس کے کرنے سے کسی عیسائی کو کوئی روک پیدا ہو سکتی ہے؟ اصل میں کفارہ کا عقیدہ ہی ان میں ایسا ہے کہ سارے حرام ان کے واسطے حلال ہو گئے ورنہ کفارہ باطل ہوتا ہے۔

نور افشاں جو عیسائیوں کا ایک معتبر اخبار ہے اسی میں ایک دفعہ لکھا گیا تھا کہ مسلمانوں میں ان کی عبادت گاہوں اور مساجد میں ایک ادنیٰ مسلمان بادشاہِ وقت کے برابر بلکہ اس کے آگے کھڑا ہو سکتا ہے اور دُنیوی ثروت اور جاہ وجلال کا کوئی اثر ان کی مسجدوں میں باقی نظر نہیں آتا۔ حالانکہ عیسائیوں میں ایک خاص یورپ کا عیسائی کبھی دیسی عیسائیوں سے گرجا میں بھی اکٹھا نہیں ہو سکتا۔ حتیٰ کہ ان میں گرجا میں بھی کرسیوں کے درجے موجود ہوتے ہیں۔

غرض مسلمانوں میں بڑی بڑی برکات ہمیشہ موجود رہتی ہیں اور اب بھی ہیں۔ آپ ان معاملات میں غور کریں اور اپنے علم کو بڑھاویں۔ بغیر معلومات وسیع کے آپ کو ایسا دعویٰ نہیں کرنا چاہیئے کہ

عیسائی مسلمانوں سے نیکی، تقویٰ، طہارت میں بڑھے ہوئے ہیں۔ ہر امر میں حکم نسبتاً لگایا جاتا ہے۔ مسلمان نسبتاً ان سے نیکی میں، تقویٰ میں، طہارت میں، خدا ترسی میں بہت آگے بڑھے ہوئے ہیں۔

باقی رہی یہ بات کہ مسلمانوں میں باہمی اتفاق نہیں ہے سو اس کے متعلق تو اللہ تعالیٰ کا خود بھی منشاء ہے اور اس میں رحمت ہے۔ البتہ ایک حد تک جب خدا کو منظور ہوگا خود بخود اتفاق اور اتحاد بھی پیدا ہو جاوے گا۔ مسلمانوں کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا یہ خاص فضل ہمیشہ شامل حال رہا ہے کہ خدا تعالیٰ ان کو گرنے کے وقت سنبھال لیتا ہے حالانکہ اور قومیں اس سے محروم ہیں۔ مشکلات بھی دن اور رات کی طرح ہر قوم کے ساتھ دَورہ کرتی ہیں۔ مگر خدا تعالیٰ نے ہمیشہ مسلمانوں کو ایسے اوقات میں تائید غیبی سے سنبھال لیا ہے۔ جس صلح کے آپ خواہش مند ہیں وہ تو ہمارے خیال میں نفاق ہے اور ہم ایسی صلح کے دشمن ہیں۔ یہ کہنا کہ انگریز قوم بڑی علم دوست ہے کیسی ایک بیہودہ بات ہے۔ علم بھی ایک طاقت ہے۔ انسان اس طاقت کے ذریعہ سے ہر ظلمت اور ذلیل عقائد سے بچ جاتا ہے۔

ان کا علم کیا خاک علم ہے کہ ایک ناتواں کمزور اور ضعیف انسان جو کہ معمولی انسانوں کی طرح ماں کے پیٹ سے قانون قدرت کے موافق پیدا ہوا۔ اور دنیوی سختیوں اور تلخیوں سے بچنے کی مشکلات برداشت کرتا ہوا آخر یہودیوں کے ہاتھ سے طرح طرح کی ذلتیں سہتا اور ماریں کھاتا ہوا سُولی پر چڑھایا گیا۔ ایسے ایک انسان کو خدا بنا لیا۔ کیا علم اسی کا نام ہے ہاتھی کے دانت کھانے کے اَور دکھانے کے اَور۔ جب کوئی بادشاہ بنتا ہے تو اس سے قسماً عہد لیا جاتا ہے کہ وہ انجیل کے احکام کی پیروی کرے گا۔ کیا اسی کا نام ہے کہ انگریز علم دوست ہوتے ہیں؟

سائل نے کہا کہ ہر وقت ان کے ہاتھ میں کتاب یا اخبار موجود رہتی ہے۔

فرمایا:۔

جو شخص علوم حقیقی اور الٰہیات سے بے نصیب محض ہو اس کو علم دوست نہیں کہا جا سکتا۔

طلباء کے امتحان کا ذکر ہونے پر فرمایا:-

عند الامتحان یکرم المرء او یہان

فرمایا:-

اصل میں لڑکے بھی معذور ہیں۔ امتحان کے مشکلات بہت سخت ہوتے ہیں جب دنیوی امتحانوں کا یہ حال ہے تو پھر دینی امتحان کا کیا حال ہے۔ انسان دنیوی امتحان کے واسطے کیا کیا تیاریاں کرتا ہے اور کس قدر فکر اور غم اس کو ہوتا ہے اور کیسی کیسی شاقہ محنت برداشت کرتا ہے۔ بے فکری ہے تو کس سے؟ دینی امتحان سے۔ نہیں محنت کی جاتی تو کس کے واسطے؟ دین کے امتحان کے واسطے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اَحسب الناس ان یترکوا ان یقولوا اٰمنا وھم لا یفتنون[1]۔ اللہ تعالیٰ بھی ایک امتحان کی طرف متوجہ کرتا ہے۔ اس کا بھی کچھ فکر کرنا چاہیئے اور اس امتحان کے واسطے بھی کچھ تیاری کرنی ازبس لازمی ہے۔ دیکھو ہر صدی کے سرے پر جو ایک مجدّد آتا ہے وہ بھی اللہ تعالیٰ کا ایک امتحان ہی ہوتا ہے۔ اب اس وقت بھی مسلمانوں کا ایک امتحان ہو رہا ہے۔ خدا تعالیٰ نے ایک مامور بھیجا ہے اور اس کے ساتھ ہزاروں زمینی اور آسمانی نشانات اور تائیدات کر کے روشن نشانوں سے دنیا پہ ثابت کر دیا ہے کہ وہ خدا تعالیٰ کی طرف سے ہے۔ اب بھی لوگوں کے ایمان کا امتحان ہے۔ اب بھی یکرم المرء او یہان کا نظارہ موجود ہے۔ پس مبارک وہ جو خدائی امتحان کی فکر رکھتے ہیں اور پھر مبارک وہ جو خدائی امتحان میں پاس ہوتے ہیں۔

پھر اسی شخص نے سوال کیا کہ یہ جو بڑی بڑی سورتیں قرآن شریف میں موجود ہیں کیا یہ یکبارگی نازل ہو گئی تھیں؟

فرمایا کہ

خدا تعالیٰ کا کلام ہمیشہ ٹکڑے ٹکڑے نازل ہوتا ہے اور پھر پورا حصہ بن جاتا ہے۔ ہم اس معاملہ میں **صاحبِ تجربہ** ہیں۔ جس طرح سے اب اُترتا ہے اسی طرح پہلے اُترتا تھا۔

[1] العنکبوت: ۳

اس میں اعتراض کی بات ہی کیا ہے اور خلاف قانون کس امر کو کہا جاتا ہے۔ خلاف قانون تو جب کوئی کہہ سکتا ہے کہ کوئی اس بات کا دعویٰ کرے کہ اُس نے اللہ تعالیٰ کے سارے اسرار کا مطالعہ کرلیا ہے اور سارے قانونِ قدرت کا اس نے احاطہ کرلیا ہے۔ پھر یہ بھی کہہ سکتا ہے کہ فلاں امر قانون قدرت کے خلاف ہے۔ مگر جب خدا تعالےٰ کی قدرت کا کوئی انتہا ہی نہیں پاسکا تو پھر یہ دعویٰ کیسا؟ ہمارے الہامات کی کتاب تو بنیاد ہی ہے[1] مگر شریعت نہیں ہے۔ شریعت وہی ہے جو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم لائے اور جو قرآن شریف نے دنیا کو سکھلائی۔ ایک نقطہ نہ گھٹایا گیا نہ بڑھایا گیا ہے۔

خدا تعالےٰ جس طرح پہلے دیکھتا تھا اب بھی دیکھتا ہے۔ اسی طرح جس طرح پہلے کلام کرتا تھا اب بھی صفت تکلّم اس میں موجود ہے۔ یہ نہیں کہا جاسکتا کہ اب خدا تعالیٰ کلام نہیں کرتا۔ کیا خیال کیا جاسکتا ہے کہ پہلے تو خدا سُنتا تھا مگر اب نہیں سُنتا۔ پس اللہ تعالےٰ کی تمام صفات جو پہلے موجود تھیں۔ اب بھی اس میں پائی جاتی ہیں۔ خدا تعالےٰ میں تغیّر نہیں۔ شریعت چونکہ تکمیل پاچکی ہے۔ لہٰذا اب کسی نئی شریعت کی ضرورت نہیں ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اکملت لکم دینکم[2]۔ پس اکمال دین کے بعد اور کسی نئی شریعت کی حاجت نہیں فرمایا

خدا تعالےٰ جس کو حکومت دیتا ہے اُسے فراست بھی عطا فرماتا ہے بشرطیکہ وہ خود اپنے اس پاک جوہر کو شرارت یا تعصب کی کدورت سے مکدّر نہ کردے۔ نیک طبع حکام کو اللہ تعالےٰ تائید غیبی سے بعض ایسے امور میں جن میں حق و باطل پوشیدہ ہوتا ہے حق ظاہر کردیتا ہے اور فراست صحیحہ سے وہ اس امر کی تہہ تک پہنچ جاتے ہیں۔ پھر ان کو دلائل کی بھی ضرورت نہیں رہتی۔ ہمارے اس مقدمہ کی حالت جو ڈگلس کے سامنے پیش ہوا تھا اُس میں غور کرنے والے

---

[1] سہو کتابت سے عبارت مشتبہ ہوگئی ہے۔ غالباً اصل فقرہ یوں ہوگا " ہمارے الہامات کی تو کتاب پر بنیاد ہے اور یہ شریعت نہیں ہے" (مرتب)

[2] المائدہ: ۴

کے واسطے کئی نشان موجود ہیں۔

اصل بات یہ ہے کہ فراست اچھی چیز ہے۔ انسان اندر ہی اندر سمجھ جاتا ہے کہ یہ سچا ہے۔ سچ میں ایک جرأت اور دلیری ہوتی ہے۔ جھوٹا انسان بزدل ہوتا ہے۔ وہ جس کی زندگی ناپاکی اور گند گناہوں سے ملوث ہے وہ ہمیشہ خوفزدہ رہتا ہے اور مقابلہ نہیں کر سکتا۔ ایک صادق انسان کی طرح دلیری اور جرأت سے اپنی صداقت کا اظہار نہیں کر سکتا اور اپنی پاکدامنی کا ثبوت نہیں دے سکتا۔ دنیوی معاملات میں ہی غور کرکے دیکھ لو کہ کون ہے جس کو ذرا سی بھی خدا نے خوش حیثیتی عطا کی ہو اور اس کے حاسد نہ ہوں۔ ہر خوش حیثیت کے حاسد ضرور ہو جاتے ہیں اور ساتھ ہی لگے رہتے ہیں۔ یہی حال دینی امور کا ہے۔ شیطان بھی اصلاح کا دشمن ہے۔ پس انسان کو چاہیئے کہ اپنا حساب صاف رکھے اور خدا سے معاملہ درست رکھے۔ خدا کو راضی کرے۔ پھر کسی سے نہ خوف کھائے اور نہ کسی کی پروا کرے۔ ایسے معاملات سے پرہیز کرے جن سے خود ہی مورد عذاب ہو جاوے مگر یہ سب کچھ بھی تائید غیبی اور توفیق الٰہی کے سوا نہیں ہو سکتا۔ صرف انسانی کوشش کچھ بنا نہیں سکتی جب تک خدا کا فضل بھی شامل حال نہ ہو خلق الانسان ضعیفاً[۱] انسان ناتواں ہے۔ غلطیوں سے پُر ہے۔ مشکلات چاروں طرف سے گھیرے ہوئے ہیں۔ پس دعا کرنی چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ نیکی کی توفیق عطا کرے اور تائیدات غیبی اور فضل کے فیضان کا وارث بنا دے۔

اصل میں توکل ہی ایک ایسی چیز ہے کہ انسان کو کامیاب و بامراد بنا دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ من یتوکل علی اللہ فھو حسبہ[۲] جو اللہ تعالیٰ پر توکل کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو کافی ہو جاتا ہے بشرطیکہ سچے دل سے توکل کے اصلی مفہوم کو سمجھ کر صدق دل سے قدم رکھنے والا ہو اور صبر کرنے والا اور مستقل مزاج ہو۔ مشکلات سے ڈر کر پیچھے نہ ہٹ جاوے۔ دنیا گذشتنی اور گذاشتنی ہے اور اس کے کام بھی ایسے ہی ہیں۔ پس انسان کو لازم ہے کہ اس کا غم نہ کرے اور آخرت کا فکر زیادہ رکھے۔ اگر دین کے غم انسان پر غالب آجاویں تو دنیا کے کاروبار کا خود خدا متکفل

[۱] النساء: ۲۹ [۲] الطلاق: ۴

ہو جاتا ہے۔ افسوس ہے بڑے بڑے حوادث روز ہو رہے ہیں مگر لوگ ہیں کہ توجہ نہیں کرتے۔ پروا نہیں کرتے۔ حضرت موسیٰؑ کے کافر ہی اچھے تھے کہ جب ان پر عذاب نازل ہوتے تھے، تب تو توجہ کرتے تھے اور کہتے تھے کہ اگر یہ ٹل جاوے تو مان لیں گے۔ مگر آجکل کے کافر ان سے بھی زیادہ سخت جان ہیں کہ نت نئے عذاب آتے ہیں، نئی نئی صورت میں خدا کا قہر نازل ہوتا ہے مگر یہ ہیں کہ کان پر جوں نہیں چلتی۔ دیکھو ایک طاعون نے ہی کیسے کیسے خطرناک حملے کئے۔ کیسی کیسی جانگداز تباہیاں واقع ہوئی ہیں کہ ان کا ذکر سننے سے ہی رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں مگر کسی پر اثر نہیں ہوا۔ وہ لوگ تھے کہ ایسے اوقات میں حضرت موسیٰؑ سے دعا کرایا کرتے تھے مگر یہ لوگ ہیں کہ کہتے ہیں کوئی نہیں معمولی بات ہے ایسا ہوا ہی کرتا ہے۔ اور ایسے عذاب آیا ہی کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا قدیم سے یہ وعدہ تھا کہ آخری زمانہ میں طرح طرح کے عذاب آویں گے اس وقت بعض ہدایت پا جاویں گے اور اکثر ہلاک ہوں گے۔ نشان تو خدا دکھاتا ہے مگر نشان سے بھی فائدہ وہی اٹھاتے ہیں جو مومن ہوتے ہیں اور وہ قلیل ہیں۔

ایک شخص ہمارے پاس آیا تھا۔ اس نے ذکر کیا کہ ہمارے شہر میں طاعون نے سخت تباہی ڈالی ہے۔ بہت لوگ تیار ہیں کہ حضور کی خدمت میں حاضر ہو کر توبہ کریں اور اصل بات یہی ہے کہ مجھے بھی طاعون ہی حضور کے پاس لائی ہے۔ اس سال طاعون کسی قدر کم ہے اس وجہ سے دل بھی سخت ہیں۔ دلیر ہیں۔ مگر کسی کو علم کیا ہے کہ آئندہ کیا ہونے والا ہے۔ پس مطمئن نہیں رہنا چاہیئے اور قبل اس کے کہ عذاب نازل ہو جاوے توبہ کرنی چاہیئے اور خدا تعالیٰ کی طرف جھکنا اور حفاظت طلب کرنی چاہیئے مگر یہ سب کچھ اسی کی توفیق سے ہو سکتا ہے۔ انسان کو بعض اوقات شیطان بڑے بڑے وسوسے پیدا کر دیتا ہے۔ میرے رشتے ناطے ٹوٹ جاویں گے میرے جاہ و عزت میں فرق آ جاوے گا یا وجوہ معاش بند ہو جاویں گے یا میرے حکام مجھ سے ناراض ہو جاویں گے۔ مگر یاد رکھو کہ ہدایت کے قبول کرنے سے یہ سب امور روکتے نہیں۔

گورنمنٹ کو توکسی مذہب سے کچھ سروکار ہی نہیں اور پھر خدا تعالیٰ کا فضل ہے کہ ہمارے اصول ہی ایسے نہیں کہ گورنمنٹ ان سے ناراض ہو۔ باقی رہی یہ بات کہ رشتے ناطے ٹوٹ جاویں گے یا معاش میں فرق آجاوے گا سو یاد رکھنا چاہیئے کہ انسان جب خدا تعالیٰ کے واسطے کچھ چھوڑتا ہے اور اپنے اُوپر مشکلات برداشت کرتا ہے تو خدا تعالیٰ اس کو ضائع نہیں کرتا بلکہ ہر حال میں اس کا خود مددگار اور کارساز ہو جاتا ہے۔

(الحکم جلد ۱۲ نمبر ۳۱ صفحہ ۱-۲ مورخہ ۶؍ مئی ۱۹۰۸ء)

۲۹؍اپریل ۱۹۰۸ء

۲۹؍اپریل ۱۹۰۸ء کو جبکہ بٹالہ سے لاہور کو جانے والی ٹرین امرت سر پہنچی جس میں حضرت اقدس خلیفۃ اللہ فی حلل الانبیاء علیہ الف الف صلوٰۃ و سلام رونق افروز تھے۔ اور مخلصین جماعت احمدیہ امرتسر صدق اور عقیدت مندی کا ایک نہ رکنے والا جوش اور اپنے آقا و مولا کی زیارت کے واسطے شوق بھرے دل لئے ہوئے پہلے ہی سے سٹیشن پر موجود تھے۔ ٹرین کے کھڑا ہوتے ہی تمام عقیدتمندان مخلص آگے بڑھ بڑھ کر سعادت مصافحہ اور شرفِ حضوری حاصل کرتے تھے۔ ہر کوئی یہی چاہتا تھا کہ میں آگے بڑھوں۔ اور ان کے دلوں کا شوق عقیدت ان کے چہروں سے نمایاں تھا۔ جذب جو خاصہ خاصان خدا اور علامت بندگان عالی ہوتی ہے اور وہ خدا کی طرف سے آنے والوں کو بطور نشان کے عطا ہوتا ہے اس کا یہ عالم تھا کہ سٹیشن بھر کے جس انسان کے کان میں آپ کا نام پہنچا اس کے دل میں شوقِ زیارت نے گدگدی کی اور وہ بے تحاشا بھاگا چلا آیا۔ وہ سلامتی کا شہزادہ اور محبوبِ خدا سیکنڈ کلاس ڈیپارٹمنٹ[1] میں متمکن تھا۔ جلال و شوکت اور رعب و وقار، شہادت صداقت ادا کرنے کے واسطے حضوری میں حاضر کھڑے تھے۔ لوگ آتے اور زیارت کر کرکے چلے جاتے

[1] نقل مطابق اصل۔ معلوم ہوتا ہے کاتب کی غلطی سے ”کمپارٹمنٹ“ کی بجائے ”ڈیپارٹمنٹ“ لکھا گیا۔ (مرتب)

تھے۔ اہل ہنود اور سکھ صاحبان اپنے طرز میں اور مسلمان اپنے طریق سے سلام و نیاز عرض کرتے تھے۔ پلیٹ فارم کی جانب پلیٹ فارم پر اور گاڑی کے دوسرے پہلو سے لوگ پائیدانوں پر کھڑے کھڑکیوں میں سے حضور پُرنور کی صورت دیکھنے کے واسطے شوق سے جھانکتے تھے۔ سیری کسی کو نہ ہوتی تھی۔ اتنے میں ایک مسلمان صاحب مع چند آدمیوں کے تشریف لائے۔ حضرت اقدس نے ان کو گاڑی کے اندر بُلا کر اپنے پاس بٹھا لیا اور ان کے سوال پران کو یوں مخاطب فرمایا

خدا تعالےٰ کی شہادت سب سے پہلے زیادہ معتبر ہے۔ خدا تعالےٰ کا پاک کلام قرآن شریف ہمارے پاس موجود ہے۔ مسائل مختلفہ میں فیصلہ کرنے اور حق پانے کے واسطے مسلمانوں کو اول قرآن شریف ہی کی طرف رجوع کرنا چاہیئے۔ حضرت عیسٰی علیہ السلام کی حیات ابدی کی کوئی دلیل اگر اُن کے پاس ہے تو اُن کو چاہیئے کہ قرآن کریم کی کوئی آیت پیش کریں۔ مگر قرآن شریف میں جب ہم اس غرض کے لئے غور کرتے ہیں تو ہمیں تو ان کے حق میں خدا تعالےٰ کا یہی کلام ملتا ہے کہ انّی متوفیک[1]۔ فلمّا توفّیتنی[2]۔ اب جائے غور ہے کہ آیا یہ لفظ قرآن شریف میں کسی اور نبی کے حق میں بھی آیا ہے یا کہ نہیں؟ سو ہم صاف پاتے ہیں کہ اور انبیاء اور ہمارے سیّد و مولیٰ محمد مجتبیٰ احمد مصطفیٰ صلے اللہ علیہ وسلم کے حق میں بھی یہی لفظ توفی کا استعمال ہوا ہے۔ جہاں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے اما نرینّک بعض الّذی نعدھم او نتوفینّک[3]۔ اور پھر حضرت یوسف علیہ السلام کے حق میں بھی یہی لفظ نظر آتا ہے توفنی مسلمًا و الحقنی بالصّٰلحین[4]۔ اب ہم پوچھتے ہیں کہ ہمیں کوئی اس خصوصیت کی وجہ تو بتا دے کہ کیوں یہ لفظ اور انبیاء پر تو موت کے معنوں میں وارد ہوتا ہے اور کیوں حضرت عیسٰی کے حق میں آوے تو لفظ کی یہ خاصیت بدل جاتی ہے اور یہ لفظ موت کے معنے نہیں دیتا۔ ان کو چاہیئے کہ تعصب کو الگ کر کے ایک گھڑی بھر کے لئے حق جو ہو کر اس میں غور کریں۔

گالیاں دینا تو ان لوگوں کا ایک فرض ہو چکا ہے سو دے لیں۔ مگر اب ہمیں شوق ہے تو

[1] اٰل عمران: ۵۶ [2] المائدۃ: ۱۱۸ [3] یونس: ۴۷ [4] یوسف: ۱۰۲

صرف یہی کہ آیا تقویٰ اور خشیت الٰہی کو مد نظر رکھ کر اس فرقہ کے مُنہ سے کوئی علمی بات بھی نکلتی ہے ؟ مگر افسوس یہ بات کبھی پوری نہ ہوئی۔

جو حق پر ہوتا ہے اس کے ساتھ خدا کی تائید اور نصرت اس کے کلام میں قوت اور شوکت اور اس کے انفاس میں ایک جذب ہوتا ہے۔

فرمایا:۔

حیات کا مسئلہ ان کو مبارک نہ ہوا۔ کیونکہ ان میں کے بہت سے حیات حیات ہی پکارتے بصد حسرت و ارمان گذر گئے مگر حیات مسیح نے ان کی کوئی مدد نہ کی۔

اتنے میں گھنٹی بجی۔ وسل ہوا۔ اور گاڑی لاہور کو چل دی۔

(الحکم جلد ۱۲ نمبر ۴۶ صفحہ ۴-۵ مورخہ ۶؍ اگست ۱۹۰۸ء)

۳۰؍ اپریل ۱۹۰۸ء

بمقام لاہور۔ احمدیہ بلڈنگز

فرمایا:۔

صدق و صفا، تقویٰ طہارت، یہ اسلام کے برکات تھے جو کہ مسلمانوں میں لازماً پائے جاتے ہیں مگر اب تو ان صفات سے لوگ بھی محروم ہو گئے ہیں۔ نماز بھی پڑھتے ہیں تو بہت ہی کم۔ مسجدیں ویران پڑی ہیں۔ نمازی کوئی نظر نہیں آتا۔ ایک وقت تھا کہ نمازیوں کو مسجدیں نہ ملتی تھیں۔ جتنے پڑھتے ہیں ان میں بھی اکثر دکھلاوے کی نماز پڑھتے ہیں کیونکہ حقیقی نماز کے آثار برکات اور ثمرات سے محروم ہیں۔ عیسائی تو حضرت مسیح کو پھانسی دے کر بے فکر ہو بیٹھے تھے اکثر مسلمان حضرت امام حسینؓ کی شہادت میں نجات پا چکے ہیں۔

فرمایا:۔

جسمانی شہوات کے دلدل میں سے نکلنا ہی مشکل ہوتا ہے مگر اللہ تعالیٰ نے کسی انسان کے

واسطے مقدر کیا ہوتا ہے کہ اسے سعادت میں سے کوئی حصہ عطا فرما دے تو اس کے واسطے کوئی ایسا عجوبہ اور خارق عادت نشان یا اپنی کوئی دل کو پکڑ لینے والی تجلّی دکھا دیتا ہے بجز اس کے دلوں کی گندگی دھوئی نہیں جاتی۔ اور شہوات کی آگ بجھائی نہیں جاتی۔

فرمایا:-

جس قدر کسی کو دنیا کے سامان عیش و عشرت کثرت سے دیئے جاتے ہیں اسی قدر وہ خدا سے غافل اور بے پروا ہو کر متکبر ہو جاتے ہیں اور اسی قدر اس کا تکبّر بڑھ جاتا ہے۔ امرتسر میں ہمیں پتھر مارے گئے۔ سیالکوٹ میں ہمارے ساتھ کیا بُرا سلوک کیا گیا۔ یہ سب غفلت اور بے باکی ہی کے آثار ہیں۔

فرمایا:-

خدا نے ہمیں ایک پکّا وعدہ دیا ہوا ہے۔ اس میں ذرا بھی شک نہیں اور وہ یہ ہے کہ

بادشاہ تیرے کپڑوں سے برکت ڈھونڈیں گے

اس الہام کے بعد وہ بادشاہ بھی دکھائے گئے تھے۔

فرمایا:-

مسلمانوں کی خوش قسمتی ہی اسی میں ہے کہ مسیح مر جائے۔ اب زمانہ ہی ایسا آ گیا ہے کہ خیال تبدیل ہوتے ہیں۔ کچھ مان جائیں گے کچھ مر جائیں گے۔ باقی ایسے ضعیف ہو جائیں گے کہ ان کو طاقت ہی نہ رہے گی اور ان کا عدم وجود برابر ہو گا۔ پس مسیح کو مرنے دو کہ اسلام کی زندگی اسی میں ہے۔

فرمایا:-

متکبر خدا تعالیٰ کے تخت پر بیٹھنا چاہتا ہے۔ پس اس قبیح خصلت سے ہمیشہ پناہ مانگو خدا تعالیٰ کے تمام وعدے بھی خواہ تمہارے ساتھ ہوں مگر تم جب بھی فروتنی کرو۔ کیونکہ فروتنی کرنے والا ہی خدا تعالیٰ کا محبوب ہوتا ہے۔ دیکھو ہمارے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی کامیابیاں اگرچہ ایسی تھیں کہ تمام انبیائے سابقین میں اس کی نظیر نہیں ملتی۔ مگر آپ کو خدا تعالیٰ نے جیسی جیسی کامیابیاں عطا کیں آپ اتنی ہی فروتنی اختیار کرتے گئے۔

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ ایک شخص آپ کے حضور پکڑ کر لایا گیا۔ آپ نے دیکھا تو وہ بہت کانپتا تھا اور خوف کھاتا تھا مگر جب وہ قریب آیا تو آپ نے نہایت نرمی اور لُطف سے دریافت فرمایا کہ تم ایسے ڈرتے کیوں ہو؟ آخر میں بھی تمہاری طرح ایک انسان ہی ہوں اور ایک بڑھیا کا فرزند ہوں۔

فرمایا:-

جب بات حد سے بڑھ جاتی ہے تو فیصلہ کو خدا تعالیٰ اپنے ہاتھ میں لے لیتا ہے۔ ہمیں چھبیس[۲۶] سال ہوئے تبلیغ کرتے اور جہاں تک ممکن تھا ہم ساری تبلیغ کر چکے ہیں۔ اب وہ خود ہی کوئی ہاتھ دکھلا دے اور فیصلہ کرے۔ پس جس نے یہ شرط کر لی ہو کہ میں نے تو اس شخص کو ماننا ہی نہیں خواہ کچھ ہی کیوں نہ ہو اور اس کا غبار حد سے بڑھ گیا ہو تو اس کا حال خدا ہی کے سپرد ہے اس کے پیچھے نہیں پڑنا چاہیئے۔ خدا کی حکمتوں کو کوئی نہیں پا سکتا۔ یہ خدائی تصرفات ہیں جس کو چاہے اپنی طرف کھینچ لے اور جس کو چاہے رد کر دے۔

دیکھو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا وجود دنیا کے واسطے رحمت تھا جیسا کہ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے وما ارسلناك الا رحمةً للعالمين۔[۱] مگر کیا ابوجہل کے واسطے بھی آپ رحمت ہوئے؟ وہ لوگ تو خیال کرتے ہوں گے کہ ابھی یہ ایک یتیم بچہ تھا۔ بکریاں چرایا کرتا تھا۔ کمزور اور غریب

[۱] الانبیاء : ۱۰۸

تھا۔ نکاح تک بھی تو میسر نہ آیا۔ غرض کچھ ایسے ہی خیالات ان کے دل میں آتے ہوں گے مگر ان بد قسمتوں کو کیا خبر تھی کہ ایک دن یہی یتیم دنیا کا شہنشاہ اور نجات دہندہ ہوگا۔

(الحکم جلد ۱۲ نمبر ۴۹-۵۰ صفحہ ۳ مورخہ ۲۶/۳۰ اگست ۱۹۰۸ء)

یکم مئی ۱۹۰۸ء

نماز جمعہ سے پہلے جبکہ چند اجنبی آپ کی ملاقات کے واسطے آئے۔

فرمایا:۔

ہمیں تجربہ سے معلوم ہوتا ہے کہ آجکل اسلام کی خوش قسمتی نہیں بلکہ بد قسمتی کے دن ہیں کیونکہ ہم دیکھتے ہیں کہ لوگوں کو دینی امور سے کوئی دلچسپی نہیں۔ بلکہ لوگ خدا کو بھی بھول چکے ہیں۔ مسلمانوں کی یہ ایک غلطی ہے جو شاید غرغرے کے وقت ان کو معلوم ہو جائے گی اور لوگ اس وقت یقین کریں گے کہ واقعی ہم نے جو کچھ سمجھا ہوا تھا وہ سارا تانا بانا غلط تھا۔

جو انسان کوشش کرے گا وہی پائے گا۔ کوشش تو ہو ساری دنیا کے واسطے اور خدا کا نام درمیان بھولے سے بھی نہ آئے۔ تقویٰ ہو نہ طہارت۔ پھر ایسا انسان امیدوار ہو خدا کے ملنے کا، یہ محال ہے۔ آخر اب وقت آگیا ہے کہ ان لوگوں کے ہاتھ میں اجر دیا جاوے جو دین کو دنیا پر مقدم کریں۔ بجز توفیق الٰہی کے کچھ نہیں ملتا۔

دیکھو نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے دنیا کو خدا کے لئے ترک کر دیا تھا مگر خدا تعالیٰ نے کس طرح ذلیل کر کے دنیا کو آپ کے سامنے غلاموں کی طرح حاضر کر دیا۔ دنیا طلب سے بھاگتی اور کوسوں دُور جاتی ہے مگر جو صدق دل سے خدا کی طرف جاتا ہے اور خدا تعالےٰ کی راہ میں دُنیا کی کچھ پروا نہیں کرتا دنیا اس کے پیچھے پیچھے پھرتی ہے۔ دیکھو۔ حضرت مسیحؑ کو اس وقت چالیس کروڑ انسان پوجنے والا موجود ہے۔ نبی ماننا تو درکنار اس کی خدائی کے قائل ہیں یہ سب خدا کی قدرت کے نمونے ہیں کہ خدا تعالےٰ کی طرف آنے والا کبھی ضائع نہیں کیا جاتا۔ دین

بھی اسے ملتا ہے اور دنیا بھی اس کے لئے حاضر کی جاتی ہے۔ دنیا کا پرستار چند روز جو چاہے سو کرے مگر آخر کار دنیا بھی چھوٹ جائے گی اور آخرت بھی برباد۔

دیکھو دنیا بھی آخر مفت تو نہیں مل جاتی۔ دنیا کے وعدے دینے والے بھی تو محنتیں چاہتے ہیں۔ امتحان لیتے ہیں۔ بصورت کامیابی اور پھر عمدہ کارگزاری سے کچھ ملتا ہے۔ اسی طرح اگر وہی محنت دوسرے رنگ میں خدا کے واسطے کی جاوے تو اجر یقینی ہیں، نہ دین جاوے اور نہ دُنیا۔ بلکہ ہیک کرشمہ دو کار والی بات۔ نالے حج نالے ونج کا معاملہ ہو جاوے مگر کم ہیں جو ان باتوں سے فائدہ اُٹھاتے ہیں۔ انسان کو چاہیئے کہ دعا میں لگا رہے اور کسی قدر تبدیلی اپنے اندر پیدا کرنے کی کوشش کرے۔ شاید کہ اللہ تعالےٰ توفیق دیدے۔

ہم یہ نہیں کہتے کہ زراعت والا زراعت کو اور تجارت والا تجارت کو، ملازمت والا ملازمت کو اور صنعت وحرفت والا اپنے کاروبار کو ترک کر دے اور ہاتھ پاؤں توڑ کر بیٹھ جائے بلکہ ہم یہ کہتے ہیں کہ لاتلھیھم تجارۃٌ ولا بیعٌ عن ذکر اللّٰہ[1] والا معاملہ ہو۔ دست با کار دل با یار والی بات ہو۔ تاجر اپنے کاروبار تجارت میں اور زمیندار اپنے امور زراعت میں اور بادشاہ اپنے تخت حکومت پر بیٹھ کر، غرض جو جس کام میں ہے اپنے کاموں میں خدا کو نصب العین رکھے اور اس کی عظمت اور جبروت کو پیش نظر رکھ کر اس کے احکام اور اوامر ونواہی کا لحاظ رکھتے ہوئے جو چاہے کرے۔ اللہ سے ڈر اور سب کچھ کر۔

اسلام کہاں ایسی تعلیم دیتا ہے کہ تم کاروبار چھوڑ کر لنگڑے لُولوں کی طرح نکمّے بیٹھے رہو اور بجائے اس کے کہ اَوروں کی خدمت کرو خود دوسروں پر بوجھ بنو۔ نہیں بلکہ سُست ہونا گناہ ہے۔ بھلا ایسا آدمی پھر خدا اور اس کے دین کی کیا خدمت کر سکے گا۔ عیال و اطفال جو خدا نے اس کے ذمّے لگائے ہیں ان کو کہاں سے کھلائے گا۔

پس یاد رکھو کہ خدا کا یہ ہرگز منشا نہیں کہ تم دنیا کو بالکل ترک کر دو۔ بلکہ اس کا جو منشا ہے وہ یہ ہے کہ قد افلح من زکّٰھا[2]۔ تجارت کرو، زراعت کرو، ملازمت کرو اور

[1] النور : ۳۸ [2] الشمس : ۱۰

حرفت کرو، جو چاہو کرو مگر نفس کو خدا کی نافرمانی سے روکتے رہو اور ایسا تزکیہ کرو کہ یہ امور تمہیں خدا سے غافل نہ کردیں۔ پھر جو تمہاری دنیا ہے یہی دین کے حکم میں آجاوے گی۔

انسان دنیا کے واسطے پیدا نہیں کیا گیا۔ دل پاک ہو اور ہر وقت یہ لَو اور تڑپ لگی ہوئی ہو کہ کسی طرح خدا خوش ہو جائے تو پھر دنیا بھی اس کے واسطے حلال ہے۔ اِنَّمَا الاعمال بالنّیات ۔

(الحکم جلد ۱۲ نمبر ۴۹۔۵۰ صفحہ ۳-۴ مورخہ ۱۴/۱۰ اگست ۱۹۰۸ء)

بعد نماز جمعہ

سوال کیا گیا کہ ہم اللہ اور اس کی کتاب قرآن شریف اور اس کے رسول محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم کو صدق دل سے مانتے ہیں اور نماز روزہ وغیرہ اعمال بھی بجا لاتے ہیں۔ پھر ہمیں کیا ضرورت ہے کہ آپ کو بھی مانیں۔

فرمایا:۔

دیکھو جس طرح جو شخص اللہ اور اس کے رسُول اور کتاب کو ماننے کا دعویٰ کر کے ان کے احکام کی تفصیلات مثلاً نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ، تقویٰ طہارت کو بجا نہ لاوے اور ان احکام کو جو تزکیہ نفس، ترک شر اور حصول خیر کے متعلق نافذ ہوئے ہیں چھوڑ دے وہ مسلمان کہلانے کا مستحق نہیں ہے اور اس پر ایمان کے زیور سے آراستہ ہونے کا اطلاق صادق نہیں آسکتا اسی طرح سے جو شخص مسیح موعود کو نہیں مانتا یا ماننے کی ضرورت نہیں سمجھتا وہ بھی حقیقت اسلام اور غایت نبوت اور غرض رسالت سے بیخبر محض ہے اور وہ اس بات کا حقدار نہیں ہے کہ اس کو سچا مسلمان، خدا اور اس کے رسُول کا سچا تابعدار اور فرمانبردار کہہ سکیں کیونکہ جس طرح سے اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ سے قرآن شریف میں احکام دیئے ہیں اسی طرح سے آخری زمانہ میں ایک آخری خلیفہ کے آنے کی پیشگوئی بھی بڑے زور

سے بیان فرمائی ہے اور اس کے نہ ماننے والے اور اس سے انحراف کرنے والوں کا نام فاسق رکھا ہے۔ قرآن اور حدیث کے الفاظ میں فرق (جو کہ فرق نہیں بلکہ بالفاظ دیگر قرآن شریف کے الفاظ کی تفسیر ہے) صرف یہ ہے کہ قرآن شریف میں خلیفہ کا لفظ بولا گیا ہے اور حدیث میں اسی خلیفہ آخری کو مسیح موعودؑ کے نام سے تعبیر کیا گیا ہے۔ پس قرآن شریف نے جس شخص کے مبعوث کرنے کے متعلق وعدے کا لفظ بولا ہے اور اس طرح سے اس شخص کی بعثت کو ایک لنگ کی عظمت عطا کی ہے وہ مسلمان کیسا ہے جو کہتا ہے کہ ہمیں اس کے ماننے کی ضرورت ہی کیا ہے۔

خلفاء کے آنے کو اللہ تعالیٰ نے قیامت تک لمبا کیا ہے اور اسلام میں یہ ایک شرف اور خصوصیت ہے کہ اس کی تائید اور تجدید کے واسطے ہر صدی پر مجدد آتے رہے اور آتے رہیں گے دیکھو اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو حضرت موسیٰ علیہ السلام سے تشبیہ دی ہے جیسا کہ کما کے لفظ سے ثابت ہوتا ہے۔ شریعت موسوی کے آخری خلیفہ حضرت عیسیٰ تھے جیسا کہ خود وہ فرماتے ہیں کہ میں آخری اینٹ ہوں اسی طرح شریعت محمدی میں بھی اس کی خدمت اور تجدید کے واسطے ہمیشہ خلفاء آئے اور قیامت تک آتے رہیں گے اور اس طرح سے آخری خلیفہ کا نام بلحاظ مشابہت اور بلحاظ مفوضہ خدمت کے مسیح موعود رکھا گیا۔

اور پھر یہی نہیں کہ معمولی طور سے اس کا ذکر ہی کر دیا ہو بلکہ اس کے آنے کے نشانات تفصیلاً کل کتب سماوی میں بیان فرما دیئے ہیں۔ بائبل میں، انجیل میں، احادیث میں اور خود قرآن شریف میں اس کی آمد کی نشانیاں دی گئی ہیں۔ اور ساری قومیں یہودی، عیسائی اور مسلمان متفق طور سے اس کی آمد کے قائل اور منتظر ہیں۔ اس کا انکار کر دینا کس طرح سے اسلام ہو سکتا ہے اور پھر جبکہ وہ ایک ایسا شخص ہے کہ اس کے واسطے آسمان پر بھی اللہ تعالیٰ نے اس کی تائید میں نشان ظاہر کئے اور زمین پر بھی معجزات دکھائے۔ اس کی تائید کے واسطے طاعون آیا۔ اور کسوف و خسوف اپنے مقررہ وقت پر بموجب پیشگوئی عین وقت پر ظاہر ہو گیا۔ تو کیا ایسا شخص

جس کی تائید کے واسطے آسمان نشان ظاہر کرے اور زمین الوقت کہے وہ کوئی معمولی شخص ہو سکتا ہے کہ اس کا ماننا اور نہ ماننا برابر ہو اور لوگ اسے نہ مان کر بھی مسلمان اور خدا کے پیارے بنے بنے رہیں؟ ہرگز نہیں۔

یاد رکھو کہ موعود کے آنے کی کُل علامات پُوری ہو گئی ہیں۔ طرح طرح کے مفاسد نے دُنیا کو گندہ کر دیا ہے۔ خود مسلمان علماء اور اکثر اولیاء نے مسیح موعود کے آنے کا یہی زمانہ لکھا ہے۔ کہ وہ چودھویں صدی میں آئے گا۔ حجج الکرامہ میں بھی اسی چودھویں صدی کے متعلق لکھا ہے اور کوئی بھی نہیں جو اس صدی سے آگے بڑھا ہو۔ تیرھویں صدی سے تو جانوروں نے بھی پناہ مانگی تھی اور لکھا ہے کہ اب چودھویں صدی مبارک ہو گی۔ اس قدر متفقہ شہادت کے بعد بھی جو کہ اولیاء اور اکثر علماء نے بیان کی۔ اگر کوئی شبہ رکھتا ہو تو اسے چاہیئے کہ قرآن شریف میں تدبّر کرے اور سورۃ النور کو غور سے مطالعہ کرے۔ دیکھو جس طرح حضرت موسیٰ سے ۱۴۰۰ برس بعد حضرت عیسیٰ آئے تھے اسی طرح یہاں بھی آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے بعد چودھویں صدی ہی میں مسیح موعود آیا ہے اور جس طرح حضرت عیسیٰؑ سلسلہ موسوی کے خاتم الخلفاء تھے۔ اسی طرح ادھر بھی مسیح موعود خاتم الخلفاء ہوگا۔

اسلام اس وقت اس بیمار کی طرح تھا جس کی زندگی کا جام لبریز ہو چکا ہو۔ اسلام پر ظلم کیا گیا اور بڑی بے رحمی سے دشمن چاروں طرف سے اپنے پورے ہتھیاروں سے اس کو نیست و نابود کرنے کے واسطے مسلح و تیار ہو کر حملہ آور ہو رہے ہیں۔ اسلام اس وقت مردہ ہو چکا تھا اور اندرونی اور بیرونی حملوں سے نیم جان۔ اسلام کی شمع کا اب آخری وقت تھا اور اس کی گردن پر بڑی بے رحمی سے چھُری پھیری جا رہی تھی۔ اللہ تعالےٰ کا یہ وعدہ کہ انا نحن نزلنا الذکر و انا لہٗ لحافظون[1] کس وقت کے لئے کیا گیا تھا؟ کیا ابھی کوئی اور مصیبت بھی رہ گئی تھی جو اسلام پر آنی باقی ہو؟ یاد رکھو حفاظت سے اوراق کی حفاظت ہی مراد نہیں بلکہ اس کی تشریح ایک حدیث میں ہے جس میں رسُول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

[1] الحجر: ۱۰

ہے کہ ایک زمانہ ایسا آوے گا کہ قرآن شریف دنیا سے اُٹھ جاوے گا۔ ایک صحابیؓ نے عرض کیا کہ لوگ قرآن کو پڑھتے ہوں گے تو اُٹھ کیسے جاوے گا؟ فرمایا کہ میں تو تمہیں عقلمند خیال کرتا تھا مگر تم بڑے بیوقوف ہو کیا عیسائی انجیل نہیں پڑھتے؟ اور کیا یہودی توریت نہیں پڑھتے؟ قرآن شریف کے اُٹھ جانے سے مراد یہ ہے کہ قرآن شریف کا علم اُٹھ جاوے گا اور ہدایت دُنیا سے نابُود ہو جاوے گی۔ انوار اور اسرار قرآنیہ سے لوگ بے بہرہ ہو جاویں گے اور عمل کوئی نہ کرے گا۔ قرآن جس کے سکھانے کو آیا ہے لوگ اس راہ کو ترک کر دیں گے اور اپنی ہوا و ہوس کے پابند ہو جاویں گے۔ جب یہ حال ہوگا تو ابنائے فارس میں سے ایک شخص آوے گا اور وہ دین کو از سرِ نو واپس لائے گا اور دین کو اور قرآن کو از سرِ نو تازہ کرے گا۔ قرآن کی کھوئی ہوئی عظمت اور بھولی ہوئی ہدایت اور ثریا پر چڑھ گیا ہوا ایمان دوبارہ دنیا میں پھیلاوے گا۔ لو کان الایمان معلقاً عند الثریا لنالہ رجلٌ من ھٰؤلاء (ای ابناء فارس)

غرض قرآن شریف سے اور احادیث نبویہ صلی اللہ علیہ وسلم سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ اس اُمت میں آخری زمانہ میں ایک خلیفہ کے آنے کا وعدہ دیا گیا ہے اور اس کے علامات اور نشانات بھی بتا دیئے گئے ہیں۔ ہمیں مسیح موعودؑ ہونے کا دعویٰ ہے۔ اب ہر شخص کا جو خدا اور رسُول سے پیار کرتا ہے اور اپنے ایمان کو سلامت رکھنا چاہتا ہے فرض ہے کہ اس معاملہ میں غور کرے کہ آیا ہم نے جو دعویٰ کیا ہے سچا ہے کہ جھُوٹا۔ خدا تعالیٰ کی طرف سے آنے والوں کے ساتھ خدائی نشانات ہوتے ہیں۔ صرف زبانی دعویٰ قابلِ پذیرائی نہیں ہوتا۔

منجملہ اور علامات کے جو ہمارے آنے کے واسطے اللہ اور رسُول کی کتابوں میں مندرج ہیں ایک اونٹوں کی سواریوں کا معطل ہو جانا بھی ہے۔ چنانچہ اس مضمون کو قرآن شریف نے بالفاظ ذیل تعبیر کیا ہے وَاِذَا الْعِشَارُ عُطِّلَتْ۔[1] اور حدیث نبوی صلے اللہ علیہ وسلم میں اس مضمون کو ان الفاظ میں بیان کیا گیا ہے کہ وَلَيُتْرَكَنَّ الْقِلَاصُ فَلَا يُسْعٰى عَلَيْهَا

[1] التکویر : ۵

اب سوچنے والے کو چاہیئے کہ ان امور میں جو آج سے تیرہ سو برس (۱۳۰۰) پہلے خدا اور اس کے رسُول کے مُنہ سے نکلے اور اِس وقت وہ الفاظ بڑی شان اور شوکت سے پورے ہوکر اپنے کہنے والوں کے جلال کا اظہار کر رہے ہیں۔ دیکھئے اب اس پیشگوئی کے پورا ہونے کے کیسے کیسے سامان پیدا ہو رہے ہیں حتیٰ کہ حجاز ریلوے کے تیار ہو جانے پر مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ کے سفر بھی بجائے اُونٹ کے ریل کے ذریعہ ہوا کریں گے اور اونٹنیاں بیکار ہو جاویں گی۔

رہی یہ بات کہ ان پیشگوئیوں کو مسیح موعود کے لفظ سے کیا تعلق ہے کیونکہ قرآن شریف میں تو مسیح موعود کا نام کہیں نہیں آیا۔ سو اس کے واسطے یاد رکھنا چاہیئے کہ ہم خاتم الخلفاء ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں اور خاتم الخلفاء کا قرب قیامت کے وقت ظہور ہونے کا وعدہ قرآن شریف میں موجود ہے۔ پھر ہمیں بار بار بذریعہ الہام الٰہی اس امر کی بھی اطلاع دی گئی کہ اللہ تعالیٰ نے مسیح موعود بھی ہمارا ہی نام رکھا ہے جس کے آنے کے متعلق احادیث میں وعدہ تھا۔ یاد رکھو کہ جو شخص احادیث کو ردّی کی طرح پھینک دیتا ہے وہ ہرگز ہرگز مومن نہیں ہوسکتا کیونکہ اسلام کا بہت بڑا حصہ ایسا ہے کہ جو بغیر مدد احادیث ادھورا رہ جاتا ہے۔ جو کہتا ہے کہ مجھے احادیث کی ضرورت نہیں وہ ہرگز مومن نہیں ہو سکتا۔ اسے ایک دن قرآن کو بھی چھوڑنا پڑے گا۔

پس قرآن شریف میں جس شخص کا نام خاتم الخلفاء رکھا گیا ہے اسی کا نام احادیث میں مسیح موعود رکھا گیا ہے۔ اور اسی طرح سے دونوں ناموں کے متعلق جتنی پیشگوئیاں ہیں وہ ہمارے ہی متعلق ہیں۔ خلیفہ کہتے ہیں پیچھے آنے والے کو۔ اور کامل وہ ہے جو سب سے پیچھے آوے۔ اور ظاہر ہے کہ جو قرب قیامت کے وقت آوے گا وہی سب سے پیچھے ہوگا لہٰذا وہی سب سے اکمل اور افضل ہوا۔ صرف تغیر الفاظ ہی ہے۔ قرآن شریف نے خلیفہ کے لفظ سے پکارا ہے اور حدیث میں اس کو مسیح موعود کے نام سے نامزد کیا گیا ہے۔ رہا

یہ کہ ہمارے اس دعویٰ کا ثبوت کیا ہے۔ سو یاد رکھو کہ ہماری صداقت کا ثبوت وہی ہے جو ہمیشہ سے انبیاء اور ماموروں کا ہوتا رہا ہے۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا جو ثبوت کوئی شخص پیش کر سکتا ہے اسی دلیل سے ہم اپنے دعویٰ کا صدق ظاہر کر سکتے ہیں۔ خدا تعالےٰ کی طرف سے آنے والے خدا تعالےٰ ہی کی گواہی سے سچے ٹھہرا کرتے ہیں۔ دعویٰ تو صادق بھی کرتا ہے اور کاذب بھی۔ اور نفسِ دعویٰ کرنے میں تو دونو یکساں ہیں مگر اُن میں مابہ الامتیاز بھی تو ہوتا ہے۔

بھلا فرض کرو کہ مسیح موعودؑ کا ذکر قرآن میں بھی نہ ہوتا اور حدیث میں بھی پایا نہ جاتا تو پھر کیا تھا۔ پھر بھی صادق اپنے نشانوں سے شناخت کر لیا جاتا۔ دیکھو حضرت موسیٰؑ کا ذکر بھلا کس پہلی کتاب میں درج تھا؟ کوئی بتا سکتا ہے کہ حضرت موسیٰؑ کے آنے کی خبر اور پیشگوئی کس کتاب میں موجود تھی؟ پھر حضرت موسیٰؑ کس طرح نبی مان لئے گئے؟ یاد رکھو کہ خدا تعالےٰ کی تازہ بتازہ گواہی ہی صدق کی دلیل ہو سکتی ہے۔ صرف دعویٰ بلا دلیل صدق کی دلیل ہرگز نہیں ہو سکتا۔ بلکہ جس دعویٰ کے ساتھ خدائی شہادت نہ ہو وہ جھوٹا ہے اور خدا کے مؤاخذہ کے قابل ہے۔ جھوٹے مدعی کو خدا خود ہلاک کرتا ہے اور اس کو مہلت نہیں دی جاتی کیونکہ وہ خدا پر افترا کرتا ہے اور حق و باطل میں گڑبڑ ڈالنا چاہتا ہے

میں کوئی نئی بات نہیں لایا اور نہ ہی میں نے کوئی نئی شریعت قائم کی ہے۔ میں اسی شریعت کی خدمت اور تجدید کے واسطے آیا ہوں جو آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) لائے تھے۔ اور میری سچائی دعویٰ کے لئے بھی منہاج نبوت پر ہی نشان موجود ہیں۔ میں نے اپنی کتابوں میں اُن کا ذکر کیا ہے۔ ابھی ایک تازہ کتاب حقیقۃ الوحی میں نے لکھی ہے اس کا مطالعہ کرکے دیکھ لیا جاوے کہ کس قدر نشان خدا تعالیٰ نے میری تائید کے واسطے ظاہر فرمائے۔ کیا یہ کسی جھوٹے کے واسطے بھی دکھائے جاتے ہیں؟

دیکھو بعض انبیاء صرف ایک ہی معجزہ سے صادق قبول کر لئے گئے۔ مگر یہاں تو ہزاروں

نشان موجود ہیں۔ پھر ہم اگر کسی نئے دین کا دعویٰ کرتے۔ کتاب اللہ کے خلاف کوئی نیا حکم اپنی طرف سے بیان کرتے۔ سنت رسُول صلے اللہ علیہ وسلم میں کمی بیشی کرتے یا ان کو منسوخ کرنے کا دعویٰ کرتے۔ نماز، روزہ اور حج کے مسائل میں کوئی تغیر تبدل کرتے تو اس قسم کا کوئی دغدغہ اور شک و شبہ بھی بجا تھا۔ مگر ہم تو کہتے ہیں کہ کافر ہے وہ شخص جو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی شریعت سے ذرہ بھر بھی ادھر ادھر ہوتا ہے۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی اتباع سے روگردانی کرنے والا ہی ہمارے نزدیک جب کافر ہے تو پھر اس شخص کا کیا حال جو کوئی نئی شریعت لانے کا دعویٰ کرے یا قرآن اور سنّت رسُول صلے اللہ علیہ وسلم میں تغیر تبدل کرے یا کسی حکم کو منسوخ جانے ہمارے نزدیک تو مومن وہی ہے جو قرآن شریف کی سچی پیروی کرے اور قرآن شریف ہی کو خاتم الکتب یقین کرے اور اسی شریعت کو جو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم دنیا میں لائے تھے۔ اسی کو ہمیشہ تک رہنے والی مانے اور اس میں ایک ذرہ بھر اور ایک شوشہ بھی نہ بدلے اور اس کی اتباع میں فنا ہو کر اپنا آپ کھو دے اور اپنے وجود کا ہر ذرہ اسی راہ میں لگائے عملاً اور علماً اس کی شریعت کی مخالفت نہ کرے تب پکا مسلمان ہوتا ہے۔ البتہ ہمارے اوپر جو کلامِ الٰہی نازل ہوتا ہے اس سے یہ نہ سمجھنا چاہیئے کہ ہم نے کسی نئی اور تشریعی نبوت کا دعوےٰ کیا ہے بلکہ مکالمہ مخاطبہ کی کثرت کیا بلحاظ کمیّت اور کیا بلحاظ کیفیت کی وجہ سے نبی کہا گیا ہے۔ اب اس مجلس میں اگر کوئی صاحب عبرانی یا عربی سے واقف ہے تو وہ جان سکتا ہے کہ **نبی** کا لفظ نبأ سے نکلا ہے اور نبأ کہتے ہیں خبر دینے کو۔ اور **نبی** کہتے ہیں خبر دینے والے کو۔ یعنی خدا تعالےٰ کی طرف سے ایک کلام پا کر جو غیب پر مشتمل زبردست پیشگوئیاں ہوں مخلوق کو پہنچانے والا اسلامی اصطلاح کی رُو سے **نبی** کہلاتا ہے۔ چنانچہ قرآن شریف میں ہے انبئونی باسماء ھٰؤلاء[1]۔ اصل میں ہماری اور ان لوگوں کی نزاع صرف لفظی ہے۔

ہمارے مخالف اگر تقویٰ طہارت نہ چھوڑیں اور تعصب اور عناد نہ کریں تو سب جانتے ہیں اور متقدمین بزرگ اور اولیاء اللہ صاف لکھ گئے ہیں د للّٰہ باولیاءہ مکالمات ومخاطبات

[1] البقرۃ : ۳۲

دنیا میں صدہا نہیں بلکہ ہزاروں لاکھوں ہیں جن کو سچی خوابیں آتی ہیں بلکہ سچی خواب تو بعض اوقات بلا امتیاز نیک و بد کافر و مسلم کو بھی آجاتی ہے۔ بعض وقت زانی مردوں اور زانیہ عورتوں کو، چوہڑے چماروں کو بھی سچی خوابیں آجاتی ہیں۔ پھر مومن کو جو کہ بوجہ اپنے ایمان صحیح کے ان سے بڑھ کر اس بات کا مستحق ہے کیوں سچی خواب یا کشوف اور الہامات نہ مانے جاویں۔ بلکہ مومن کو بہت بڑھ چڑھ کر یہ سب باتیں میسر آسکتی ہیں۔

اس سے یہ مت خیال کرو کہ اس طرح صادقوں اور ماموریں انبیاء و رسل کی رؤیا اور کشوف اور الہامات کی بے رونقی ہوتی ہے یا ان کی شان میں کوئی فرق یا بے وقعتی لازم آتی ہے نہیں بلکہ یہ امور تو اس وحی نبوت اور خدا تعالیٰ کے مکالمات مخاطبات کے واسطے جو کہ اس کے انبیاء اور رسولوں کو اس کی طرف سے عطا کئے جاتے ہیں ان کی تصدیق کرتے ہیں اور ان کی صداقت کی ایک قوی دلیل ہیں کیونکہ اگر اس کا بیج ان لوگوں میں نہ پایا جاتا تو ممکن تھا کہ وہ فاسق فاجر اور بے دین لوگ وحی اور الہام کے وجود سے ہی انکار کر بیٹھتے اور پھر ان کا اعتراض قوی ہوتا۔ اسی واسطے اللہ تعالیٰ نے اپنی کامل حکمت سے انبیاء اولیاء کے مکالمات اور مخاطبات اور وحی نبوت کے واسطے بطور تخم ریزی یہ ایک شہادت ہر طبقہ کے لوگوں میں خود ان کے نفسوں میں پیدا کر دی تاکہ انسان کو انکار کرنے کے واسطے کوئی مفر نہ رہ جاوے اور اندر ہی اندر ملزم ہوتا رہے۔

قاعدہ کی بات ہے کہ انسان کو اگر کسی چیز کا نمونہ نہ دیا جاوے تو اس کے متعلق شبہات میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ یہ بات صرف صرف اسلام ہی میں پائی جاتی ہے اور یہ صداقت مذہب کی ایک اعلیٰ دلیل ہے جو کسی دوسرے مذہب میں پائی نہیں جاتی۔ اسلام ہی خدا کو پسند اور خدا تعالیٰ کا مقرب و مقبول مذہب ہے۔ اس واسطے اس نے محض اپنے رحم سے اسلام میں مسلمانوں کو ٹھوکر اور شبہات سے بچانے کے واسطے سلسلہ مکالمات اور مخاطبات کا ہمیشہ جاری رہنے والا اکمل فیضان عطا کیا۔ لوگوں کے دلوں میں اس قسم کے خیالات اکثر جاگزیں

جایا کرتے ہیں کہ میں بھی انسان ہوں اور یہ مدعی الہام بھی آخر میری ہی طرح کا انسان ہے تو کیا وجہ ہے کہ مجھے الہام اور مکالمہ الٰہیہ نہیں ہوتا اور اس کو ہوتا ہے۔ اس واسطے ایسے شبہات کا قلع قمع کرنے کی غرض سے اللہ تعالیٰ نے ہر انسان میں اس فیضان کی ایک جھلک بطور نمونہ رکھ دی۔ دیکھو جس طرح ایک پیسہ لاکھ دو لاکھ پیسوں کے وجود کے لئے اور ایک روپیہ کروڑ دو کروڑ روپوں اور خزائن کے واسطے دلیل ہو سکتا ہے۔ اسی طرح سے ایک سچا خواب الہام کے واسطے دلیل صحیح ہو سکتا ہے۔ سچے خواب بطور ایک نمونہ کے فطرت انسانی میں ودیعت کئے گئے ہیں تاکہ اس نقطہ سے اس انتہائی کمال فیضان کا وجود یقین کر لیا جاوے۔ جب ایک خواب معمولی بلکہ ادنیٰ درجہ کے انسان کو بھی ممکن ہے تو کیا وجہ ہے کہ اعلیٰ درجہ کے کامل اور پاک مطہر انسان میں اس خواب کا اعلیٰ مرتبہ جس کو الہام کہتے ہیں موجود نہ ہو۔ کیونکہ سچا خواب بھی کمالات نبوت کا ایک ادنیٰ ترین حصہ ہے۔

یاد رکھو کہ سلسلہ مکالمہ مخاطبہ اسلام کی مدح ہے۔ ورنہ اگر اسلام کو یہ شرف حاصل نہ ہوتا تو یقیناً اسلام بھی دوسرے مذاہب کی طرح ایک مُردہ مذہب ہوتا۔ اس بات کو خوب سمجھ لو کہ اگر اسلام اس فضل الٰہی اور برکت سے خالی ہوتا تو یقیناً اسلام میں بھی کوئی وجہ فضیلت نہ تھی۔ یہ خدا تعالےٰ کا خاص فضل ہے کہ وہ اس قسم کے زندہ نمونے اسلام میں ہر صدی کے سر پر بھیجتا رہا ہے اور اس طرح سے ہمیشہ اسلام کا زندہ مذہب ہونا دُنیا پر ثابت کرتا رہا ہے۔

اسلام ایک وقت وہ مذہب تھا کہ ایک شخص کے مُرتد ہو جانے سے قیامت برپا ہو جاتی تھی۔ مگر اب وہی اسلام ہے کہ لاکھوں انسان اس سے مُرتد اور بے دین ہو گئے۔ اندرونی بیرونی دشمنوں کے حملوں سے اسلام کو نابُود کرنے کی کوشش کی گئی اور اسلام کی ہتک کی گئی۔ پاؤں کے نیچے روندا اور کچلا گیا۔ خود مسلمانی کا دعویٰ کرنے والے دین کی حقیقت سے بے خبر ہو کر دین کے دشمن ثابت ہو رہے ہیں۔ اب بتاؤ کہ وہ کونسی ضلالت اور گمراہی باقی ہے جس کی اب انتظار

کی جاتی ہے۔ عیسائیوں میں پادری فنڈر کی کتابیں مطالعہ کر کے دیکھ لو۔ وہ لکھتا ہے کہ اسلام میں ایک بھی پیشگوئی نہیں جو کی گئی اور نہ ہی کوئی پوری ہوئی۔ الٓمٓ غلبت الروم والی پیشگوئی کو بھی وہ ظنّی اور ڈھکوسلا بتاتا ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے (نعوذ باللہ) واقعات موجودہ کو دیکھ کر ایسا اندازہ کر لیا تھا اور اس طرح سے پیشگوئی کر دی تھی۔ اس کے سوا اور سینکڑوں کتابیں اور رسائل ہیں جو اسلام کے خلاف لکھے گئے۔ کوئی مسلمان کسی عیسائی کے سامنے کھڑا نہیں ہو سکتا۔ اور دشمنان اسلام کو کوئی دندان شکن جواب نہیں دے سکتا۔ اگر اسلام اور اسلام کی زندگی صرف پرانے قصے کہانیوں پر ہی آرہی ہے تو پھر یاد رکھو کہ اسلام آج بھی نہیں ہے اور کل بھی نہیں ہے۔

یاد رکھو کہ اسلام کی جس طرح خدا تعالیٰ نے ابتداء میں حمایت کی اور کرتا آیا ہے۔ اسی طرح آج بھی اسلام کی حمایت میں وہ تازہ بتازہ نشان دکھا سکتا ہے اور ہر مومن کے واسطے وہ بشرطیکہ کوئی مومن ہو فرقان پیدا کر سکتا ہے۔ مگر یہ ہیں نام کے مُلّاں اور حامیان دین متین کہ خود منبروں پر چڑھ کر بلند آوازوں سے کہتے ہیں کہ اب اسلام میں نشان دکھانے والا کوئی نہیں۔ چنانچہ مولوی محمد حسین صاحب نے خود جلسہ مہوتسو میں جہاں کہ تمام مذاہب کے لوگ جمع تھے اس بات کا اقرار کیا کہ افسوس ہے کہ اسلام میں آجکل ایسے لوگ موجود نہیں ہیں جو نشان دکھا سکیں۔ گویا خود اقرار کر لیا کہ ہمارا مذہب بھی دوسرے مذاہب کی طرح ایک مُردہ مذہب ہے اور زندگی کی جو علامات ہوتی ہیں وہ اب اس میں موجود نہیں ہیں۔

اب غور کرو کہ اسلام کی عزت ایسی ہی باتوں میں ہے۔ نہیں بلکہ اس سے بڑھ کر اور کیا ذلت ہو گی کہ اسلام کو ایسے لوگوں سے خالی مانا جاوے جن سے خدا تعالیٰ مکالمہ مخاطبہ کرتا ہو اور جن کی صداقت کے ثبوت کے واسطے ان کے ساتھ زبردست غیب پر مشتمل نشان موجود ہوں۔ یاد رکھو کہ اگر خدانخواستہ ایسا بھی کوئی زمانہ آجاوے کہ اسلام میں یہ برکات نہ رہیں تو یقین رکھو کہ اسلام بھی اَور مذہبوں کی طرح مَر گیا۔ کیونکہ زندگی کی جو علامت تھی جب وہی مفقود ہے تو پھر زندگی کیسی؟ دیکھو برہمو بھی تو لا الٰہ الّا اللہ کے قائل ہیں وہ اگر تم سے سوال کریں کہ

محمد رسول اللہ کے زیادہ کرنے سے تم میں کیا طاقت اور خصوصیت پیدا ہو گئی؟ تو بتاؤ ان کو کیا جواب دو گے؟ مسلمان کو چاہیئے کہ ایک ایسی زبردست بات پکڑے اور ایسا اصول اختیار کرے کہ جس سے وہ دوسروں پر غالب آجاوے۔

اچھا اگر یہی بات ہے تو پھر بتاؤ تو سہی کہ تم میں اور تمہارے غیروں میں مابہ الامتیاز ہی کیا ہے جبکہ برہمو بھی توحید کے قائل ہیں۔ عیسائی بھی توحید کے خیالات رکھتے ہیں۔ آریہ بھی توحید کے حامی بنتے ہیں۔ یہودی بھی موحد ہیں۔ ہم نے ایک خط ایک فاضل یہودی کو لکھا تھا کہ توحید کے متعلق تمہارا کیا عقیدہ ہے۔ اس کے جواب میں اُس نے لکھا کہ ہماری تعلیم توحید کی ہے اور ہمارا وہی خدا ہے جو قرآن کا خدا ہے۔ اب یہ سمجھنے اور غور کرنے کی بات ہے کہ جب یہ لوگ بھی توحید کا ہی دعویٰ کرتے ہیں تو مسلمانوں میں خصوصیت کی وجہ کیا ہے۔

رہی نظری اور دقیق بحثیں سو وہ تو ذبح کرنے والی باتیں ہیں۔ بحثوں سے کبھی کوئی مانا نہیں دیکھو لیکھرام کا مجھ سے مقابلہ ہوا تھا۔ اس نے میرے واسطے پیشگوئی کی تھی کہ تین برس میں مر جاؤ گا میں نے خدا سے خبر پا کر اس کے حق میں پیشگوئی کی تھی کہ چھ برس میں بذریعہ قتل ہلاک ہوگا۔ لیکھرام کی کتاب "خبط احمدیہ" کھول کر دیکھ لو کہ کس طرح اس نے رو رو کر گریہ و بکا سے پرمیشر کے حضور نہایت عجز و انکسار سے التجا کی ہے اور خدا تعالیٰ سے صادق کی تائید اور نصرت اور کاذب کی ہلاکت اور بربادی کا فیصلہ مانگا ہے تا کہ حق و باطل میں تمیز ہو سکے۔ اور دنیا پر ظاہر ہو جاوے کہ آریہ مت اور مذہب اسلام دونوں میں سے خدا کے حضور کونسی راہ پیاری اور منظور ہے اور کونسی مردود۔ آخر کار جو فیصلہ ہوا ایک دنیا اس کو جانتی ہے کہ خدا تعالیٰ نے کس کی تائید کی اور کون نامُراد مرا۔ اور اس طرح سے سچے اور جھوٹے اور اسلام اور آریہ مذہب کا ہمیشہ کے واسطے تصفیہ ہو گیا۔[1]

یہ ہیں خدا کے نشان اور ان کا نام ہے مابہ الامتیاز۔ خشک مباحثات سے کیا ہو سکتا

---

[1] حاشیہ: الحکم جلد ۱۲ نمبر ۳۱ صفحہ ۳ تا ۶ مورخہ ۶ مئی ۱۹۰۸ء

ہے۔ بھلا کبھی کسی نے دیکھا بھی کہ مباحثہ سے کسی نے ازمنوائی ہو؟ ایک طرف خبط احمدیہ کو لے لو اور دوسری طرف میری کتابوں کو لے لو جن میں یہ پیشگوئی بڑی بسط سے درج ہے پھر مقابلہ کرو کہ کونسا خدا کا کلام ہے اور کونسا شیطان کا۔ اگر میرا نطق خدا کی طرف سے اور خدا کے حکم سے نہ ہوتا تو کیا ممکن نہ تھا کہ میں ہی مرجاتا اور وہ زندہ رہتا کیونکہ ظاہر اسباب اس بات کے متقاضی تھے۔ میں اس کی نسبت عمر میں زیادہ تھا اور پھر بیماری میرے لاحق حال تھی مگر برخلاف اس کے وہ مضبوط توانا اور تندرست تھا۔ یہی نہیں بلکہ اس کے سوا اور بھی جس جس نے مباہلہ کیا وہی ذلیل ہوا۔ ہلاک ہوا۔ غلام دستگیر قصوری۔ محی الدین لکھو کے والا۔ ان لوگوں نے مباہلے کئے اور خود ہی ہلاک ہو کر ہماری صداقت پر ہمیشہ کے واسطے مہریں کر گئے۔ مولوی چراغ دین جموں والا نے میری نسبت پیشگوئی کی کہ طاعون سے مرے گا اور مباہلہ کیا۔ مگر دیکھو خود ہی طاعون سے مرا۔ ایک فقیر مرزا تھا۔ اس نے بھی اعلان کیا تھا کہ مرزا رمضان کے مہینے میں مرجائے گا مجھے عرش سے یہ خبر دی گئی ہے۔ آخر جب وہ رمضان کا مہینہ آیا تو خود ہلاک ہوگیا۔ بابو الٰہی بخش صاحب نے بھی ہماری نسبت اپنی کتاب میں طاعون سے مرنے کی پیشگوئی کی تھی مگر آپ لوگ جانتے ہوں گے کہ وہ کس طرح مرے۔

اب بتاؤ کہ معجزات کے سر پر سینگ ہوتے ہیں۔ ڈوئی جو سمندروں کے پار بیٹھا تھا جب وہ ہمارے مقابلہ میں آیا اور ہم نے خدا سے خبر پا کر اس کے واسطے اس کی پر حسرت ہلاکت کے واسطے پیشگوئی کی تو فوراً اس پر آثار ادبار ظاہر ہونے شروع ہو گئے اور آخر کار بڑی نامرادی سے مفلوج ہو کر اور طرح طرح کے دُکھ اور ذلتیں دیکھتا ہوا ہلاک ہوگیا۔ غرضکہ اگر نشانات کی ایک کتاب بنائی جاوے تو یقین ہے کہ پچاس جزو کی ایک کتاب تیار ہو۔ دیکھو۔ عبداللہ آتھم بھلا اب کہاں ہے؟

لوگ کہتے ہیں کہ ہمارے واسطے کوئی نیا معجزہ دکھاؤ۔ خدائی نشانات کیا باسی ہو گئے ہیں اور وہ ردی ہو گئے ہیں کہ ان کو رد کر دیا جاتا ہے اور اپنی مرضی کے نشانات مانگے جاتے

ہیں. خدا تعالےٰ کسی کا ماتحت ہو کر نہیں چلنا چاہتا کہ وہ کسی کی مرضی کا تابع ہو۔ وہ نشان دکھا رہا ہے مگر اپنی مرضی کے موافق دکھاتا ہے کیا ان سے تسلّی نہیں ہوتی کہ اَور مانگے جاتے ہیں۔

الغرض قرآن شریف میں آخری زمانہ کے موعود کا نام خلیفہ رکھا گیا ہے اور احادیث نبویہ ۲۲-۲-۰۹
میں مسیح کے نام سے اس کو یاد کیا گیا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے بھی ہمارے دو نام رکھے ہیں جو کہ ہماری کتاب میں جس کو عرصہ ۲۶ سال ہو گیا کہ چھپ کر شائع ہو گئی اور دوست دشمن کے ہاتھ میں موجود ہے۔ چنانچہ ہمارے ایک الہام میں یُوں آیا ہے اِنّی جاعلٌ فی الارض خلیفۃً اور ایک دوسرے الہام میں ہے کہ الحمد للّٰہ الّذی جعلک المسیح ابن مریم۔ غرض حدیث اور قرآن شریف کے رو سے اللہ تعالیٰ نے ہمارا ہی یہ نام رکھا ہے اور آنے والا موعود ہمیں ہی مقرر فرمایا ہے۔

مسیح ناصری تو مر گیا اور قرآن شریف میں بار بار اس کی وفات کا بڑے زور سے ذکر کیا گیا ہے۔ وہ تو اب کسی طرح زندہ ہو ہی نہیں سکتا۔ جب اس کی جگہ اللہ تعالیٰ نے ایک دوسرے کو بٹھا دیا تو اب بھی اس کا انتظار کرنا کیسی نادانی اور جہالت ہے۔ میرا مدعا یہ ہے کہ لوگ جو اس معاملہ میں بحث کرتے ہیں کہ ہمیں ہمارے مُنہ مانگے نشان دیئے جاویں۔ دیکھو صدہا نبی ایسے بھی آئے کہ ان کی پیشگوئی کسی پہلی کتاب میں نہیں کی گئی۔

اصل بات یہ ہے کہ سچے نبی کے ساتھ خدا تعالےٰ کی ہیبت ہوتی ہے اور جو خدا تعالےٰ کی طرف سے آتا ہے۔ اس کے ساتھ خدائی نشان اور تائید کا عَلَم لازمی طور سے ہوتا ہے۔ دیکھو بائبل، انجیل، قرآن، حدیث میں جن معجزات کا ذکر ہے دشمن ان کو نہ ماننے کے کئی وجہ پیدا کر سکتا ہے۔ تحریف تبدیل کا الزام لگا سکتا ہے اور اَور رنگ کے دوسرے پہلو کے معنے کر سکتا ہے۔ غرضکہ گذشتہ امور پر ہی اگر فیصلہ کا انحصار اور دار و مدار ہو تو اس میں بڑی مشکلات پیش آسکتی ہیں۔ مگر اللہ تعالیٰ ہر گز پسند نہیں کرتا کہ حق و باطل میں خلط ہو اور حق دنیا پر مشتبہ رہے۔ اسی واسطے اس کی سنّت ہے کہ وہ تازہ بتازہ نشانات سے امر حق کا

ہمیشہ اظہار کرتا رہا ہے۔ چنانچہ اس زمانہ میں بھی جبکہ خدا نے ہمیں مامور کر کے بھیجا اور مسیح موعود اور خاتم الخلفاء ہمارا نام رکھا تو ساتھ ہی یہ بھی فرمایا کہ قل عندی شھادۃ من اللہ فھل انتم مسلمون یعنی ساتھ ہی اپنی شہادت اور گواہی بھی عطا فرمائی۔ پس اس وقت ہمارے ساتھ بھی خدائی شہادت موجود ہے۔ کوئی بھی اعتراض جو منہاج نبوت پر قرآن اور حدیث کی رو سے ہو ہم اس کا جواب دینے کو ہر وقت تیار ہیں۔ ہر مدعی سے یہی ہوتا ہے کہ اس کے صدق دعویٰ کا ثبوت مانگا جاتا ہے۔ سو ہم اس امتحان کے واسطے ہر وقت تیار ہیں بشرطیکہ منہاج نبوت پر ہو۔

خدا جانے ان پرانے قصوں میں کیا رکھا ہے کہ یہ لوگ تازہ بتازہ نشانات کو تو نہیں مانتے اور قصوں کے پیچھے پڑتے ہیں۔ بھلا ان سے کوئی پوچھے کہ قصوں سے تمہیں حاصل ہی کیا؟ یہودیوں کے قصے تو تم سے کہیں بڑھ چڑھ کر ہیں تو کیا ان کو مان لوگے؟ ہر قوم میں قصوں کی بھرمار ہے مگر خشک قصے تقویت ایمان اور تازگی رُوح کے واسطے کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکتے۔ قصوں والا ایمان بھی کچھ بودا ہی ہوتا ہے۔ تازہ بتازہ نشانات اور خدا تعالیٰ کی گواہی کو جو لوگ نہیں مانتے ان کی سزا ہی آخر یہی ہے کہ وہ قصے کہانیوں کے پیرو ہیں۔

سوال کیا گیا کہ خلیفہ کے آنے کا مدعا کیا ہوتا ہے؟

فرمایا:-

اصلاح۔ دیکھو حضرت آدم سے اس نسل انسانی کا سلسلہ شروع ہوا۔ اور ایک مدت دراز کے بعد جب انسانوں کی عملی حالتیں کمزور ہو گئیں اور انسان زندگی کے اصل مدعا اور خدا کی کتاب کی اصل غایت بھول کر ہدایت کی راہ سے دُور جا پڑے تو پھر اللہ تعالیٰ نے محض اپنے فضل سے ایک مامور اور مُرسل کے ذریعہ سے دُنیا کو ہدایت کی اور ضلالت کے گڑھے سے نکالا۔ شان کبریائی نے جلوہ دکھایا اور ایک شمع کی طرح نور معرفت دُنیا میں دوبارہ قائم کیا گیا۔ ایمان کو نورانی اور روشنی والا ایمان بنا دیا۔

غرض اللہ تعالیٰ کی ہمیشہ سے یہی سُنت چلی آتی ہے کہ ایک زمانہ گذرنے پر جب

پہلے نبی کی تعلیم کو لوگ بھول کر راہ راست اور متاع ایمان اور نور معرفت کو کھو بیٹھتے ہیں اور دُنیا میں ظلمت اور گمراہی، فسق و فجور کا چاروں طرف سے خطرناک اندھیرا چھا جاتا ہے۔ تو اللہ تعالیٰ کی صفات جوش مارتی ہیں اور ایک بڑے عظیم الشان انسان کے ذریعہ سے خدا تعالیٰ کا نام اور توحید اور اخلاق فاضلہ پھر نئے سرے سے دنیا میں اس کی معرفت قائم کر کے خدا تعالیٰ کی ہستی کے بیّن ثبوت ہزاروں نشانوں سے دیئے جاتے ہیں اور ایسا ہوتا ہے کہ کھویا ہوا عرفان اور گمشدہ تقویٰ طہارت دنیا میں قائم کی جاتی ہے اور ایک عظیم الشان انقلاب واقع ہوتا ہے۔ غرض اسی سنت قدیمہ کے مطابق ہمارا یہ سلسلہ قائم ہوا ہے۔

یاد رکھو کہ ایمان ہی ایمان کو پہچانتا ہے اور روشنی سے روشنی کی شناخت ہوتی ہے سُورج دُنیا میں موجود ہے مگر جس کی آنکھ میں ہی نور نہ ہو وہ سُورج سے فائدہ ہی کیا اُٹھا سکتا ہے۔ مُنہ سے یہ دعویٰ کر دینا کہ ہمیں کسی امام یا مصلح کی کیا ضرورت ہے، بڑا خطرناک ہے۔

میں سچ کہتا ہوں کہ خدا تعالیٰ کے پانے کے واسطے بڑی بڑی سخت مشکلات اور دشوار گذار گھاٹیاں ہیں۔ ایمان صرف اسی کا نام نہیں کہ زبان سے کلمہ پڑھ لیا۔ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ ایمان ایک نہایت باریک اور گہرا راز ہے اور ایک ایسے یقین کا نام ہے جس سے جذبات نفسانیہ انسان سے دور ہو جاویں۔ اور ایک گناہ سوز حالت انسان کے اندر پیدا ہو جاوے۔ جن کے وجود میں ایمان کا سچا نُور اور حقیقی معرفت پیدا ہو جاتی ہے۔ ان کی حالت ہی کچھ الگ ہو جاتی ہے اور وہ دنیا کے معمولی لوگوں کی طرح نہیں بلکہ ممتاز ہوتے ہیں۔ کوئی ایک گناہ چھوڑ کر ایسا مغرور ہو جانا اور مطمئن ہو جانا کہ بس اب ہم مومن بن گئے اور تمام مدارج ایمان ہم نے طے کر لئے۔ یہ ایک اپنا خیال ہے۔

دیکھو انسان کی فطرت ہی ایسی ہے کہ ہمیشہ ایک حالت پر قائم نہیں رہتی۔ پس جب تک لمبے تجربہ اور استقامت سے یہ امر بپایۂ ثبوت نہ پہنچ جاوے کہ واقعی اب تم نے خدا تعالیٰ کو مقدم کر لیا ہے اور تمہاری حالت گناہ سوز مستقل ہو گئی ہے اور تم کو نفس امارہ اور لوامہ

سے نکل کر نفس مطمئنہ عطا کیا گیا ہے اور عملی طور سے سچی پاکیزگی تم نے حاصل کر لی ہے۔ تب تک مطمئن ہونے کی کوئی وجہ نہیں۔

دیکھو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے قد افلح من تزکّی۔[1] فلاح وہ شخص پاوے گا جو اپنے نفس میں پوری پاکیزگی اور تقویٰ طہارت پیدا کر لے اور گناہ اور معاصی کے ارتکاب کا کبھی بھی اس میں دورہ نہ ہو اور ترکِ شر اور کسب خیر کے دونو مراتب پورے طور سے یہ شخص طے کر لے تب جا کر کہیں اسے فلاح نصیب ہوتی ہے۔ ایمان کوئی آسان سی بات نہیں۔ جب تک انسان مر ہی نہ جاوے تب تک کہاں ہو سکتا ہے کہ سچا ایمان حاصل ہو۔

دیکھو ایمان کی دو ہی نشانیاں ہیں۔ اول درجہ یہ ہے کہ گناہ کو انسان چھوڑ دے اور ایسی حالت اس کو میسّر آجاوے کہ گناہ کرنا گویا آگ میں پڑتا ہے یا کسی کالے سانپ کے مُنہ میں انگلی دینا ہے یا کوئی خطرناک زہر کا پیالہ پینے کے برابر ہے۔ پھر یاد رکھو کہ صرف ترکِ شر ہی نیکی نہیں ہے۔ نیکی اس میں ہے کہ ترک شرّ کے ساتھ ہی کسبِ خیر بھی ہو۔ ترکِ گناہ میں جب انسان اس درجہ تک ترقی کر جاوے تو پھر چاہیئے کہ خدا تعالیٰ کے منشار کے موافق سنّت رسُول پر بڑی سرگرمی سے نیک اعمال کو بجا لاوے اور کوئی روک اس کی طبیعت میں پیدا نہ ہو اور انشراح صدر سے نیکی کرنے پر قادر ہو جاوے۔

دیکھو بعض لوگ فطرتاً ہی ایسے ہوتے ہیں کہ ان میں بعض قسم کے معاصی کے ارتکاب کی طاقت اور مادّہ ہی نہیں ہوتا۔ کیا ایک ایسا شخص جس کو قوت رجولیت دی ہی نہیں گئی یہ شیخی مار سکتا ہے کہ میں زنا نہیں کرتا۔ یا وہ جس کو دن بھر میں دو پیسے کی روٹی بھی مشکل سے میسّر آتی ہے دعویٰ کر سکتا ہے کہ میں شراب نہیں پیتا۔ یا ایک ضعیف، ناتواں، کس مپرس جو کہ خود ہی ذلیل و خوار پھرتا ہے کہہ سکتا ہے کہ میں ہمیشہ صبر اور تحمل اور بردباری کرتا ہوں اور کسی کا مقابلہ نہیں کرتا، عفو کرتا ہوں۔ غرض بعض لوگ فطرتاً ہی ایسے پیدا ہوتے ہیں کہ وہ بعض گناہوں پر قادر ہی نہیں ہو سکتے۔ ممکن ہے کہ بعض سادہ لوح انسان ایسے بھی ہوں کہ

[1] الاعلیٰ : ۱۵

جنہوں نے عمر بھر میں کوئی بھی گناہ نہ کیا ہو۔ پس صرف ترکِ ذنوب ہی نیکی کی شرط نہیں بلکہ کسبِ خیر بھی اعلیٰ جزو ہے۔ کوئی انسان کامل نہیں ہو سکتا۔ جب تک دو نو قسم کے شربت پی نہیں لیتا۔ سورۂ دہر میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ ایک شربت کافوری ہوتا ہے اور دوسرا شربت زنجبیلی۔ مقربوں اور برگزیدہ لوگوں کو دو نو شربت پلائے جاتے ہیں۔ کافوری شربت کے پینے سے انسان کا دل ٹھنڈا ہو جاتا ہے اور گناہ کے قویٰ ٹھنڈے پڑ جاتے ہیں۔ کافور میں گندے مواد کے دبانے کی تاثیر ہے۔ پس وہ لوگ جن کو شربت کافوری پلایا جاتا ہے۔ ان کے گناہ والے قویٰ بالکل دب ہی جاتے ہیں اور پھر ان سے گناہ کا ارتکاب ہوتا ہی نہیں اور ایک قسم کی سکینت جس کو شانتی کہتے ہیں میسر آجاتی ہے اور ایک نور پانی کی طرح اُترتا ہے جو اُن کے سینے میں سے سارے گندوں کو دھو ڈالتا ہے اور سفلی زندگی کے تمام تعلقات ان سے الگ کر دیئے جاتے ہیں اور گناہ کی آگ کی بھڑک ہمیشہ کے واسطے ٹھنڈی پڑ جاتی ہے۔ مگر یاد رکھو صرف یہی امر نیکی اور خوبی نہیں ہے۔ ایک شخص کا ہمیں واقعہ یاد ہے کہ اس کی کسی نے دعوت کی اور کھانا وغیرہ کھلا چکنے کے بعد میزبان نے اپنے مہمان کی خدمت میں عذر کیا کہ میں جیسا کہ آپ کی خدمت تھا ادا نہیں کر سکا یعنی جیسا کہ قاعدہ ہے اپنی طرف سے معذرت کی۔ مگر مہمان کچھ ایسا شوریدہ مغز تھا کہ میزبان کی اس بات سے بھڑک اُٹھا اور کہنے لگا کہ کیا تم مجھ پر اس طرح سے اپنا احسان جتانا چاہتے ہو۔ تمہارا نہیں بلکہ میرا تم پر بہت بھاری احسان ہے۔ میزبان نے فرمایا کہ یہ اور خوشی کی بات ہے میں وہ بھی جاننا چاہتا ہوں۔ تو اس مہمان نے کہا کہ دیکھو جب تم سامان مہمان داری میں مصروف تھے اور میری طرف سے بالکل بے خبر تھے میں تنہا اس جگہ موجود تھا اگر میں تمہارے اس مکان میں آگ لگا دیتا تو تمہارا کتنا نقصان ہوتا۔ پس میں نے تم پر احسان کیا ہے نہ کہ تم نے۔

غرض ترکِ شر کی یہ ایک مثال ہے مگر یاد رکھو کہ خدا تعالیٰ کے سامنے ایسی مثال کوئی پیش نہیں کر سکتا۔ وہاں تو جیسا کرے گا ویسا پائے گا۔ ترکِ ذنوب کو اللہ تعالیٰ نے

شربت کافوری کی ملونی سے تشبیہ دی ہے۔

اس کے بعد دوسرا امر حلہ یہ ہے کہ انسان کو شربت زنجبیلی پلایا جاوے۔ زنجبیل سونٹھ کو کہتے ہیں۔ زنجبیل مرکب ہے لفظ زنا اور جبل سے۔ زنجبیل کی تاثیر ہے کہ حرارت غریزی کو بڑھاتی ہے۔ اور لغوی معنے اس کے ہیں پہاڑ پر چڑھنا۔ اس میں جو نکتہ رکھا گیا ہے وہ یہ ہے کہ جس طرح سے پہاڑ پر چڑھنا مشکل کام ہے اور وہ اس مقوی چیز کے استعمال سے آسان ہو جاتا ہے اسی طرح روحانی نیکی کے پہاڑ پر چڑھنا بھی سخت دشوار ہے وہ روحانی شربت زنجبیل سے آسان ہو جاتا ہے۔

خالص اعمال محض للہ اخلاص اور ثواب کے ماتحت بجالانا بھی ایک پہاڑ ہے اور سخت دشوار گذار گھاٹی سے مشابہ ہے۔ ہر ایک پاؤں کا یہ کام نہیں کہ وہاں پہنچ سکے۔ دیکھو دنیوی امور میں تو ایک ظاہر نتیجہ مدنظر ہوتا ہے اور امر مخصوص کے واسطے کوشش کی جاتی ہے اور ضمیر میں ایک خاص غرض اور مقصد مدنظر رکھ کر محنت کی جاتی ہے اور کامیابی کے واسطے کس قدر جان توڑ کوشش کی جاتی ہے۔ حصول عزت اور مدارج کے پانے کے واسطے کیسی کیسی جانکاہ سختیاں برداشت کرنی پڑتی ہیں کہ بعض اوقات انسان ان محنتوں کی وجہ سے پاگل اور مجنون اور بعض اوقات ایسے عوارض میں مبتلا ہو جاتا ہے کہ سل اور دق وغیرہ امراض اس کے لاحق حال ہو جاتی ہیں۔ جب دنیوی امتحانات کی گھاٹیاں ایسی مشکل ہیں تو پھر دینی اور روحانی مقاصد کی گھاٹیاں جن کے نتائج ابھی ایک قسم کے پردہ غیب میں ہیں اور بعض ظنی طبائع ان کے وجود اور عدم وجود میں بھی فیصلہ نہیں کر سکتے ان کے حصول کے واسطے پھر کیسی کیسی محنت اور کوشش کی ضرورت ہے۔ یہ خیال کر لینا کہ ہم ایک پھونک سے خدا تعالیٰ تک پہنچ سکتے ہیں اور صرف لسانی اقرار سے ہی پاک ہو سکتے ہیں۔ یہ ان لوگوں کا خیال ہے جنہوں نے اصلاح نہ کبھی دیکھی اور نہ سُنی۔

یاد رکھو کہ پاکیزگی کے مراحل بہت دور ہیں اور وہ ان خیالات سے بالاتر ہیں۔ صرف پاکیزگی حاصل کرنا اور سچے طور سے صغائر کبائر سے بچ جانا ان لوگوں کا کام ہے جو ہر وقت خدا

کو آنکھ کے سامنے رکھتے ہیں اور فرشتہ سیرت بھی وہی لوگ ہو سکتے ہیں۔ دیکھو ایک بکری کو اگر ایک شیر کے سامنے باندھ دیں تو وہ اپنا کھانا پینا ہی بھول جاوے چہ جائیکہ وہ ادھر ادھر کھیتوں میں مُنہ مارے اور لوگوں کی محنت اور جانفشانیوں سے پیدا کی ہوئی کھیتیوں سے کھاوے۔ پس یہی حال انسان کا ہے۔ اگر اس کو یہ یقین ہو کہ میں خدا تعالےٰ کو دیکھ رہا ہوں یا کم از کم خدا تعالےٰ مجھے دیکھ رہا ہے تو بھلا پھر ممکن ہے کہ کوئی گناہ اس سے سرزد ہو سکے؟ ہرگز نہیں۔ یہ ایک فطرتی قاعدہ ہے کہ جب یقین اور قطعی علم ہو کہ اس جگہ قدم رکھنا ہلاکت ہے یا ایک سوراخ جس میں کالا سانپ ہو اور یہ خود اسے دیکھ بھی لیوے تو کیا اس میں اُنگلی ڈال سکتا ہے؟ ہرگز نہیں۔ غرض یہ فطرت انسانی میں ہی رکھا گیا ہے کہ جہاں اس کو ہلاکت کا یقین ہوتا ہے اس جگہ سے بچتا اور پرہیز کرتا ہے۔ جب تک اس درجہ تک خدا تعالےٰ کی معرفت نہ ہو جاوے اور یہ یقین پیدا نہ ہو جاوے کہ خدا تعالیٰ کی نافرمانی اور گناہ ایک بھسم کر دینے والی آگ ہے یا ایک خطرناک زہر ہے تب تک حقیقت ایمان کو نہیں سمجھا گیا اور بغیر ایسے کامل یقین اور معرفت کے پھر ایمان بھی ادھورا ایمان ہے۔ وہ ایمان جس کا اعمال پر بھی اثر نہ ہو۔ یا جو ایمان امتحانی حالات میں ذرا بھی تبدیلی پیدا نہ کر سکے کس کام کا ایمان ہے اور اس کی کیا فضیلت ہو سکتی ہے۔

جو لوگ خیال کرتے ہیں کہ دنیا کے کاروبار میں آرام سے زندگی بھی بسر کرتے رہیں اور خدا بھی مل جاوے اور انسان پاک بھی ہو جاوے اور اسے کوئی محنت اور کوشش نہ کرنی پڑے یہ بالکل غلط خیال ہے۔ کل انبیاء، اولیاء، اتقیاء اور صالحین کا یہ ایک مجموعی مسئلہ ہے کہ پاک کرنا خدا کا کام ہے اور خدا کے اس فضل کے جذب کے واسطے اتباع نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم از بس ضروری اور لازمی ہے جیسا کہ فرماتا ہے قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ۔[1] سورج دنیا میں موجود ہے مگر چشم بینا بھی تو چاہیئے۔ خدا تعالےٰ کا قانون قدرت لغو اور بے فائدہ نہیں ہے۔ جو ذرائع کسی امر کے حصول کے خدا تعالیٰ نے

[1] آل عمران : ۳۲

بنائے ہیں۔ آخر انہیں کی پابندی سے وہ نتائج حاصل ہوتے ہیں۔ کان سُننے کے واسطے خدا نے بنائے ہیں مگر دیکھ نہیں سکتے۔ آنکھ جو دیکھنے کے واسطے بنائی گئی ہے وہ سننے کا کام نہیں کر سکتی۔ بس اسی طرح خدا تعالیٰ کے فضل کے فیضان کے حصول کی جو راہ اللہ تعالیٰ نے مقرر فرمائی ہے۔ اُس سے باہر رہ کر کیسے کوئی کامیاب ہو سکتا ہے۔ حقیقی پاکیزگی اور طہارت ملتی ہے اتباع نبی صلے اللہ علیہ وسلم سے کیونکہ خود خدا نے فرما دیا کہ اگر خدا کے محبوب بننا چاہتے ہو تو رسولؐ کی پیروی کرو۔ پس وہ لوگ جو کہتے ہیں کہ ہمیں کسی نبی یا رسُول کی کیا ضرورت ہے وہ گویا اللہ تعالیٰ کے قانون قدرت کو باطل کرنا چاہتے ہیں۔

خدا تعالےٰ فرماتا ہے کہ تم پاک نہیں ہو سکتے جب تک کہ میں کسی کو پاک نہ کروں۔ تم اندھے ہو مگر جسے میں آنکھیں دوں۔ تم مُردے ہو مگر جسے مَیں زندگی عطا کروں۔ پس انسان کو چاہیئے کہ ہمیشہ دُعا میں لگا رہے اور اپنے اندر پاک تبدیلی پیدا کرنے کی سچی تڑپ اور سچی خواہش پیدا کرے اور خدا تعالےٰ کی محبت کی پیاس دل میں پیدا کرے تاکہ پھر خدا تعالےٰ کا فیضان بھی اس کی نصرت کرے اور اسے قدرت نمائی سے اُٹھائے۔ خدا تعالےٰ کی تلاش میں اور اس کی مرضی کے ڈھونڈنے میں فنا ہو جاوے تا خدا پھر اسے زندہ کرے اور شربتِ وصال پلاوے۔ اور اگر انسان جلدی کرے گا اور خدا تعالےٰ کی چنداں پروا نہ کرے گا یا معمولی طور سے لاپرواہی کرے گا تو پھر یاد رکھو کہ خدا بھی غنی عن العالمین ہے۔ کیا کوئی ہے جو خدائی قانون کو مٹا سکے جو کہ اس نے فضل کے حصول کے واسطے بنا دیا ہے کہ فضل کے حصول کے امیدوار از راہ نیاز اس دروازے سے داخل ہوں۔ جب ان کی امیدیں پوری ہوں گی ورنہ اگر تمام عمر بھی بھٹکتے پھریں بجز اس اصلی راہ کے (جو اتباع نبی صلے اللہ علیہ وسلم ہے) ہرگز ہرگز منزل مقصود کو نہیں پہنچ سکیں گے۔ خدا تعالیٰ نے ایک راہ بتا دی ہے۔ ہلاک ہوگا وہ جو پیروی نہ کرے گا مگر لوگ باوجود سمجھانے کے نہیں سمجھتے اور لاپرواہی کرتے ہیں۔ زیادہ سے زیادہ یہ ہے کہ اس راہ کو جس کی ہم ان کو دعوت دیتے ہیں آزمالیں کہ آیا ہم سچ کہتے ہیں یا جھوٹ۔

ہماری طرف سے تو خدا بحث کر رہا ہے اور اس نے ہماری تائید میں آجتک ہزاروں نشان بھی دکھائے۔ کون شخص ہے جس نے ہمارا کوئی نہ کوئی نشان نہ دیکھا ہو۔ ابھی ایک انگریز امریکہ سے ہمارے پاس آیا تھا۔ وہ خود اقرار کر گیا ہے کہ واقعی ہیں۔ ڈوئی آپ کی پیشگوئی کے عین منشاء کے مطابق مرا مگر وہ تو خود ہوا تھا۔

غرض ایک ڈوئی کیا ہزاروں روشن اور زبردست نشان موجود ہیں۔ خدا تعالیٰ کسی کا محکوم تو ہے نہیں وہ چاہے مُردے زندہ کرے یا زندوں کو مارے۔

غرض دنیا کے کاموں کے واسطے اپنی عمریں، مال، دولت، صحت، وقت آپ لوگ خرچ کرتے ہیں۔ آخر دین کا بھی حق ہے کہ اس کے لئے بھی کوئی وقت، عمر، دولت خرچ کی جاوے آپ ولایت میں ساڑھے تین سال رہے۔ مگر ہم کہتے ہیں کہ تین کو جانے دیں وہ باقی کی ساڑھے ہی ہمارے پاس رہ جاویں۔ پھر دیکھیں کہ آپ کی معلومات میں کیسا مفید اضافہ ہوتا ہے۔

سوال کیا گیا کہ خاتم النبیین کے کیا معنے ہیں؟

فرمایا۔

اس کے یہ معنے ہیں کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی نبی صاحب شریعت نہیں آوے گا اور یہ کہ کوئی ایسا نبی آپ کے بعد نہیں آسکتا جو رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی مُہر اپنے ساتھ نہ رکھتا ہو۔

رئیس المتصوفین حضرت ابن عربی کہتے ہیں کہ نبوت کا بند ہو جانا اور اسلام کا مرجانا ایک ہی بات ہے۔ دیکھو حضرت موسیٰؑ کے زمانہ میں تو عورتوں کو بھی الہام ہوتا تھا۔ چنانچہ خود حضرت موسیٰؑ کی ماں سے بھی خدا تعالیٰ نے کلام کیا ہے۔ وہ دین ہی کیا ہے جس میں کہا جاتا ہے کہ اس کے برکات اور فیوض آگے نہیں بلکہ پیچھے رہ گئے ہیں۔ اگر اب بھی خدا اسی طرح سُنتا ہے جس طرح پہلے زمانہ میں سنتا تھا اور اسی طرح سے دیکھتا ہے جس طرح پہلے دیکھتا تھا تو کیا وجہ ہے کہ جب پہلے زمانہ میں سُننے اور دیکھنے کی طرح صفت تکلم بھی موجود تھی تو اب کیوں مفقود ہو گئی؟

اگر ایسا ہی ہے تو کیا اندیشہ نہیں کہ کسی وقت خدا تعالیٰ کی صفت سُننے کی اور دیکھنے کی بھی معطل ہو جاوے۔ افسوس ایسے بیہودہ خیالات پر۔ خدا تعالیٰ جس طرح سے پہلے تمام انبیاء کے ساتھ بولتا تھا اور کلام کرتا تھا اسی طرح اب بھی بولتا ہے چنانچہ ہم خود اس ثبوت کے واسطے موجود ہیں۔ یقین جانو کہ جس طرح خدا دیکھتا ہے اور سُنتا ہے اسی طرح کلام بھی کرتا ہے۔ بجز اس کے کہ خدا تعالیٰ کے مکالمات اور مخاطبات کو اسلام میں ہمیشہ کے واسطے مانا جاوے اسلام کی زندگی ہی نہیں رہتی اور کبھی عزت ہی نہیں پا سکتا اور اسلام بھی دیگر مذاہب کی طرح ایک بے فیض اور بے برکت مُردہ مذہب رہ جاتا ہے۔

آپ اگر آج اس وقت .. .. اس بات کو نہ سمجھو گے تو پھر کسی دوسرے وقت میں سمجھ جاؤ گے۔ اس کے ماننے بغیر تو پھر اسلام رہ ہی نہیں سکتا اور آپ کو بھی ماننے بغیر چارہ نہیں ہوگا۔ اگر فطرت ہی کسی کی بے پرواہو تو فطری نقص کو تو کوئی دور کر نہیں سکتا۔ ورنہ اگر فطرت سلیم ہے تو پھر کبھی نہ کبھی کشاں کشاں ادھر آ ہی جاوے گا۔

سوال کیا گیا کہ کیا ایک ہی وقت میں کئی نبی ہو سکتے ہیں؟

فرمایا۔

ہاں۔ خواہ ایک ہی وقت میں ہزار بھی ہو سکتے ہیں مگر چاہیئے ثبوت اور نشان صداقت ہم انکار نہیں کرتے۔

کیا یہ آخری صدی ہے؟

سوال کیا گیا کہ کیا یہ آخری صدی ہے؟

فرمایا۔

اس کا علم خدا تعالیٰ کو ہے۔ وہ قادر ہے کہ ایک زلزلہ سے تمام دنیا کا خاتمہ کر دے۔ اصل بات یہ ہے کہ آرام اور خوشی کے وقت میں بھی انسان کو ایسے ایسے سوالات سوجھتے ہیں۔

اگر کوئی ذرا سی بھی مشکل آجاوے یا ابھی ایک زلزلہ آجاوے اور مکانات لرزنے لگ جاویں تو اس وقت معاً خیال کرلیں گے کہ قیامت آگئی اور یہی دنیا کے خاتمہ کا وقت ہے اور سچے دل سے خدا کو مان لیں گے۔ مگر جب امن ہو جاتا ہے تو پھر ایسے ایسے سوالات ہی سوجھا کرتے ہیں۔

فرمایا:۔

میر محمد اسمٰعیل صاحب نے گذشتہ ۴؍ اپریل ۱۹۰۵ء والے زلزلہ کے متعلق قصہ سنایا کہ ایک شخص دہریہ تھا اور خدا سے منکر تھا مگر جب زلزلہ آیا وہ بھی رام رام کرنے لگ گیا۔ آخر جب وہ وقت جاتا رہا تو اس سے سوال کیا گیا کہ تم خدا کے منکر ہو پھر اس وقت رام رام کیسا تھا؟ شرمندہ سا ہو کر کہنے لگا کہ اصل میں مَیں نے غلطی ہی کھائی۔ میری عقل ہی ماری گئی تھی۔

غرض خدا تعالیٰ چاہے تو صرف ایک ہی زلزلہ سے ہلاک کر دے۔ خدا تعالیٰ کے آگے کوئی مشکل بات نہیں۔ اب بھی خدا نے ایک زلزلہ کی خبر دی ہوئی ہے۔ آوے گا اور بغتۃً آوے گا۔ ہر شخص اپنے اپنے کام میں بے فکری سے مصروف ہوگا۔ فلسفے بھی آرام کی حالت میں سوجھتے ہیں۔ عذاب نظر آجاوے تو سب کچھ بھول جاتا ہے۔ وہ جو ۴؍ اپریل والا زلزلہ تھا۔ اس کی بھی ہم نے قبل از وقت خبر دی تھی اور یہ طاعون جس نے دُنیا میں ایک کہرام مچا رکھا ہے اس کی بھی ہم نے قبل از وقت خبر دی تھی۔ کتابوں میں، اشتہاروں میں اس بات کو شائع کر دیا تھا۔ کوئی زبانی بات ہی نہیں۔ چنانچہ وہ بعینہٖ بالکل پیشگوئی کے مطابق ظاہر ہوئی۔ اور ابھی خدا نے بس نہیں کی۔ اس نے دنیا کو متنبہ کرنے کا ارادہ کر لیا ہے اور نہیں چھوڑے گا جب تک طاقتور حملوں سے دنیا کو منوا نہ لے گا۔ ہمارے لئے تعبیرات نئی ہوتی ہے۔ خدا جانے کیا ہونے والا ہے اور کیا کچھ ہوگا۔ ہمیشہ ترساں و لرزاں اور دعاؤں میں مصروف رہنا چاہیئے۔

(الحکم جلد ۱۲ نمبر ۳۲ صفحہ ۱ تا ۵ مورخہ ۱۰؍ مئی ۱۹۰۸ء)

۲ر مئی ۱۹۰۸ء

قبل ظہر بمقام لاہور

ایک گوبجایٹ صاحب حاضر خدمت ہوئے اور عرض کی کہ آپ دعا کریں کہ اللہ تعالےٰ حضور کے اس نور کی شناخت کی توفیق دے تاکہ اس نعمت سے محروم نہ رہ جائیں۔ وغیرہ۔ فرمایا۔

اگرچہ جو کچھ ہوتا ہے وہ خدا تعالیٰ کے فضل سے ہی ہوتا ہے مگر کوشش کرنا انسان کا فرض ہے جیسا کہ قرآن شریف نے صراحت سے حکم دیا ہے کہ لیس للانسان الّا ما سعیٰ[1]۔ یعنی انسان جتنی جتنی کوشش کریگا اسی کے مطابق فیوض سے مستفیض ہو سکے گا۔ اور دوسری جگہ فرمایا والّذین جاھدوا فینا لنھدینّھم سبلنا[2]۔ جو لوگ خدا میں ہو کر خدا کے پانے کے واسطے تڑپ اور گدازش سے کوشش کرتے ہیں۔ ان کی محنت اور کوشش ضائع نہیں جاتی اور ضرور ان کی راہبری اور ہدایت کی جاتی ہے۔ جو کوئی صدق اور خلوص نیت سے خدا کی طرف قدم اُٹھاتا ہے خدا تعالیٰ اس کی طرف راہ نمائی کے واسطے بڑھتا ہے۔ انسان کا فرض ہے کہ تدبّر کرے اور حق طلبی کی سچی تڑپ اور پیاس اپنے اندر پیدا کرے۔ معلومات کے وسیع کرنے کی جو سبیل اللہ تعالیٰ نے بتائی ہے ان پر کاربند ہو۔ خدا بھی بے نیاز ہو جاتا ہے۔ اس شخص سے جو خدا سے لاپروائی کرتا ہے جیسا کہ وہ خود فرماتا ہے کہ واللہ غنی عن العالمین[3]۔ قبولیت دعا کے واسطے بھی کوشش اور صدق دل کی سچی تڑپ ہی کی ضرورت ہوتی ہے۔ دیکھو دنیوی امتحانات کے واسطے لوگ کیسی کیسی خطرناک کوششیں کرتے ہیں۔ محنت کرتے کرتے ان کے دماغ پھر جاتے ہیں اور بعض اوقات خطرناک امراض مثل جنون اور سل دق وغیرہ پیدا ہو جاتے ہیں اور بصورت ناکامی بعض لوگ تو ایسے صدمات کے نیچے آجاتے ہیں کہ خودکشی تک نوبت پہنچ جاتی ہے۔ غرض ایک چند روزہ اور دنیوی زندگی کے لئے کیسی کیسی سختیاں برداشت کرتے ہیں۔ آخر یہ کامیابیاں کسی قدر ان کی محنتوں

[1] النجم: ۴۰ [2] العنکبوت: ۷۰ [3] آل عمران: ۹۸

ہی کا نتیجہ ہوتی ہیں۔ اگر ہاتھ پاؤں توڑ کر بیٹھ رہیں اور امتحان کی تیاری نہ کریں تو کبھی کسی کو وہم بھی ہو سکتا ہے کہ وہ کامیاب ہوں مگر جب باوجود ہمہ سخت محنت اور کوشش کے بھی بعض لوگ ناکام ہو جاتے ہیں تو بالکل نکمے اور ہاتھ پاؤں توڑ کر بیٹھ رہنے والوں کا کیا حال ؟ مانا کہ کوشش کرنے والے بھی ناکام ہو جاتے ہیں مگر اس سے یہ نتیجہ نہیں نکالنا چاہیئے کہ اب آئندہ کوشش ہی نہ کی جاوے۔ یہ بالکل غلط راہ ہے۔ کیا عجب کسی کا شعر ہے ؎

گرچہ وصالش نہ بکوشش دہند
ہر قدر اے دل کہ توانی بکوش

دیکھو ایک کسان کیسی جانکاہی اور محنت سے ایک فصل تیار کرتا ہے مگر بعض اوقات ژالہ باری سے اور بعض اوقات امساک باراں کی وجہ سے اس کا فصل ضائع ہو جاتا ہے مگر اس ناکامی پر ایسا اثر نہیں ہوتا کہ پھر آئندہ کے واسطے لوگ زراعت ہی ترک کر دیں۔ ہزاروں ہیں کہ باوجود ان ناکامیوں کے پھر بھی پورے زور سے کوشش کئے جاتے ہیں اور آخر اپنی کوششوں کے ثمرات سے مستفید بھی ہوتے ہیں۔

فیضان الٰہی کوشش پر موقوف ہے۔ دیکھو شاعر بھی جب کوشش کرتا ہے اور ٹکریں مارتا ہے تو آخر کوئی نہ کوئی شعر سُوجھ ہی جاتا ہے۔ آپ کے واسطے بھی ضروری ہے کہ سلسلہ کی کتابیں مطالعہ کریں اور غور اور انصاف پسندی سے دیکھیں کہ آیا ان میں حق ہے یا کہ نہیں۔ کسی امر کے متعلق رائے قائم کرنے کے واسطے معلومات کا ہونا ازبس ضروری ہے جس کی معلومات وسیع ہو جاتی ہیں وہ خود موازنہ کر سکتا ہے کہ فریقین میں سے کون حق بجانب ہے۔ اکثر لوگ غرور نفس کی وجہ سے اوّل تو ہمارے پاس آنے میں ہی مضائقہ کرتے ہیں اور اگر آتے بھی ہیں تو وہ گھر سے ہی فیصلہ کر کے آتے ہیں۔ اس قسم کے لوگ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں بھی گذرے ہیں اور ہمیشہ محروم ہی رہ جایا کرتے ہیں۔ ایمان ان کے نصیب ہوتا ہی نہیں۔ اصل میں ایسے لوگ دہریہ بے دین اور بے قید ہوتے ہیں۔ جو شخص

سچے طور پر پکا مسلمان ہوتا ہے اس پر حق کے پرکھنے کے واسطے بہت بڑی مشکلات پیش نہیں آتیں۔ کیونکہ ایک مسلمان جو حقیقت میں مسلمان ہے اور سنت اللہ اور سنت رسول سے واقف ہے وہ ہمیشہ منہاج نبوت کو مدنظر رکھ کر ہی تحقیق کرے گا۔ ایسے لوگوں کے اعتراضات بہت تھوڑے رہ جاتے ہیں اور اس راستے کا بہت تھوڑا حصہ ان کے واسطے باقی رہ جاتا ہے۔ اور اگر ایسا شخص ہے کہ اُسے خود اسلام کے متعلق ہی شک و شبہات پیدا ہو رہے ہیں اور ابھی اس نے اسلام کی صداقت کا ہی فیصلہ نہیں کیا تو پھر ایسے لوگوں کے واسطے سلامتی کی کوئی راہ نہیں اور یہی ہیں کہ آخر وہ ہلاک ہو جاتے ہیں۔ ایسے لوگ دراصل روحانی امور کے دشمن ہوتے ہیں۔ ان میں ایک قسم کا کبر اور غرور ہوتا ہے۔ وہ لوگ اتباع کو عار سمجھتے ہیں۔ یہ لوگ نئی روشنی میں بھی ہلاک ہو گئے مگر خدا کے آسمانی نور کو قبول نہ کیا۔

خدا تعالےٰ کا ہمیشہ سے یہ قانون چلا آتا ہے کہ جب دنیا فسق و فجور اور گناہ سے پُر ہو جاتی ہے اور ہر قسم کے مفاسد دُنیا میں پھیل جاتے ہیں تو خدا تعالےٰ اپنی طرف سے ایک روحانی سلسلہ قائم کر کے زمانہ کی اصلاح کرتا ہے۔ مگر وہ جو کہتا ہے کہ مجھے اس کی کیا ضرورت ہے گویا وہ خدا کے قانون کو بدلنا چاہتا ہے۔ ایسے لوگوں سے تو یہ بھی خوف ہے کہ ایک دن اسلام سے بھی انکار کر دیں اور یہانتک کہ خود خدا کی ہستی کی بھی ضرورت محسوس کریں یہ بڑی خطرناک راہ ہے کیونکہ جو حقیقی اور سچی راہ شناخت اسلام اور وجود باری تعالےٰ پر دلیل تھی ان لوگوں نے اسی سے رُوگردانی کر لی ہے۔ اکثر ان میں ایسے پائے جاتے ہیں کہ معلومات وسیع کا دعویٰ کرتے ہیں مگر جاہل بلکہ اجہل ہوتے ہیں۔ دین اور علوم دینی سے ان کو مَس بھی نہیں ہوتا۔ فائدہ وہ لوگ اُٹھاتے ہیں جو خالی النفس ہوتے ہیں اور خدا تعالےٰ کی راہ میں سچی پیاس، نرمی اور صبر سے کام کرتے ہیں۔ روشنی کی ضرورت اس شخص کو ہوتی ہے جو ظلمت میں ہو۔ جس کے پاس پہلے ہی روشنی ہے وہ روشنی کا کیسے محتاج ہو سکتا ہے۔ جو برتن پہلے ہی پُر ہے اس میں اور کیا داخل ہو سکتا ہے۔ ہمیشہ خالی برتن میں کچھ بھرا جاتا ہے۔ عُمر کا

اعتبار نہیں۔ زمانہ بڑا خطرناک ہے۔ بہت جلدی اس طرف توجہ کرنی چاہیئے۔

طاعون

طاعون کے ذکر پر فرمایا کہ

اس سال طاعون کسی قدر کم ہے۔ یہ کوئی خوشی کا مقام نہیں کیونکہ لوگوں نے طاعون سے کوئی فائدہ نہیں اُٹھایا۔ جس غرض کے واسطے یہ آیا تھا وہ غرض ابھی پوری نہیں ہوئی۔ اصل میں طاعون نام ہے موت کا۔ لغت میں وہ خطرناک عوارض جن کا انجام موت ہوتا ہے اس کا نام طاعون ہی رکھا ہے اور یہ لفظ لغت کی رو سے بڑا وسیع ہے ممکن ہے کہ اب کسی اور رنگ میں نمودار ہو جاوے یا اسی رنگ میں آئندہ اور بھی زور سے پھوٹ نکلے۔ اللہ تعالیٰ کے کلام میں بھی افطر واصوم کا لفظ ہے۔ یعنی ایک وہ وقت ہے جس طرح افطار میں کھانا پینا جائز ہوتا ہے اسی طرح طاعون لوگوں کو کھاتا جاوے گا اور ایک وقت ایسا بھی ہوگا کہ صوم کی طرح امن ہو جاوے گا۔ انّی مع الرسول اقوم۔ افطر واصوم۔ ولن ابرح الارض الی الوقت المعلوم۔

لوگ امن اور آرام کے واسطے جلدی ایک بات بنا لیا کرتے ہیں۔ ابھی ایک بیماری تھی سو چلی گئی۔ کیسا نشان اور کیسی تنبیہ۔ غرض اس طرح کے خیالات سے اپنی تسلی کر لیتے ہیں۔ اصل میں طاعون بڑا وسیع لفظ ہے۔ الطاعون : الموت کل امراض دوری کا نام۔ یہ چیچک ہے۔ ذات الجنب ہے۔ تپ۔ گلٹیاں۔ قے۔ سکتہ۔ اس قسم کی کل امراض اس میں داخل ہیں یہ لفظ یاد رکھنے کے قابل ہے کہ صحابہؓ کے وقت میں بھی ایک قسم کا طاعون پھوٹا تھا مگر وہ بہت باریک ایک دانہ کی طرح ایک پھنسی ہوتی تھی جو کہ ہتھیلی میں نکلتی تھی۔ اکثر دیکھا گیا ہے کہ غشی اور نیند کی حالت میں اور بعض ہنستے ہنستے ہی اس دنیا سے چل گذرتے ہیں بعض کو خون کے جلاب لگ جاتے ہیں۔ بعض کا کسی کو علم بھی نہیں ہوتا کہ ہوا کیا؟ دس۱۰ آدمی تھے

رات اچھے بھلے سوئے مگر صبح ہوتے ہی ان میں سے ایک بھی زندہ نہ اُٹھا۔ غرض اس قسم کے کئی واقعات ہیں کہ ان سے معلوم ہوتا ہے کہ اس مرض کا کسی کو پتہ نہیں لگا اور اس کے کئی رنگ ہیں۔

اصل میں یہ وقفہ بھی شامت اعمال کی وجہ سے مفید نہیں بلکہ بہت ہی خطرناک ہے کیونکہ لوگ اب دلیر ہو جاویں گے۔ اور جرأت سے ارتکاب جرائم کریں گے اور اس وقفے سے یہ نتیجہ نکال لیں گے کہ اجی صاحب ایک بیماری تھی گذر گئی۔ نہ کوئی نشان ہے کسی کا اور نہ عذاب۔ غرض یہ خوشی کا مقام نہیں بلکہ جائے خوف ہے۔ ایک ایسے وقت میں جبکہ طاعون کی وجہ سے ایک قہر الٰہی ٹوٹ پڑا تھا۔ دنیا پر ایسے وقت میں یہ الہام ہوا تھا کہ افطر و اصوم یعنی ایک استعارہ تھا کہ کبھی یہ مرض زور پکڑ جاوے گا اور کبھی اس میں وقفہ بھی آجاوے گا۔ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ۔[1] خدا تعالیٰ نہیں چھوڑے گا اور ہرگز نہیں چھوڑے گا جب تک لوگ اپنے اخلاق، اعمال اور خیالات میں ایک تبدیلی پیدا نہ کرلیں۔

اصل میں ان لوگوں کو یہ امر بھی گراں گذرتا ہے کہ خدا کی طرف کوئی امر منسوب کیا جاوے بلکہ یہ تو کہتے ہیں کہ اتفاقی طور سے ہو گئی۔ خدا کا اس میں کیا دخل و تصرف ہے۔ اب ہمیں تو اس بات کا فکر ہے کہ اب لوگ خواہ نخواہ یہ رائے قائم کرلیں گے اور پھر اس رائے کو صحیح یقین کریں گے کہ ایک اتفاقی مرض تھا سو جاتا رہا اب امن و امان ہو گیا۔ غرض اس طرح سے اطمینان اور تسلی کرکے خدا سے منہ پھیریں گے اور بے باکی اور جرأت میں ترقی کر جاویں گے۔ دلوں میں سے اللہ تعالیٰ کی عظمت ہی اُٹھ چکی ہے۔ دنیا کے حکام کی اور اپنی اغراض کی جس قدر عظمت اور تڑپ ان کے دلوں میں ہوتی ہے خدا اور اس کے رسول اور ان کی رضا کی اتنی بھی تڑپ اور عظمت باقی نہیں رہی۔ طاعون کا عالمگیر اور قہری نشان بھی ان کے واسطے مفید نہ ہوا۔ زلزلے بھی خدا کے وعدے کے عین مطابق آگئے اور شہروں کے شہر جو کسی وقت

[1] الرعد : ۱۲

بڑے آباد تھے ویران ہو گئے مگر دنیا نے تبدیلی پیدا نہ کی۔ چند روز ہوئے الہام ہوا۔

زلزلت الارض

۲۸-۲-۰۵

یہ بھی ایک مخفی اور خوفناک بات پر استدلال کرتا ہے، خواہ ظاہری ہو خواہ اندرونی۔ کیونکہ زلزلہ کا لفظ ظاہر معنوں کے سوا دوسرے معنوں پر بھی بولا گیا ہے جیسا کہ قرآن شریف سے معلوم ہوتا ہے زُلْزِلُوا زِلْزَالًا شَدِيدًا۔[1] اب جتنے نشان بھی خدا تعالیٰ نے ظاہر کئے ہیں۔ ان سب کا ان پر اُلٹا اثر پڑے گا اور سب کو یہ طاعون کی طرح اتفاقی سمجھ کر سخت دل ہو جاویں گے فرعون والا حال ہے۔ وہ بھی جب ایک عذاب میں افاقہ ہوتا تھا تو اسے عارضی اور اتفاقی جان کر اور بھی سخت دل ہو جاتا تھا۔ آخر کار پھر غرق ہوتے وقت کہا میں بھی اس پر ایمان لایا جس پر بنی اسرائیل ایمان لائے۔ خدا کا نام پھر بھی نہ لیا۔ یہی حال اس وقت اس قوم کا ہے۔ طاعون تھا سو وہ کسی قدر کم ہو ہی گیا ہے قحط بھی اب چنداں زور پر نہیں اور صورت امن کی نظر آنے لگ گئی ہے اب مطمئن ہو جاویں گے اور بیخوف ہو کر جرأت اور دلیری سے ارتکاب معاصی اور جرائم میں آگے سے بھی سخت دل ہو کر ترقی کر جاویں گے۔ اور توبہ اور استغفار اور توجہ الی اللہ اور تبدیلی کی فکر دلوں میں پیدا نہ ہو گی۔ مگر خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ یہ کوئی نئی بات نہیں بلکہ ہمیشہ ایسا ہی ہوتا رہا ہے۔

بعد نماز عصر

(جناب شاہزادہ محمد ابراہیم خاں صاحب کی ملاقات کے وقت حضرت اقدس (علیہ السلام) نے بزبان فارسی تقریر فرمائی)

فرمایا:۔

دنیا میں اس زمانہ میں نفاق بہت بڑھ گیا ہے۔ بہت کم ہیں جو اخلاص رکھتے ہیں۔ اخلاص اور محبت شعبہ ایمان ہے۔ آپ کو خدا آپ کی محبت اور اخلاص کا اجر دے اور تقویت عطا

[1] الاحزاب : ۱۲

کرے ۔ اخلاق فاضلہ اسی کا نام ہے بغیر کسی عوض معاوضہ کے خیال سے نوع انسان سے نیکی کی جاوے۔ اسی کا نام انسانیت ہے۔ ادنیٰ صفت انسان کی یہ ہے کہ بدی کا مقابلہ کرنے یا بدی سے درگذر کرنے کی بجائے بدی کرنے والے کے ساتھ نیکی کی جاوے۔ یہ صفت انبیاء کی ہے اور پھر انبیاء کی صحبت میں رہنے والے لوگوں کی ہے اور اس کا اکمل نمونہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین ہیں۔ خدا تعالےٰ ہرگز ضائع نہیں کرتا ان دلوں کو کہ ان میں ہمدردی بنی نوع ہوتی ہے۔

صفات حسنہ اور اخلاق فاضلہ کے دو ہی حصے ہیں اور وہی قرآن شریف کی پاک تعلیم کا خلاصہ اور لب لباب ہیں۔ اوّل یہ کہ حق اللہ کے ادا کرنے میں عبادت کرنا۔ فسق و فجور سے بچنا اور کل محرمات الٰہی سے پرہیز کرنا اور اوامر کی تعمیل میں کمربستہ رہنا۔ دوم یہ کہ حق العباد ادا کرنے میں کوتاہی نہ کرے اور بنی نوع انسان سے نیکی کرے۔ بنی نوع انسان کے حقوق بجا نہ لانے والے لوگ خواہ حق اللہ کو ادا کرتے ہی ہوں بڑے خطرے میں ہیں کیونکہ اللہ تعالےٰ تو ستار ہے، غفار ہے۔ رحیم ہے اور حلیم ہے اور معاف کرنے والا ہے۔ اس کی عادت ہے کہ اکثر معاف کر دیتا ہے مگر بندہ (انسان) کچھ ایسا واقع ہوا ہے کہ کبھی کسی کو کم ہی معاف کرتا ہے۔ پس اگر انسان اپنے حقوق معاف نہ کرے تو پھر وہ شخص جس نے انسانی حقوق کی ادائگی میں کوتاہی کی ہو یا ظلم کیا ہو خواہ اللہ تعالیٰ کے احکام کی بجاآوری میں کوشاں ہی ہو۔ اور نماز روزہ وغیرہ احکام شرعیہ کی پابندی کرتا ہی ہو مگر حق العباد کی پروا نہ کرنے کی وجہ سے اسکے اور اعمال بھی حبط ہونے کا اندیشہ ہے۔

غرض مومن حقیقی وہی ہے جو حق اللہ اور حق العباد دونو کو پورے التزام اور احتیاط سے بجا لاوے۔ جو دونو پہلوؤں کو پوری طرح سے مدنظر رکھ کر اعمال بجا لاتا ہے وہی ہے کہ پورے قرآن پر عمل کرتا ہے ورنہ نصف قرآن پر ایمان لاتا ہے۔ مگر یہ ہر دو قسم کے اعمال انسانی طاقت میں نہیں کہ بندہ یا خود اپنی طاقت سے بجا لانے پر قادر ہو سکے۔ انسان نفس امارہ کی زنجیروں میں جکڑا ہوا ہے۔ جب تک اللہ تعالےٰ کا فضل اور توفیق اس کے شامل حال نہ

ہو کچھ بھی نہیں کر سکتا۔ لہٰذا انسان کو چاہیئے کہ دعائیں کرتا رہے تاکہ خدا تعالےٰ کی طرف سے اُسے نیکی پر قدرت دی جاوے اور نفس امارہ کی قیدوں سے رہائی عطا کی جاوے۔ یہ انسان کا سخت دشمن ہے۔ اگر نفس امارہ نہ ہوتا تو شیطان بھی نہ ہوتا۔ یہ انسان کا اندرونی دشمن اور مار آستین ہے۔ اور شیطان بیرونی دشمن ہے۔ قاعدہ کی بات ہے کہ جب چور کسی کے مکان میں نقب زنی کرتا ہے تو کسی گھر کے بھیدی اور واقف کار سے پہلے سازش کرنی ضروری ہوتی ہے۔ بیرونی چور بجز اندرونی بھیدی کی سازش کے کچھ کر ہی نہیں سکتا۔ پس یہی وجہ ہے کہ شیطان بیرونی دشمن، نفس امارہ اندرونی دشمن۔ اور گھر کے بھیدی سے سازش کر کے ہی انسان کے متاعِ ایمان میں نقب زنی کرتا ہے اور نور ایمان کو غارت کرتا ہے۔ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے وما ابرئ نفسی ان النفس لامارۃ بالسوء[1]۔ یعنی میں اپنے نفس کو بری نہیں ٹھہراتا اور اس کی طرف سے مطمئن نہیں کہ نفس پاک ہو گیا ہے بلکہ یہ تو شریر الحکومت ہے۔

تزکیہ نفس بڑا مشکل مرحلہ ہے اور مدار نجات تزکیہ نفس پر موقوف ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے قد افلح من زکّٰھا[2]۔ اور تزکیہ نفس بجز فضلِ خدا میسر نہیں آسکتا۔ یہ خدا تعالےٰ کا اٹل قانون ہے لن تجد لسنۃ اللہ تبدیلاً[3]۔ اور اس کا قانون جو جذب فضل کے واسطے ہمیشہ سے مقرر ہے وہ یہی ہے کہ اتباع رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی جاوے۔ مگر دنیا میں ہزاروں ایسے موجود ہیں جو کہتے ہیں کہ ہم بھی لا الٰہ الا اللہ کہتے ہیں۔ نیک اعمال بجالاتے ہیں۔ اعمال بد سے پرہیز کرتے ہیں۔ اصل میں ان کا مدعا یہ ہوتا ہے کہ ان کو اتباع رسول کی ضرورت نہیں مگر یاد رکھو یہ بڑی غلطی ہے اور یہ بھی شیطان کا ایک بڑا دھوکہ ہے کہ ایسا خیال لوگوں کے دلوں میں پیدا کرتا ہے اللہ تعالیٰ نے خود اپنے کلام پاک میں تزکیہ اور محبت الٰہی کو مشروط باتباع رسُول رکھا ہے تو کون ہے کہ وہ دعویٰ کر سکے کہ میں خود بخود ہی اپنی طاقت سے پاک ہو سکتا ہوں۔ سچا یقین اور کامل معرفت سے پُر ایمان ہرگز ہرگز میسر ہی نہیں آسکتا جب تک انبیاء کی سچی فرمانبرداری اور محبت اختیار نہ کی جاوے گناہ سوز ایمان اور خدا کو دکھا دینے والا یقین بجز اقتداری اور غیب پر مشتمل زبردست پیشگوئیوں

[1] یوسف: ۵۴ [2] الشمس: ۱۰ [3] الاحزاب: ۶۳

کے جو انسانی طاقت اور وہم دگمان سے بالاتر ہوں۔ ہرگز ہرگز میسر نہیں آسکتا۔ دنیا اپنے کاروبار دنیوی میں جس استغراق اور انہماک سے معروف ہوتی اور جیسی جیسی جانکاہ اور خطرناک مشکل سے مشکل کوششیں اپنی دنیا کے واسطے کرتی ہے۔ اگر خدا تعالیٰ کی طرف بھی اسی طرح کی کوشش سے قدم اُٹھاویں اور اس وقت جو ایک آسمانی سلسلہ خدا تعالیٰ نے اس غرض کے لئے مقرر فرمایا ہے۔ اس کی طرف متوجہ ہوں تو ہم یقین سے کہتے ہیں کہ ضرور اللہ تعالیٰ ان کے واسطے رحمت کے نشان دکھانے پر قادر ہے۔ مگر اصل بات یہ ہے کہ لوگ اس پہلو سے لاپرواہیں ورنہ دینی امور اور اعمال کیا مشکل ہیں۔ نماز میں کوئی مشکل نہیں ۔پانی موجود ہے۔ زمین سجدہ کرنے کے واسطے موجود ہے۔ اگر ضرورت ہے تو ایک فرماں بردار اور پاک دل کی جس کو محبت الٰہی کی سچی تڑپ ہو۔ دیکھو اگر ساری نمازوں کو جمع کیا جاوے اور ان کے وقت کا اندازہ کیا جاوے تو شاید ایک گھڑی بھر میں ساری پوری ہو سکیں۔ آخر پاخانہ بھی جاتے ہیں۔ اگر اتنی ہی قدر نماز کی ان لوگوں کے دلوں میں ہو تو بھی یہ نماز کو ادا کر سکتے ہیں۔ مگر افسوس اسلام اس وقت بہت خطرے میں ہے اور مسلمان درحقیقت نُورِ ایمان سے بے نصیب ہیں۔ اگر کسی کو ایک مہلک مرض لگ جاوے تو کیسا فکر لگ جاتا ہے مگر اس روحانی جذام کی کسی کو بھی پرواہ نہیں جس کا انجام جہنّم ہے۔

اصل میں ہمارے پاس آنا خدا کے حضور جانا ہے اور ہماری عزت درحقیقت خدا اور رسُول کے کلام کی عزت ہے۔ متواتر ۲۶ سال ہوئے ہیں کہ اس نے ہمیں مامور کیا۔ مجدد بنایا۔ اور اصلاحِ مفاسدِ زمانہ کی غرض سے دنیا میں بھیجا۔ اور پھر یہی نہیں کہ صرف ہمارا زبانی دعویٰ ہو بلکہ اُس نے ساتھ ہی ساتھ اپنے ہزاروں زبردست نشان بھی دیئے۔ منہاج نبوت پر بھیجا۔ مگر لوگوں نے پرواہ نہ کی بلکہ اُلٹا کافر کہا۔ اکفر کہا۔ دجال کہا۔ کذاب کہا۔ حالانکہ جس خدا نے مجھے بھیجا اُس نے مجھے میری صداقت کے لئے نشان بھی ظاہر کئے۔ ایک نہیں۔ دو نہیں بلکہ ہزاروں نشان۔ دنیوی عدالتوں میں خواہ کتنا ہی سخت سے سخت مقدمہ ہو مگر دو تین گواہ گذرنے پر سزائے موت تک بھی دی جاتی ہے مگر یہاں تو ہزاروں لوگ ہیں جو ہمارے ان نشانات کے گواہ ہیں

مشرق سے مغرب تک کوئی جگہ نہیں جہاں ہمارے نشانوں کی گواہی موجود نہ ہو مگر با ایں ہمہ ان لوگوں نے پروا نہیں کی۔

گورنمنٹ کا ادنیٰ چپڑاسی وصولی لگان کے واسطے آجاوے کوئی اس کا مقابلہ نہیں کرتا۔ اور اگر کرے تو گورنمنٹ کا باغی ٹھہرتا ہے اور سزا پاتا ہے مگر خدائی گورنمنٹ کی لوگ پروا نہیں کرتے خدا تعالیٰ سے آنے والے لاریب غربت کے لباس میں ہوتے ہیں۔ لوگ ان کو حقارت اور تمسخر سے دیکھتے ہیں۔ ہنسی ٹھٹھا کرتے ہیں۔ مگر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ یاحسرةً علی العباد ماياتيهم من رسولٍ الا كانوا به يستهزءون۔ اللہ تعالیٰ سچا ہے وہ جھوٹ نہیں کہتا۔ وہ فرماتا ہے کہ آدم سے لے کر اخیر تک جتنے بھی نبی آئے ہیں ان تمام سے ہنسی ٹھٹھا کیا گیا ہے مگر جب وقت گذر جاتا ہے پھر لگتے ہیں تعریفیں کرنے۔ شیخ عبدالقادر جیلانیؒ پر بھی قریباً دو سو علماء وقت نے کفر کا فتویٰ لگایا تھا۔ ابن جوزی جو محدث وقت تھا اس نے ایک کتاب لکھی اور تلبیس ابلیس اس کا نام رکھا اور بہت کچھ تلخ اور نازیبا الفاظ ان کے حق میں استعمال کئے۔ مگر ان کے دو سو برس بعد ان کو کیسا کامل اور پاکباز صادق انسان مانا گیا۔ اور کیسی قبولیت ہوئی۔ دنیا جانتی ہے۔ یہ صرف انہی پر نہیں بلکہ تمام اولیاء کے ساتھ یہی سلوک ہوتا چلا آیا ہے۔

غرض اسی منہاج پر مجھے بھی تمام پنجاب اور ہندوستان کے علماء نے کافر، دجال، فاسق، فاجر وغیرہ کے خطاب دیئے ہیں اور کہتے ہیں کہ نعوذ باللہ میں انبیاء کو گالیاں دیتا ہوں۔ حالانکہ میں ان تمام انبیاء کی عزت کرتا ہوں اور ان کی عظمت اور صداقت ظاہر کرنے کے واسطے ہی میری بعثت ہوئی ہے۔ یقین جانو کہ اگر میں خدا تعالیٰ کی طرف سے نہیں ہوں اور میں ہی جھوٹا ہوں تو پھر تمام انبیاء میں سے کسی کی نبوت کو کوئی ثابت نہیں کر سکتا۔ اگر حضرت عیسیٰؑ کی وفات کا ذکر کرنا گالیاں دینا ہے تو پھر سب سے پہلے جس نے حضرت عیسیٰؑ کو گالی دی وہ خدا ہے۔

میرا مطلب یہ ہے کہ ہمیشہ سے ایسا سلسلہ چلا آیا ہے کہ جب دنیا میں حق اللہ اور حق العباد

لہ : یٰسٓ : ۳۱

کی پرواہ دلوں سے اُٹھ جاتی ہے اور ظلم اور تعدی انسانوں کا شیوہ ہو جاتا ہے اور لوگ اپنے خالق اور معبود حقیقی سے منہ پھیر کر سینکڑوں بُت اپنے واسطے تجویز کر لیتے ہیں اور انبیاء کی تعلیم لوگ بھول جاتے ہیں۔ ایسے خطرناک وقت میں اللہ تعالےٰ ایک رُوحانی سلسلہ پیدا کر کے ان سب مفاسد کی اصلاح کرتا ہے۔ آج بھی اگر کسی انسان میں فراست موجود ہے تو دیکھ سکتا ہے کہ کیا اسلام کی حالت اس خطرناک حالت تک پہنچی ہے یا کہ نہیں جس وقت خدا تعالےٰ اس کی خبر گیری کرے۔ زمانہ خود پکار پکار کر زبانِ حال سے کہہ رہا ہے کہ مصلح کی ضرورت ہے۔ مسلمانوں کی حالت ناگفتہ بہ ہے۔ معمولی مسلمان تو کسی شمار میں ہی نہیں۔ جو لوگ بادشاہ کہلاتے ہیں اور خلیفۃ المسلمین، امیر المومنین ہیں، خود ان کا حال ایسا ہے کہ باوجود بادشاہ ہونے کے ان کو اتنی جرأت نہیں کہ ان کی سلطنت میں کوئی شخص جرأت اور آزادی سے اظہار حق بھی کر سکے۔ سلطان روم کی سلطنت میں کوئی چار سطر بھی مذہب عیسوی کے خلاف نہیں لکھ سکتا۔ شاید یہ خیال ہو گا کہ تمام عیسائی سلطنتیں ناراض ہو کر سلطنت چھین لیں گی۔ مگر خدا کی سلطنت کا ذرہ بھی خیال نہیں اور نہ ہی خدا تعالےٰ کی طاقت پر پورا بھروسہ ہے۔ خودداری بھی ایک حد تک اچھی ہوتی ہے۔ مگر جہاں ایمان جائے وہاں ایسی باتوں کا کیا خیال۔ حالانکہ ہمارا تجربہ بتلاتا ہے کہ گورنمنٹ کو مذہب سے تعلق ہی کوئی نہیں۔ دیکھو ہم نے عیسائیوں کے خلاف کتنی کتابیں لکھی ہیں اور کس طرح کے زور سے ان کے عقائد باطلہ کا رد کیا ہے مگر گورنمنٹ میں یہ بڑی بھاری خوبی ہے کہ کوئی ناراضگی کا اظہار نہیں کیا گیا۔ اصل وجہ اپنی ہی کمزوری ہوتی ہے ورنہ گورنمنٹ دین کے معاملات میں کبھی بھی دست اندازی نہیں کرتی۔ دیکھو ہمارے اس مقدمہ کی طرف ہی غور کر کے دیکھ لو کہ کس دیانت داری اور انصاف سے اس کا فیصلہ کیا گیا۔ امرتسر سے چالیس ہزار روپیہ کی ضمانت پر وارنٹ نکالا گیا۔ مگر خدا کی قدرت وہ کتاب ہی میں پڑا رہ گیا اور بعد میں اس حاکم کو معلوم ہوا کہ وہ ایسا کرنے کا مجاز بھی نہ تھا مگر خدا کا تصرف جو ہمیشہ اپنے فرستادوں کے واسطے رنگا رنگ طرزوں میں ظاہر ہوا کرتا ہے اس نے اس خطرناک وقت میں بھی ہماری نصرت کی۔ پھر مقدمہ تبدیل

ہوکر معاً گورداسپور کے ڈپٹی کمشنر کی عدالت میں آ گیا جس نے کوئی وارنٹ نہ نکالا اور ہمیں بُلوا کر بڑے احترام اور عزت سے ہمارے ساتھ سلوک کرتا رہا۔

ہماری غرض اس امر کے اظہار سے صرف یہی ہے کہ اول تو گورنمنٹ پر مذہبی معاملات کی وجہ سے مخالف ہو یا موافق کوئی اثر نہیں پڑتا اور وہ کیا جاتا ہے جو انصاف اور دیانت کا تقاضا ہو دوسرے یہ کہ خدا تعالیٰ کا تعلق ایک ایسی چیز ہے کہ جس سے ہر مشکل کے وقت اسے تسلّی اور ہر بلا سے نجات عطا کی جاتی ہے جو خدا کا ہو جاتا ہے۔ خدا بھی پھر ہر بات میں اس کا پاس کرتا ہے۔ ایسے لوگ مومن کہلانے کے مستحق نہیں ہیں جو دنیا کے خطرات اور تفکرات میں ہی غرق ہوں اور خدا کا خانہ بالکل خالی پڑا ہے۔ مومن وہ کہلاتا ہے کہ ہلاکت کے قریب بھی پہنچ جاوے مگر خدا کو نہ چھوڑے۔ ایمان کا یہ ایک نشان ہے کہ آخر تک کل امور اسی کے ہاتھ میں یقین کرے اور ناامید نہ ہو۔

بادشاہ اور خلیفۃ المسلمین اور امیرالمومنین کہلا کر بھی خدا تعالیٰ کی طرف سے بے پروائی اچھی بات نہیں۔ مخلوق سے اتنا ڈرنا کہ گویا خدا کو قادر ہی نہیں سمجھتا یہ ایک قسم کی سخت کمزوری ہے۔ لوگ کہتے ہیں کہ وہ خادم الحرمین ہیں مگر ہم کہتے ہیں کہ حرمین اس کے محافظ ہیں۔ حرمین کی برکت اور طفیل ہے کہ اب تک وہ بچا ہوا ہے۔ جو مذہبی آزادی اس ملک میں ہمیں نصیب ہے وہ مسلمان ممالک میں تو خود مسلمانوں کو بھی نصیب نہیں۔ دیکھو کس آزادی سے ہم کام کر رہے ہیں۔ اور پھر کیا اثر ہماری تالیفات کا ملک پر ہوا ہے۔ قادیان میں ہمیشہ پادری لوگ آیا کرتے تھے۔ ان کے خیمے ہمیشہ قادیان کے باہر کی طرف نصب کئے جاتے تھے اور پھر کر اپنا وعظ کیا کرتے تھے۔ مگر اب عرصہ پندرہ برس کا ہوتا ہے کہ کبھی کسی پادری کی شکل بھی نظر نہیں آئی۔ ہمیشہ کہا کرتے تھے اور مسلمانوں کو دعویٰ سے بلایا کرتے تھے کہ کوئی ان سے مباحثہ کرے اور کہتے تھے کہ نعوذ باللہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے کوئی بھی معجزہ ظاہر نہیں ہوا۔ ہمیشہ کہا کرتے تھے کہ زندہ نبی کے مضمون پر بحث کی جاوے۔ مگر اب یہ معاملہ ہے کہ ہم بلاتے ہیں۔ انعام دیتے ہیں مگر کوئی

ادھر آتا ہی نہیں گویا وہ پہلو ہی بدل دیا ہے۔ ہم جہانتک کوئی طریق اتمام حجت کا ہو سکتا ہے کرنے کو ہر وقت تیار ہیں۔

وہ وقت بھی آپ کو یاد ہوگا کہ کہا کرتے تھے کہ قرآن میں ایک بھی معجزہ نہیں ہے۔ غلبت الروم والی پیشگوئی محض ایک اٹکل تھی۔ جو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے (نعوذ باللہ) دونو طاقتوں کا مقابلہ کرنے سے کر دی تھی۔ نوبت یہاں تک تھی

پھر ایک اور خطرناک دھبہ ہمیشہ سے اسلام کے پاک اور نورانی چہرہ پہ لگاتے ہیں کہ اسلام تلوار کے زور سے پھیلا ہے۔ غرضکہ طرح طرح کے الزامات اور بے جا اعتراضات کا ایسا طوفان بے تمیزی برپا کر رکھا تھا کہ ان کی کتابوں اور رسائل کو جو انہوں نے اسلام کے برخلاف اس نصف صدی میں لکھی ہیں جمع کیا جاوے تو میرے خیال میں ایک پہاڑ بنتا ہے۔ جاننے والے جانتے ہیں کہ اتنے حملے نہ کبھی کسی نبی پہ کئے گئے اور نہ اتنی گندہ دہانی کسی نبی کے مقابل پر کی گئی۔ اور جب سے دُنیا پیدا ہوئی نہ کسی کو اتنی گالیاں دی گئیں اور نہ کسی نبی کی اتنی ہتک کی گئی۔

آریوں کو دیکھو ان کی کتابوں میں تو اتنا گند بھرا پڑا ہے کہ کوئی باغیرت مسلمان میں سمجھتا ہوں کہ ان کتابوں کی ایک سطر بھی پڑھ نہیں سکتا۔ خصوصاً اگر لیکھرام کی کتابوں کو دیکھا جاوے اصل میں یہ لوگ اسلام کو ایک ذلیل اور جھوٹا مذہب دکھانا چاہتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ اس کا دنیا سے بالکل استیصال ہو جاوے۔

غرض یہ تو بیرونی دشمنوں کا حال ہے۔ خود گھر کا حال اس سے بدتر ہے اور اندرونی دشمن دوستی کے مدعی بن کر اس سے بھی زیادہ نقصان اور مضرت کا باعث ہو رہے ہیں۔ علماء جو دین کے ستون اور نجات کا باعث سمجھے جاتے تھے ان کا یہ حال ہے کہ جب خدا تعالیٰ نے عین سنت قدیم کے مطابق محض حق و حکمت سے عین ضرورت کے وقت ان مفاسد کی اصلاح اور انسداد کے واسطے ایک آسمانی سلسلہ قائم کیا اور اس کے منجانب اللہ ہونے کی صداقت کے واسطے ہزاروں

اقتداری نشانات ظاہر فرمائے ہیں۔ یہ لوگ جن کا بوجہ اس کے کہ دین کے ستون اور قرآن اور حدیث کے علوم سے واقف و آگاہ ہونے کے زیادہ مستحق اس بات کے تھے کہ اس سلسلہ کی تائید کرتے، الٹے دشمن اور استیصال چاہنے والے بن گئے اور طرح طرح کے منصوبوں سے اس خدائی نُور کے بجھا دینے کی کوشش میں مصروف ہو گئے اور ان کی علمی حالت ایسی ناگفتہ بہ ہے کہ حافظ شیرازی کا یہ شعر ؎

واعظاں کیں جلوہ بر محراب و منبر مے کنند

چوں بخلوت مے روند آں کار دیگر مے کنند

شاید انہی علماء کے واسطے لکھا گیا تھا۔

پھر ان سے دوسرے طبقہ کے لوگ جو امراء ہیں ان کا جو حال ہے وہ بھی اظہر من الشمس ہے وہ تو دین سے بے تعلق ہیں۔ ان کو اپنے عیش و عشرت سے ہی فرصت نصیب نہیں۔ اگر فرصت نصیب ہوگی تو شطرنج کھیلنے میں گنوا دیں گے۔

پھر اگر تیسرے طبقہ کی طرف نگاہ اُٹھا کر دیکھا جاوے جو کہ عوام ہیں تو اُور بھی اسلام کی غربت اور نازک حالت پر رحم آتا ہے۔ جیلخانوں میں مسلمان بھرے پڑے ہیں۔ شراب خانوں میں مسلمان خراب ہو رہے ہیں۔ طوائف کے رنگ میں مسلمان کہلانے والے ہی بدحال ہیں۔ غرض ہر فسق و فجور اور معاصی اور گناہ کی مجلس میں غور سے دیکھو تو مسلمانوں کا نمبر بڑھا ہوا ہے۔ جھوٹی گواہیاں دینا بھی مسلمانوں بلکہ خصوصاً نام کے مولویوں کا پیشہ ہی ہو گیا ہے۔ پھر بایں ہمہ ہم پر کفر کے فتوے لگائے جاتے ہیں اور طرح طرح کے الزام لگاتے ہیں۔

ہماری یہ خواہش ہے اور ہمیں اس بات کا اشتیاق ہے کہ صاحب اثر مسلمانوں کی ایک جماعت اس معاملہ کی تحقیقات تو کرے کہ آیا ہم پر جو الزامات لگائے جاتے ہیں وہ سچے ہیں؟ کیا یہ سچ ہے کہ ہم نے قرآن اور رسُول کو چھوڑ دیا ہے؟ اور نعوذ باللہ کوئی نیا دین بنا لیا ہے؟ کیا یہ سچ ہے کہ ہم انبیاء کو گالیاں دیتے ہیں؟

شاہزادہ صاحب موصوف نے سوال کیا کہ آپ بجائے اس کے کہ قادیان میں ہی ہمیشہ قیام رکھیں دورہ کرکے پنجاب اور ہندوستان کے مختلف شہروں میں اگر پھر کر وعظ و تبلیغ کا کام کریں تو زیادہ مفید ہوگا۔

فرمایا کہ

اصل بات یہ ہے کہ تبلیغ کے وسائل ہر زمانہ میں مناسب وقت اور مناسب حال الگ الگ ہوتے ہیں۔ اس زمانہ کی آزادی اگرچہ عمدہ چیز ہے مگر ساتھ ہی اس میں بعض نقائص بھی ہیں آپ نے جو طریق فرمایا ہے میں نے اس طریق تبلیغ کو بھی استعمال کیا ہے اور بعض مقامات میں اس غرض کے لئے سفر بھی کئے ہیں۔ مگر اس میں تجربہ سے دیکھا ہے کہ اصل مقصد کما حقہٗ حاصل نہیں ہو سکتا۔ دوران تقریر میں بعض لوگ بول اٹھتے ہیں۔ دو چار گالیاں بھی سنا دیتے ہیں اور شور و غوغا کرکے بدنظمی کا باعث ہو جاتے ہیں۔ اس لاہور میں ہی ایک دفعہ حالانکہ خود ہمارا اپنا مکان تھا اور پولیس وغیرہ کا بھی انتظام تھا۔ مگر ایک شخص دوران تقریر میں عین بھری مجلس میں کھڑا ہوا۔ اور منہ پر کھڑے ہو کر گالیاں سنائیں۔ میاں محمد خاں صاحب مرحوم جو کہ ہمارے بڑے مخلص اور محبت کرنے والے تھے ان کو جوش آگیا مگر ہم نے ان کو بند کر دیا کہ ہمارے اخلاق کے یہ امر برخلاف ہے کہ اسی قسم کا پہلو اختیار کیا جاوے۔

غرض لاہور میں، امرتسر میں، دہلی میں، سیالکوٹ وغیرہ میں ہم نے اچھی طرح سے آزما لیا ہے کہ یہ نسخہ فتنہ سے خالی نہیں اور اس میں شر کا اندیشہ زیادہ ہے۔ چنانچہ امرتسر میں ہمیں پتھر مارے گئے اور ایک پتھر ہمارے لڑکے کے بھی لگا۔ بعض دوستوں کو جوتیاں بھی لگیں۔ لایلدغ المومن من جحر واحد مرتین پس آزمودہ نسخہ کو ہم دوبارہ کیسے آزما سکتے ہیں۔

پھر دوسرا بڑا نقص یہ ہے کہ زبانی گفتگو میں نقل کرنے والے جو ان کا دل چاہے کرلیں اور چاہیں تو رائی کا پہاڑ بنالیں۔ قلم ان کے ہاتھ میں ہے۔ پھر بعض شریر النفس لوگ ایسے

بھی ہوتے ہیں کہ دو دو گھنٹے تک ان کو سمجھایا جاتا ہے۔ مگر چونکہ ان زبانی تقریروں میں انسان کو سوچنے کا بہت کم موقعہ ملتا ہے اور زبانی تقریریں صرف آنی اور فوری ہوتی ہیں ان کا اثر دیرپا نہیں ہوتا اس واسطے مجبوراً اس راہ سے اجتناب کرنا پڑا۔ اور سلسلہ تحریر میں میں نے اتمام حجت کے واسطے مفصل طور سے ستر پچھتر کتابیں لکھی ہیں اور ان میں سے ہر ایک جداگانہ طور سے ایسی جامع ہے کہ اگر کوئی طالب حق اور طالب تحقیق ان کا غور سے مطالعہ کرے تو ممکن نہیں کہ اس کو حق و باطل میں فیصلہ کرنے کا ذخیرہ بہم نہ پہنچ جاوے۔ ہم نے اپنی عمر میں ایک بھاری ذخیرہ معلومات کا جمع کر دیا ہے اور جہاں تک ممکن تھا ان کی اشاعت بھی کی گئی ہے اور دوست اور دشمنوں نے ان کو پڑھا بھی ہے۔ زبانی تقریر کا عرصہ کم ہوتا ہے۔ انسان کو اس میں تدبر کرنے کا موقعہ ہی نہیں ملتا۔ بلکہ بعض جوشیلی طبیعت کے آدمیوں کو سمجھنے کا موقعہ ہی نہیں ملتا کیونکہ وہ تو اپنے خیالات کے خلاف سُنتے ہی آگ ہو جاتے ہیں اور ان کے مُنہ میں جھاگ آنے لگ جاتا ہے۔ برخلاف اس کے کتاب کو انسان ایک الگ حجرے میں لے کر بیٹھ جاوے تو تدبّر کا بھی موقعہ ملتا ہے اور چونکہ اس وقت مدمقابل کوئی نہیں ہوتا اس واسطے خالی الذہن ہو کر سوچنے کا اچھا موقعہ ملتا ہے۔ مگر بایں ہمہ ہم نے دوسرے پہلو کو بھی ہاتھ سے نہیں دیا اور اس غرض کے واسطے مختلف شہروں میں گئے، تبلیغ کی ہے۔ بعض مقامات میں تو ہمارا اینٹ پتھروں سے بھی مقابلہ کیا گیا ہے۔ ابھی آپ کے نزدیک تبلیغ نہیں کی گئی۔

ہم نے اپنی زندگی میں کوئی کام دنیوی نہیں رکھا۔ ہم قادیان میں ہوں یا لاہور میں جہاں ہوں ہمارے انفاس اللہ ہی کی راہ میں ہیں۔ معقولی رنگ میں اور منقولی طور سے تو اب ہم اپنے کام کو ختم کر چکے ہیں۔ کوئی پہلو ایسا نہیں رہ گیا جس کو ہم نے پورا نہ کیا ہو۔ البتہ اب تو ہماری طرف سے دعائیں باقی ہیں۔ خدا نے بھی کوئی امر باقی اُٹھا نہیں رکھا۔ معجزات اس کثرت اور ہیبت سے دکھلائے ہیں کہ دشمن ان کی عظمت اور شوکت کو مان گئے ہیں۔ اب اگر کوئی ہدایت نہ پاوے۔ تو یہ ہمارے اختیار کی بات نہیں ہے۔

انک لا تھدی من احببت[1]

خدا تعالیٰ کے سلسلے کو ہتک اور خفت کی نظر سے نہ دیکھنا چاہیئے۔ اس نے بہت بڑا ارادہ کیا ہے۔ اسلام کی خیر اسی میں ہے۔ ایک دفعہ ہم دلّی میں گئے تھے۔ ہم نے وہاں کے لوگوں سے کہا کہ تم نے تیرہ سو برس سے یہ نسخہ استعمال کیا ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو مدفون اور حضرت عیسیٰؑ کو زندہ آسمان پر بٹھایا۔ یہ نسخہ تمہارے لئے مفید ہوا یا مضر۔ اس سوال کا جواب تم خود ہی سوچ لو۔ ایک لاکھ کے قریب لوگ اسلام سے مرتد ہو گئے ہیں۔ ہر قوم اور ہر فرقے میں سے۔ سید، مغل، پٹھان، قریشی وغیرہ۔ یہ تو حضرت عیسٰی کو بار بار زندہ کہنے کا نتیجہ ہے۔ مگر اب دوسرا نسخہ ہم بتاتے ہیں وہ استعمال کر کے دیکھو اور وہ یہ ہے کہ حضرت عیسیٰؑ کو (جیسا کہ قرآن شریف سے ثابت ہوتا ہے اور رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے فعلی شہادت دے دی) وفات شدہ مان لو۔ ان میں سے ایک شخص جو کہ لمبے قد کا تھا وہ بولا کہ آپ سچ کہتے ہیں آپ اپنا کام کئے جاویں میں نے آپ کا طریق سمجھ لیا ہے۔ واقع میں اسلام کی خیر اسی میں ہے

قرآن شریف میں اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ کے حق میں توفّی کا لفظ استعمال کیا ہے اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنی رویت سے فعلی شہادت دی کہ ان کو معراج کی رات مُردوں کے ساتھ دیکھا۔ بھلا زندوں کو مُردوں سے کیا تعلق؟ حضرت عیسیٰ اگر زندہ ہوتے تو ان کے واسطے تو کوئی الگ کوٹھڑی چاہیئے تھی نہ یہ کہ وہ بھی مُردوں کے ساتھ ہی رہیں۔ توفّی کا لفظ بجز وفات کے جسم عنصری سے آسمان پر چڑھ جانے کے ہرگز قرآن شریف سے کوئی ثابت نہ کر سکے گا۔ دیکھو یہی لفظ توفّی کا آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے حق میں قرآن شریف نے بولا ہے۔ اما نرینک بعض الذی نعدھم او نتوفینک۔[2] اور حضرت یُوسف علیہ السلام کے بارے میں بھی یہی لفظ توفی ہی آیا ہے توفنی مسلمًا و الحقنی بالصّالحین۔[3]

اب جائے غور ہے کہ اَوروں کے واسطے تو یہی لفظ موت پر دلالت کرے مگر حضرت عیسیٰ کے حق میں اگر آجاوے تو اس میں کچھ ایسی تاثیر پیدا ہو جاتی ہے کہ اس کے معنے

[1] القصص : ۵۷ [2] یونس : ۴۷ [3] یوسف : ۱۰۲

بجائے موت کے جسم عنصری سے آسمان پر چڑھ جانے کے ہوجاتے ہیں۔

سب سے پہلا اجماع جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں ہوا وہ وفات عیسیٰ کے مسئلہ پر ہے

ایک دفعہ مفتی محمد صادق صاحب جو ایک بڑے مخلص آدمی ہیں ان کو ایک بشپ پادری سے زندہ رسول کے مسئلہ پر مباحثہ کرنے کا موقعہ ملا جس کی تفصیل یہ ہے کہ لاہور میں ایک لارڈ بشپ نے ایک بڑے بھاری مجمع میں بیان کیا کہ مسلمانوں کا رسُول (نعوذ باللہ) زندہ نبی کہلانے کا مستحق نہیں ہے زندہ نبی صرف حضرت عیسٰیؑ ہی ہیں۔ مسلمانوں کے رسول مدینہ میں مدفون اور مسیح زندہ آسمان پر خدا کے داہنے ہاتھ بیٹھا ہے۔ سب مسلمانوں کو مخاطب کرکے کہا کہ تم ہی سوچو اور فیصلہ کرو کہ افضل ان میں سے کون ہے؟ مسلمان بیچاروں کے پاس اس سوال کا کیا جواب تھا۔ اتفاق سے مفتی محمد صادق صاحب اس جلسہ میں موجود تھے۔ انہوں نے یہ حال دیکھ کر غیرت اسلامی کے تقاضا اور جوش سے اُٹھ کر کہا کہ میں آپ کے اس سوال کا جواب دیتا ہوں۔ چنانچہ انہوں نے حضرت مسیح کی وفات کو بیان کرکے کہا کہ قرآن شریف میں حضرت مسیح کی حیات کا کہیں بھی ذکر نہیں قرآن شریف ان کو بار بار انبیاء کی طرح وفات یافتہ قرار دے چکا ہے۔ یہ جواب سُنکر وہ بشپ چونک پڑا اور کوئی جواب اس سے بن نہ آیا۔ صرف یہ کہہ کر ٹال دیا کہ معلوم ہوتا ہے تم مرزائی ہو۔ ہم تم سے گفتگو نہیں کرتے۔ ہمارے مخاطب عام مسلمان ہیں۔ اس واقعہ نے ہمارے دشمنوں کے دلوں پر بھی اثر کیا اور اندر ہی اندر وہ ملزم ہوگئے اور ان کو یقین ہوگیا کہ آج اگر کوئی عیسائیوں پر غالب آسکتا ہے تو وہ یہی فرقہ ہے اور لوگوں نے متفق اللفظ ہو کر یہ کہا کہ اگرچہ ہیں تو یہ کافر مگر آج اسلام کی عزت انہی لوگوں نے رکھ لی ہے۔

فرمایا کہ

قربان جائیے ایسے کُفر کے جو اسلام کی اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی عزّت کا باعث ہو

پس یاد رکھو کہ دنیا میں ایسے رہو جیسے کوئی غریب مسافر گٹھڑی باندھے سفر کو تیار بیٹھا ہوتا ہے۔ دنیا کے بہت سے فکر اپنے ذمے ڈال لینے ٹھیک نہیں ہوتے۔ دیکھو دنیا میں طرح طرح

کے آفات کیسے خطرناک حملے کر رہے ہیں۔ طاعون ہے۔ زلزلے ہیں۔ قحط ہے۔ ان کے علاوہ اور سینکڑوں آفات ارضی و سماوی ہیں۔ ان کے ہوتے ہوئے انسان مطمئن کیسے ہو سکتا ہے دیکھ یہی طاعون بھی ہماری صداقت کا ایک زبردست نشان ہے۔ ہم نے اللہ تعالیٰ سے وحی پا کر اس مرض کی خبر اس وقت دی تھی جبکہ پنجاب میں اس کا نام و نشان بھی نہ تھا۔ اور یہ کوئی ہمارا زبانی دعویٰ نہیں بلکہ بار بار ہم نے اس کے متعلق اپنی کتابوں اور سلسلہ کے اخباروں میں لکھ کر دنیا کو اطلاع دی تھی کہ خطرناک طاعون ملک میں پھیلنے والا ہے۔ ہر ایک کو چاہیئے کہ قبل اس کے کہ وہ وارد ہو جاوے توبہ استغفار میں مصروف ہو جاؤ اور اپنے اندر ایک پاک تبدیلی پیدا کر لو مگر بہت تھوڑے تھے جنہوں نے ہماری بات کو سچا جانا اور اس کی طرف توجہ کی۔ ہم نے دیکھا کہ ملک کے مختلف حصوں میں بعض لوگ سیاہ رنگ کے درخت لگا رہے تھے۔ اُن سے پوچھا گیا تو انہوں نے جواب دیا کہ یہ درخت طاعون کے ہیں۔ اور پھر ہاتھی کا سا جانور جس کے اعضاء مختلف حیوانات سے مشابہ تھے اور مجموعی شکل ہاتھی سے مشابہ تھی، دیکھا کہ وہ ہاتھی ایک بن میں کبھی اِدھر اور کبھی اُدھر مختلف سمتوں میں جاتا تھا اور مختلف قسم کے جنگلی جانوروں مثل ہرن، بکری، سانپ، خرگوش وغیرہ وغیرہ پر حملہ کرتا اور ان کو کھا جاتا۔ جب وہ حملہ کرتا تو جانوروں کے شور و غل سے ایک قیامت کا شور بپا ہو جاتا اور اس کے ہڈیوں وغیرہ کے چبانے کی آواز ہم سُنتے تھے۔ ایک طرف سے فارغ ہو کر وہ ہمارے پاس آجاتا اور اس کے چہرہ سے بڑے حلم اور غربت کے آثار نمایاں تھے اور گویا ایسا معلوم ہوتا تھا کہ زبان حال سے کہتا ہے کہ میرا اس میں کیا قصور ہے میں تو مامور ہوں۔ مجھے جو حکم ہوتا ہے اس کی تعمیل کرتا ہوں۔ تھوڑی دیر ہمارے پاس ٹھہرنے کے بعد پھر دوسری طرف جاتا اور وہاں بھی پہلے کی طرح عمل کرتا اور پھر میرے پاس آبیٹھتا۔ ایک طرف تو وہ جنگلی جانوروں کو کھاتا اور دوسری طرف ایسا معلوم ہوتا تھا کہ خدا تعالیٰ کے نازل شدہ غضب سے وہ خود بھی ہیبت زدہ تھا۔

یہ باتیں ہم نے آج نہیں بنالیں بلکہ یہ اس وقت کی ہیں کہ جب طاعون کا ملک میں نام و نشان

بھی نہ تھا۔ کیا اس قسم کی غیبی پیشگوئیاں انسان کی طاقت میں ہیں؟ اور انسان ایسے غیب کے بتانے پر قادر ہو سکتا ہے؟ غور تو کرو کہ یہ کس قسم کا افترا ہے جو عین دعویٰ کے مطابق ظہور پذیر ہو کر صدق دعویٰ کی ایک زبردست اور لاجواب دلیل بن گیا ہے۔

پھر زلزلہ کے متعلق بھی اللہ تعالیٰ نے قبل از وقت خبر دی تھی۔ زلزلہ کا دھکا اور

عفت الدیار محلها و مقامها

دیکھو پھر کیسا زلزلہ آیا اور کیسی کیسی تباہیاں دنیا میں واقع ہوئیں۔ ذرا کانگڑہ کے مندر کے حالات ہی غور سے پڑھ سُن لئے جاویں تو اس پیشگوئی کی عظمت اور ہیبت معلوم ہو گی۔ کیا یہ انسان کا کام ہے؟ ہرگز نہیں۔ پس اگر یہ خدا کا کام ہے تو پھر کیوں خدا تعالیٰ کے مقابلہ میں ایسی جرأت اور دلیری کی جاتی ہے۔

میں کمزور اور ایک عاجز انسان ہوں مگر خدا تعالیٰ جس سے چاہے کام لے لے۔ یہ اس کی بندہ نوازی ہے کسی کا حق نہیں کہ خدا تعالیٰ کے فعل پر اعتراض کرے۔ زمانہ آگیا تھا اور تمام اہل اللہ نے اس وقت کی خبر دی تھی۔ حجج الکرامہ میں بہت سے اولیاء اللہ اور اہل کشف لوگوں کے اقوال کے حوالے درج کر کے صدیق حسن خاں نے یہ ثابت کیا ہے کہ جتنے بڑے بڑے اولیاء اور صاحب کشف لوگ تھے تمام نے متفق طور سے یہی خبر دی ہے کہ آنیوالا مہدی اور مسیح موعود چودھویں صدی میں ہی آئے گا۔ چودھویں صدی سے آگے کوئی بھی نہیں بڑھا۔ پھر آگے چل کر لکھا ہے کہ "کاش وہ میرے زمانہ میں پیدا ہوں تو میں ان کو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا سلام پہنچا دوں ورنہ میں اپنی اولاد کو نصیحت کرتا ہوں کہ وہ اس کو پاویں گے میرا سلام پہنچا دیں" مگر ہم جانتے ہیں کہ ایسے لوگوں کو بہت کم توفیق قبول حق کی ملتی ہے کیونکہ سنت اللہ یہی ہے۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے زمانہ سے پہلے ایک شخص بڑے زور سے وعظ کیا کرتا تھا کہ لوگو! نبی آخر الزمان آنے والے ہیں۔ ان کی آمد کے تمام نشانات اور لوازم پورے ہو گئے ہیں مگر خدا کی شان کہ جب آپؐ مبعوث ہوئے تو اوّل المکذبین ہوا۔

اصل بات یہ ہے کہ ہم زمانہ ہونا بھی ایک فخر اور تکبر بیجا پیدا کر دیتا ہے جو قبول ہدایت سے محرومی کا باعث ہو جاتا ہے۔ صدیق حسن نے بھی ہماری کتاب کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا تھا اور بے ادبی کی تھی مگر بہت دن نہ گذرے کہ خدائی عتاب میں آگیا اور آخر بڑی عاجزی اور انکساری سے دعا کے واسطے لکھا۔ ہم نے اس کے واسطے دُعا کی! اور خدا تعالیٰ نے ہمیں خبر دی کہ ہم نے اس کی عزت کو سرکوبی سے بچا لیا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا اور اس کے واسطے نوابی کا خطاب بحال رکھنے کا حکم آگیا مگر وہ اس حکم کے آنے سے پہلے وفات پا چکا تھا۔[له]

مسٹر محمد علی جعفری ایم۔اے وائس پرنسپل اسلامیہ کالج لاہور کو جو حضرت اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں ملاقات کے واسطے حاضر ہوئے۔ حضرت اقدسؑ نے مخاطب کر کے فرمایا:-

میں جب مامور ہوا تھا اور خدا تعالیٰ نے اس سلسلہ کو بہت صاف طور سے قائم کیا کوئی شک و شبہ نہیں تھا۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی پیشگوئیوں اور قرآن شریف کے عین منشار کے مطابق اور ٹھیک وقت پر ظہور ہوا تھا اور پھر صداقت دعویٰ کے ساتھ خدائی نشان بھی تھے تو میں نے سب سے اوّل اس امر کو گروہ علمار کے پیش کیا۔ کیونکہ میں جانتا تھا کہ علمار اس امر کو سب سے پہلے قبول کریں گے۔ میرا خیال تھا کہ یہ لوگ بوجہ علوم دین سے واقفیت رکھنے کے بلا عذر مجھے قبول کرلیں گے۔ کیونکہ میرا دعویٰ عین قرآن و حدیث کے مطابق اور ضرورتِ حقہ کے واسطے تھا اور کیا لوگ خود انتظار میں تھے اور تحریراً تقریراً اپنے وعظوں اور لیکچروں میں کہا کرتے تھے کہ چودھویں صدی میں مسیح موعود کا آجانا یقینی اور قطعی ہے اور علاوہ ازیں کُل علامات جو وہ بیان کرتے تھے میری صداقت کے لئے ظاہر ہو چکی تھیں۔ مگر ہماری وہ امید بالکل غلط نکلی۔ علمار کی طرف سے ہمیں اس دعوت کا جو جواب ملا وہ ایک فتویٰ تھا جس میں ہمیں

له الحکم جلد ۱۲ نمبر ۳۳ صفحہ ۱ تا ۷ مورخہ ۱۴ مئی ۱۹۰۸ء

کافر، اکفر، ضال، مضل، دائرہ اسلام سے خارج، یہود اور نصاریٰ سے بدتر قرار دیا اور لکھا گیا کہ ان لوگوں کو اپنی قبروں میں داخل نہ کیا جائے۔ ان کے جنازے نہ پڑھے جاویں ان کے ساتھ ملاقات نہ کی جاوے۔ ان سے مصافحہ نہ کیا جائے حتیٰ کہ یہانتک تشدد کیا کہ جو ان سے میل جول رکھے گا وہ بھی انہی میں سے ہوگا۔

پھر ان لوگوں سے یہ جواب پا کر ہمیں خیال آیا کہ تعلیم یافتہ لوگ عموماً بے تعصب اور عناد سے پاک ہوتے ہیں۔ لہذا اسی خیال سے ہم نے پھر اپنی دعوت نئے تعلیم یافتہ گروہ کے پیش کی مگر ان میں سے اکثر کو بے قید پایا اور اکثر کو دیکھا کہ وہ خود اسلام میں ترمیم کرنا چاہتے ہیں اور ان کا یہ خیال ہے کہ اسلام کی تعلیم ایک جاہلانہ اور وحشیانہ زمانہ کی تعلیم تھی اب اس کی ضرورت نہیں۔ اب اس سے فراغت حاصل کرنی چاہیئے اور زمانہ کی رفتار کے مناسب حال ترمیم کر لینی چاہیئے۔ غرض اس طرح سے اس قوم کے لوگوں سے بھی محرومی ہی ہوئی۔ الّا ماشاء اللہ۔

پھر رؤسا کے گروہ کی طرف اپنی دعوت بھیجی کہ ان کو دنیا کا حصہ دیا جاتا ہے اور یہ سیدھے سادے مسلمان ہوتے ہیں۔ چنانچہ ان میں سے ایک شخص صدیق حسن خاں نے ہماری کتاب کو چاک کر کے واپس بھیجدیا اور اس طرح سے اپنی قساوت قلبی کا اظہار کیا۔ ان کے بعد ہم نے سمجھا کہ یہ سعادت ہمیشہ ضعفاء ہی کا حصہ ہوتی ہے چنانچہ ہمارا یہ خیال بالکل صحیح نکلا اور سنّت قدیمہ کے بموجب ضعفاء ہی اکثر ہمارے ساتھ ہوئے جن کو نہ ولایت کا گھمنڈ اور نہ دولت کا تکبّر بلکہ سادہ لوح اور پاک نفس ہوتے ہیں۔ اور وہی خدا تعالیٰ کے بھی مقرب ہوتے ہیں چنانچہ اسی گروہ میں سے کئی لاکھ انسان اب ہمارے ساتھ ہیں۔

ہمارے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے بھی جب نبوت کا خلعت خدا تعالیٰ سے پا کر دعوت اسلام کے خط بادشاہوں کو لکھے تھے تو ان میں سے ہرقل قیصر روم کے نام بھی ایک خط لکھا

تھا۔ اس نے پڑھ کر کسی عرب کی جو آپ کی قوم کا ہو تلاش کرائی۔ چنانچہ چند قریشی جن میں ابوسفیان بھی تھا پیش خدمت کئے گئے۔ ان سے بادشاہ نے چند سوال کئے جن میں یہ بھی تھا کہ اس شخص کے آباء و اجداد میں سے کبھی کسی نے نبوت کا دعویٰ تو نہیں کیا؟ جس کا جواب نفی میں دیا گیا۔ پھر پوچھا گیا کہ کوئی بادشاہ تو نہیں گذرا اس کے بزرگوں میں؟ اس کا جواب بھی نفی میں دیا گیا۔ پھر یہ سوال کیا کہ اس شخص کے پیرو کون لوگ ہیں؟ اس کے جواب میں کہا گیا کہ ان کی پیروی کرنے والے غریب اور کمزور لوگ ہیں۔ پھر اس نے دریافت کیا کہ لڑائیوں میں کیا نتیجہ نکلتا ہے؟ جواب دیا گیا کہ کبھی وہ فتح پاتا ہے اور کبھی ہم کامیاب ہوتے ہیں۔ ان سوالات کے جوابات سُنکر قیصر نے اقرار کیا کہ انبیاء ہمیشہ دنیا میں اسی شان میں آیا کرتے ہیں۔ ان کے ساتھ اول میں ہمیشہ کمزور اور ضعیف لوگ ہی شامل ہوا کرتے ہیں۔ اس شخص نے اپنی فراست صحیحہ سے معلوم کر لیا کہ واقعی یہ شخص سچا نبی ہے اور یہ وہی نبی ہے جس کی پیشگوئی کی گئی ہے چنانچہ اس نے یہ بھی کہا وہ وقت قریب ہے کہ وہ میرے تخت کا بھی مالک ہو جاوے گا۔

غرض یہ سنت قدیمہ ہے کہ انبیاء کا ساتھ دینے والے ہمیشہ کمزور اور ضعیف لوگ ہی ہوا کرتے ہیں۔ بڑے بڑے لوگ اس سعادت سے محروم ہی رہ جاتے ہیں۔ ان کے دلوں میں طرح طرح کے خیالات آتے ہیں اور وہ اپنے آپ کو ان باتوں سے پہلے ہی فارغ التحصیل سمجھے بیٹھے ہوتے ہیں۔ وہ اپنی بڑائی اور پوشیدہ کبر اور مشیخت کی وجہ سے ایسے حلقہ میں بیٹھنا بھی ہتک اور باعث ننگ و عار جانتے ہیں جس میں غریب لوگ مخلص کمزور مگر خدا تعالےٰ کے پیارے لوگ جمع ہوتے ہیں۔ میں دیکھتا ہوں کہ صدہا لوگ ایسے بھی ہماری جماعت میں داخل ہیں جن کے بدن پر مشکل سے لباس بھی ہوتا ہے۔ مشکل سے چادر یا پاجامہ بھی ان کو میسر آتا ہے۔ ان کی کوئی جائیداد نہیں مگر ان کے لا انتہار اخلاص اور ارادت سے محبت اور وفا سے طبیعت میں ایک حیرانی اور تعجب پیدا ہوتا ہے جو اُن سے وقتاً فوقتاً صادر ہوتی رہتی ہے یا جس کے آثار اُن کے چہروں سے عیاں ہوتے ہیں وہ اپنے ایمان کے ایسے پکے اور یقین

کے ایسے سچے اور صدق وثبات کے ایسے مخلص اور باوفا ہوتے ہیں کہ اگر ان مال و دولت کے بندوں ان دنیوی لذات کے دلدادوں کو اس لذت کا علم ہو جائے تو اس کے بدلے میں یہ سب کچھ دینے کو تیار ہو جاویں۔ ان میں سے مثال کے طور پر ایک شخص شاہزادہ مولوی عبد اللطیف صاحب مرحوم ہی کے حالات کو غور سے دیکھ لو کہ کیسا صدق کا پکّا اور وفا کا سچا تھا۔ جان تک سے دریغ نہیں کیا۔ جان دے دی مگر حق کو نہیں چھوڑا۔ ان کی جب مخبری کی گئی اور ان کو امیر کے روبرو پیش کیا گیا تو امیر نے ان سے یہی پوچھا کہ کیا تم نے ایسے شخص کی بیعت کی ہے؟ تو اُس نے چونکہ وہ ایک راستباز انسان تھا صاف کہا کہ "ہاں میں نے بیعت کی ہے مگر نہ تقلیداً اندھا دھند بلکہ علیٰ وجہ البصیرۃ اس کی اتباع اختیار کی ہے۔ میں نے دُنیا بھر میں اس کی مانند کوئی شخص نہیں دیکھا۔ مجھے اس سے الگ ہونے سے اس کی راہ میں جان دے دینا بہتر ہے"

غرض مرحوم اس بات کا ایک نمونہ چھوڑ گئے ہیں کہ ہمارے تعلق رکھنے والے کیسے صادق الایمان اور صادق الاعتقاد ہیں۔

اصل بات یہ ہے کہ مشکلات صرف یہی ہیں کہ لوگوں کو امورِ دینی میں تدبر کرنا اور خدا سے ڈر کر کسی معاملہ میں غور کرنا اور حق و باطل میں امتیاز چاہنا اور یہ تڑپ رکھنا کہ آیا یہ سلسلہ خدا تعالیٰ کی طرف سے ہے یا نہیں اس طرف توجہ ہی نہیں۔ مگر یاد رکھو کہ اللہ تعالیٰ کا یہ فعل عبث نہیں بلکہ اُس نے حق و حکمت سے سلسلہ قائم کیا ہے اور ضرورتِ حقّہ کے وقت اس کو کھڑا کیا ہے۔ پس وہ منکروں سے ضرور مطالبہ کرے گا ما ارسل اللّٰہ رسولًا الّا اخزیٰ بہ قومًا لا یومنون۔ یاد رکھو کہ دنیا میں ایسا کوئی بھی نبی یا رسُول نہیں گذرا جس کے منکروں کو خدا تعالیٰ نے ذلت اور رسوائی کا عذاب نہ دیا ہو۔ یہ ضروری اور لازمی ہوتا ہے کہ رسُول کی حجت پوری کر دینے کے بعد منکر قوم کو حق و باطل میں امتیاز پیدا کرنے کے واسطے عذاب دیا جاوے۔

خدا تعالیٰ کے نزدیک دو بڑے ہی سخت گناہ ہیں۔ اوّل افترار اور تقوّل علی اللہ۔ یعنی یہ کہ کوئی شخص دعویٰ کرے کہ خدا تعالیٰ مجھ سے ہمکلام ہوتا ہے یا وحی یا الہام کرتا ہے حالانکہ اسے نہ کوئی وحی ہوتی ہے اور نہ الہام اور نہ خدا اس سے کبھی ہمکلام ہوا حتیٰ کہ جھوٹی خواب کا بنا لینا بھی اسی میں داخل ہے۔ غرض ایک تو یہ امر کہ خدا پہ افترار کرنا حالانکہ خدا تعالیٰ جانتا ہے کہ وہ کاذب ہے۔ دوسرے وہ شخص خدا تعالیٰ کے بڑے سخت غضب اور عقاب کا مورد ہوگا جو ایک صادق اور خدا تعالیٰ کی طرف سے آنے والے کا انکار کرتا ہے۔

بہرحال ہمارا مطلب یہ ہے کہ یہ بات ہمیشہ سے چلی آئی ہے اور اس زمانہ میں خدا تعالیٰ نے عملی طور پہ ایک سلسلہ نبوت قائم کر کے دکھا دیا ہے۔ اس سے اس قدر فائدہ تو اُٹھانا چاہیئے کہ جہاں اور اپنے دنیوی کاروبار کے واسطے اتنی سرگردانی اور محنت اور کوشش کرتے ہو اس بات کی بھی کچھ تحقیقات تو کرو کہ آیا جو اپنے کاروبار کو خدا تعالیٰ کی طرف منسوب کرتا ہے اور اتنا بڑا دعویٰ پیش کرتا ہے اتنا تو معلوم کرلیں کہ یہ صادق ہے یا کاذب۔

پھر خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ جو شخص میرے رسول کی نافرمانی کرے گا میں اس کو نہیں چھوڑونگا جب تک اُس سے اس انکار کا مطالبہ نہ کرلوں۔ معمولی حکام اور گورنمنٹ بھی اپنے احکام کی تحقیر کرنے والوں اور باغیوں کو بغیر سزا نہیں چھوڑتی تو پھر وہ جو خدا ہے اور احکم الحاکمین ہے ذرّہ ذرّہ اسی کے قبضۂ قدرت میں ہے تو پھر اس کے مرسل کی نافرمانی اور اس کے احکام کی ہتک کرنے والا کس طرح امن میں رہ سکتا ہے

اگر میرے ساتھ خدا تعالیٰ کا کوئی نشان نہ ہوتا اور نہ اس کی تائید اور نصرت میرے شامل حال ہوتی اور میں نے قرآن سے الگ کوئی راہ نکالی ہوتی یا قرآنی احکام اور شریعت میں کچھ دخل و تصرف کیا ہوتا یا منسوخ کیا ہوتا یا آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی پیروی کے باہر کوئی اور نئی راہ بتائی ہوتی تو البتہ حق تھا اور لوگوں کا عذر معقول اور قابل قبول ہوتا کہ واقعہ میں یہ شخص خدا اور خدا کے رسول کا دشمن اور قرآن شریف اور تعلیم قرآن کا منکر اور منسوخ کرنے والا

ہے۔ فاسق ہے۔ فاجر ہے۔ مرتد ہے۔ مگر جب میں نے نہ قرآن میں کوئی تغیر کیا اور نہ پہلی شریعت کا جس کو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم لائے تھے ایک شوشہ اور نقطہ میں نے بدلا بلکہ میں قرآن اور احکام قرآنی کی خدمت اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے پاک مذہب کی خدمت کے واسطے کمربستہ ہوں اور جان تک میں نے اپنی اسی راہ میں لگا دی ہے۔ اور میرا یقین کامل ہے کہ قرآن کے سوا جو کامل اکمل اور مکمل کتاب ہے اور اس کی پوری اطاعت اور بغیر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی پیروی کے نجات ممکن ہی نہیں اور قرآن میں کمی بیشی کرنے والے اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کا جُؤا اپنی گردن سے اتارنے والے کو کافر اور مرتد یقین کرتا ہوں تو پھر اس صورت میں اور باوجود میری صداقت کے ہزارہا نشان ظاہر ہو جانے کے جو کہ خدا تعالیٰ نے آجتک میری تائید میں آسمان اور زمین پر ظاہر کئے پھر مجھے جو شخص کاذب اور مفتری اور دجال کے نام پکارتا ہے یا جو میری پروا نہیں کرتا اور میری آواز کی طرف کان نہیں دھرتا یقیناً جانو کہ خدا تعالیٰ بغیر مؤاخذہ اسے ہرگز ہرگز نہ چھوڑے گا۔ اسلام کی کشتی غرق ہونے کو ہے۔ زمانہ شہادت دے رہا ہے اور وقت پکار پکار کر ضرورت کو محسوس کر رہا ہے۔ اندرونی حالت ایسی خطرناک ہے کہ اس سے ہرگز ہرگز کسی کا دل مطمئن اور خوش نہیں ہو سکتا۔ بیرونی حملے ایسے خطرناک ہیں کہ قریب ہے کہ اسلام کو بیخ و بن سے اکھاڑ پھینکیں تو کیا اب بھی وہ وقت نہیں آیا کہ کسی کو خدا تعالیٰ اسلام کی حمایت کے واسطے مبعوث فرماتا اور کوئی مجدد بھیجتا جو اسلام کی ڈوبتی ناؤ کو سنبھال لیتا صدی کا عشر بھی گذر گیا مگر کل وعدے جھوٹے ہی جھوٹے نکلے۔ تو پھر تم ہی بتاؤ کہ کیا ابھی وہ وقت نہیں کہ خدا اسلام کی خبر گیری کرتا؟ یا کیا کوئی اس سے بھی زیادہ خطرناک اور نازک حالت ہوگی؟ کیا جب اسلام بالکل مر ہی جاوے گا اور اس میں کوئی دم باقی نہ رہے گا اس وقت کوئی آوے گا؟ پھر ایسے آنے والے سے کیا فائدہ اور کیا حاصل؟

یاد رکھو کہ اگر میں جھوٹا ہوں تو پھر اسلام بھی جھوٹا ہے اور اگر اسلام بھی دوسروں کی طرح ایک مُردہ مذہب ہے تو پھر اسلام میں کیا بڑائی ہے اور اس کی کیا خصوصیت؟ توحید جس کا

تم کو ناز ہے اس کے تو برہمو اور آریہ بھی دعویدار ہیں۔ ایک شخص نے اسی لاہور میں ایک دفعہ لیکچر دیا تھا کہ ہم لوگ لا الٰہ الّا اللہ کے قائل ہیں پھر ہمیں محمد رسُول اللہ کی کیا حاجت ہے؟ جب یہ صورت ہے اور توحید کے اور مذاہب بھی قائل ہیں تو پھر تم میں اور تمہارے غیروں میں مابہ الامتیاز ہی کیا ہوا؟ اگر یہی جہاد وغیرہ کے عقائد ہی مابہ الامتیاز ہیں تو پھر یاد رکھو کہ یہ سخت غلطی ہے اور اس طرح تم اسلام کے حامی نہیں بلکہ دشمن ہو، اسلام کو بدنام کرتے ہو۔ دیکھو اگر ہمیں اس بات کا علم ہوتا کہ واقعہ میں قرآن شریف کا یہی منشاء ہے تو پھر ہم اس ملک کے باہر چلے جاتے اور ایسی جگہ اپنی قیام گاہ بناتے جہاں سے ہمیں ان احکام کی ادائیگی میں ہر طرح کی سہولت اور آسانی ہوتی اور خوب دل کھول کر ان احکام کو بجا لاتے مگر میں سچ کہتا ہوں کہ قرآن کا یہ منشاء نہیں جو بدقسمتی سے بعض نادان ملانوں نے سمجھا ہے۔

اصل بات یہ ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو اس زمانہ میں بڑی بڑی مشکلات کا سامنا تھا۔ آپ کے بہت سے جان نثار اور عزیز دوست ظالم کفار کے تیر و تفنگ کا نشانہ بنے اور طرح طرح کے قابل شرم عذاب ان لوگوں نے مسلمان مردوں اور مسلمان عورتوں کو پہنچائے حتیٰ کہ آخر کار خود آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے قتل کا منصوبہ کر لیا۔ چنانچہ آپ کا تعاقب بھی کیا۔ آپ کے قتل کرنے والے کے واسطے انعام مقرر کئے۔ آپ صلے اللہ علیہ وسلم ایک غار میں پناہ گزیں ہوئے۔ تعاقب کرنے میں کوئی کسر نہ اُٹھا رکھی گئی۔ مگر یہ تو خدا تعالیٰ کا تصرف تھا کہ آپ کو ان کی نظروں سے باوجود سامنے ہونے کے بچا لیا اور ان کی آنکھوں میں خاک ڈال کر خود اپنے رسول کو ہاتھ دے کر بچا لیا۔ آخر کار جب ان کفار کے مظالم کی کوئی حد نہ رہی اور مسلمانوں کو ان کے وطن سے باہر نکال کر بھی وہ سیر نہ ہوئے تو پھر اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ ارشاد ہوا۔ اذن للّذین یقاتلون بانّھم ظلموا وانّ اللّٰہ علٰی نصرھم لقدیر[1] خدا تعالیٰ نے مسلمانوں کو تلوار اُٹھانے کی اجازت دی اور اس اجازت میں یہ ثابت کر دیا کہ واقع میں یہ لوگ ظالم تھے۔ اور شرارت ان کی حد سے بڑھ چکی تھی اور مسلمانوں کا صبر بھی اپنے انتہائی نقطہ تک پہنچ چکا

[1] الحج : ۴۰

تھا۔ اب خدا تعالیٰ نے فرمایا کہ جن لوگوں نے تلوار سے مقابلہ کیا وہ تلوار ہی سے ہلاک کئے جاویں اور گو یہ چند اور ضعیف ہیں مگر میں دکھا دوں گا کہ میں بوجہ اس کے کہ وہ مظلوم ہیں ان کی نصرت کروں گا اور تم کو ان کے ہاتھ سے ہلاک کراؤں گا۔ چنانچہ پھر اس حکم کے بعد ان ہی چند لوگوں کی جو ذلیل اور حقیر سمجھے گئے تھے اور جن کا نہ کوئی حامی بنتا تھا اور نہ مددگار اور وہ کفار کے ہاتھ سے سخت درجہ تنگ اور مجبور ہو گئے تھے ان کی مشارق اور مغارب میں دھاک بیٹھ گئی اور اس طرح سے خدا نے ان کی نصرت کر کے دنیا پر ظاہر کر دیا کہ واقعی وہ مظلوم تھے۔ غرض ہر طرح سے، ہر رنگ میں اور ہر پہلو پر نظر ڈال کر دیکھ لو کہ واقع میں اس وقت مسلمان مظلوم تھے یا کہ نہیں۔ اگر خدا تعالیٰ ایسے خطرناک اور نازک وقت میں بھی ان چند کمزور مسلمانوں کو اپنی حفاظت جان کے واسطے تلوار اُٹھانے اور دفاعی طور سے لڑائی کرنے کی اجازت نہ دیتا تو کیا ان کو دنیا کے تختہ سے نابود ہی کر دیتا؟ تو پھر اس حالت میں ان کا تلوار اُٹھانا جبکہ ہر طرح سے ان کا حق تھا کہ وہ تلوار اُٹھاتے کیا شرعاً اور کیا عرفاً۔ مگر وہ بھی آج تک نشانۂ اعتراض بنا ہوا ہے اور متعصب اور جاہل دشمن اب تک اس کو نہیں بھولتے تو کیا اب یہ لوگ خونی مہدی کا عقیدہ پیش کر کے ان کے ان اعتراضوں کو پھر تازہ کرتے اور مسلمانوں سے متنفر کرنا چاہتے ہیں۔ دیکھو مہدی کے بارے میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے خود صاف فرمایا ہے کہ یضع الحرب وہ جنگ کا خاتمہ کر دے گا اور وہ جنگ ایک علمی جنگ ہو گی۔ قلم تلوار کا کام کرے گا اور اسرار روحانی، برکات سماوی اور نشانات اقتداری سے دنیا کو فتح کیا جاوے گا اور تازہ بتازہ غیبی پیشگوئیوں اور تائیدات خدائی سے سچے مذہب کو ممتاز کر کے دکھایا جاوے گا۔ یہ کہدینا کہ معجزات سابقہ ہمارے پاس موجود ہیں کافی نہیں۔ یاد رکھو کہ ہندوؤں کے پستکوں اور عیسائیوں اور یہودیوں کی کتابوں کے قصے کہانیوں سے بڑھ کر تمہارے پاس بھی کچھ نہیں۔ اگر تم قصے پیش کرو گے تو وہ تم سے بڑھ چڑھ کر قصے پیش کر سکتے ہیں۔ اگر اسلام کی سچائی کا معیار بھی صرف قصے کہانیوں کی بنا پر رہ گیا ہے تو پھر یاد رکھو کہ یہ امر مشتبہ ہے۔

اسلام میں فرقان ہے۔ خدا نے ہمیشہ سے اسلام میں ایک امر خارق رکھا ہے اور تازہ بتازہ نشانات ہیں۔ نشان کا نام سُنکر آجکل کے فلسفہ پڑھنے والے کچھ کشیدہ خاطر ہوتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ خدا کے وجود کا پتہ لگانے کے واسطے نشانات اور انبیاء کے وجود کی کیا ضرورت ہے؟

مگر یاد رکھو کہ اس نظام شمسی اور اس ترتیب عالم سے جو کہ ایک ابلغ اور محکم رنگ میں پائی جاتی ہے۔ اس سے نتیجہ نکالنا کہ خدا ہے یہ ایک ضعیف ایمان ہے اس سے خدا کے وجود کے متعلق پوری تسلی نہیں ہو سکتی، امکان ثابت ہوتا ہے۔ یہ نہیں کہا جا سکتا کہ یقیناً خدا ہے اگر اس میں یقینی اور قطعی دلائل ہوتے تو پھر لوگ دہریہ کیوں ہوتے؟ بڑے بڑے محقق کتابیں تالیف کرتے ہیں مگر ان کے دلائل ناطقہ اور براہین قاطعہ نہیں ہوتے۔ کسی کا منہ بند نہیں کر سکتے اور نہ ان سے یقینی ایمان تک انسان پہنچ سکتا ہے۔ اگر ایک شخص ان امور سے خدا تعالےٰ کی ہستی کے دلائل بیان کرے گا تو ایک دہریہ اس کے خلاف دلائل بیان کر دے گا۔

دراصل بات یہ ہے کہ اس طرح اتنا ثابت ہو سکتا ہے کہ خدا ہونا چاہیئے۔ یہ ثابت نہیں ہوتا کہ ہے۔ ہونا چاہیئے اور ہے میں بہت بڑا فرق ہے۔ ہے مشاہدہ کو چاہتا ہے۔ مگر دوسرا حصہ جو وجود باری تعالیٰ کے واسطے انبیاء نے پیش کیا ہے کہ زبردست نشانات معجزات اور خدا کی زبردست طاقت کے ظہور سے اس کی ہستی ثابت کی جاوے۔ یہ ایک ایسی راہ ہے کہ تمام سر اس دلیل کے آگے جُھک پڑتے ہیں۔ اصل میں بہت سے عرب دہریہ تھے جیسا کہ قرآن شریف کی آیت ذیل سے معلوم ہوتا ہے۔ ان ھی الاحیاتنا الدنیا نموت و نحییا[1]۔ کیا عرب جیسے اجڈ اور بے باک، بے قید، بے دھڑک لوگ تلوار سے آپ نے سیدھے کئے تھے۔ اور ان کی آپ کی بعثت سے پہلی اور پچھلی زندگی کا عظیم الشان امتیاز اور فرق اس وجہ سے تھا کہ وہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی تلوار کا مقابلہ نہ کر سکے تھے؟ یا کیا صرف سادہ اور نری اخلاقی تعلیم تھی جس سے ان کے دلوں میں ایسی

[1] المومنون: ۳۸

پاک تبدیلی پیدا ہو گئی تھی؟ نہیں ہرگز نہیں۔ یاد رکھو کہ تلوار انسان کے ظاہر کو فتح کر سکتی ہے مگر دل کبھی تلوار سے فتح نہیں ہوتے۔ بلکہ وہ وہ انوار تھے جن میں خدا کا چہرہ نظر آتا تھا اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے ان کو ایسے ایسے خارق عادت نشانات دکھائے تھے کہ خود خدا ان لوگوں کے سامنے آموجود ہوا تھا اور انہوں نے خدا تعالےٰ کے جلال اور جبروت کو دیکھ کر گناہ سوز زندگی اور پاک تبدیلی اپنے اندر پیدا کر لی تھی۔

اب پھر وہی وقت ہے اور ویسا ہی زمانہ۔ پس اس وقت بھی خدا کی ہستی کا یقین اسی ذریعہ سے ہوگا جس ذریعہ سے ابتداء میں ہوا تھا۔ اسلام وہی اسلام ہے لہذا اس کی کامیابی اور سرسبزی کے بھی وہی ذریعے ہیں جو ابتداء میں تھے۔ اب بھی ضرورت ہے تو اس بات کی کہ خدا کے چہرہ نما ہیبت ناک اقتداری نشانات ظاہر ہوں اور یقین جانو کہ کوئی شخص گناہ سے پاک نہیں ہو سکتا۔ جب تک خدا تعالےٰ کی معرفت کامل نہ ہو یہ گناہ اور طرح طرح کے معاصی جو چاروں طرف دنیا میں بھرے پڑے ہیں ان کے دُور کرنے کے واسطے صرف خشک ایمان کافی نہیں۔ کیا وہ خوف خدا جیسا کہ چاہیئے دنیا میں موجود ہے؟ نہیں ہرگز نہیں۔ اصل میں انسان نفس امارہ کی زنجیروں میں ایسا جکڑا ہوا ہے جیسے کوئی چڑیا کا بچہ ایک شیر کے پنجے میں۔ جب تک اس نفس کے پنجے سے نجات نہ پا جاوے تب تک تبدیلی محال ہے اور گناہ سے بچنا مشکل۔ مگر دیکھو اگر ابھی ایک ہیبتناک زلزلہ آجاوے اور در و دیوار اور مکان کا چھت لرزنے لگے تو دلوں پر ایک ایسی ہیبت طاری ہوگی اور ایسا خوف دلوں پر چھا جائے گا کہ اس وقت گناہ کا خیال تک بھی دلوں میں نہ رہے گا۔ ایک خطرناک مہلک مرض کے وقت جو حالت انسان کی ہوتی ہے وہ امن اور آرام و آسائش کی زندگی میں ہرگز ممکن نہیں۔

انسان اپنی حالت میں تبدیلی پیدا کرنے کے واسطے خدا تعالےٰ کی تجلیات اور زبردست نشانوں کا محتاج ہے۔ ضروری ہے کہ خدا کوئی ایسی راہ پیدا کر دے کہ انسان کا ایمان

خدا تعالیٰ پر تازہ اور پختہ ہو جاوے اور صرف زبان تک ہی محدود نہ رہے بلکہ اس ایمان کا اثر اس کی عملی حالت پر بھی ظاہر ہو جاوے اور اس طرح سے انسان سچا مسلمان ہو جاوے۔ اس لحاظ سے اللہ تعالیٰ نے ہمیں الہاماً یہ فرمایا ؎

چو دورِ خسروی آغاز کردند
مسلماں را مسلماں باز کردند

یہ خدا کا کلام ہے۔ آجکل اگر عمیق نظر سے اور غور سے دیکھا جاوے تو زبانی ایمان ہی کثرت سے نظر آوے گا۔ پس خدا کا یہی منشاء ہے کہ لفظی اور زبانی مسلمانوں کو حقیقی مسلمان بنایا جاوے۔ یہودی کیا توریت پر ایمان نہیں لاتے تھے؟ قربانیاں نہ کرتے تھے؟ مگر خدا تعالیٰ نے ان پر لعنت بھیجی اور کہا کہ تم مومن نہیں ہو بلکہ بعض نمازیوں کی نماز پر بھی لعنت بھیجی ہے جہاں فرمایا ہے وَیْلٌ لِّلْمُصَلِّیْنَ الَّذِیْنَ ھُمْ عَنْ صَلَاتِھِمْ سَاھُوْنَ[1] یعنی لعنت ہے ایسے نمازیوں پر جو نماز کی حقیقت سے بیخبر ہیں صلوٰۃ اصل میں آگ میں پڑنے اور محبت الٰہی اور خوف الٰہی کی آگ میں پڑ کر اپنے آپ سے جل جانے اور ماسوی اللہ کو جلا دینے کا نام ہے۔ اور اس حالت کا نام ہے کہ صرف خدا ہی خدا اس کی نظر میں رہ جاوے اور انسان اس حالت تک ترقی کر جاوے کہ خدا کے بُلانے سے بولے اور خدا کے چلانے سے چلے۔ اس کی کل حرکات اور سکنات اس کا فعل اور ترک فعل سب اللہ ہی کی مرضی کے مطابق ہو جاوے خودی دور ہو جاوے۔

غرض یہ باتیں ہیں اگر خدا تعالیٰ کسی کو توفیق دے تو۔ مگر جب تک خدا کسی کے دل کے دروازے نہ کھولے۔ کوئی کچھ نہیں کر سکتا۔ دلوں کے دروازے کھولنا خدا تعالیٰ ہی کا کام ہے۔ اِذَا اَرَادَ اللّٰہُ بِعَبْدٍ خَیْرًا اَقَامَ وَاعِظًا فِیْ قَلْبِہٖ۔ جب انسان کے اچھے دن آتے ہیں اور خدا تعالیٰ کو انسان کی درستی اور بہتری منظور ہوتی ہے تو خدا انسان کے دل میں ہی ایک واعظ کھڑا کر دیتا ہے۔ اور جب تک خود انسان کے اندر ہی واعظ پیدا نہ ہو۔ تب تک بیرونی وعظوں کا اس پر کچھ بھی اثر نہیں ہوتا۔ مگر وہ کام خدا کا ہے۔ ہمارا کام

[1] الماعون: ۵-۶

نہیں ہے۔ ہمارا کام صرف بات کا پہنچا دینا ہے۔ ماعلی الرسول الا البلاغ تصرف خدا کا کام ہے۔ ہم اپنی طرف سے بات کو پہنچا دینا چاہتے ہیں۔ ایسا نہ ہو کہ ہم پوچھے جاویں کہ کیوں اچھی طرح سے نہیں بتایا۔ اسی واسطے ہم نے زبانی بھی لوگوں کو سُنایا ہے۔ تحریری بھی اس کام کو پورا کر دیا ہے۔ دنیا میں کوئی کم ہی ہوگا جو اب بھی یہ کہدے کہ اس کو ہماری تبلیغ نہیں پہنچی یا ہمارا دعوے اُس تک نہیں پہنچا۔

(الحکم جلد ۱۲ نمبر ۳۹ صفحہ ۵ تا ۷ مورخہ ۱۸ ؍جون ۱۹۰۸ء)

---

۳ ؍مئی ۱۹۰۸ء

بروز اتوار۔ بمقام لاہور۔ بر مکان ڈاکٹر سید محمد حسین شاہ صاحب

ایک دہریہ سے ملاقات

فرمایا:-

طبائع میں اختلاف ہوتا ہے۔ بعض طبائع میں ایسی استعداد ہوتی ہے کہ وہ حق کے قبول کرنے میں جلدی کرتی ہیں اور بعض ایسی بھی ہوتی ہیں کہ حق ان کی سمجھ میں تو آجاتا ہے مگر دیر بعد۔ اور بعض ایسی بھی ہیں کہ ان میں قبول حق کی استعداد دبتے دبتے ایک وقت بالکل زائل ہی ہو جاتی ہے۔ خدا تعالیٰ جس کا وجود مخفی در مخفی اور نہاں در نہاں ہے۔ ہم نے اس کو ایسا نہیں مانا کہ وہ ایک ہیولیٰ ہے۔ ایسا ایک انسان جس کو سچا شوق، حقیقی جوش اور دلی تڑپ ہے کہ وہ خدا تعالیٰ کو پہچانے۔ اس کے لئے تمام گذشتہ قصص اور واقعات پر نظر ڈال کر غور کرنا ازبس مفید ہو سکتا ہے۔ تاریخ ایسے انسان کے واسطے رہبری کر سکتی ہے۔ تاریخ اور تمام واقعات سلف بجز اس کے اَور کوئی راہ نہیں بتاتے کہ خدا کو خدا کے عجائبات قدرت اور تصرفات سے جو کہ وہ بذریعہ اپنے الہامات، وحی اور مکالمات دنیا

پر ظاہر کرتا ہے، پہچان سکتے ہیں۔ اس راہ سے بڑھ کر اور کوئی یقینی راہ خدا تعالےٰ کی شناخت کی ہرگز نہیں ہے۔ جن لوگوں کو وہ خاص کر لیتا ہے اور حصۂ معرفت ان کو عطا کرتا ہے ان پر وہ مکالمہ مخاطبہ کا فیضان جاری کرتا ہے۔ مشتاق کی تسلّی اور تسکین کے لئے دیدار یا گفتار دو ہی چیزیں ہیں۔ جہاں دیدار نہیں ہو سکتا وہاں گفتار دیدار کی جا بجا اور قائم مقام ہو جاتی ہے۔ ایک مادر زاد نابینا گفتار ہی کے ذریعے شناسائی کر سکتا ہے۔ اللہ تعالےٰ چونکہ غیر محدود ہے اور اس کی ذات ایسی نہیں کہ اس کی رؤیت اور دیدار جسمانی چیزوں کی طرح ہو سکے۔ اس واسطے اُس نے اپنی گفتار جس کو بالفاظ دیگر الہام، وحی، مکالمات کے نام سے تعبیر کیا گیا ہے، دیدار کے قائمقام رکھ دی ہے۔ کم ہیں جن کو دیدار ہوتا ہو۔ اکثر گفتار ہی کے ذریعہ تسلّی پاتے اور طمانیت حاصل کرتے ہیں۔

اس جگہ ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ بھلا یہ کیونکر معلوم ہو کہ وہ گفتار جو انسان سُنتا ہے واقعی خدا کا کلام ہے کسی اَور کا نہیں۔ سو اس کے لئے یاد رکھنا چاہیئے کہ خدا تعالیٰ کے کلام کے ساتھ خدائی طاقت، جبروت اور عظمت ہوتی ہے۔ جس طرح تم لوگ ایک معمولی انسان اور بادشاہ کے کلام میں فرق کر سکتے ہو اسی طرح اس احکم الحاکمین کے کلام میں بھی شوکت و سطوت سلطانی ہوتی ہے جس سے شناخت ہو سکتی ہے کہ واقعی یہ کلام بجز خدائے عزّ وجلّ کے اَور کسی کا نہیں۔

دوسرا بڑا بھاری نشان اس شناخت اور تمیز کا یہ ہوتا ہے کہ جس انسان سے خدا تعالیٰ کلام کرتا ہے وہ خالی نہیں ہوتا بلکہ اس میں بھی خدائی شان جلوہ گر ہوتی ہے۔ اور وہ بھی ایک گونہ خدائی صفات کا مظہر اور جلوہ گاہ ہوتا ہے۔ اس میں وہ لوازم پائے جاتے ہیں۔ اس میں ایک خاص امتیاز ہوتا ہے۔ علوم غیبی جو سفلی خیالات کے انسانوں کے وہم و گمان میں بھی نہیں آسکتے وہ ان کو عطا کئے جاتے ہیں۔ اس کی دعائیں قبول کر کے اس کو اطلاع دی جاتی ہے۔ اور اس کے کاروبار میں خاص نصرت اور مدد کی جاتی ہے۔

اور جس طرح خدا سب پر غالب ہے اور اس کو کوئی جیت نہیں سکتا۔ اسی طرح انجام کار وہ بھی غالب اور ہر طرح سے مظفر و منصور اور کامیاب و بامراد ہو جاتے ہیں۔

غرض یہ نشان ہوتے ہیں جن کے ذریعہ سے عقلمند انسان کو ضرورتاً ماننا ہی پڑتا ہے کہ خدا بھی ضرور ہے۔ ہمیں ایسے لوگوں سے بھی گفتگو اور ملاقات کا اتفاق ہوا ہے جو مصنوعات سے صانع کو پہچاننے اور شناخت کرنے کی راہ اختیار کرتے ہیں اور اس طریق کو ہم نے آزمایا بھی ہے۔ مگر یاد رکھو کہ یہ راہ ٹھیک نہیں ادھوری ہے۔ اس راہ سے انسان کو حقیقی معرفت اور یقین کامل جو انسان کی عملی حالت پر اثر ڈال سکے ہرگز ممکن نہیں۔ زیادہ سے زیادہ بس یہی ہوتا ہے کہ خدا ہونا چاہیئے۔ مگر ہے اور ہونا چاہیئے میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔

اس بیان سے ہمارا مطلب یہ ہے کہ معرفت بھی وہی فائدہ بخش ہو سکتی ہے جس سے انسان میں ایک تبدیلی بھی پیدا ہو۔ ایک شخص جو بینائی اور قوت رؤیت کا دعویٰ کرے مگر اس کے دعوے کے ساتھ کوئی عملی ثبوت نہ ہو اور وہ کھڑا ہوتے ہی دیواروں سے ٹکریں کھائے کیا اس کا دعویٰ قابل پذیرائی ہو سکتا ہے؟ ہرگز نہیں۔ کار آمد صنعت کمال ہی ہے۔ نیم مُلاّں خطرۂ ایمان اور نیم حکیم خطرۂ جان مشہور مقولے ہیں۔ پس کامل معرفت کی تلاش کرنا شرط ہے اور وہ اس راہ سے میسّر آ سکتی ہے جو راہ انبیاء دُنیا میں لائے۔

ایک دہریہ تو وہ ہے جو صانع کے وجود کا منکر ہے اور یہ گروہ قدیم سے ہے مگر میں کہتا ہوں فرض کر لو کہ دنیا میں ایسا ایک بھی متنفس نہیں تو بھی ہر وہ جس کو کامل معرفت نہیں وہ بھی دہریہ ہے۔ جب تک کامل معرفت نہ ہو اس وقت تک کچھ نہیں۔ جس طرح ایک دانہ بھوک کو اور ایک قطرہ پیاس کو نہیں مٹا سکتے اسی طرح خشک ایمان جس کے ساتھ کمال معرفت اپنے تمام لوازم کے ساتھ نہیں نجات نہیں دلا سکتا۔ جس طرح وہ انسان زندہ نہیں رہ سکتا جس کو بھوک کے وقت کھانا اور پیاس کے وقت پانی دیکھنا تک بھی نصیب نہیں

ہوا۔ اسی طرح وہ بھی ہلاک ہو جائے گا جس نے بھوک کے وقت ایک دانہ دیکھ لیا یا کھا لیا اور ایک قطرہ شدید پیاس کے وقت دیکھ لیا یا پی بھی لیا ہو۔ پس بعینہٖ اسی طرح سے معرفت کامل ہی موجب نجات ہو سکتی ہے۔

ہم دیکھتے ہیں کہ ان محسوسات میں بھی کامل علم اور معرفت ہی کا اثر ہوتا ہے۔ ایک انسان کے پاس خواہ ایک شیر یا بھیڑیا آجاوے مگر جب تک وہ شیر کو شیر اور بھیڑیئے کو بھیڑیا بمع ان کے تمام لوازم و خواص کے یقین نہیں کر لیتا ان سے کوئی خوف نہیں کرتا۔ ایک زہریلے سانپ کو جو انسان ایک چوہا یقین کرتا ہوگا وہ اس سے ہرگز گریز اور پرہیز نہ کرے گا مگر اس علم کے ساتھ ہی کہ یہ ایک زہریلا سانپ ہے اور اس کا کاٹنا گویا پیغام اجل ہے۔ وہ اس سے خوف کرے گا اور معاً الگ ہو جاوے گا۔

دیکھو نفس امارہ انسان کے ساتھ ساتھ لگا ہوا ہے اور خون کی طرح انسان کے ہر رگ و ریشہ میں اور ذرہ ذرہ میں داخل ہے۔ عیسائیوں نے تو ایک سہل اور آسان راہ نکال لی۔ ایک شخص کو سُولی پر چڑھا دیا۔ اب قیامت تک عیسائی نسل کا ہر فرد جو چاہے سو کرے اس سے کوئی سوال ہی نہیں ہوگا۔ خون مسیح ان کے تمام گناہوں کا کفارہ ہو چکا ہے۔ نادان نہیں سمجھتے کہ زید کے تو سر درد ہے بکر نے اُٹھ کر اپنے سر میں پتھر مار لیا۔ بھلا زید کو اس سے کیا فائدہ؟ میں یقیناً کہتا ہوں کہ ایک بیمار کو مُرغ کی یخنی جس قدر فائدہ پہنچا سکتی ہے ان کا کفارہ اور خون مسیح اس قدر بھی مفید نہیں ہے۔ ان کے پادری جو دوسروں کو تعلیم دیتے ہیں خود ان کے اپنے حالات نہایت ہی خطرناک ہیں۔ کفارہ کے عقیدہ نے اُن کو بہت دلیر کر دیا ہے۔ گناہ ایک خطرناک زہر ہے مگر جو شخص یہ اعتقاد رکھتا ہے کہ خونِ مسیح کافی ہے اور کفارہ پر ایمان لے آنا تمام گناہوں کے واسطے کفارہ ہو جاتا ہے وہ گناہ کے زہر کو زہر یقین کرے تو کیسے؟

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ ایک پادری زنا کے جُرم میں پکڑا گیا۔ عدالت میں جب اُس سے

سوال ہوا تو اس نے بڑی دلیری اور جرأت سے کہا کہ کیا مسیح کا خون میرے واسطے کافی نہیں ہو چکا ہے؟ غرض ان کا کفارہ ہی تمام بدیوں کی جڑ ہے۔

ہمارے نزدیک کوشش کر کے انسان جب تک ایک پاک تبدیلی کی طرف نہیں جھکتا اس وقت تک کوئی فائدہ نہیں حاصل ہو سکتا۔ نفس امارہ کا مغلوب کرنا بہت بڑا بھاری مجاہدہ ہے۔ اسی نفس امارہ ہی کے زیر اثر ہونے کی وجہ سے انسان نہ حق اللہ کو ادا کر سکتا ہے اور نہ حق العباد سے سبکدوش ہو سکتا ہے۔ شریعت نے دو ہی حصے رکھے ہیں۔ ایک حق اللہ اور دوسرا حق العباد۔

حق اللہ کیا ہے؟ یہی کہ اس کی عبادت کرنا اور اس کی عبادت میں کسی کو شریک نہ کرنا اور ذکر اللہ میں لگے رہنا، اس کے اوامر کی تعمیل اور نواہی سے اجتناب کرنا، اس کے محرمات سے بچتے رہنا وغیرہ۔

حق العباد کا خلاصہ یہ ہے کہ کسی پر ظلم نہ کرنا اور کسی کے حقوق میں دست اندازی نہ کرنا جہاں اس کا حق نہیں ہے۔ جھوٹی گواہی نہ دینا وغیرہ۔

اب یہ دونو امر ایسے مشکل ہیں کہ تمام گناہ، جرائم، معاصی اور دوسری طرف تمام نیکیوں کے اصول اسی میں آ گئے ہیں۔ کہنے کو تو ہر ایک کہہ لیتا ہے کہ میں اپنی قوت سے گناہ سے بچ سکتا ہوں مگر انسان فطرت سے الگ ہرگز نہیں ہو سکتا۔ فطرت انسانی کسی کپڑے کا دامن تو ہے نہیں کہ پلید ہوا تو کاٹ کر الگ کر دیا جا سکے۔ فطرت رُوح کا پیدائشی جزو ہے۔ پس جبکہ انسانی فطرت میں ہی یہی رکھا گیا ہے کہ انسان انہی امور سے خائف ہوتا اور پرہیز کرتا ہے جن کو وہ اپنی ہلاکت کا باعث اور مضر یقین کرتا ہے۔ کسی نے کوئی نہ دیکھا ہوگا کہ سٹرکنیا کو باوجود سٹرکنیا تسلیم کرنے کے دانستہ استعمال کرے یا سانپ کو سانپ یقین کرتے ہوئے ہاتھ میں پکڑ لے یا ایک طاعون زدہ گاؤں میں جہاں موتا موتی کا بازار گرم ہے خواہ مخواہ جا گھسے۔ اس اجتناب اور پرہیز کی وجہ کیا ہے۔ یہی کہ ان باتوں کو وہ مہلک یقین کرتا ہے۔

پس انسان معاصی اور جرائم کی مرض سے تب ہی نجات پا سکتا ہے کہ اسے چور اور سانپ وغیرہ سے بڑھ کر ان کے مضر اور نقصان دہ ہونے کا یقین ہو اور خدا کا جلال، اس کی عظمت اور جبروت ہر وقت اس کے مدنظر ہو۔ انسان اپنی حرص و خواہش اور دلی آرزوؤں کو بھی ترک کر سکتا ہے۔ مثلاً ایک ذیابطیس کا مریض جس کو ڈاکٹر کہہ دے کہ شیرینی کا استعمال بالکل ترک کر دو۔ پھر اپنی جان کی خاطر میٹھے کو چھوتا بھی نہیں۔ پس یہی حال روحانی حرص و ہوا اور خواہشات نفسانی کا ہے۔ اگر خدا تعالےٰ کی عظمت اور اس کا جلال سچے طور سے اس کے دل میں گھر کر چکا ہو تو پھر اس کی نافرمانی کو آگ کے کھانے سے اور موت سے بھی بدتر محسوس کرے گا۔

انسان کو جس قدر خدا تعالیٰ کے اقتدار اور سطوت کا علم ہوگا اور جس قدر یقین ہوگا کہ اس کی نافرمانی کرنے کی سخت سزا ہے اسی قدر گناہ اور نافرمانی اور حکم عدولی سے اجتناب کرے گا۔ دیکھو۔ بعض لوگ موت سے پہلے ہی مر رہے ہیں۔ یہ اخیار، ابدال اور اقطاب کیا ہوتے ہیں؟ اور ان میں کیا چیز زائد آجاتی ہے؟ وہ یہی یقین ہوتا ہے۔ یقینی اور قطعی علم ضرورتاً اور قطرتاً انسان کو ایک امر کے واسطے مجبور کر دیتا ہے۔ خدا تعالےٰ کی نسبت ظن کفایت نہیں کر سکتا۔ شبہ مفید نہیں ہو سکتا۔ اثر صرف یقین ہی میں رکھا گیا ہے۔ خدا تعالےٰ کی صفات کا یقینی علم ایک ہیبت ناک بجلی سے بھی زیادہ اثر رکھتا ہے۔ اسی کے اثر سے تو یہ لوگ سر ڈال دیتے اور گردن جھکا دیتے ہیں۔ پس یاد رکھو کہ جس قدر کسی کا یقین بڑھا ہوا ہوگا اسی قدر وہ گناہ سے اجتناب کرتا ہوگا۔

بظاہر نظر تو گناہ سے بچنے والے اور اس قسم کا دعویٰ کرنے والے بہت ہوں گے مگر ان کی مثال وہی ہے جس طرح ایک پھوڑا جو کہ پیپ سے خوب بھر گیا ہو ظاہری جانب سے چمک اٹھتا ہے اور باقی حصہ جسم سے بھی اس کی چمک دمک اور روشنی بڑھی ہوئی نظر آتی ہے مگر اندر اس کے پیپ اور گندہ مواد بھرے ہوتے ہیں۔ گناہ سے بچنے کے آثار

بھی تو ساتھ ہوں۔ روشنی، دھوپ اور گرمی اس بات کے شاہد ہیں کہ آفتاب نکلا ہوا ہے مگر جو شخص کہ رات کے وقت کہتا ہے کہ آفتاب چڑھا ہوا ہے حالانکہ آفتاب کے آثار نہیں۔ اب بتاؤ کہ کوئی اس کی بات کو باور کرے گا؟ ہرگز نہیں۔ پس یہی حال ان لوگوں کا ہے جو کہتے ہیں کہ ہم اللہ پر ایمان لاتے ہیں۔ حالانکہ اس ایمان کے آثار یعنی گناہ سے بکلّی نفرت اور پھر اس کے آثار کہ خدا تعالیٰ کے فیوض و برکات اور تائیدات اور سچی پاکیزگی، تقویٰ اور طہارت ان میں مفقود ہوتے ہیں۔ یہ بات کہ انسان خدا تعالیٰ کی رضا کے خلاف کاموں سے بالکل دست کش ہو جائے اور گناہ اور خدا تعالیٰ کی نافرمانی اُسے آگ کھانے سے بھی بدتر نظر آوے اور خدا تعالیٰ کے مقابلہ میں کسی دنیوی جاہ و جلال کا رُعب داب اس پر اثر نہ کرے بلکہ یہ ماسویٰ اللہ کو بجز ارادۂ الٰہی کسی کے نفع اور ضرر پہنچانے میں ایک مرے ہوئے کیڑے کی طرح سمجھے اور ایسا ہو جائے کہ اس کا سکون اور اس کی حرکت اور اس کے تمام افعال خدا تعالیٰ کی مرضی کے تابع ہو جاویں اور یہ اپنے آپ سے فنا ہو کر خدا میں محو ہو جائے۔

یہ تمام امور انسانی طاقت سے بالاتر ہیں۔ انسان کی اپنی طاقت نہیں کہ ان سب فضائل کو حاصل کر سکے اور تمام رذائل سے بکلّی پاک ہو سکے۔ سو اس غرض کے واسطے اللہ تعالیٰ کا یہ ہمیشہ سے قاعدہ ہے کہ وہ دنیا میں ایک انسان کو مامور کر کے بھیجا کرتا ہے اور اپنے عجائبات قدرت اس کے ہاتھ پر ظاہر کرتا ہے۔ اس کی دعائیں قبول کر کے اس کو اطلاع دیتا ہے۔ اس پر مکالمہ مخاطبہ کا فیضان جاری کرتا ہے اور اس کے ہاتھ پر ایسے ایسے خارق عادت معجزات اور غیبی امور ظاہر کرتا ہے جن سے سفلی خیالات کے انسان عاجز ہوتے ہیں اور ایسے چمکتے ہوئے اور ہیبت ناک امور اس کی تائید میں ظاہر کرتا ہے کہ لوگوں کے دل نورِ عرفان اور لذتِ یقین سے پُر ہو کر گویا خدا کو دیکھ لیتے ہیں اور اس طرح سے خدا تعالیٰ کی عظمت اور جبروت، سطوت اور ہیبت کے نظارہ کرنے سے ان کے دلوں میں سے غیر اللہ اور تمام گندی اور نفسانی خواہشات

جو گناہ کا مبدا ہوتی ہیں جل جاتی ہیں اور خدا تعالےٰ کا جلال اور کبریائی ان کے دلوں میں بیٹھ جاتی ہے۔ غرض اس طرح سے وہ ایک جماعت پاک دل انسانوں کی تیار کر دیتا ہے۔

گناہ سوز حالت جب ہی پیدا ہوتی ہے جبکہ خدا تعالیٰ اپنے جلال اور ہیبت کو دنیا میں ظاہر کرتا ہے اور جب اس کے جبروت وسطوت کا دورہ ہو کر دنیا پر ایک قہری تجلی ہوتی ہے۔ اور جس طرح ایک خطرناک بجلی جس میں ایک خوفناک کڑک اور آنکھوں کو خیرہ کر دینے والی چمک ہوتی ہے۔ دلوں پر اپنا تسلّط اور رُعب بٹھا جاتی ہے۔ اسی طرح اس مامور کے زمانہ میں خدا تعالےٰ کی جلالی صفات جلوہ گر ہو کر دنیا میں ایک پاک تبدیلی پیدا کر جاتا ہے۔

دیکھئے اگر آپ کے پاس ایک آدمی نہایت ہی ردّی اور خستہ حالت میں آوے خواہ وہ درحقیقت بادشاہ ہی کیوں نہ ہو آپ پر اس کا کوئی اثر نہ ہوگا۔ اور آپ اس کے آنے کی کچھ پروا نہ کریں گے۔ بلکہ اگر وہ کچھ کہنا چاہے گا تو آپ حقارت سے اس کی بات کی طرف کبھی متوجہ نہ ہوں گے۔ مگر اگر وہی شخص اپنی شاہانہ شان وشوکت اور سلطانی جلال اور ہیبت لے کر آوے۔ تو آپ کو اس کا استقبال بھی کرنا پڑے گا۔ عزّت وعظمت بھی کرنی پڑے گی اور ضرور ہے کہ آپ ہمہ تن گوش ہو کر اس کے احکام کی بجاآوری کے لئے تیار ہو جائیں۔ پس یہی حال خدا تعالےٰ کی معرفت کا ہے۔ جب تک کسی کو خدا تعالےٰ کی معرفت ہی نہیں وہ تذلّل اور انکسار جو عبادت کا خلاصہ ہے کیسے بجا لاوے گا۔ سچ ہے ؎

آناں کہ عارف تر اند ترساں تر

میں نے آپ کو یہ سب کچھ قصّے کہانی کے رنگ میں نہیں سُنایا بلکہ عذاب بھی اسی طرح موجود ہے جس طرح کہ وید، توریت اور انجیل کے زمانہ میں تھا۔ اور خدا اسی طرح اب بھی سُنتا ہے جیسا کہ پہلے زمانوں میں سُنتا تھا اور اسی طرح اب بھی بولتا ہے جس طرح ان زمانوں میں بولا کرتا تھا اور اسی بات کے ثابت کرنے کے واسطے ہم آئے ہیں۔

حضرت اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام اتنی تقریر فرما چکے تھے کہ سوال کیا گیا کہ بعض لوگ ایک

امر کو گناہ یقین کرتے ہیں حالانکہ ایک دوسرے ملک یا خود اسی ملک کے بعض لوگ اسی امر کو گناہ نہیں مانتے یا ثواب یقین کرتے ہیں۔ تو اب ان میں امر فیصل کیا ہوا؟

فرمایا:۔

آپ کے بیان سے یہ ثابت ہو گیا کہ کم از کم اختلاف تو ہے۔ پس اسی اختلاف میں ہی ہماری فتح ہے۔ ایک مومن اور محتاط انسان کی شان سے یہ بالکل بعید ہے کہ وہ مختلفہ امور کو اختیار کرے۔ مثلاً آپ ہی کے سامنے ایک کھانا رکھا جاوے۔ اتنے میں کوئی شخص آپ کو یہ بتا دے کہ اس کھانے میں زہر کا احتمال ہے۔ اب آپ ہی فرماویں کہ کیا آپ اُس کو استعمال کریں گے؟ میں تو ہرگز یقین نہیں کر سکتا کہ ایک ایسا آدمی جس کو اپنی زندگی عزیز ہو اس کا ایک لُقمہ بھی کھا سکے۔

بیشک یہ سچی بات ہے کہ دہریہ ایک بیباکی کا طریق اختیار کرتا ہے مگر اس کو یہ نہ سمجھنا چاہیئے کہ یہ امر اس کے واسطے مضر نہیں اور وہ بچ گیا ہے بلکہ بات یہ ہے کہ جس طرح ہر درخت کے پھل لانے کا ایک معیّن وقت ہوتا ہے اسی طرح ہر زہر کے اثر کا بھی ایک وقت مقرر ہوتا ہے۔ بعض زہر ایسے ہیں کہ ہاتھوں ہاتھ اپنا اثر دکھا دیتے ہیں۔ بعض گھڑی اور بعض گھنٹے بعد اور بعض کی میعاد اس سے بھی زیادہ کئی دنوں کی ہوا کرتی ہے۔

عقلمند انسان کو دیکھنا یہ چاہیئے کہ اتنے نامی اور مشہور اوتار، نبی، رسول جو لاکھوں لاکھ دنیا میں آئے۔ انہوں نے دنیا میں کیا راہ قائم کی؟ اچھا آپ ہی بتائیں کہ مہذب فرقہ کے لوگ چوری، جھوٹ، زنا وغیرہ امور کو کیسا خیال کرتے ہیں۔ پس اب یقین جانیں کہ خود یہ اختلاف ہی ظاہر کرتا ہے کہ واقعی وہ امور جن میں اختلاف کیا گیا ہے گناہ ہیں۔ علاج مرض کا کیا جانا چاہیئے ہم کہتے ہیں کہ گناہ تو ایسی چیز ہے کہ خدا تعالےٰ کی ہستی کو نہ ماننے والا بھی طبعاً اس سے نفرت کرتا ہے۔ پس ایک صحیح الفطرت انسان خواہ اس تک آسمانی تعلیم نہ بھی پہنچی ہو۔ فطرتاً گناہ کو گناہ یقین کرتا اور قابلِ نفرت جانتا ہے۔

دوم یہ کہ بعض امور جو ممنوعات میں سے ہوتے ہیں وہ قانون اور باریک حکمت کے خلاف ہوتے ہیں اور خود انسان کے اپنے حق میں یا بنی نوع انسان کے واسطے بھی ان کا ارتکاب مضر ہوتا ہے مثلاً زنا سے زانی کو آتشک، سوزاک وغیرہ خطرناک امراض لاحق ہو کر وبال جان ہو جاتی ہے۔

پس یاد رکھنا چاہیئے کہ نہ خدا نے گناہ سے اس واسطے روکا ہے کہ اس میں اس کا کوئی نقصان متصور ہے اور نہ نیکی کی اس واسطے تاکید فرمائی ہے کہ اس میں اس کا کوئی فائدہ ہے بلکہ یہ اس کا رحم ہے کہ اس نے ایسے امور جو خود انسان کے اپنے ہی واسطے مضر تھے یا بنی نوع انسان کے واسطے مضر تھے ان سے روک دیا اور یہ اس کا کمال رحم ہے وہ چونکہ قدوس اور پاک ہے اس کی قدوسیت اور پاکی کا تقاضا ہے کہ دنیا میں نیکی پھیلے ورنہ انسان اگر بے قید ہو کر بدی اور گناہ کرے گا اور ممنوعات شرعیہ کا ارتکاب کرے گا تو اس کا وبال بھی خود ہی برداشت کرے گا خدا تعالیٰ کا اس میں کچھ نقصان نہیں۔[1]

برمکان خواجہ کمال الدین صاحب

خلیفہ رجب الدین صاحب نے سوال کیا کہ حضور بعض لوگ دریافت کرتے ہیں کہ وفات مسیحؑ کے کیا دلائل ہیں؟ اس سوال کے جواب میں حضرت اقدس نے ذیل کی تقریر فرمائی فرمایا:۔

حضرت عیسٰی کی وفات قرآن شریف میں بہت آئی ہے۔ دو قسم کی آیات ہیں جن سے ان کا وفات پانا ثابت ہوتا ہے۔ بعض آیات عام ہیں اور بعض خاص حضرت عیسٰی ہی کے متعلق عام طور پر تمام انبیاء علیہم السلام کی وفات کے متعلق جس میں حضرت عیسٰیؑ بھی شامل ہیں۔ یہ آیت واضح اور کھلا بیان کرتی ہے۔ وما محمدٌ الا رسول قد خلت من قبله الرسل[2]

---

[1] الحکم جلد ۱۲ نمبر ۴۶ صفحہ ۲ تا ۴ مورخہ ۶ ر اگست ۱۹۰۸ء

[2] آل عمران : ۱۴۵

خلت کا لفظ قرآن شریف کے محاورے میں ہرگز کسی ایسے شخص کے واسطے استعمال نہیں ہوا جو زندہ ہو بلکہ ہمیشہ وفات یافتہ لوگوں پر ہی اس لفظ کا اطلاق ہوتا ہے۔ اور صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین نے بھی یہی معنے کئے ہیں۔ چنانچہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی وفات کے موقعہ پر جب حضرت عمرؓ نے جوش محبت اور وفور الفت کی وجہ سے تلوار کھینچ لی تھی اور آپ ننگی تلوار لئے گلیوں میں پھرتے تھے اور کہتے تھے کہ جو کوئی کہے گا کہ محمد صلے اللہ علیہ وسلم فوت ہو گئے ہیں اس کی گردن مار دوں گا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالےٰ عنہ اس واقعہ سے خبر پاکر مسجد میں آئے اور منبر پر کھڑے ہو کر خطبہ پڑھا جس میں ابتداءً یہی آیت پڑھی۔
وما محمد الّا رسول قد خلت من قبله الرسل افائن مات او قتل انقلبتم علےٰ اعقابکم[1]۔ اس وقت صحابہ رضی اللہ تعالےٰ عنہم اس آیت کو سُنکر رو پڑے اور یہ سمجھے کہ گویا یہ آیت آج ہی اُتری ہے اور حضرت عمرؓ نے بھی جن کو اتنا جوش تھا اور تلوار لئے پھرتے تھے اور ان کا یہ خیال تھا کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے ابھی وفات نہیں پائی اس خطبہ کے بعد تلوار چھوڑ دی اور پھر کبھی کوئی ایسا ذکر نہ کیا۔

اب ظاہر ہے کہ اگر صحابہؓ میں سے کسی ایک نفس واحد کا بھی یہ اعتقاد ہوتا کہ حضرت عیسیٰ زندہ بجسم عنصری آسمان پر ہیں تو کیوں وہ اس وقت اعتراض نہ کرتے اور کہتے کہ کیا وجہ ہے کہ ایک چھوٹی سی قوم کا رسُول تو زندہ ہے پر ہمارا رسول جس کو خدا نے تمام جہان کے واسطے قیامت تک کی تمام انسانی نسلوں کے لئے بلا کسی خصوصیت کے بھیجا۔ وہ تو ستّر برس تک بھی زندہ نہ رہ سکے۔ پس صحابہؓ کا سکوت اور خاموشی اور کسی قسم کا اعتراض نہ کرنا اس بات کی روشن دلیل ہے کہ تمام صحابہؓ حضرت عیسیٰؑ کو دوسرے انبیاء کی طرح وفات یافتہ یقین کرتے تھے اور کسی ایک کا بھی ہرگز یہ اعتقاد نہ تھا کہ وہ آسمان پر زندہ بجسم عنصری خدا کے داہنے ہاتھ بیٹھے ہیں اور یہ اسلام میں سب سے پہلا اجماع ہے۔

دوسری آیت جو حضرت عیسیٰؑ کی وفات کے بارہ میں خصوصیت سے ذکر ہوئی ہے وہ خود

[1] آل عمران: ۱۴۵

حضرت عیسیٰؑ کا قول ہے جو وہ قیامت کے دن خدا کے حضور عرض کریں گے کہ فلمّا توفیتنی کنت انت الرقیب علیھم وانت علیٰ کل شیٔ شھید۔ اللہ تعالیٰ کے اس سوال کے جواب میں کہ اے عیسیٰ کیا تو نے اس قوم کو ایسی بدراہی اور گمراہی کی تعلیم دی کہ تجھے اور تیری ماں کو معبود بنا لیں اور خدائے عزوجل واحد و یگانہ کی عبادت کو ترک کر دیں؟ حضرت عیسیٰؑ کانوں پر ہاتھ دھریں گے اور قوم نصاریٰ کے گمراہ ہونے سے اپنی لاعلمی اور معذرت عرض کریں گے کہ اے خداوند مجھے ان کے حالات سے اسی وقت تک اطلاع تھی جب تک کہ میں ان میں رہا تب تک میں نے ان کو یہی تعلیم دی تھی کہ تم اس خدا کی عبادت کرو جو میرا اور تمہارا سب کا ایک ہی خدا ہے۔ پھر جب تو نے مجھے وفات دے دی اس کے بعد کا تو ہی نگران اور واقف حال ہے مجھے کوئی علم نہیں۔

اب یہ بات دو حال سے خالی نہیں۔ یا تو یہ لوگ اقرار کریں کہ واقعی قوم نصاریٰ ابھی تک بگڑی نہیں اور جو عقیدہ اتخاذ ولد اور تثلیث وغیرہ کا انہوں نے اختیار کیا ہوا ہے یہی عین تعلیم اور رضاء الٰہی کا موجب اور موافق تعلیم حضرت مسیحؑ ہے جس کا اقرار ان کی زبانی قرآن میں موجود ہے اور یا یہ لوگ اس بات کا اقرار کریں کہ درحقیقت مسیح ناصری جو کہ بنی اسرائیل کی بھیڑوں کے واسطے مامور کیا گیا تھا اپنی مفوضہ خدمت کو انجام دیکر بموجب حکم الٰہی اپنی طبعی موت سے وفات پا گیا ہے اور کہ آئندہ وہ کبھی دنیا میں نہیں آسکتا بلکہ آنے والا امت محمدیہ میں سے ہوگا جو کہ ان کی خو بو پر ہونے اور مناسبت وقت اور مناسبت کام کے لحاظ سے مسیح کہلائے گا۔

ظاہر ہے کہ صورت اول خدا اور خدا کے رسول، قرآن اور قرآنی تعلیم کے بالکل خلاف ہے اور ایسی ہے کہ اس کے ماننے کے ساتھ ہی تمام اسلام کی عمارت گرتی ہے۔ اور صورت دوم خدا تعالیٰ کے منشار کے مطابق حقیقت الامر اور قرآنی تعلیم کا سچا اصول ہے اور اسی میں اسلام کی فتح، کامیابی، صداقت اور بندگی کا اظہار ہے۔ اب ان کا اختیار ہے

لہ المائدۃ : ۱۱۸

کہ ان دونوں راہوں میں سے جو راہ چاہیں اختیار کرلیں۔

ہم علیٰ وجہ البصیرت یقین رکھتے ہیں کہ توفی کے معنے لغت عرب میں نہ کلام خدا اور رسول میں ہرگز مع جسم عنصری اٹھائے جانے کے نہیں ہیں۔ تمام قرآن شریف کو یکجائی نظر سے دیکھنا چاہیئے۔ قرآن خدائے علیم وخبیر کی طرف سے علم اور حکمت سے نازل کیا گیا ہے۔ اس میں اختلاف ہرگز نہیں۔ بعض آیات بعض کی تفسیر واقع ہوئی ہیں۔ اگر ایک متشابہات ہیں تو دوسری محکمات ہیں۔ جب یہی لفظ اور مقامات میں دوسرے انبیاء کے حق میں بھی وارد ہوا ہے۔ تو اس کے معنے بجز موت کے اور کچھ نہیں کئے جاتے تو پھر نہ معلوم کہ کیوں حضرت مسیحؑ کو ایسی خصوصیت دی جاتی ہے کیا ابھی تک مسیح کو خصوصیت دینے کا انہوں نے مزہ نہیں چکھا۔

دیکھو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے حق میں صاف لفظ ہیں۔ اما نرینک بعض الذی نعدھم او نتوفینک[1]۔ پھر حضرت یوسف کے متعلق بھی قرآن شریف میں یہی توفی کا لفظ وارد ہوا ہے اور اس کے معنے بجز موت اور کچھ نہیں ہیں۔ دیکھو توفنی مسلماً والحقنی بالصالحین[2]۔ یہ حضرت یوسف کی دعا ہے تو کیا اس کے بھی یہی معنے ہیں کہ اے خدا مجھے زندہ مع جسم عنصری آسمان پر اُٹھالے اور پہلے صلحاء کے ساتھ شامل کردے جو کہ زندہ آسمان پر موجود ہیں؟ تعالی اللہ عما یصفون ۔

پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مقابل میں جو ساحر فرعون نے بُلائے تھے۔ ان کے ذکر میں توفی کا لفظ مذکور ہے جہاں فرمایا ربنا افرغ علینا صبراً وّ توفنا مسلمین[3]۔ اب ایک مسلمان کی یہ شان نہیں کہ خدا اور اس کے کلام کے مقابلہ میں دم مارے۔ قرآن حضرت عیسیٰؑ کو سراسر مارتا ہے اور اُن کے وفات پا جانے کو دلائل اور براہین قطعیہ سے ثابت کرتا ہے اور رسُول اکرمؐ نے اس کو معراج کی رات میں وفات یافتہ انبیاء میں دیکھا۔ جائے غور ہے کہ اگر حضرت عیسیٰؑ زندہ مع جسم عنصری آسمان پر اٹھائے جا چکے تھے تو پھر ان کو وفات شدہ انبیاء سے کیا مناسبت؟ زندہ کو مردہ سے کیا تعلق اور کیسی نسبت؟ اُن کے

[1] یونس: ۴۷ [2] یوسف: ۱۰۲ [3] الاعراف: ۱۲۷

لئے تو کوئی الگ کوٹھڑی چاہیئے تھی۔ قد تبین الرشد من الغی۔[1]

کوئی گڑبڑ نہیں اور نہ کوئی شک و شبہ اس میں باقی ہے۔ مسلمان کہلا کر ایسی بات پیش کرنا جو قرآن کے خلاف، اسلام کے متضاد۔ کیا عقلمندی ہے؟ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کے خلاف جو شخص کسی امر پر اجماع کا قائل ہے وہ کذّاب ہے۔ صوفیاء کرام اور بعض صلحاء امت خیرالانام کا یہی مذہب تھا کہ وہ وفات پاچکے اور آنے والا اسی امت میں سے ہوگا۔ مگر تعصب ایک ایسی بلا ہے کہ باوجود دیکھنے کے نہیں دیکھتے اور باوجود جاننے کے نہیں سمجھتے۔ باوجود کانوں کے نہیں سنتے۔ افسوس تعصّب اور ضد نے ان میں اپنے نفع نقصان کی بھی تمیز باقی نہیں رہنے دی۔ چالیس کروڑ انسان ایک ضعیف اور ناتواں انسان کو انہی دلائل سے خدا مان رہا ہے کہ وہ ازلی ابدی ہے۔ زندہ آسمان پر موجود ہے اور اس نے خلق طیر کیا۔ مُردوں کو زندہ کیا۔ اور یہ مسلمان ہیں کہ اپنے پاؤں پر آپ کلہاڑی مارتے اور اپنی گردن کاٹنے کے واسطے خود ان کے ہاتھ میں چھری دیتے اور ان کی اس خطرناک بُت پرستی میں مدد کرتے ہیں جس کے واسطے خدا تعالیٰ نے ایسا غضب ظاہر کیا تکاد السمٰوٰت یتفطرن منه وتنشق الارض وتخر الجبال ھدا[2]

ان نام کے مسلمانوں کو اتنا بھی علم نہیں کہ ان کی اپنی ہی اولاد کو خود ان کے اپنے اقوال کو حجت پکڑ کر ملزم کرکے مُرتد کیا جاتا ہے۔ کاش یہ اس خواب غفلت سے بیدار ہوں اور دوست و دشمن اور اپنے نفع نقصان کو پہچانیں۔ یہ اسلام کے نادان دوست اتنا نہیں سمجھتے کہ خدا تو ایسا غیور ہے کہ ان کے عقائد فاسدہ کو بیخ و بن سے اکھاڑنا اور ذراسی دیر کے واسطے بھی ان کے مشرکانہ اصولوں کو سُن نہیں سکتا۔ قرآن شریف میں تدبّر اور خوض کرنے والے جانتے ہیں کہ باطل کا سر کچلنے کے واسطے خدا تعالیٰ نے کیسے کیسے حربے اختیار کئے ہیں دیکھو۔ نصاریٰ نے مسیح کے بن باپ ہونے کو اس کی خدائی کی دلیل خیال کیا تھا۔ خدا تعالیٰ نے کس طرح ان کو آدم کی نظیر پیش کرکے نادم و ذلیل کیا اور ان کے دعوے کو

[1] البقرۃ: ۲۵۷ [2] مریم: ۹۱

باطل کیا۔ ان مثل عیسٰی عند اللہ کمثل آدم[1]۔ مسیح تو بن باپ تھا۔ آدم اس سے بھی بڑھ کر خدائی کے لائق ہے کیونکہ یہاں باپ نہ ماں دونو ندارد۔

پس یاد رکھو کہ اگر فی الواقع حضرت مسیح زندہ مع جسم عنصری آسمان پر گئے ہوتے اور خدا ان کی اس دلیل کو بھی سچا مانتا تو ضرور تھا کہ اس کی کوئی نظیر پیش کر کے ان کے اس باطل خیال کو بھی ملیامیٹ کر دیتا مگر خدا نے ان کی اس بات کو نفی کے رنگ میں باطل کیا ہے اور یہی جواب دیا ہے کہ وہ تو مرگیا آسمان پر جانا کیسا؟ یاد رکھو کہ اگر خدا کا بھی یہی منشاء ہوتا کہ درحقیقت حضرت عیسٰیؑ زندہ آسمان پر ہیں۔ تو ضرور تھا کہ بُت پرستی کی اس دلیل اور باطل کے اس دیو کے سر کچلنے کے واسطے بھی کوئی نظیر ہی کا حربہ چلاتا مگر خدا کے نظیر پیش نہ کرنے سے اور وفات کا جابجا ذکر کرنے سے یہ صاف عیاں ہے کہ وہ ضرور وفات پا چکا اور زندہ آسمان پر نہیں ہے اور خدا نے ان کی اس دلیل کو مانا ہی نہیں ورنہ ضروری تھا کہ جس طرح پہلے نظیر پیش کر کے اُن کو ملزم و خوار کیا یہاں بھی نظیری وجہ سے عیسائیت کے بُت کو پاش پاش کرتا مگر خدا نے ایسا نہیں کیا۔ اس کی یہی وجہ ہے کہ خدا نے ان کی اس دلیل کو ان کی وفات کے بیان سے رد کیا ہے اور درحقیقت ان کی اس حجت کا حقیقی اور اصل جواب یہی ہے کہ قرآن کا یہ منشاء ہرگز نہیں کہ حضرت عیسٰیؑ زندہ آسمان پر اُٹھائے گئے بلکہ وہ بھی وفات پا چکے جس طرح تمام انبیاء وفات پا گئے۔

یہ عجیب بات ہے کہ چونکہ وہ قتل نہیں ہوئے اس واسطے آسمان پر چڑھ گئے۔ کیا جو قتل نہیں کیا جاتا وہ لازماً آسمان پر چلا جاتا ہے۔ جب تو پھر لاکھوں کروڑوں کو زندہ آسمان پر ماننا پڑے گا۔

اصل جھگڑا تو یہود کا یہ تھا کہ حضرت مسیحؑ کا رفع روحانی نہیں ہوا۔ وہ تو اس بات کو ثابت کرنا چاہتے تھے کہ نعوذ باللہ مسیحؑ لعین اور مردود ہیں۔ اسی واسطے وہ اس بات پر زور دیتے تھے کہ ہم نے مسیح کو صلیب دیا اور اس طرح سے ان کو قتل کرنے کے مدعی

[1] آل عمران : ۶۰

تھے تاکہ اپنی کتاب کے فرمودہ کے مطابق ان کو جھوٹا نبی ثابت کریں۔ رفع جسمانی کے متعلق تو کوئی جھگڑا ہی نہ تھا۔ قرآن شریف چونکہ بنی اسرائیل کے متنازع فیہ امور میں حکم اور قول فیصل ہے اس نے یہود کے اس اعتراض اور بہتان کا جو انہوں نے مسیحؑ کو لعنتی اور جھوٹا ثابت کرنے کے واسطے باندھا تھا جواب دیا کہ ماقتلوہ یقیناً بل رفعہ اللہ الیہ[1] کہ یہود نے جیسا کہ ان کا زعم ہے حضرت مسیحؑ کو قتل نہیں کیا اور نہ ہی اس طرح سے وہ ان کو جھوٹا نبی ثابت کرنے کے دعویٰ میں کامیاب ہوئے بلکہ اللہ تعالیٰ نے ان کا رفع روحانی کیا اور ان کو ایسی ذلت اور ادبار سے بچا لیا۔ اگر رفع جسمانی ہی نجات اور پاکیزگی اور مقبول اور محبوب الٰہی ہونے کا موجب ہے تو پھر تو سارے ہی نبی جھوٹے ٹھہرتے ہیں۔ اور کوئی بھی نجات یافتہ نہیں رہتا چہ جائیکہ کوئی خدا کا مقبول اور محبوب بھی ہو (نعوذ باللہ من ذٰلک) تعصب نے ان کو کسی کام کا نہیں چھوڑا۔

(الحکم جلد ۱۲ نمبر ۴۶ صفحہ ۲ تا ۴ مورخہ ۱۴ اگست ۱۹۰۸ء)

بلا تاریخ

(منقول از تشحیذ الاذہان)

صبر

فرمایا کہ

وہ ایمان کیا ہے اگر کوئی شخص کسی چیز کو یا کسی انسان کو خدا پر مقدم کر لے جب تک ہر ایک چیز پر خدا کو مقدم نہ کیا جائے تو وہ شرک کہلاتا ہے۔ دیکھو ہمیں دو دفعہ موقعہ پیش آیا ہے۔ ایک دفعہ تو مولوی عبدالکریم صاحب کی وفات پر جبکہ نہایت زور سے دعا مانگنے کے بعد الہام ہوا

ان المنایا لا تطیش سھامھا

[1] النساء : ۱۵۹

اور پھر بھی دعاؤں کا سلسلہ جاری رہا تو الہام ہوا کہ

یا ایھا الناس اعبدوا ربکم الذی خلقکم[1]

یعنی اس شخص نے مرنا ضرور ہے اور عبادت کے لائق وہی ہے جس نے تم کو پیدا کیا۔ یعنی زندہ رہنے والا وہی ہے اس سے دل لگاؤ۔ پس ایمانداری تو یہی ہے کہ خدا سے خاص تعلق رکھا جائے۔ اور دوسری سب چیزوں کو اس کے مقابلہ میں ہیچ سمجھا جائے۔ اور جو شخص اولاد کو یا والدین کو یا کسی اَور چیز کو ایسا عزیز رکھے کہ ہر وقت انہیں کا فکر رہے تو وہ بھی ایک بُت پرستی ہے۔

بُت پرستی کے یہی تو معنے نہیں کہ ہندوؤں کی طرح بُت لے کر بیٹھ جائے اور اس کے آگے سجدہ کرے۔ حد سے زیادہ پیار و محبت بھی عبادت ہی ہوتی ہے۔ ہمیں تو بچپن سے اس بات کی سمجھ آگئی تھی اور اب بھی ہمارا لڑکا مبارک احمد فوت ہو گیا ہے اور اگر ایک مبارک کی جگہ لاکھ مبارک بھی آجائے اور خدا تعالیٰ فرمائے کہ یا ان کی طرف جاؤ یا ہماری طرف تو قسم بخدا ایک منٹ کے لئے یا ایک سیکنڈ کے لئے بلکہ اس کے ہزارویں حصہ کے لئے کبھی دل میں یہ خیال نہ پیدا ہو کہ اس کی طرف نہ جائیں اور مبارک احمد کی طرف چلے جاویں۔ اولاد چیز کیا ہے۔ بچپن سے ماں اس پہ جان فدا کرتی ہے مگر بڑے ہو کر دیکھا جاتا ہے کہ بہت سے لڑکے اپنی ماں کی نافرمانی کرتے ہیں اور اس سے گستاخی سے پیش آتے ہیں۔ پھر اگر فرمانبردار بھی ہوں تو دُکھ اور تکلیف کے وقت وہ اس کو ہٹا نہیں سکتے۔ ذرا سا پیٹ میں درد ہو تو تمام عاجز آجاتے ہیں۔ نہ بیٹا کام آسکتا ہے نہ باپ نہ ماں نہ کوئی اور عزیز۔ اگر کام آتا ہے تو صرف خدا۔ پس ان کی اس قدر محبت اور پیار سے فائدہ کیا جس سے شرک لازم آئے۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ انما اموالکم و اولادکم فتنة[2]۔ اولاد اور مال انسان کے لئے فتنہ ہوتے ہیں۔ دیکھو اگر خدا کسی کو کہے کہ تیری کُل اولاد جو مر چکی ہے زندہ کر دیتا ہوں مگر پھر میرا تجھ سے کچھ تعلق نہ ہوگا تو کیا

[1] البقرۃ: ۲۲ [2] الانفال: ۲۹

اگر وہ عقلمند ہے اپنی اولاد کی طرف جانے کا خیال بھی کرے گا ؟

پس انسان کی نیک بختی یہی ہے کہ خدا کو ہر ایک چیز پر مقدم رکھے۔ جو شخص اپنی اولاد کی وفات پر بُرا مناتا ہے وہ بخیل بھی ہوتا ہے کیونکہ وہ اس امانت کے دینے میں جو خدا تعالیٰ نے اس کے سپرد کی تھی بخل کرتا ہے اور بخیل کی نسبت حدیث میں آتا ہے کہ اگر وہ جنگل کے دریاؤں کے برابر بھی عبادت کرے تو وہ جنت میں نہیں جائے گا۔ پس ایسا شخص جو خدا سے زیادہ کسی چیز کی محبت کرتا ہے اس کی عبادت نماز روزہ بھی کسی کام کے نہیں۔ حضرت ایوبؑ کی طرف دیکھو کہ وہ کیسے صابر تھے۔ خدا تعالیٰ نے اُن کا ذکر قرآن شریف میں بھی کیا ہے کہ وہ میرا ایک صابر بندہ ہے۔ پہلی کتابوں میں ان کا ذکر بالتفصیل لکھا ہے کہ شیطان نے خدا تعالیٰ سے کہا کہ ایوب کیوں صبر نہ کرے کہ اس کو تو نے مال دیا ہے۔ دولت دی ہے۔ غلام دیئے ہیں۔ نوکر چاکر دیئے ہیں۔ اولاد دی ہے۔ بیوی دی ہے۔ صحت دی ہے تو خدا تعالیٰ نے فرمایا کہ تو اس کو آزما۔ اس پر پہلے تو اس کی بھیڑ بکریاں ماری گئیں۔ پھر بڑے بڑے جانور مارے گئے مگر پھر بھی حضرت ایوبؑ نے صبر سے کام لیا۔ اس پر شیطان نے کہا کہ ابھی اس کے پاس دولت اور غلام اور اولاد ہے وہ صبر کیوں نہ کرے۔ اس پر اس کے غلام بھی مَر گئے۔ پھر انہوں نے صبر کیا۔ یہاں تک کہ ہوتے ہوتے سب کچھ ہلاک ہو گیا۔ ایک وہ اور ان کی بیوی رہ گئیں۔ پھر بھی شیطان نے کہا کہ ابھی ان کی صحت درست ہے۔ اس پر ان کو جُذام ہو گیا یعنی کوڑھ ہو گیا۔ پھر بھی انہوں نے صبر سے کام لیا۔ پس جب وہ اس طرح صابر اور صادق ثابت ہوئے تو خدا تعالیٰ نے ان کو آگے سے بھی زیادہ مال و دولت، غلام، لونڈیاں اور اولاد عطا فرمائی اور صحت بھی عطا فرمائی۔

پس جب انسان صبر سے کام لے تو اس کو سب کچھ ہی مل رہتا ہے۔ انسان کو چاہیئے جو کام کرے خدا تعالیٰ کی رضا کے مطابق کرے۔ شیخ سعدی صاحب کیا عمدہ

فرماتے ہیں ؎

کہ بے حکم شرع آب خوردن خطا است
اگر خوں بہ فتویٰ بریزی روا است

یعنی اگر تم خدا تعالیٰ کے منشار کے برخلاف پانی پیو تو وہ گناہ ہے لیکن اگر اس کے حکم کے مطابق خون بھی کر دو تو وہ جائز ہے۔

پس میں تم کو سچ سچ کہتا ہوں کہ خدا کے سوا جس چیز کی انسان خواہش کرتا ہے نہ وہ اس کو ملتی ہے نہ خدا۔ کیونکہ اس کے سوا ہر ایک چیز فانی ہے۔ لیکن جو شخص خدا تعالیٰ کو پسند کرتا ہے اس کو خدا بھی ملتا ہے اور دوسری چیزیں بھی ملتی ہیں اور اس کی جو خواہش ہوتی ہے وہ پوری ہو کر رہتی ہے۔ اب میں نے جو کچھ خدا کے لئے کہنا تھا وہ کہہ چکا تم کو چاہیئے کہ اپنے دین کی حفاظت کرو۔

(الحکم جلد ۱۲ نمبر ۴۸ صفحہ ۱-۲ مورخہ ۲۲ اگست ۱۹۰۸ء)

---

۱۴ مئی ۱۹۰۸ء

بعد نماز عصر۔ بمقام لاہور

جماعت کو نصیحت

فرمایا :-

ملاقات سے غرض یہی ہوتی ہے کہ امر دین کے متعلق کچھ سوچا جاوے۔ میں بار بار اور کئی مرتبہ کہہ چکا ہوں کہ ظاہر نام میں تو ہماری جماعت اور دوسرے مسلمان دونو مشترک ہیں۔ تم بھی مسلمان ہو۔ وہ بھی مسلمان کہلاتے ہیں۔ تم کلمہ گو ہو وہ بھی کلمہ گو ہیں۔ تم بھی اتباع قرآن کا دعویٰ کرتے ہو۔ وہ بھی اتباع قرآن ہی کے مدعی ہیں۔ غرض دعووں میں تو تم اور وہ دونو برابر ہو مگر اللہ تعالیٰ صرف دعووں سے خوش نہیں ہوتا جب تک کوئی حقیقت

ساتھ نہ ہو اور دعویٰ کے ثبوت میں کچھ عملی ثبوت اور تبدیلی حالت کی دلیل نہ ہو۔ اس واسطے اکثر اوقات مجھے اس غم سے سخت صدمہ پہنچتا ہے۔ ظاہری طور سے جماعت کی تعداد میں تو بہت ترقی ہو رہی ہے کیا خطوط کے ذریعہ سے اور کیا خود حاضر ہو کر دونو طرح سے سلسلہ بیعت میں روز افزوں ترقی ہو رہی ہے۔ آج کی ڈاک میں بھی ایک لمبی فہرست بیعت کنندگان کی آئی ہے۔ لیکن بیعت کی حقیقت سے پوری واقفیت حاصل کرنی چاہیئے اور اس پر کاربند ہونا چاہیئے اور بیعت کی حقیقت یہی ہے کہ بیعت کنندہ اپنے اندر سچی تبدیلی اور خوف خدا اپنے دل میں پیدا کرے اور اصل مقصود کو پہچان کر اپنی زندگی میں ایک پاک نمونہ کر کے دکھاوے اگر یہ نہیں تو پھر بیعت سے کچھ فائدہ نہیں بلکہ یہ بیعت پھر اس کے واسطے اور بھی باعث عذاب ہوگی کیونکہ معاہدہ کر کے جان بوجھ اور سوچ سمجھ کر نافرمانی کرنا سخت خطرناک ہے۔

میں خوب جانتا ہوں کہ ان باتوں کا کسی دل میں پہنچا دینا میرا کام نہیں اور نہ ہی میرے پاس کوئی ایسا آلہ ہے جس کے ذریعہ میں اپنی بات کسی کے دل میں بٹھا دوں مگر یہ معاملہ مجھ سے ہی نہیں بلکہ تمام انبیاء اسی راہ پر آئے ہیں۔ انك لاتهدى من احببت[۱] یہ ارشاد رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کو ہوتا ہے۔ اب اور کون ہے جو اپنی مرضی سے کسی کو ہدایت پر قائم کر سکے۔ نصیحت کرنا اور بات پہنچانا ہمارا کام ہے۔ یوں تو ہم دیکھتے ہیں کہ اس جماعت نے اخلاص اور محبت میں بڑی نمایاں ترقی کی ہے بعض اوقات جماعت کا اخلاص، محبت اور جوش ایمان دیکھ کر خود ہمیں تعجب اور حیرت ہوتی ہے۔ اور یہاں تک کہ دشمن بھی تعجب میں ہیں۔ ہزارہا انسان ہیں جنہوں نے محبت اور اخلاص میں تو بڑی ترقی کی ہے مگر بعض اوقات پرانی عادات یا بشریت کی کمزوری کی وجہ سے دنیا کے امور میں ایسا وافر حصہ لیتے ہیں کہ پھر دین کی طرف سے غفلت ہو جاتی ہے۔

ہمارا مطلب یہ ہے کہ بالکل ایسے پاک اور بے لوث ہو جاویں کہ دین کے سامنے امور دنیوی کی حقیقت نہ سمجھیں اور قسما قسم کی غفلتیں جو خدا سے دوری اور مہجوری کا باعث

[۱] القصص : ۵۷

ہوتی ہیں وہ دُور ہو جاویں۔ جب تک یہ بات پیدا نہ ہو اس وقت تک حالت خطرناک ہے اور قابلِ اطمینان نہیں۔ کیونکہ جب تک ان باتوں کا ذرہ بھی وجود موجود ہے تو اندیشہ ہے اور ایک دبدھا لگی رہتی ہے کہ کسی وقت یہ باتیں زور پکڑ جاویں اور باعثِ حبطِ اعمال ہو جاویں۔ جب تک ایک قسم کی مناسبت پیدا نہیں ہوتی تب تک حالت قابلِ اطمینان نہیں ہوتی۔

موت کا کوئی وقت نہیں۔ آئے دن طاعون، ہیضہ، زلازل، وبائیں، قحط اور اور طرح کے امراض انسان پر حملہ کر رہے ہیں اور اگر یہ بھی نہ ہوں تب بھی بعض اوقات خدا تعالےٰ کی ناگہانی گرفت اس طور سے انسان کو آدباتی ہے کہ پھر کچھ بَن نہیں پڑتا۔ پس ضروری ہے کہ جو اقرار کیا جاتا ہے کہ میں دین کو دنیا پر مقدم رکھوں گا اس اقرار کا ہر وقت مطالعہ کرتے رہو اور اس کے مطابق اپنی عملی زندگی کا عمدہ نمونہ پیش کرو۔ عمر کا اعتبار نہیں۔ دیکھو ہر سال میں کئی دوست ہم سے جدا ہو جاتے ہیں اور کئی دشمن بھی چل بستے ہیں۔ خدا تعالیٰ نے بعض خوفناک خبریں دی ہیں اور وہ اپنی بات میں سچا ہے۔ ان سے اَور بھی خوف آتا ہے وہ بھی بہت ہی خطرناک ہیں۔ رنگا رنگ کے خوف احاطہ کئے ہوئے ہیں۔

طاعون نام ہے مری کا۔ لغت میں ہے الطاعون: الموت۔ کسی کو کیا معلوم کہ خدا تعالیٰ کا کیسا غضب بھڑکنے والا ہے۔ خدا محفوظ رکھے ممکن ہے کہ ایسا شدید ہو کہ جس کی برداشت ہی نہ ہو۔ قاعدہ کی بات ہے۔ جیسا کہ ہم نے کل بھی بیان کیا تھا کہ جب کوئی عذاب اور قہرِ الٰہی دُور ہو جاتا ہے ہیضہ ہو یا طاعون، وبا ہو یا قحط، تو لوگ مطمئن ہو جاتے ہیں اور جان لیتے ہیں کہ وقت جاتا رہا۔ پھر اس طرح سے دل سخت ہو جاتے ہیں۔ مگر تمہارا کام یہ ہونا چاہیئے کہ خدا تعالیٰ کے آئندہ وعدوں کو یاد کر کے ترساں و لرزاں رہو اور قبل از وقت سنبھل جاؤ۔ نت نئی توبہ کرو۔ جو توبہ کرتا ہے وہ نیکی کی طرف رجوع کرتا ہے اور جو توبہ نہیں کرتا وہ گناہ کی طرف جاتا ہے۔ حدیث میں آیا ہے کہ اللہ تعالےٰ اُس بندے سے محبت کرتا ہے جو بہت توبہ کرتا ہے۔ توبہ نہ کرنے والا گناہ کی طرف جُھکتا ہے اور گناہ

آہستہ آہستہ کفر تک پہنچا دیتا ہے۔ تمہارا کام یہ ہے کہ کوئی مابہ الامتیاز بھی تو پیدا کرو۔ تم میں اور تمہارے غیروں میں اگر کوئی فرق پایا جاوے گا تو جب ہی خدا بھی نصرت کرے گا۔ ورنہ بنی اسرائیل کی طرف دیکھ لو کہ جب ان میں اور ان کے غیر میں فرق نہ پایا گیا تو باوجودیکہ حضرت موسیٰؑ اُن میں موجود تھے کافروں سے کیسی ذلّت کی ہزیمت دلائی۔ ان کے مقابل میں ایک کافر کی تائید کی اور ان کو سزا دی۔ نبی موجود، کتاب موجود، احکام موجود، بایں انہوں نے خلاف کیا۔ آخر کافروں سے بھی شکست کھائی۔ کافر تو احکام الٰہی سے بیخبر ہوتے ہیں۔ وہ ایسے مواخذہ کے قابل نہیں ہوتے جیسے کوئی مان کر۔ جان پہچان کر خلاف ورزی احکام کرنے والا۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ إِنَّ اللّٰهَ مَعَ الَّذِينَ اتَّقَوا وَّالَّذِينَ هُم مُّحسِنُونَ[۱]۔ تقویٰ، طہارت اور پاکیزگی اختیار کرنے والے خدا تعالیٰ کی حمایت میں ہوتے ہیں اور وہ ہر وقت نافرمانی کرنے سے ترساں و لرزاں رہتے ہیں۔ آجکل دنیا کا اصول منافقانہ زندگی بسر کرنا ہو گیا ہے۔ اوّل اوّل انسان انسان سے نفاق کرتا ہے اور منافقانہ رنگ میں ہاں میں ہاں ملاتا ہے حالانکہ دلوں میں کدورت اور رنج و بغض بھرا ہوتا ہے۔ پھر یہ عادت ترقی کرتے کرتے ایسی بڑھتی ہے کہ خدا تعالیٰ سے بھی منافقانہ تعلق کرنا چاہتا ہے اور خدا کو دھوکہ دینے کی کوشش کرتا ہے حالانکہ جانتا ہے کہ خدا علیم بذات الصدور ہے دل سے تو مومن ہوتا نہیں مگر خدا کے آگے مومن بننا چاہتا ہے۔ بھلا خدا کسی کے دھوکے میں آسکتا ہے؟ ہرگز نہیں۔

دیکھو تقویٰ ایک ایسی چیز ہے کہ اللہ تعالیٰ صرف ایک متقی انسان کی خاطر دوسروں پر بھی رحم کرتا ہے اور اس کے اہل و عیال، خویش و اقارب اور متعلقین پر بھی اثر پڑتا ہے اور اسی طرح سے اگر جرائم اور فسق و فجور کا مرتکب ہوتا ہے تو اس کا اثر بھی پڑتا ہے غرض خدا تعالیٰ سے ڈرنا اور متقی بننا بڑی چیز ہے۔ خدا اس کے ذریعہ سے ہزار

[۱] النحل : ۱۲۹

آفات سے بچا لیتا ہے بجز اس کے کہ خدا تعالےٰ کی حفاظت اس کے شامل ہو۔ کوئی نہیں کہہ سکتا کہ مجھے بلا نہیں پکڑے گی اور کسی کو بھی مطمئن نہیں ہونا چاہیئے۔ آفات تو ناگہانی طور سے آجاتے ہیں۔ کسی کو کیا معلوم کہ رات کو کیا ہوگا۔ لکھا ہے کہ ایک بار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہوئے۔ پہلے بہت روئے اور پھر لوگوں کو مخاطب کر کے فرمایا۔ یا عباد اللہ خدا سے ڈرو۔ آفات اور بلیّات چیونٹیوں کی طرح انسان کے ساتھ لگے ہوئے ہیں ان سے بچنے کی کوئی راہ نہیں بجز اس کے کہ سچے دل سے توبہ استغفار میں مصروف ہو جاؤ

استغفار اور توبہ کا یہ مطلب نہیں جو آجکل لوگ سمجھے بیٹھے ہیں۔ استغفراللہ استغفراللہ کہنے سے کوئی فائدہ نہیں ہو سکتا جبکہ اس کے معنے بھی کسی کو معلوم نہیں۔ استغفراللہ ایک عربی زبان کا لفظ ہے۔ ان لوگوں کی تو چونکہ یہ مادری زبان تھی اور وہ اس کے مفہوم کو اچھی طرح سے سمجھے ہوئے تھے۔ استغفار کے معنے یہ ہیں کہ خدا تعالیٰ سے اپنے گذشتہ جرائم اور معاصی کی سزا سے حفاظت چاہنا اور آئندہ گناہوں کے سرزد ہونے سے حفاظت مانگنا استغفار انبیاء بھی کیا کرتے تھے اور عوام بھی۔

بعض نادان پادریوں نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے استغفار پر اعتراض کیا ہے اور لکھا ہے کہ ان کے استغفار کرنے سے نعوذ باللہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا گنہگار ہونا ثابت ہوتا ہے۔ یہ نادان اتنا نہیں سمجھتے کہ استغفار تو ایک اعلیٰ صفت ہے۔ انسان فطرتاً ایسا بنا ہے کہ کمزوری اور ضعف اس کا فطری تقاضا ہے۔ انبیاء اس فطرتی کمزوری اور ضعف بشریت سے خوب واقف ہوتے ہیں۔ لہٰذا وہ دُعا کرتے ہیں کہ یا الٰہی تو ہماری ایسی حفاظت کر کہ وہ بشری کمزوریاں ظہور پذیر ہی نہ ہوں۔ غفر کہتے ہیں ڈھکنے کو۔ اصل بات یہی ہے کہ جو طاقت خدا کو ہے وہ نہ کسی نبی کو ہے نہ ولی کو اور نہ رسُول کو۔ کوئی دعویٰ نہیں کر سکتا کہ میں اپنی طاقت سے گناہ سے بچ سکتا ہوں۔ پس انبیاء بھی حفاظت کے واسطے خدا کے محتاج ہیں۔ پس اظہار عبودیت کے واسطے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم بھی اللہ

انبیاء کی طرح اپنی حفاظت خدا تعالیٰ سے مانگا کرتے تھے۔

یہ ان لوگوں کا خیال غلط ہے کہ حضرت عیسیٰؑ استغفار نہ کرتے تھے۔ یہ ان کی بیوقوفی اور بے سمجھی ہے اور یہ حضرت عیسیٰؑ پر تہمت لگاتے ہیں۔ انجیل میں غور کرنے سے صریح اور صاف طور سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے جابجا اپنی کمزوریوں کا اعتراف کیا اور استغفار بھی کیا۔ اچھا بھلا ایلی ایلی لماسبقتانی سے کیا مطلب؟ ابی ابی کر کے کیوں نہ پکارا؟ عبرانی میں ایل خدا کو کہتے ہیں۔ اس کے یہی معنے ہیں کہ رحم کر اور فضل کر اور مجھے ایسی بے سروسامانی میں نہ چھوڑ (یعنی میری حفاظت کر)

درحقیقت مشکل تو یہ ہے کہ ہندوستان میں بوجہ اختلاف زبان استغفار کا اصل مقصد ہی مفقود ہو گیا ہے اور ان دعاؤں کو ایک جنتر منتر کی طرح سمجھ لیا ہے۔ کیا نماز اور کیا استغفار اور کیا توبہ۔ اگر کسی کو نصیحت کرو کہ استغفار پڑھا کرو تو وہ یہی جواب دیتا ہے کہ میں تو استغفار کی سو بار یا دو سو بار تسبیح پڑھتا ہوں مگر مطلب پوچھو تو کچھ جانتے ہی نہیں۔ استغفار ایک عربی لفظ ہے اس کے معنے ہیں طلب مغفرت کرنا کہ یا الٰہی ہم سے پہلے جو گناہ سرزد ہو چکے ہیں ان کے بدنتائج سے ہمیں بچا کیونکہ گناہ ایک زہر ہے اور اس کا اثر بھی لازمی ہے۔ اور آئندہ ایسی حفاظت کر کہ گناہ ہم سے سرزد ہی نہ ہوں۔ صرف زبانی تکرار سے مطلب حاصل نہیں ہوتا۔

توبہ کے معنے ہیں ندامت اور پشیمانی سے ایک بدکام سے رجوع کرنا۔ توبہ کوئی بُرا کام نہیں ہے۔ بلکہ لکھا ہے کہ توبہ کرنے والا بندہ خدا کو بہت پیارا ہوتا ہے۔ خدا تعالےٰ کا نام بھی توّاب ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ جب انسان اپنے گناہوں اور افعالِ بد سے نادم ہو کر پشیمان ہوتا ہے اور آئندہ اس بدکام سے باز رہنے کا عہد کر لیتا ہے تو اللہ تعالےٰ بھی اس پر رجوع کرتا ہے رحمت سے۔ خدا انسان کی توبہ سے بڑھ کر توبہ کرتا ہے۔ چنانچہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ اگر انسان خدا کی طرف ایک بالشت بھر جاتا ہے

تو خدا اس کی طرف ہاتھ بھر آتا ہے۔ اگر انسان چل کر آتا ہے تو خدا تعالیٰ دوڑ کر آتا ہے یعنی اگر انسان خدا کی طرف توجہ کرے تو اللہ تعالیٰ بھی رحمت، فضل اور مغفرت میں انتہار درجہ کا اس پر فضل کرتا ہے۔ لیکن اگر خدا سے مُنہ پھیر کر بیٹھ جاوے تو خدا تعالیٰ کو کیا پروا۔

دیکھو یہ خدا تعالیٰ کے فیضان کے لینے کی راہیں ہیں۔ اب دروازے کھُلے ہیں تو سورج کی روشنی برابر اندر آرہی ہے اور ہمیں فائدہ پہنچا رہی ہے۔ لیکن اگر ابھی اس مکان کے تمام دروازے بند کر دیئے جاویں۔ تو ظاہر ہے کہ روشنی آنی موقوف ہو جاوے گی۔ اور بجائے روشنی کے ظلمت آجاوے گی۔ پس اسی طرح سے دل کے دروازے بند کرنے سے تاریکئ ذنوب اور جرائم آموجود ہوتی ہے۔ اور اس طرح انسان خدا کی رحمت اور فضل کے فیوض سے بہت دُور جا پڑتا ہے۔ پس چاہیئے کہ توبہ استغفار منتر جنتر کی طرح نہ پڑھو بلکہ ان کے مفہوم اور معانی کو مدنظر رکھ کر تڑپ اور سچی پیاس سے خدا تعالیٰ کے حضور دعائیں کرو۔ توبہ میں ایک مخفی عہد بھی ہوتا ہے کہ فلاں گناہ میں کرتا تھا۔ اب آئندہ وہ گناہ نہیں کروں گا۔ اصل میں انسان کی خدا تعالیٰ پردہ پوشی کرتا ہے کیونکہ وہ ستار ہے بہت سے لوگوں کو خدا تعالیٰ کی ستاری نے ہی نیک بنا رکھا ہے۔ ورنہ اگر خدا تعالیٰ ستاری نہ فرماوے تو پتہ لگ جاوے کہ انسان میں کیا کیا گند پوشیدہ ہیں۔ انسان کے ایمان کا بھی کمال یہی ہے کہ تخلق باخلاق اللہ کرے۔ یعنی جو جو اخلاق فاضلہ خدا میں ہیں اور صفات ہیں ان کی حتی المقدور اتباع کرے اور اپنے آپ کو خدا تعالیٰ کے رنگ میں رنگین کرنے کی کوشش کرے۔ مثلاً خدا تعالیٰ میں عفو ہے۔ انسان بھی عفو کرے۔ رحم ہے۔ حلم ہے۔ کرم ہے۔ انسان بھی رحم کرے۔ حلم کرے۔ لوگوں سے کرم کرے۔ خدا تعالیٰ ستار ہے۔ انسان کو بھی ستاری کی شان سے حصہ لینا چاہیئے اور اپنے بھائیوں کے عیوب اور معاصی کی پردہ پوشی کرنی چاہیئے۔ بعض لوگوں کی عادت ہوتی ہے کہ جب

کسی کی کوئی بدی یا نقص دیکھتے ہیں جب تک اس کی اچھی طرح سے تشہیر نہ کرلیں ان کو کھانا ہضم نہیں ہوتا۔ حدیث میں آیا ہے جو اپنے بھائی کے عیب چھپاتا ہے خدا تعالٰے اس کی پردہ پوشی کرتا ہے۔ انسان کو چاہیئے شوخ نہ ہو۔ بے حیائی نہ کرے مخلوق سے بدسلوکی نہ کرے۔ محبت اور نیکی سے پیش آوے۔ اپنی نفسانی اغراض کی وجہ سے کسی سے بغض نہ رکھے۔ سختی اور نرمی مناسب موقعہ اور مناسب حال کرے۔ اور اگر کسی جگہ درشتی کرنی بھی پڑ جائے تو اس طرح کرے جس طرح کوئی کسی کا مامور یا نائب حکم کی پابندی کی وجہ سے کرتا ہے۔ انبیاء نے بھی بعض اوقات سختی کی ہے مگر نہ جوش نفس سے بلکہ محض خدا تعالٰے کے حکم اور اصلاح کی غرض سے۔

ہم نے کسی کتاب میں ایک حکایت پڑھی ہے۔ لکھا ہے کہ حضرت علیؓ کی ایک کافر سے جنگ ہوئی جنگ میں مغلوب ہو کر وہ کافر بھاگا۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ نے اس کا تعاقب کیا اور آخر اُسے پکڑا۔ اس سے کُشتی کرکے اس کو زیر کرلیا۔ جب آپ رضی اللہ عنہ اس کی چھاتی پر خنجر نکال کر اس کے قتل کرنے کے واسطے بیٹھ گئے تو اس کافر نے آپ کے مُنہ پر تھوک دیا۔ اس سے حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ اس کی چھاتی سے اُٹھ کھڑے ہوئے اور اُس سے الگ ہو گئے۔ وہ کافر اس معاملہ سے حیران ہوا اور تعجب سے اس کا باعث دریافت کیا۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ نے کہا کہ اصل بات یہ ہے کہ ہم لوگ تم سے جنگ کرتے ہیں تو محض خدا کے حکم سے کرتے ہیں۔ کسی نفسانی غرض سے نہیں کرتے بلکہ ہم تو تم لوگوں سے محبت کرتے ہیں۔ میں نے تم کو پکڑا خدا کے لئے تھا۔ مگر جب تم نے میرے مُنہ پر تھوک دیا تو اس سے مجھے بشریت کی وجہ سے غصہ آگیا تب میں ڈرا کہ اگر اس وقت جبکہ اس معاملہ میں میرا نفسانی جوش بھی شامل ہو گیا ہے تم کو قتل کروں تو میرا سارا سارا ساختہ پرداختہ ہی برباد نہ ہو جاوے اور جوش نفس کی ملونی کی وجہ سے میرے نیک اور خالصۃً للہ اعمال بھی حبط نہ ہو جاویں۔ یہ ماجرا دیکھ کر کہ ان لوگوں کا اتنا باریک تقویٰ

ہے۔ اس نے کہا کہ میں نہیں یقین کر سکتا کہ ایسے لوگوں کا دین باطل ہو۔ لہذا وہ وہیں مسلمان ہو گیا۔

غرض اسی طرح ہماری جماعت کے بھی جنگ ہوتے ہیں ان میں جوش نفس کو شامل نہ کرنا چاہیئے۔ دیکھو۔ اگر ہم خدا تعالیٰ کے نزدیک کافر اور دجّال نہیں ہیں تو پھر کسی کے کافر اور دجّال وغیرہ کہنے سے ہمارا کچھ بگڑتا نہیں اور اگر واقع میں ہی ہم خدا تعالیٰ کے حضور میں مقبول نہیں بلکہ مردود ہیں تو پھر کسی کے اچھا کہنے اور نیک بتانے سے ہم خدا تعالےٰ کی گرفت سے بچ نہیں سکتے۔

پس تم یاد رکھو کہ نرمی عمدہ صفت ہے۔ نرمی کے بغیر کام چل نہیں سکتا۔ فتح جنگ سے نہیں جنگ سے اگر کسی کو نقصان پہنچا دیا تو کیا کیا؟ چاہیئے کہ دلوں کو فتح کرو۔ اور دل جنگ سے فتح نہیں ہوتے بلکہ اخلاق فاضلہ سے فتح ہوتے ہیں۔ اگر انسان خدا کے واسطے دشمنوں کی اذیتوں پر صبر کرنے والا ہو جاوے تو آخر ایک دن ایسا بھی آجاتا ہے کہ خود دشمن کے دل میں ایک خیال پیدا ہو جاتا ہے اور اثر ہوتا ہے اور جب وہ برکات، فیوض اور نصرت الٰہی کو دیکھتا ہے اور اخلاق فاضلہ کا برتاؤ دیکھتا ہے تو خود بخود اس کے دل میں ایسا خیال پیدا ہو جاتا ہے کہ اگر یہ شخص جھوٹا ہی ہوتا اور خدا تعالےٰ پر افترا کرنے والا ہی ہوتا تو اس کی یہ نُصرت اور تائید تو ہرگز نہ ہوتی۔

ان لوگوں نے کوئی ہمیں ہی یہ گالیاں نہیں دیں بلکہ یہ معاملہ تمام انبیاء کے ساتھ اسی طرح چلا آیا ہے۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو بھی کذّاب، ساحر، مجنون، مفتری وغیرہ الفاظ سے یاد کیا گیا تھا۔ اور انجیل کھول کر دیکھو تو معلوم ہوگا کہ حضرت عیسٰیؑ سے بھی ایسا ہی برتاؤ کیا گیا۔ حضرت موسٰیؑ کو بھی گالیاں دی گئی تھیں۔ اصل میں تشابہت قلوبہم والی بات ہے اللہ تعالےٰ خود فرماتا ہے کہ یا حسرۃ علی العباد ما یأتیھم من رسول الّا کانوا بہٖ یستھزءون[1] کوئی بھی ایسا سچا نبی نہیں آیا کہ آتے ہی اس کی عزت کی گئی ہو۔ ہم کیونکر

[1] یٰسٓ: ۳۱

سنت اللہ سے باہر ہو سکتے ہیں۔ بات تو آسان ہی تھی اور معاملہ بڑا صاف تھا۔ مگر ان منصوبہ بازوں نے معاملہ کچھ کا کچھ کر دیا ہے۔ کیا یہ سچ ہے کہ ہم نبیوں کو گالیاں دیتے ہیں۔ ہم تو اعلائے کلمۃ اللہ کے لئے آئے ہیں اور کر رہے ہیں۔ ہماری کتابیں دیکھ لو۔ اللہ تعالےٰ بہتر جانتا ہے کہ کس طرح ہمارا ہر ذرہ ذرہ خدا تعالےٰ کی راہ میں فدا اور قربان ہے۔

باقی رہی یہ بات کہ ہم نے نبوت کا دعویٰ کیا ہے۔ یہ نزاعِ لفظی ہے۔ مکالمہ مخاطبہ کے تو یہ لوگ خود بھی قائل ہیں۔ اسی مکالمہ مخاطبہ کا نام اللہ تعالیٰ نے دوسرے الفاظ میں نبوت رکھا ہے ورنہ اس تشریعی نبوت کا تو ہم نے بارہا بیان کیا ہے کہ ہم نے ہرگز ہرگز دعوےٰ نہیں کیا۔ قرآن سے برگشتہ اور رسُول کریم صلے اللہ علیہ وسلم سے برگشتہ ہو کر نبوت کا دعویٰ کرنے والے کو تو ہم واجب القتل اور لعنتی کہتے ہیں۔ اس طرح کی نبوت کا کہ گویا آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی نبوت کو منسوخ کر دے دعویٰ کرنے والے کو ہم ملعون اور واجب القتل جانتے ہیں۔ ہم پر جو اللہ تعالیٰ کے فضل ہیں یہ سب رسُول اکرم کے فیض سے ہی ہیں۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے الگ ہو کر ہم سچ کہتے ہیں کہ کچھ بھی نہیں اور خاک بھی نہیں۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی عزت اور مرتبہ دل میں اور ہر رگ و ریشہ میں ایسا سمایا ہے کہ ان کو اس درجہ سے خبر تک بھی نہیں۔ کوئی ہزار تپسیا کرے، جپ کرے۔ ریاضت شاقہ اور محنتوں سے مشت استخواں ہی کیوں نہ رہ جاوے مگر ہرگز کوئی سچا رُوحانی فیض بجُز آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی پیروی اور اتباع کے کبھی میسّر آ سکتا ہی نہیں اور ممکن ہی نہیں۔ اب جبکہ ہمارا یہ حال ہے اور ایسا ایمان ہے تو پھر ان کا ہمیں کافر و دجّال کہنا کیا معنے رکھتا ہے؟

ابھی چند روز ہوئے ہمارے پاس ایک اَور نیا فتویٰ چھپ کر آیا ہے جس میں ہمیں طرح طرح کے ناموں سے یاد کیا گیا ہے۔ مگر ہم جانتے ہیں کہ ان باتوں سے ہمارا کچھ بگڑتا نہیں۔ اگر ہم خدا تعالےٰ کی نظر میں مقبول ہیں تو پھر ان کے فتوے ہمیں کوئی ضرر دے سکتے ہی نہیں ہمیں کافر کہنے والے خود بھی تو کفر سے نہیں بچے بلکہ ان کا کفر تو بہت پکّا کفر ہے۔ ان کے

واسطے تو لکھا جا چکا ہے کہ اگر ان میں سے کوئی مسجد میں داخل ہو تو وہ صرف دھونے سے پاک نہیں ہو سکتی بلکہ اینٹیں اُکھاڑ کر نیا فرش لگایا جانے سے مسجد پاک ہوتی تھی ہمارے واسطے ایسی بات تو نہیں۔

عجیب بات یہ ہے کہ جتنے اہل اللہ گذرے ان میں کوئی بھی تکفیر سے نہیں بچا کیسے کیسے مقدس اور صاحب برکات تھے۔ حضرت سید عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ ان پر بھی قریباً دو سو علماء وقت نے کفر کا فتویٰ لکھا تھا۔ ابن جوزی جو محدث وقت تھا اس نے ان کی تکفیر کی نسبت ایک خطرناک کتاب تالیف کی اور اس کا نام تلبیس ابلیس رکھا۔ سُنا گیا ہے کہ شاہ ولی اللہ صاحب پر بھی کُفر کا فتویٰ لگایا گیا تھا۔ یہ تو کفر بھی مبارک ہے جو ہمیشہ اولیاء اور خدا تعالیٰ کے مقدس لوگوں کے حصہ میں ہی آتا رہا ہے۔

ہمارا اس وقت اصل مدعا یہ ہے کہ ہمیشہ ڈرتے رہنا چاہیئے۔ ایسا نہ ہو کہ یہ کفر سچا ہی ثابت ہو جاوے۔ انسان اگر خدا تعالیٰ کے نزدیک بھی مورد قہر و عذاب الٰہی ہو تو پھر دشمن کی بات پکّی ہی ہو جایا کرتی ہے۔ خالی شیخیوں سے اور بیجا تکبّر اور بڑائی سے پرہیز کرنا چاہیئے اور انکساری اور تواضع اختیار کرنی چاہیئے۔ دیکھو۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم جو کہ حقیقتاً سب سے بڑے اور مستحق بزرگی تھے ان کے انکسار اور تواضع کا ایک نمونہ قرآن شریف میں موجود ہے۔ لکھا ہے کہ ایک اندھا آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آکر قرآن شریف پڑھا کرتا تھا۔ ایک دن آپ کے پاس عمائد مکہ اور رؤسائے شہر جمع تھے اور آپ ان سے گفتگو میں مشغول تھے۔ باتوں میں مصروفیت کی وجہ سے کچھ دیر ہو جانے سے وہ نابینا اُٹھ کر چلا گیا۔ یہ ایک معمولی بات تھی۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے متعلق سورۃ نازل فرما دی۔ اس پر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم اس کے گھر میں گئے اور اُسے ساتھ لا کر اپنی چادر مبارک بچھا کر بٹھایا۔

اصل بات یہ ہے کہ جن لوگوں کے دلوں میں عظمت الٰہی ہوتی ہے ان کو لازماً خاکسار اور متواضع بننا ہی پڑتا ہے کیونکہ وہ خدا تعالیٰ کی بے نیازی سے ہمیشہ ترساں و لرزاں

رہتے ہیں ؎

آنانکہ عارف تر اند ترساں تر

کیونکہ جس طرح اللہ تعالیٰ نکتہ نواز ہے اسی طرح نکتہ گیر بھی ہے۔ اگر کسی حرکت سے ناراض ہو جاوے تو دم بھر میں سب کارخانہ ختم ہے۔ پس چاہیئے کہ ان باتوں پر غور کرو اور ان کو یاد رکھو اور عمل کرو۔

(الحکم جلد ۱۲ نمبر ۳۴ صفحہ ۱ تا ۴ مورخہ ۱۸ مئی ۱۹۰۸ء)

---

۹ مئی ۱۹۰۸ء

بمقام لاہور

قبل نماز ظہر

طاعون اور ہیضہ وغیرہ وباؤں کا ذکر تھا۔ فرمایا:۔

بد قسمت ہے وہ انسان کہ ان بلاؤں سے بچنے کے واسطے سائنس، طبعی یا ڈاکٹروں وغیرہ کی طرف توجہ کر کے سامان تلاش کرتا ہے اور خوش قسمت ہے وہ جو خدا تعالیٰ کی پناہ لیتا ہے۔ اور کون ہے جو بجز خدا تعالیٰ کے ان آفات سے پناہ دے سکتا ہو؟ اصل میں یہ لوگ جو فلسفی طبع یا سائنس کے دلدادہ ہیں ایسی مشکلات کے وقت ایک قسم کی تسلی اور اطمینان پانے کے واسطے بعض دلائل تلاش کر لیتے ہیں اور اس طرح سے ان وباؤں کے اصل بواعث اور اغراض سے محروم رہ جاتے ہیں۔ اور خدا تعالیٰ سے پھر بھی غافل ہی رہتے ہیں۔ ہماری جماعت کے ڈاکٹروں سے مَیں چاہتا ہوں کہ ایسے معاملات میں اپنے ہی علوم کو کافی نہ سمجھیں بلکہ خدا کا خانہ بھی خالی رکھیں اور قطعی فیصلے اور یقینی رائے کا اظہار نہ کر دیا کریں کیونکہ اکثر ایسا تجربہ میں آیا ہے کہ بعض ایسے مریض جن کے حق میں ڈاکٹروں نے متفقہ طور سے قطعی اور یقینی حکم موت کا لگا دیا ہوتا ہے ان کے واسطے خدا کچھ ایسے اسباب پیدا کر دیتا ہے کہ وہ بچ جاتے

ہیں اور بعض ایسے لوگوں کی نسبت جو کہ اچھے بھلے اور بظاہر ڈاکٹروں کے نزدیک ان کی موت کے کوئی آثار نہیں نظر آتے خدا قبل از وقت ان کی موت کی نسبت کسی مومن کو اطلاع دیتا ہے۔ اب اگرچہ ڈاکٹروں کے نزدیک اس کا خاتمہ نہیں۔ مگر خدا کے نزدیک اس کا خاتمہ ہوتا ہے اور چنانچہ ایسا ہی ظہور میں آجاتا ہے۔

علم طب یونانیوں سے مسلمانوں کے ہاتھ آیا مگر مسلمان چونکہ موحد اور خدا پرست قوم تھی۔ انہوں نے اسی واسطے اپنے نسخوں پر ہوالشافی لکھنا شروع کر دیا۔ ہم نے اطباء کے حالات پڑھے ہیں۔ علاج الامراض میں مشکل امر تشخیص کو لکھا ہے۔ پس جو شخص تشخیص مرض میں ہی غلطی کرے گا وہ علاج میں بھی غلطی کرے گا کیونکہ بعض امراض ایسے ادق اور باریک ہوتے ہیں کہ انسان ان کو سمجھ ہی نہیں سکتا۔ پس مسلمان اطباء نے ایسی دقتوں کے واسطے لکھا ہے کہ دعاؤں سے کام لے۔ مریض سے سچی ہمدردی اور اخلاص کی وجہ سے اگر انسان پوری توجہ اور درد دل سے دعا کرے گا تو اللہ تعالیٰ اس پر مرض کی اصلیت کھول دے گا کیونکہ اللہ تعالیٰ سے کوئی غیب مخفی نہیں۔

پس یاد رکھو کہ خدا تعالیٰ سے الگ ہو کر صرف اپنے علم اور تجربہ کی بناء پر جتنا بڑا دعویٰ کرے گا اتنی ہی بڑی شکست کھائے گا۔ مسلمانوں کو توحید کا فخر ہے۔ توحید سے مراد صرف زبانی توحید کا اقرار نہیں بلکہ اصل یہ ہے کہ عملی رنگ میں حقیقتاً اپنے کاروبار میں اس امر کا ثبوت دے دو کہ واقعی تم موحّد ہو اور توحید ہی تمہارا شیوہ ہے۔ مسلمانوں کا ایمان ہے کہ ہر ایک امر خدا تعالیٰ کی طرف سے ہوتا ہے۔ اس واسطے مسلمان خوشی کے وقت الحمدللہ اور غمی اور ماتم کے وقت انا للہ و انا الیہ راجعون کہہ کر ثابت کرتا ہے کہ واقع میں اس کا ہر کام میں مرجع صرف خدا ہی ہے جو لوگ خدا تعالیٰ سے الگ ہو کر زندگی کا کوئی حظ اٹھانا چاہتے ہیں وہ یاد رکھیں کہ ان کی زندگی بہت ہی تلخ ہے کیونکہ حقیقی تسلی اور اطمینان بجز خدا میں محو ہونے اور خدا کو ہی ہر کام کا مرجع ہونے کے حاصل ہو سکتا ہی نہیں

ایسے لوگوں کی زندگی تو بہائم کی زندگی ہوتی ہے۔ اور وہ تسلّی یافتہ نہیں ہوسکتے حقیقی راحت اور تسلّی انہیں لوگوں کو دی جاتی ہے جو خدا سے الگ نہیں ہوتے اور خدا تعالیٰ سے ہر وقت دل ہی دل میں دعائیں کرتے رہتے ہیں۔

مذہب کی صداقت اس میں ہے کہ انسان خدا تعالیٰ سے کسی حالت میں بھی الگ نہ ہو۔ وہ مذہب ہی کیا ہے اور زندگی ہی کیسی ہے کہ تمام عمر گذر جائے مگر خدا تعالےٰ کا نام درمیان کبھی بھی نہ آوے۔ اصل بات یہ ہے کہ یہ سارے نقائص صرف بے قیدی اور آزادی کی وجہ سے ہیں۔ اور یہ بے قیدی ہی ہے کہ جس کی وجہ سے مخلوق کا بہت بڑا حصّہ اس طرز زندگی کو پسند کرتا ہے۔

آج ہی ایک کتاب ہم نے دیکھی ہے جس میں بُدھ کی زندگی کے حالات لکھے ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ خدا کا قائل ہی نہیں تھا اور کہ جو کچھ ہے یہی دنیا ہی ہے آئندہ کچھ نہیں ایسے بے قید اور آزاد عقائد ہی ہیں جن کی وجہ سے کہا جاتا ہے کہ دُنیا کا ½ یا ⅓ حصّہ بدھ عقائد کا پابند ہے یا ان عقائد کو پسند کرتا ہے۔ مذہب کا دائرہ جتنا تنگ ہوگا اتنا ہی اس میں داخل ہونے والے لوگ بھی کم ہوں گے اور اتنی ہی نسبتاً پاکیزگی اور طہارت اس میں موجود ہوگی۔

اسلامی پابندیاں

اسلام نے شرائط پابندی ہر دو عورتوں اور مردوں کے واسطے لازم کئے ہیں۔ پردہ کرنے کا حکم جیسا کہ عورتوں کو ہے مردوں کو بھی ویسا ہی تاکیدی حکم ہے غضِ بصر کا۔ نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج، حلال وحرام کا امتیاز، خدا تعالیٰ کے احکام کے مقابلہ میں اپنی عادات، رسم و رواج کو ترک کرنا وغیرہ وغیرہ ایسی پابندیاں ہیں جن سے اسلام کا دروازہ نہایت ہی تنگ ہے اور یہی وجہ ہے کہ ہر ایک شخص اس دروازے میں داخل نہیں ہوسکتا۔ عیسائی باش و ہرچہ خواہی کُن۔ اور ان کا مذہب بھی ایک بے قید

مذہب ہے۔ اور مسلمانوں میں بھی آجکل ان لوگوں کی دیکھا دیکھی ایک ایسا فرقہ پیدا ہوا ہے کہ وہ اسلام میں ترمیم کرنا چاہتے ہیں۔ اصل میں یہ سب امور اسی بے قیدی اور آزادی کے خواہشمندوں کو سوجھتے ہیں۔ مگر یاد رکھیں کہ بے قیدی اور پاکیزگی تو نور و ظلمت کی طرح آپس میں دشمن ہیں۔ لاہور میں بھی طبائع میں قبول حق کی استعداد تو معلوم ہوتی ہے مگر بے قیدی اور آزادی ان کے راستے میں ایک سخت روک ہے۔

لکھا ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ایک قوم مسلمان ہوئی اور انہوں نے آپ کی خدمت میں عرض کی کہ یا رسُول اللہ ہمیں نماز معاف کر دی جاوے۔ مگر آپ نے ان کو یہی فرمایا کہ دیکھو جس مذہب میں خدا تعالےٰ کی عبادت نہیں وہ مذہب ہی کچھ نہیں۔

جب دنیا کی حالت کے اس آزاد اور بے قید حصہ پر نظر ڈالی جاتی ہے تو دل پر ایک قسم کا زلزلہ اور لرزہ وارد ہوتا ہے اور خیال آتا ہے کہ حقیقت میں اصلاح کی راہ میں سے اسی پتھر کا اُٹھنا مشکل ہے بجُز اس کے کہ دنیا پر ایک عظیم الشان انقلاب آ جاوے جو دلوں میں خدا تعالےٰ کی ہیبت اور سطوت اور جبروت و جلال کا یقین پیدا کر دے۔

آجکل اگر کوئی شراب کو چھوڑ بھی دیتا ہے اور کہتا ہے کہ شراب کا استعمال ناجائز ہے۔ اصل میں اس کا بھی یہ مطلب ہوتا ہے کہ اس کثرت سے استعمال نہ کی جاوے یا یہ کہ باہر لوگوں کے سامنے گلی بازاروں میں نہ پی جاوے۔ گھر کی چار دیواری میں جو چاہیں کریں۔ مگر اسلام نے ان سب امور کے ساتھ سچے تقویٰ اور حقیقی پاکیزگی کی سخت تاکیدی شرط اور خدا تعالےٰ کی حدود میں رہنے کی تاکید فرمائی ہے۔

اتنی تقریر کر چکنے پر چند دوستوں نے بیعت کی اور ان کے ساتھ ہی ایک بڑے ضعیف العمر بھی تھے۔ انہوں نے عرض کی کہ حضور میرے واسطے دعا کی جاوے کہ

اللہ تعالےٰ میرے گناہوں کو معاف کرے۔

فرمایا:۔

سب سے اچھی بات یہ ہے کہ انسان ہر وقت اس بات کا خیال رکھے کہ عمر کا اعتبار نہیں۔ نہ معلوم کہ موت کس وقت انسان کو آپکڑے گی۔ اور پھر اس کے ساتھ توبہ استغفار کرتا رہے۔ خدا تعالیٰ سے اپنے گناہوں کی بخشش چاہنا اور اس کی رضا کے حصول کی تڑپ دل میں پیدا کرنا اسی میں سب دین اور دنیا آجاتا ہے۔ ساری بندگیوں کا خلاصہ یہی ہے کہ انسان کے گناہ معاف ہوں اور اس سے خدا تعالیٰ خوش ہو جاوے

حضرت اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دریافت فرمایا کہ

آپ کا نام کیا ہے؟

اس نے عرض کی کہ مستقیم۔

فرمایا:۔

اچھا خدا تعالےٰ آپ کو مستقیم کرے۔

بابا مستقیم صاحب نے عرض کی کہ حضور میرا دل چاہتا ہے کہ میں آپ کی کوئی خدمت کرنے کے قابل ہو سکوں۔

فرمایا:۔

سب کچھ نیت میں آجاتا ہے۔ آپ کو آپ کی نیت کا ثواب مل گیا۔ آپ نے یہانتک آنے کی جو تکلیف اُٹھائی ہے اس کا بھی اجر دیا جاوے گا۔ اچھا خدا تعالےٰ پر راضی رہو۔

اس کے بعد حضرت اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام نے پھر اس سلسلہ کلام کو شروع کر کے فرمایا کہ

زمانہ موجودہ کے حالات کے لحاظ سے مسئلہ اصلاح کچھ بہت ہی مشکل اور پیچیدہ سا

نظر آتا ہے۔ آجکل کچھ ہوا ہی اس کے خلاف چل رہی ہے۔ ہم جو امر پیش کر رہے ہیں وہ تو ایک داروئے تلخ ہے۔ یہ لوگ اپنی میٹھی میٹھی عادات چھوڑ کر کڑوی دوا جب ہی استعمال کر سکتے ہیں کہ اس کی حقیقت سے ان کو پوری واقفیت اور آگاہی ہو کہ واقع میں وہ مٹھائی ان کے حق میں مضر ہے اور یہ داروئے تلخ آبحیات کا اثر رکھتی ہے اور جب ہی کچھ فائدہ ہو سکتا ہے۔ خدا تعالیٰ نے جو قید لگائی ہے اس میں سراسر رحمت اور کرم ہے۔ بھلا ان بے قیدیوں کا انجام ہی کیا ہے؟ یہی ہوتا ہے کہ شرابخوری اور فسق و فجور میں یہ لوگ غرق نظر آتے ہیں اور پھر ان سے جو بد نتائج نکلتے ہیں وہ کیسے خطرناک ہیں؟ دنیا اُن کا روز نظارہ کر رہی ہے۔ لقوہ، فالج، آتشک، سوزاک اور بعض اوقات جذام تک نوبت پہنچتی ہے اور اس طرح زندگی خطرناک مصائب میں مبتلا ہو کر خوار ہو جاتی ہے۔ چاہیئے کہ اس بے قیدی اور اس قید کے نتائج کا مقابلہ کر کے تو دیکھیں مگر یہ نوجوان جن کو نئی تعلیم کے مصالح لگے ہوئے ہیں سمجھتے نہیں۔ اس مصالح سے ہی ڈر آتا ہے۔ مگر پھر بھی ناامید نہیں ہونا چاہیئے۔

میں اس تجویز کا بھی مخالف نہیں جو اس گروہ کی سچی ہمدردی اور اصلاح کے واسطے کرنے کا ارادہ کیا گیا ہے بلکہ زور سے اس کے موافق ہوں۔ سَو میں سے ایک ہی سہی ورنہ ان کے ٹھٹھا ہنسی کرنے سے ہی ہمیں اپنی محنت کا ثواب مل رہے گا۔

قاعدہ کی بات ہے کہ جب کسی ایسے مجمع میں جہاں سَو پچاس آدمی جمع ہوں کوئی بات کہی جاتی ہے تو ان میں اختلاف ضرور ہو جاتا ہے۔ اگر بعض ہنسی ٹھٹھا کرتے ہیں تو بعض کو اس صداقت کی سمجھ بھی آ ہی جاتی ہے۔ اگرچہ یہ سچ ہے کہ صداقت کے حصہ میں تھوڑے ہی آتے ہیں مگر وہ تھوڑے ہی جوانمرد ہوتے ہیں کیونکہ صداقت کا قبول کرنا بھی ایک جوانمردی ہے اور پھر حق اور صداقت میں ایک رعب اور طاقت ہوتی ہے۔ اس طرح سے ان کی قوت کے ساتھ ایک اور قوت شامل ہو کر بہت

بڑی طاقت ہو جاتی ہے اور پھر ایک اور خدا کا فضل ہمارے حصہ میں یہ آیا ہے کہ ہماری طرف آنے والے لوگ حلیم، سلیم اور نیک آدمی ہی ہوتے ہیں۔ ان لوگوں کے گندے اشتہاروں اور ان کی خلاف تہذیب اور خارج از انسانیت تحریروں، تقریروں اور گالی گلوچ دیکھ کر تو ہمیں خوش ہی ہونا پڑتا ہے۔ ہمیں فائدہ ہی کیا ہوتا اگر یہ گندے لوگ ہم میں آشامل ہوتے۔ خدا تعالیٰ نے ہمیں جو بتایا ہے اور وہ خدا تعالیٰ کے کلام میں داخل ہے کہ میں خبیث سے طیّب کو الگ کرنا چاہتا ہوں۔ اس تمیز اور تمحیص کے ذرائع بھی خود خدا نے ہی بنا دیئے ہیں ورنہ ممکن تھا کہ یہ لوگ موت[1] کے بھی قائل ہو جاتے اور اس طرح سے ان میں اور ہم میں کوئی اختلاف نہ رہ جاتا۔ مگر خدا جو خبیث اور طیّب میں فرق کرنا چاہتا ہے اس نے اپنی حکمت سے اُن میں اور ہم میں کچھ ایسے اختلاف ڈال دیئے کہ اُن کو ہم سے بالکل الگ ہی کر دیا۔

یہ عجیب بات ہے کہ ان کے پاس کوئی قوی دلیل نہیں ہے۔ مگر پھر بھی یہ غیظ و غضب میں بھر رہے ہیں۔ اگر کہیں قرآن شریف میں حضرت مسیح کی زندگی کا لفظ صریح طور سے لکھا ہوتا یا احادیث صحیحہ سے حضرت مسیح کی زندگی ثابت ہوتی جب تو اُن کا حق بھی تھا کہ غیظ و غضب کرتے اور ہمیں جو دل چاہتا کہتے مگر جب خود قرآن اور حدیث ہی ان لوگوں کو دھکے دے رہے ہیں تو پھر ان کا حق نہیں ہے کہ اس قدر جھوٹا جوش دکھاویں۔

اصل بات یہ ہے کہ اس پُرفتن زمانہ میں اللہ تعالیٰ نے یہ ارادہ کیا ہے کہ میل کچیل سے نکال کر ایک علیحدہ فرقہ بناوے اور دنیا کو دکھا دے کہ اسلام اس کو کہتے ہیں۔ حالات دو ہی قسم کے ماتحت ہوتے ہیں۔ عملی اور اعتقادی۔ مگر اس زمانہ کے مسلمان

---

[1] سہو کاتب سے مسیح کا لفظ رہ گیا۔ اصل میں یہ فقرہ یوں ہوگا :۔ " یہ لوگ موت مسیح کے بھی قائل ہو جاتے " (مرتب)

نے ہر دو رنگ میں اسلام کو بدنام کیا ہے۔ اسلام ہر گند سے پاک اور ہر میدان میں غالب ہے مگر ہم نہیں سمجھتے کہ ان لوگوں نے جو ہتھیار اختیار کئے ہیں ان سے کبھی اسلام غالب ہو سکے۔ اسلام ایک ایسا پاک اور کامل مذہب ہے کہ اس کے کسی اعتقاد پر اعتراض ہو ہی نہیں سکتا۔ معاد کے متعلق بعض لوگوں نے اعتراض کیا تھا کہ اگر دوزخ کا خلود اور حالت کفر میں مر جانے کی سزا بھی ابدالآباد اور لاانقطاع زمانہ کے واسطے مانی جاوے تو اس طرح سے ایک ظلم لازم آتا ہے اور یہ امر خدا تعالیٰ کے بے انتہا رحم کے برخلاف ہے۔ مگر اصل بات یہ ہے کہ دوزخ کی ابدیت، جنت کی ابدیت اور خلود کی طرح لاانقطاع نہیں ہے۔ کیونکہ جن قویٰ سے انسان ارتکاب گناہ کرتا ہے آخر ان کا خالق بھی تو خود خدا ہی ہے۔ انسان وہ قویٰ اور وہ فطرت آخر گھر سے تو لایا نہیں۔ مانا کہ انسان فعل اور ترک فعل میں بعض اوقات دخل و تصرف رکھتا ہے اور خود بدی کرتا ہے مگر چونکہ خالق فطرت خدا تھا اور اُس نے خود فرمایا ہے کہ خُلِقَ الْاِنْسَانُ ضَعِیْفًا[1]۔ لہٰذا اس کو اس کا فائدہ بھی دیا جانا چاہیئے تھا۔ پس گناہ کی سزا ہوگی اور عذاب ہوگا مگر یہ ابدیت وہ نہیں جس طرح خدائی ابدیت ہے۔ ایک خاص وقت تک جہنم میں رکھ کر اصلاح ہو جانے پر رہائی ہو جاوے گی۔ کوئی مانے یا نہ مانے۔ مگر خدا تعالیٰ کے کلام سے یہی ثابت ہوتا ہے۔ چنانچہ جہاں بہشت کا ذکر ہے وہاں عطاءً غیر مجذوذ[2] کا لفظ ہے اور جہاں جہنم کا ذکر ہے۔ وہاں یہ فرمایا کہ الّا ما شاء ربك ان ربك فعال لما یرید[3]۔ ان آیات میں غور کرنے سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ بہشتیوں کو خوف نہیں دلایا گیا مگر دوزخیوں کو خلصی کی امید ضرور دلائی ہے۔

ایک حدیث میں آیا ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اگر بہشت کے متعلق عطاءً غیر مجذوذ[4] کا لفظ نہ ہوتا تو بہشت والوں کو بھی کھٹکا ہی رہتا۔ مگر خدا تعالیٰ نے عطاءً غیر مجذوذ کا لفظ بڑھا کر وہ کھٹکا ہی مٹا دیا کہ یہ خدا تعالیٰ

[1] النساء: ۳۰ [2] ھود: ۱۰۹ [3] ھود: ۱۰۸ [4] ھود: ۱۰۹

کی عطا ہے وہ واپس نہیں لی جاتی۔ اور اس کی نسبت ہم نے ایک اور حدیث بھی دیکھی ہے جس میں لکھا ہے کہ یأتی علی جہنم زمانٌ لیس فیھا احدٌ و نسیم الصبا تحرك ابوابھا۔

اب دیکھو۔ یہ کیسا پاک اصول اور عقیدہ ہے جو اسلام نے دوزخ اور بہشت کے متعلق مسلمانوں کو سکھایا ہے جس میں ایک ذرہ بھر بھی ظلم نہیں اور نہایت پاک اور حق وحکمت کا اصول ہے کہ ایک خاص حد تک سزا ہو گی۔ بعد اس کے نجات ہو جاویگی کیونکہ آخر فطرتوں اور قویٰ انسانی کا خالق تو خدا تعالےٰ ہی ہے۔ کوئی فطرت سلیم اور کانشنس منظور ہی نہیں کر سکتی کہ ایک کمزور اور ناتواں انسان کے گناہ کو ایسا عظیم الشان مانا جاوے جو کبھی بخشا ہی نہ جاوے۔

دوسرا معاملہ معراج کا ہے۔ بیشک ہم بھی مانتے ہیں کہ جسم کے ساتھ آپ گئے تھے۔ بیداری بھی تھی اور جسم بھی تھا مگر وہ ایک اعلیٰ درجہ کی کشفی حالت تھی اس دلیل کے واسطے بخاری کو دیکھ لو۔ کہ یہ سارا واقعہ لکھنے کے بعد لکھا ہو گا کہ ثم استیقظ۔ بھلا اس کے کیا معنے؟ دیکھو حضرت عائشہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا جن کو بہت عرصہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہنے کا موقعہ ملا تھا۔ اور جن کا علم بھی بہت بڑا تھا ان کی یہ روایت ہے۔ استیقظ سے یہ مراد نہیں کہ آپ نے خواب دیکھا تھا بلکہ ایک قسم کی بیداری تھی اور اس میں یہ بھی شعور تھا کہ مع جسم گئے۔ یہ ایک خدا تعالیٰ کا تصرف ہوتا ہے کہ غیبوبت حس نہیں ہوتی اور یہ ایک نکتہ ہے کہ علم سے حل نہیں ہو سکتا بلکہ تجربہ صحیحہ اس کو حل کر سکتا ہے۔ فلسفہ اور طبعی کا اس پر کوئی اعتراض نہیں ہو سکتا۔ اور نہ ہی کوئی اعتراض کے قابل بات ہے مگر بعض لوگ خود اسلام کو بگاڑتے اور قابل اعتراض بناتے ہیں۔

(الحکم جلد ۱۲ نمبر ۳۵ صفحہ ۲-۳ مورخہ ۳۰ مئی ۱۹۰۸ء)

۱۲؍ مئی ۱۹۰۸ء

بدر ۲۶-۵-۰۸

بمقام لاہور

قبل نماز ظہر

پروفیسر ریگ جو کہ انگلستان کا رہنے والا ایک بڑا بھاری ماہر علم ہیئت ہے۔ وہ تمام دنیا کی سیر کے ارادے سے وطن سے نکلا اور علم ہیئت پر بڑے بڑے لیکچر دیتا پھرتا ہے۔ چنانچہ چند روز سے لاہور میں وارد ہے اور ایک لیکچر لاہور میں بھی دیا جس میں بڑے بڑے انگریز لیکچر سننے کے واسطے شامل تھے۔ حضرت مفتی محمد صادق بھی حسن اتفاق سے اس لیکچر میں موجود تھے۔ لیکچر کے خاتمہ پر مفتی صاحب ممدوح نے پروفیسر صاحب سے ملاقات کی اور حضرت اقدس کے دعاوی اور دلائل وغیرہ ان کو سنائے۔ چنانچہ پروفیسر موصوف اسی وقت تیار ہو گیا کہ حضرت اقدس کے حضور حاضر ہو مگر مفتی صاحب نے کہا کہ پہلے میں حضرت اقدسؑ سے اجازت لے کر وقت مقرر کرا لوں پھر آپ کو لے جاؤں گا۔ چنانچہ حضرت اقدسؑ نے اجازت دی اور ۱۲؍ مئی قبل ظہر ملاقات ہوئی۔

سوال - میں ایک علمی مذاق کا آدمی ہوں۔ میں دیکھتا ہوں کہ یہ زمین جس میں ہم رہتے ہیں ایک چھوٹی سی زمین ہے اور ہزار در ہزار اور لاکھ در لاکھ حصے اس کے علاوہ مخلوق الٰہی کے موجود ہیں اور یہ ان کے مقابلہ میں ایک ذرہ کی بھی حقیقت نہیں رکھتی تو پھر کیا وجہ کہ خدا کے فضل کو صرف اسی حصۂ زمین یا کسی خاص مذہب و ملت میں ہی محدود رکھا گیا؟

جواب - دراصل یہ صحیح نہیں اور نہ ہی ہمارا یہ اعتقاد ہے کہ ایک خاص فرقے یا قوم کے ذریعہ خدا تعالےٰ اپنی ہستی ظاہر کرتا ہے۔ خدا تعالےٰ کو کسی خاص قوم سے انس یا رشتہ نہیں۔ بلکہ صحیح یہ ہے کہ خدا تمام دنیا کا خدا ہے اور جس طرح اس نے ظاہر جسمانی ضروریات اور تربیت کے واسطے مواد اور سامان تمام قسم کی مخلوق کیواسطے بلا کسی امتیاز کے مشترکہ طور سے پیدا کئے ہیں اور ہمارے اصول کی رو سے وہ

رب العالمین ہے اور اُس نے اناج، ہوا، پانی، روشنی وغیرہ سامان تمام مخلوق کے واسطے بنائے ہیں اسی طرح سے وہ ہر ایک زمانہ میں ہر ایک قوم کی اصلاح کے واسطے وقتاً فوقتاً مصلح بھیجتا رہا ہے۔ جیسا کہ قرآن شریف میں ہے وان من امۃ الا خلا فیھا نذیر[۱]۔ خدا تعالیٰ تمام دنیا کا خدا ہے۔ کسی خاص قوم سے اس کو کوئی رشتہ نہیں۔ اور یہ جو مختلف اوقات میں مختلف آسمانی کتابیں آئی ہیں ان میں بھی دراصل کوئی اختلاف نہیں کیونکہ جو قابل اصلاح امور ہوتے ہیں جب دنیا عملی رنگ سے بالکل بگڑ جاتی ہے اور فسق و فجور اور چوری شرارت وغیرہ پیدا ہو جاتی ہے۔ اور لوگ پاکیزگی سے دُور ہو کر نفسانی شہوات سے مغلوب ہو جاتے ہیں اور اعتقادی طور سے بھی خدا کو چھوڑ کر بُت پرستی کی طرف جُھک جاتے ہیں تو پھر خدا جو انسان کا جسمانی اور روحانی مربّی ہے اس کی غیرت تقاضا کرتی ہے کہ ان مفاسد کی اصلاح کے واسطے کوئی شخص پیدا کرے اور اس طرح کا مصلح قانون قدرت سے باہر نہیں جس طرح ہمارے واسطے وہ اناج جو حضرت آدمؑ یا اور گذشتہ انبیاء کے وقت میں پیدا ہوا تھا باعثِ زندگی نہیں ہو سکتا اور وہ پانی جو پہلے لوگوں کے واسطے تھا ہماری پیاس نہیں مٹا سکتا اسی طرح روحانی طور سے بھی ہمیں تازہ بتازہ روحانی غذا اور پانی کی ضرورت ہے۔

یہ عادت اللہ ہے کہ جس طرح سے وہ جسمانی سلسلے کی پرورش اور تربیت کرتا ہے اور گذشتہ پرورش کافی نہیں ہوتی اسی طرح سے روحانی سلسلہ کا حال ہے۔ اور روحانی جسمانی دونو سلسلے پہلو بہ پہلو چلتے ہیں۔ اگر کوئی شخص خدا سے ہی منکر ہو تو اس بحث کا الگ ایک طریق ہے۔ خدا تعالیٰ کے قائل کو چاہیئے کہ دونوں سلسلوں کو بالمقابل رکھ کر ایک ہی نظر سے دیکھ کر فائدہ اُٹھائے۔ جس نے جسمانی سلسلہ پیدا کیا ہے اسی نے روحانی سلسلہ بھی پیدا کیا ہے۔ جس طرح وہ جسمانی سلسلہ کی تازہ

---

[۱] فاطر: ۲۵

بتازہ پرورش کرتا ہے۔ اسی طرح وہ رُوحانی سلسلہ کی بھی تازہ بتازہ پرورش کرتا ہے جسطرح جسمانی حالت ایک تازہ پانی کی محتاج ہے اِسی طرح روحانی حالت بھی تازہ آسمانی وحی کی محتاج ہے۔ جس طرح جسم بغیر پرورش کے مرجاتا ہے اسی طرح رُوح بھی بغیر پرورش کے مُردہ ہوجاتی ہے۔ رُوحانی امور میں اگر ہمیشہ گذشتہ ہی گذشتہ کا حوالہ دیا جاوے تو بجز اس کے کہ رُوحانی حالت ایک مُردہ حالت ہوجاوے گی اور کیا ہوسکتا ہے ؟

خدا تعالیٰ ہمیشہ طبعًا چاہتا ہے کہ وہ پہچانا جاوے۔ وہ اپنی شناخت اور زندگی کے ثبوت میں ہمیشہ حقائق، معارف اور تازہ بتازہ نشان دکھایا کرتا ہے اور یہ امور کوئی عقلی استبعاد بھی نہیں رکھتے۔ یہی سلسلہ ہمیشہ سے چلا آتا ہے۔ ہزاروں لاکھوں انبیاء آئے۔ انہوں نے عملی طور سے ثبوت دیئے۔ دنیا پر حجت پوری کی۔ اب کوئی شخص صرف یہ کہکر کہ میں سائنس دان یا فلاسفر ہوں ایک ایسی متواتر اور ثابت شدہ شہادت کو کیسے توڑ سکتا ہے۔ چاہیئے کہ جس طرح سے اس گروہ پاک نے عملی زندگی اور نمونے سے اپنے دعویٰ کا ثبوت دیا اسی طرح سے اس کا ردّ بھی کیا جاتا۔ ہاں البتہ ان لوگوں کو یہ کہنے کا حق پہنچتا تھا کہ پُرانے قصّے کہانیاں کیوں پیش کی جاتی ہیں کوئی زندہ نمونہ یا ثبوت پیش کیا جاوے۔ سو اس کے واسطے ہم تیار ہیں۔ صرف ہیئت دان اپنی ہیئت وغیرہ یا نظام شمسی میں غور کرنے سے خدا تعالیٰ کے وجود کا یقینی ثبوت بہم نہیں پہنچا سکتا۔ البتہ ایک امکان پیدا ہوسکتا ہے کہ خدا ہونا چاہیئے۔ یہ بات کہ خدا ہے اور یقینًا ہے ہمیشہ انبیاء کے پیش کردہ اصول سے ہی ثابت ہوتا رہا ہے۔ اگر ہماری طرح کے انسان دنیا میں نہ آتے تو خدا کے ثبوت کا کوئی حقیقی اور کامل ذریعہ ہرگز ہرگز دنیا میں نہ ہوتا۔ زیادہ سے زیادہ اگر کوئی منصف مزاج ہوتا اور شرافت بھی اس کے حصہ میں آئی ہوتی تو اس ابلغ اور محکم ترتیب اور نظام شمسی وغیرہ سے اتنا نتیجہ نکال سکتا تھا کہ خدا ہونا چاہیئے۔ باقی یہ امر کہ یقینًا خدا ہے اور وہ دنیا کا مالک، متصرّف اور حکمران

ہے۔ بجز خدا سے آکر خدا نمائی کرنے والوں کے ممکن نہیں۔ وہ لوگ مشاہدہ کرانے والے ہوتے ہیں اور تازہ بتازہ نشانوں کے پیش کرنے سے گویا خدا کو دکھا دیتے ہیں۔

سوال۔ لکھا ہے کہ ایک آدم اور حوا تھے۔ حوا ایک کمزور عورت تھی۔ اس نے ایک سیب کھا لیا اب اس کے ایک سیب کھانے کی سزا ہمیشہ جاری رہے گی۔ یہ امر میری سمجھ میں نہیں آتا اور کہ یہ زمین جس سے ہمارا تعلق ہے اس کے سوا اور ہزاروں کروڑوں سلسلے خدا نے پیدا کئے ہیں تو خدا تعالےٰ کی قدرت اور انعامات کو کیوں اس زمین تک محدود کیا جاتا ہے؟

جواب۔ ہمارا یہ عقیدہ نہیں ہے۔ ہم یہ نہیں کہتے کہ اس آسمان اور زمین کے سوا اور کوئی سلسلہ ہی نہیں۔ بلکہ ہمارا خدا کہتا ہے کہ وہ رب العالمین ہے یعنی کہ وہ کل جہانوں کا رب ہے اور کہ جہاں جہاں کوئی آبادی ہے وہاں وہاں ہی اس نے رسول بھیجے ہیں۔ عدم علم سے عدم شیئ لازم نہیں آتی۔ جس خدا نے اس ایک چھوٹی سی زمین کے واسطے اتنا وسیع سامان پیدا کیا اس نے کیوں دوسری تمام آبادیوں کے واسطے سامان نہ پیدا کئے ہوں گے؟ وہ سب کا یکساں رب ہے اور سب کی ضرورتوں سے واقف۔

باقی یہ کہنا کہ انسانی رنج ومحن حوا کے سیب کھانے کی وجہ سے ہیں اسلام کا یہ عقیدہ نہیں۔ ہمیں تو یہ تعلیم دی گئی ہے کہ لا تزر وازرۃ وزر اخرٰی[1]۔ زید کے بدلے بکر کو سزا نہیں مل سکتی اور نہ ہی اس سے کوئی فائدہ متصور ہے۔ حوا کی سیب خوری ان مشکلات اور رنج وسزا کا باعث نہیں ہے بلکہ ان کی وجوہات قرآن نے کچھ اور ہی بیان فرمائے ہیں۔

سوال۔ دو باتیں میں دریافت کرنا چاہتا ہوں۔ ایک یہ کہ گناہ کیا چیز ہے۔ ایک ملک کا انسان ایک امر کو گناہ یقین کرتا ہے۔ حالانکہ ایک دوسرے ملک کا انسان اسی امر کو گناہ نہیں سمجھتا

[1] فاطر : ۱۹

انسان ایک کیڑے سے ترقی کرتا کرتا انسان بنا اور پھر حق و باطل میں امتیاز حاصل کیا۔ صداقت اور جھوٹ میں فرق کیا۔ نیکی اور بدی کو سمجھا۔ گناہ اور ثواب کا علم پیدا کیا۔ باینہمہ پھر اس امر میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ ایک امر ایک شخص کے نزدیک گناہ۔ دوسرا اس کو گناہ نہیں سمجھتا اور کرتا ہے۔

دوسرا یہ کہ شیطان کیا چیز ہے۔ خدا تعالیٰ کے اس علم اور قدرت کا مالک ہوتے ہوئے بھی شیطان کا اس قدر قابو پایا جانا کہ اس کی اصلاح کے واسطے خود خدا کو دُنیا میں آنا پڑا۔ اس سے کیا مراد ہے؟

جواب۔ اصل میں جو لوگ خدا تعالیٰ کی ہستی کو ماننے والے ہیں۔ ہم ان کے مذاق پر گفتگو کرتے ہیں۔ خدا تعالےٰ کی ذات انسان کی زندگی کے واسطے ایک دائمی راحت اور خوشی کا سرچشمہ ہے۔ جو شخص اس سے الگ ہوتا ہے یا کسی نہ کسی پہلو سے اس کو چھوڑتا ہے۔ اس حالت میں کہا جاتا ہے کہ اس شخص نے گناہ کیا۔ خدا تعالیٰ نے فطرت انسانی پر نظر ڈال کر جو اعمال باریک در باریک رنگ میں خود انسان کی اپنی ہی ذات کے واسطے مضر پڑنے والے تھے ان کا نام بھی گناہ رکھا۔ گو بعض اوقات انسان ان کی مضرت کو نہ سمجھ سکتا ہو۔ مثلاً چوری کرنا اور دوسروں کے حقوق میں دست اندازی کر کے ان کو نقصان پہنچانا۔ گویا خود اپنی پاک زندگی کو نقصان پہنچاتا ہے۔ زانی کا زنا کرنا اور دوسروں کے حق میں دست درازی کرنا اور خود اپنی فطرت کی پاکیزگی کو برباد کرنا اور طرح طرح کی مشکلات جسمانی، روحانی میں مبتلا ہوتا ہے۔ اس طرح سے وہ امور بھی جو فطرت انسانی کی پاکیزگی اور طہارت کے خلاف ہوں گناہ کہلاتے ہیں اور پھر ان امور کے لوازم قریبہ یا بعیدہ بھی گناہ کے ضمن ضمیمہ ہی سمجھے جاتے ہیں۔ خدا تعالےٰ جو سب سے بڑا اور سب سے زیادہ علم والا، انسان اور ذرہ ذرہ کا خالق حقیقی ہے

اور وہ ان کے خواص کا بھی خالق اور دانا ہے۔ وہ اپنی کامل حکمت اور کامل علم سے ایک بات تجویز کرتا ہے کہ یہ تمہارے حق میں مضر ہے اس کا ارتکاب ہرگز ہرگز تمہارے حق میں مفید نہیں بلکہ سراسر مضر ہے تو انسان اہل سلیم الفطرت انسان کا یہ کام نہیں کہ اس کی خلاف ورزی کرے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ ایک ڈاکٹر جب ایک مریض کے واسطے کوئی پرہیز تجویز کرتا ہے تو بیمار کس طرح بے چون وچرا اس کی تعمیل کرتا ہے کیوں ایسا کرتا ہے؟ اس لئے کہ وہ ڈاکٹر کو اپنے سے زیادہ وسیع معلومات رکھنے والا یقین کرتا ہے۔

غرض اسی طرح بعض امور ایسے بھی ہیں کہ وہ انسان کے جسم یا رُوح کے واسطے مضر ہوتے ہیں خواہ انسان سمجھے یا نہ سمجھے۔ بعض امور ایسے ہیں کہ اگر خدا تعالیٰ ان کے واسطے نہ بھی حکم دیتا تو بھی وہ مضر ہی تھے۔ طب جسمانی میں بھی بعض گناہ رکھے گئے ہیں۔ قواعد طب کا علم نہ ہونا عذر نہیں ہو سکتا۔ اس شخص کے واسطے جو خلاف ورزی قواعدِ طب کرتا ہے۔ اگر کسی کو یقین نہ ہو تو ڈاکٹروں اور اطباء سے پوچھ لو۔

یاد رکھنے کے لائق نکتہ یہی ہے کہ گناہ کی جڑ وہی امور ہیں جن کے کرنے سے سچی پاکیزگی اور تقویٰ طہارت سے انسان دُور جا پڑے۔ خدا تعالیٰ کی سچی محبت اور اس کا وصال ہی سچی راحت اور حقیقی آرام ہے۔ پس خدا سے دُوری اور الگ ہونا بھی گناہ اور باعث دُکھ اور رنج و مصیبت ہے۔ جن باتوں کو خدا اپنی تقدیس کی وجہ سے پسند نہیں کرتا وہی گناہ ہے۔ اگر بعض امور میں لوگوں کا اختلاف ہے۔ تو دوسری طرف اکثر حصہ گناہ کا دنیا میں مشترکہ طور سے مسلّم ہے۔ جھُوٹ، چوری، زِنا اور ظُلم وغیرہ ایسے امور ہیں کہ تمام مذہب و ملّت کے لوگ مشترکہ طور سے ان کو گناہ ہی یقین کرتے ہیں۔ مگر یاد رکھو کہ گناہ کی جڑ وہی امور ہیں جو خدا سے بعید کرتے ہیں۔ خدا تعالیٰ کی تقدیس کے خلاف ہیں۔ خدا تعالیٰ کے ذاتی تقاضے

کے برخلاف اور فطرت انسانی کے واسطے مضر ہیں وہی گناہ ہیں۔ ہر انسان گناہ کو محسوس کرتا ہے۔ دیکھو جب کوئی کسی بے گناہ کو طمانچہ مارتا ہے اور جانتا ہے کہ میرا حق نہیں کہ ایسا کروں۔ وہ آخر ایک وقت جب ٹھنڈے دل سے بیٹھے گا اپنے دل میں خود نادم اور شرمندہ ہوگا اور محسوس کرے گا کہ میں نے بُرا کیا۔ ایک انسان جو کسی بھوکے کو کھانا دیتا ہے، پیاسے کو پانی پلاتا ہے، ننگے کو کپڑا پہناتا ہے وہ اپنے اندر ہی اندر ایک قسم کا احساس پاتا ہے کہ میں نے نیکی کی اور اچھا کام کیا۔ انسان کا دل اور کانشنس نور ایمان ہر کام کے وقت اس کو معلوم کرا دیتا ہے کہ آیا اس نے ثواب کیا یا گناہ کیا۔

شیطان

شیطان کے لئے یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ انسان کی سرشت اور بناوٹ میں دو قوتیں رکھی گئی ہیں اور وہ دونو ایک دوسرے کی ضد ہیں۔ اور یہ اس واسطے رکھی گئی ہیں کہ انسان ان کی وجہ سے آزمائش اور امتحان میں پڑ کر بصورت کامیابی قرب الٰہی کا مستحق ہو۔ ان دو قوتوں میں سے ایک قوت نیکی کی طرف کھینچتی ہے اور دوسری بدی کی طرف بلاتی ہے۔ نیکی کی طرف کھینچنے والی قوت کا نام ملک یا فرشتہ ہے اور بدی کی طرف بلانے والی قوت کا نام شیطان ہے یا بالفاظ دیگر یوں سمجھ لو کہ انسان کے ساتھ دو قوتیں کام کرتی ہیں ایک داعی خیر اور دوسری داعی شر۔ اگر کسی کو شیطان اور فرشتہ کا لفظ گراں گذرتا ہے تو یوں ہی سمجھ لے انسان میں دو قوتوں سے تو کسی کو انکار نہیں ہو سکتا۔ خدا تعالیٰ نے کسی بدی کا کبھی ارادہ نہیں کیا۔ خدا تعالیٰ نے جو کیا خیر ہی خیر کیا ہے۔

دیکھو اگر دنیا میں گناہ کا وجود نہ ہوتا تو نیکی بھی نہ ہوتی۔ نیکی گناہ سے پیدا ہوتی ہے۔ گناہ کے وجود سے ہی نیکی کا وجود پیدا ہوتا ہے۔ دیکھو اگر کسی کو زنا کا موقع ملتا ہے اور اس میں طاقت بھی موجود ہے اور پھر وہ گناہ سے بچتا ہے تو اس کا

نام نیکی ہے۔ اگر کسی کو چوری اور ظلم وغیرہ گناہ کے مواقع ملتے ہیں اور پھر وہ اس کے کرنے پر قادر بھی ہو۔ بایں ہمہ وہ ان کا ارتکاب نہ کرے اور اپنے آپ کو بچا دے تو وہ نیکی کرتا ہے۔ گناہ کا موقعہ اور قدرت پا کر گناہ نہ کرنا یہی ثواب اور نیکی ہے۔

سوال۔ دنیا میں دو مختلف طاقتیں کام کرتی ہیں۔ مثبت اور منفی۔ اگر ہم ہمیشہ مثبت سے کام لیتے رہیں اور منفی سے کام نہ لیں تو ایک دن ایسا ہوگا کہ منفی آہستہ آہستہ جمع ہو کر زور پکڑ جاوے گی اور کسی وقت یک دفعہ پھوٹ کر دنیا کو تباہ کر دے گی۔ یہی حال نیکی اور بدی کا ہے۔ اگر تمام دنیا میں نیکی ہی نیکی کی جاوے اور کوئی بدی نہ کرے تو اس طرح ایک دن بدی زور پکڑ کر دُنیا کو تباہ کر دے گی۔

جواب۔ فرمایا۔

دیکھو۔ اگر ایک شخص چلّا کر بولنے پر قادر ہی نہیں تو اس کا نرمی سے بولنا اخلاق فاضلہ میں سے نہیں سمجھا جاوے گا۔ اگر انسان ہمیشہ ایک ہی حالت پر قائم رہتا اور دوسرا پہلو بدل ہی نہ سکتا تو پھر نیکی ہی نہ رہ سکتی۔ افراط اور تفریط دونوں کی موجودگی ہی نیکی پیدا کرتی ہے۔ یکطرفہ حالات ہوتے اور دوسرے قویٰ انسان کو دیئے ہی نہ جاتے اور انسان ہمیشہ نیکی کے واسطے ہی مجبور ہوتا۔ بدی کرنے کی طاقت ہی اُسے نہ ملتی تو پھر فرمانبرداری اور نیکی نام ہی کس چیز کا ہوتا۔ انسان کو اللہ تعالیٰ نے ایک حد تک اختیار دیا ہے۔ ادھر بھی پہلو بدل سکتا ہے۔ نیکی کی بھی طاقت ہے اور بدی کا بھی اختیار۔ اب جیسا کرے گا اس کا اجر پاوے گا۔

دیکھو اگر اخلاق بد نہ ہوتے تو اخلاق فاضلہ کن کا نام ہو سکتا۔ اخلاق رذیلہ ہوئے جب ہی اخلاق فاضلہ بھی ہوئے۔ کوئی اخلاق بد انسان کے ذہن میں ہوتے ہیں جب ہی تو انسان ان کا نقشہ ذہن میں رکھ کر ان کی مذمت کرتا اور اخلاق فاضلہ

کسی خاص کام کا نام رکھتا ہے اور ان کی تعریف کرتا ہے۔ اگر ذہن میں کوئی کسی امر بد کا نقشہ موجود نہیں تو پھر اخلاق حسنہ بھی کچھ نہیں۔ ہمیشہ بدی سے ہی نیکی ممتاز کی جاتی ہے اگر ایک ہی پہلو پیدا کیا جاتا تو یقیناً کوئی اجر بھی نہ ہوتا اور کوئی خوشنودی بھی نہ ہوتی (رنج سے راحت، دکھ سے سکھ، ظلمت سے نور، کڑوے سے میٹھا، زہر سے تریاق، بد سے نیک اور گناہ سے نیکی پیدا ہوتی ہے۔ اگر یہ ضدیں دنیا میں پیدا نہ کی جاتیں تو پھر زندگی ہی بدمزہ ہو جاتی) اگر صرف ایک ہی پہلو ہوتا تو وہ تو فطرت میں داخل تھا۔ اس پر اجر کیسا اور ثواب کیا؟ وہ ذریعہ رضامندی کیونکر ہو سکتا؟ وہ تو ایک مجبوری تھی کہ فطرتاً انسان سے اس کے مطابق ہی اعمال سرزد ہوتے۔ یاد رکھو کہ انسان ذو اختیار بنایا گیا ہے۔ انسان کو اختیار ہے کہ نیکی کرے یا بدی، احسان کرے یا ظلم، مروت کرے یا بخل، ہمیشہ دونو پہلوؤں پر لحاظ رکھ کر ہی کسی خاص انسان کے متعلق رائے زنی ہو سکتی ہے کہ نیک ہے یا بد۔ اعمال کا مفہوم ہی یہی ہے کہ دوسری طرف بھی قدرت رکھتا ہو جو انتقام لینے کی طاقت رکھتے ہوئے انتقام نہیں لیتا وہ نیکی کرتا ہے۔ مگر جس کو انتقام کے واسطے مکہ مارنے کا ہاتھ ہی نہیں دیا گیا وہ کس طرح کہہ سکتا ہے کہ میں نے نیکی کی اور احسان کیا کہ مکہ نہیں مارا۔ قد افلح من زکّٰھا و قد خاب من دسّٰھا۔[1] اس آیت کریمہ سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ نیکی اور خوبی کا مدار ہی دونو پہلوؤں پر ہے۔ جس کو ایک ہی قوت دی گئی ہے اور دوسری قوت اس کو عطا نہیں ہوئی وہ تو ایک نقش ہے جو مٹ نہیں سکتا۔ جو شخص ملک اور شیطان کا انکار کرتا ہے وہ تو گویا بدیہیات اور امور محسوسہ مشہودہ کا انکاری ہے۔ ہم ہر روز دیکھتے ہیں کہ لوگ نیکی بھی کرتے ہیں اور ارتکاب جرائم بھی دنیا میں ہوتا ہے اور دونو قوتیں دنیا میں برابر اپنا کام کر رہی ہیں۔ اور ان کا تو کوئی فرد بشر بھی انکار نہیں کر سکتا۔ کون ہے جو ان دونو کا احساس اور اثر اپنے

[1] الشمس: ۱۰-۱۱

اندر نہیں پاتا ؟ یہاں کوئی فلسفہ اور منطق پیش نہیں جاتی۔ جبکہ دونو قوتیں موجود ہیں اور اپنی اپنی جگہ اپنا اپنا کام کر رہی ہیں۔

باقی یہ امر کہ اگر نیکی ہی نیکی کی جاوے تو بدی زور پکڑ کر دنیا کو تباہ کر دے گی۔ اس کے متعلق ہم صرف اتنا کہہ سکتے ہیں کہ ہمیں اس سے تعلق نہیں کہ ایسا ہو تو ایسا ہو اور ایسا ہو تو ایسا ہو۔ ہم اتنا دیکھتے ہیں کہ طبیعتیں مستعد بنائی ہیں۔ کیا اخلاق فاضلہ کے واسطے اور کیا رذیلہ کے واسطے ہم اس سے آگے نہیں بڑھتے۔

سوال۔ عیسائیوں میں یہ ایک مسئلہ مشہور ہے کہ دنیا گمراہ ہو گئی تھی مگر خدا نے پھر شیطان سے اس کو خریدا۔ کیا یہ صحیح ہے؟

جواب۔ فرمایا کہ

ہم ایسی لغو باتوں کے قائل نہیں۔ یہ ایک لغو بات ہے۔ عیسائیوں سے پوچھا جاوے۔

سوال۔ عیسائی عقائد سے معلوم ہوتا ہے کہ آدم ایک اعلیٰ حالت سے ادنیٰ حالت کی طرف آ گئے تھے۔ حالانکہ انسان ادنیٰ سے اعلیٰ کی طرف ترقی کرتا ہے۔

جواب۔ فرمایا کہ

یہ ہمارا عقیدہ نہیں اور نہ ہی ہم اس کو مانتے ہیں۔

سوال۔ میں آئندہ زندگی کو مانتا ہوں کہ وہ ایک چولہ ہے۔ انسان اس کے ذریعہ ایک حالت سے دوسری حالت میں چلا جاتا ہے۔ مجھے سپرچولزم سے خاص دلچسپی ہے۔ میں یہ دریافت کرنا چاہتا ہوں کہ آئندہ زندگی کس طرح سے ہوگی اور وہاں کیا کیا حالات ہوں گے ؟

جواب۔ فرمایا

بیشک اس زندگی کا خاتمہ ہو کر ایک اور نئے رنگ کی زندگی شروع ہوگی مگر اس وقت ابھی وقت نہیں کہ اس کی تفصیل بیان کریں۔ جنہوں نے اس زندگی میں اچھی تخم ریزی

کی ہوگی۔ ان کے واسطے ایک پاک سلسلہ شروع ہوگا اور جنہوں نے بُری تخم ریزی کی ہوگی۔ ان کے لئے مشکلات اور عذاب کا سلسلہ ہوگا۔ اس نئی زندگی کا ایک قسم کا تعلق اس زندگی سے بھی رہتا ہے اور بالکل ٹوٹ نہیں جاتا۔ مثال کے طور پر عالم خواب موجود ہے۔ بیداری میں ایک زندگی ہوتی ہے مگر سوتے ہی ایک عظیم الشان انقلاب آجاتا ہے۔ بعض تفاصیل معلوم تو ہیں مگر ان کا بیان اس وقت نہیں ہوسکتا کیونکہ اس امر کے واسطے ایک لمبا وقت چاہیئے۔ منٹوں میں یہ امر طے نہیں ہوسکتا۔

سوال لیڈی صاحبہ۔ آیا یہ ممکن ہے کہ جو لوگ اس دُنیا سے گذر گئے ہیں اور مر چکے ہیں ان سے باتیں ہوسکیں یا کوئی تعلق یا واسطہ ہوسکے اور ان کے صحیح حالات معلوم کرسکیں؟

جواب۔ یہ بات ممکن تو ہے کہ کشفی طور سے روحوں سے انسان مل سکتا ہے مگر اس امر کے حصول کے واسطے ریاضات شاقہ اور مجاہدات سخت کی اشد ضرورت ہے۔ ہم نے خود آزمایا ہے اور تجربہ کیا ہے اور بعض اوقات روحوں سے ملاقات کرکے باتیں کی ہیں۔ انسان ان سے بعض مفید مطلب امور اور دوائیں وغیرہ بھی دریافت کرسکتا ہے ہم نے خود حضرت عیسیٰؑ کی رُوح اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم اور بعض صحابہ کرامؓ سے بھی ملاقات کی ہے اور اس معاملہ میں صاحب تجربہ ہیں۔ لیکن انسان کے واسطے مشکل یہ ہے کہ جب تک اس راہ میں مشق اور قاعدہ کی پابندی سے مجاہدات نہیں کرتا یہ امر حاصل نہیں ہوسکتا۔ اور چونکہ ہر ایک کو یہ امر میسر بھی نہیں آسکتا۔ اس واسطے اس کے نزدیک یہ ایک قصہ کہانی ہی ہوتی ہے اور اس میں حقیقت نہیں ہوتی۔

انسانی قلب بڑے بڑے عجائبات کا مرکز ہے مگر جس طرح صاف اور عمدہ پانی حاصل کرنے کے واسطے سخت سے سخت محنت اُٹھا کر زمین کھودی جاتی ہے، مٹی نکالی جاتی ہے اور پھر صفائی کی جاتی ہے اسی طرح دل کے عجائبات قدرت سے اطلاع پانے کے واسطے بھی سخت محنت اور مجاہدات کی ضرورت ہے۔ اصل بات یہی ہے کہ

اصلیت اس امر کی ضرور مانی جاتی ہے جس کے ہم خود گواہ ہیں اور صاحب تجربہ۔

سوال۔ مجھے اس قسم کی ایک کمیٹی کی طرف سے بعض کاغذات آئے تھے اور میری خاص غرض آپ کے پاس حاضر ہونے کی یہی تھی کہ ان کے متعلق آپ سے دریافت کروں اور آپ کی ہدایات سُنوں۔ کیا آپ مجھے اپنا کچھ عزیز وقت دے سکتے ہیں ؟

جواب۔ فرمایا کہ

ان دنوں میں ہماری طبیعت بیمار ہے۔ ہم زیادہ محنت نہیں برداشت کر سکتے۔ البتہ صحت کی حالت ہو تو ممکن ہے۔ فقط

(الحکم جلد ۱۲ نمبر ۳۶ صفحہ ۶ تا ۸ مورخہ ۲ر جون ۱۹۰۸ء)

۱۴ر مئی ۱۹۰۸ء
بوقت صبح

فائدہ بخش کلام

فرمایا :-

قرآن مجید ایک ایسی غذا کی مانند ہے جو ہر طبقے ہر مزاج کے لوگوں کے مناسب حال ہے اور یہی اس کے خدا تعالیٰ کی طرف سے ہونے کا ثبوت ہے۔ ہم چاہتے ہیں ہماری جماعت کے لوگ بھی بولنا سیکھیں۔ ان کا طرز تقریر بھی ایسا ہی ہو کہ جیسا وہ اعلیٰ درجہ کے لوگوں کے لئے بھی مفید اور ادنیٰ کے لئے بھی فائدہ رساں ہے۔ اصل میں کلام کی عمدگی یہی ہے کہ وہ ہر قسم کے لوگوں کے مطابق حال ہو۔

وسطی راہ

فرمایا :-

خدا تعالیٰ نے اسلام کو دوسرے لوگوں کے لئے نمونہ بنایا ہے۔ اس میں ایسی وسطی راہ اختیار کی گئی ہے جو افراط و تفریط سے بالکل خالی ہے۔ وکذالک جعلنکم امۃ وسطاً لتکونوا شھداء علی النّاس۔[1]

دو قسم کے جواب

فرمایا:۔

جواب دو قسم کے ہوتے ہیں۔ ایک تحقیقی، دوسرے الزامی۔ اللہ تعالیٰ نے بھی بعض جگہ الزامی جوابوں سے کام لیا ہے۔ اس میں معترض کو اپنے مذہب کی کمزوری معلوم ہوتی ہے۔ چنانچہ جب عیسائیوں نے کہا کہ عیسیٰ خدا کا بیٹا ہے اور دلیل یہ کہ مریم کنواری کے پیٹ سے پیدا ہوا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ ان مثل عیسیٰ عند اللہ کمثل اٰدم[2] یعنی اگر یہی اس کا بیٹا ہونے کا ثبوت ہے تو آدم بطریق اوّل بیٹا ہونا چاہیئے۔

چھوت

چھوت وغیرہ در اصل اس بات کا نشان ہے کہ ہندوؤں کا مذہب کمزور ہے جو ہاتھ لگانے سے بھی جاتا رہتا ہے۔ اسلام کی بنیاد چونکہ قوی تھی اس لئے اس نے ایسی باتوں کو اپنے مذہب میں نہیں رکھا۔ چنانچہ کھانے کے متعلق فرما دیا لیس علیکم جناحٌ ان تاکلوا جمیعًا او اشتاتًا۔[3]

مخلصانہ بیان

بیان میں جب تک رُوحانیت اور تقویٰ و طہارت اور سچا جوش نہ ہو اس کا کچھ نیک نتیجہ مرتب نہیں ہوتا ہے۔ وہ بیان جو کہ بغیر روحانیت و خلوص کے ہے وہ اس پرنالہ کے

[1] البقرۃ: ۱۴۴ [2] اٰل عمران: ۷۰ [3] النور: ۶۲

پانی کی مانند ہے جو موقعہ بے موقعہ جوش سے پڑا جاتا ہے اور جس پر پڑتا ہے اسے بجائے پاک و صاف کرنے کے پلید کر دیتا ہے۔ انسان کو پہلے اپنی اصلاح کرنی چاہیئے پھر دوسروں کی اصلاح کی طرف متوجہ ہونا چاہیئے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ یا ایھا الذین اٰمنوا علیکم انفسکم[1] یعنی اے مومنو پہلے اپنی جان کی فکر کرو۔ اگر تم اپنے وجود کو مفید ثابت کرنا چاہو تو پہلے خود پاکیزہ وجود بن جاؤ۔ ایسا نہ ہو کہ باتیں ہی باتیں ہوں اور عملی زندگی میں اُن کا کچھ اثر دکھائی نہ دے۔ ایسے شخص کی مثال اس طرح سے ہے کہ کوئی شخص ہے جو سخت تاریکی میں بیٹھا ہے۔ اب اگر یہ بھی تاریکی ہی لے گیا تو سوائے اس کے کہ کسی پر گر پڑے اور کیا ہوگا۔ اُسے چراغ بن کر جانا چاہیئے تاکہ اُس کے ذریعہ سے دوسرے روشنی پائیں۔

حقیقی علوم

جسمانی علوم پر نازاں ہونا حماقت ہے۔ چاہیئے کہ تمہاری طاقت رُوح کی طاقت ہو۔ خدا تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا کہ ہم نے سائنس یا فلسفہ یا منطق پڑھایا اور اُن سے مدد دی بلکہ یہ کہ ایدھم بروح منہ[2] یعنی اپنی روح سے مدد دی۔ صحابہؓ اُمّی تھے۔ ان کا نبی (سیدنا محمد صلے اللہ علیہ وسلم) بھی اُمّی۔ مگر جو پُر حکمت باتیں انہوں نے بیان کیں وہ بڑے بڑے علماء کو نہیں سُوجھیں۔ کیونکہ اُن کو خدا تعالےٰ کی خاص تائید تھی۔ تقویٰ و طہارت و پاکیزگی سے اندرُونی طور پر مدد ملتی ہے۔ یہ جسمانی علوم کے ہتھیار کمزور ہتھیار ہیں۔ ممکن بلکہ اغلب ہے کہ مخالف کے پاس ان سے بھی زیادہ تیز ہتھیار ہوں۔ پس ہتھیار وہ چاہیئے جس کا مقابلہ دشمن نہ کر سکے۔ وہ ہتھیار سچی تبدیلی اور دل کا تقدس و تطہّر ہے۔ جسے نزول الماء ہو دوسروں کے نزول الماء کو کیا تندرست کرے گا۔ صاحبِ باطن کی بات اگر اس وقت بظاہر رد بھی کر دی جائے تو بھی وہ خالی نہیں جاتی بلکہ انسانی زندگی پر ایک خفیہ اثر کرتی ہے۔ ع

[1] المائدۃ: ۱۰۶ [2] المجادلۃ: ۲۳

سخن کز دل بروں آید نشیند لاجرم بر دل

بوقت ظہر

ہنسی

ہنسی کے متعلق ذکر تھا۔ فرمایا:-

جب اللہ تعالیٰ کے حکم کے ماتحت ہو تو اس میں کوئی ہرج نہیں چنانچہ وہ فرماتا ہے اَنَّهٗ هُوَ اَضْحَكَ وَاَبْكٰى۔[1]

طریق اصلاح

ڈاڑھی منڈوانے کا ذکر آیا۔ فرمایا:-

لوگ کن بیہودہ اعتراضوں میں پڑے ہیں وہ ظاہر کو دیکھتے ہیں۔ ہماری نگاہ باطن پر ہے۔ جب انسان کا دل پاک ہو جائے تو پھر یہ معمولی اصلاحیں خود بخود ہو جاتی ہیں۔ اگر پہلے ہی ایسی باتوں پر اعتراض کر دیا جائے تو انسان ابتلاء میں آجاتا ہے اور بہت سی بڑی باتوں سے محروم رہ جاتا ہے۔ بعض نومسلم صحابہؓ پر بھی ایسے اعتراض کئے گئے تھے مگر اللہ تعالیٰ نے فرما دیا کہ یُوں نہیں چاہیئے۔ جب انسان نے ایک صداقت کو اختیار کر لیا تو آہستہ آہستہ دوسری صداقتوں کے اختیار کی توفیق بھی حاصل ہو جائیگی۔ تدریجی احکام اسی لئے نازل ہوتے رہے۔ شراب کی حُرمت یکدم نازل نہ ہوئی۔ کہ ابھی طبائع تیار نہ ہوئی تھیں۔ ایسے لغو معترضوں سے ہمیں امید نہیں کہ وہ کچھ بھی فائدہ حاصل کریں۔ وہ اگر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں بھی ہوتے تو ان پر بھی اعتراض کرنے سے نہ رُکتے اور آخر مُرتد ہو جاتے۔ ہر نبی اور اس کی جماعت پر ایسے اعتراض ہوتے رہے ہیں۔ چنانچہ بعض نادانوں نے کہدیا مالھذا الرسول یأکل الطعام

[1] النجم: ۴۴

ویمشی فی الاسواق[1]۔ طعام سے مراد اچھا مکلف عمدہ کھانا ہے۔ جب انکار حد سے گذر جاتا ہے تو ایسے ہی اعتراض سوجھتے ہیں۔

اس پر ایک دوست نے ذکر کیا کہ ایک شخص کہتا تھا کہ اگر قرآن سے حضرت کی صداقت کا ثبوت مل جائے تو میں اس قرآن کو بھی نہیں مانتا۔ اگر خدا اپنے نشانوں سے سچا ثابت کردے تو میں اس خدا پر بھی ایمان نہ لاؤں۔

یہ لعنتی قول انتہا درجے کی قساوت قلبی پر دال ہے۔

حضرت عیسیٰؑ پر ایک شخص نے جو ان کا مُرید بھی تھا اعتراض کیا کہ آپ نے ایک فاحشہ سے عطر کیوں ملوایا۔ انہوں نے کہا کہ دیکھ تو پانی سے میرے پاؤں دھوتا ہے اور یہ آنسوؤں سے۔ خدا تعالیٰ کے نزدیک خلوص کی قدر ہوتی ہے اور میں سچ کہتا ہوں کہ آجکل کے جو فقیہ اور فریسی ہیں اُن سے ایسی کنجنیاں پہلے بہشت میں جائیں گی۔ درحقیقت انہوں نے اس زمانہ کے علماء کی حالت کے اعتبار سے ٹھیک کہا۔

منقول پر چلو

ایک شخص نے مسئلہ پوچھا۔ مرغی کی گردن بلی اُتار کر لے گئی۔ مرغی پھڑک رہی ہے ذبح کر لی جائے؟

فرمایا:۔

ایسے مسائل میں اصول کے طور پر یاد رکھو کہ دین میں صرف قیاس کرنا سخت منع ہے۔ قیاس وہ جائز ہے جو قرآن وحدیث سے مستنبط ہو۔ ہمارا دین منقولی طور سے ہمارے پاس پہنچا ہے۔ پس اگر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے کوئی ایسی حدیث ثابت ہو جائے تو خیر ورنہ کیا ضرورت ہے دو چار آنے کے لئے ایمان میں خلل ڈالنے کی۔ لا تقولوا لما تصف السنتکم الکذب ھٰذا حلالٌ وھٰذا حرامٌ۔[2]

---

[1] الفرقان: ۸ [2] النحل : ۱۱۷

آنے والا زلزلہ

آنے والے زلزلہ کی نسبت سوال ہوا۔ فرمایا:۔

حقیقۃ الوحی پڑھو کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے حکم میں کچھ منسوخ بھی فرما دیا ہے چنانچہ فرمایا۔ یؤخرہٗ الیٰ اجلٍ مسمّٰی ۔ ہمارا خدا قادرِ مطلق خدا ہے۔ وہ کامل اختیارات رکھتا ہے۔ یمحوا اللہ ما یشاءُ[1]۔ ہمارا ایمان ہے۔ وہ جوتشی کی طرح نہیں۔ وہ ایک حکم صبح دیتا ہے اور رات کو اس کے بدلنے کے کامل اختیارات رکھتا ہے۔ ماننسخ من اٰیۃٍ[2] والی آیت اس پر گواہ ہے۔ آخر صدقہ خیرات بھی کوئی چیز ہے۔ تمام انبیاء کرام کا اجماعی مسئلہ ہے کہ صدقہ و استغفار سے ردّ بلا ہوتا ہے۔ بلا کیا چیز ہے۔ یعنی وہ تکلیف دِہ امر جو خدا تعالیٰ کے ارادے میں مقدر ہو چکا ہے۔ اب اس بلا کی اطلاع جب کوئی نبی دے تو وہ پیشگوئی بن جاتی ہے۔ مگر اللہ تعالیٰ ارحم الراحمین ہے۔ وہ تضرع کرنے والوں پر اپنی رحمت سے رجوع کرتا ہے۔ اس لئے ہمارا یہ عقیدہ نہیں کہ وعید کی پیشگوئیاں اٹل ہیں، بلکہ وہ ٹل جاتی ہیں۔

دیکھو جہاں میں نے زلزلہ کا ذکر کیا ہے وہاں ساتھ ہی توبہ استغفار تضرع وصدقہ کی طرف توجہ دلائی ہے۔ جس سے یہ مراد ہے کہ یہ عظیم بلا ٹل سکتی ہے۔ افسوس لوگ ہماری عداوت میں ایسے بڑھ گئے ہیں کہ وہ اسلام کے مسائل کو بھی بھول گئے ہیں۔ وما کان اللہ معذّبھم وھم یستغفرون[3] پڑھتے ہیں اور پھر ہم پر اعتراض کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہدایت کرے۔

(بدر جلد ۷ نمبر ۱۹۔ ۲۰ صفحہ ۳۔ ۴ مورخہ ۲۴ مئی ۱۹۰۸ء)

---

[1] الرعد : ۴۰ [2] البقرۃ : ۱۰۷ [3] الانفال : ۳۴

۱۵؍مئی ۱۹۰۸ء

۱۰ بجے دن

دو معزز بیرسٹرایٹ لار ملاقات کو آئے۔ اُن سے مفصلہ ذیل مکالمہ ہوا۔

انشاء اللہ

آپ نے آئندہ کے متعلق ایک بات کہی کہ ایسا کیا جائے گا۔ مگر ساتھ ہی انشاء اللہ فرمایا اور بتلایا کہ

انشاء اللہ کہنا نہایت ضروری ہے کیونکہ انسان کے تمام معاملات اس کے اپنے اختیار میں نہیں۔ وہ طرح طرح کے مصائب اور مکارہ و موانع میں گھرا ہوا ہے۔ ممکن ہے کہ جو کچھ ارادہ اس نے کیا ہے وہ پُورا نہ ہو۔ پس انشاء اللہ کہہ کر اللہ تعالیٰ سے جو تمام طاقتوں کا سرچشمہ ہے مدد طلب کی جاتی ہے۔ آجکل کے ناعاقبت اندیش و نادان لوگ اس پر ہنسی اُڑاتے ہیں۔

مخالفت کا فائدہ

مخالفوں کے سب و شتم کا ذکر تھا۔ فرمایا:۔

دیکھو کاشتکاری میں سب چیزوں ہی سے کام لیا جاتا ہے۔ پانی ہے۔ بیج ہے۔ مگر پھر بھی اس میں کھاد ڈالنے کی ضرورت پڑتی ہے جو سخت ناپاک ہوتی ہے۔ پس اسی طرح ہمارے سلسلے کے لئے بھی گندی مخالفت کھاد کا کام دیتی ہے

نقصان تفرقہ

فرمایا:۔

اسلامی فرقوں میں دن بدن پھوٹ پڑتی جاتی ہے۔ پھوٹ اسلام کے لئے سخت

مضر ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا لاتنازعوا فتفشلوا وتذھب ریحکم[1] جب سے اسلام کے اندر پھوٹ پڑی ہے دم بدم تنزل کرتا جاتا ہے۔ اس لئے خدا نے اس سلسلہ کو قائم کیا تا لوگ فرقہ بندیوں سے نکل کر اس جماعت میں شامل ہوں جو بے ہودہ مخالفتوں سے بالکل محفوظ ہے اور اس سیدھے راستے پر چل رہی ہے جو نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے بتایا۔

سعی اتحاد

ہم چاہتے ہیں کہ چند مہذب و شائستہ و منصف مزاج و خدا ترس لوگ جمع ہوں اور ہم انہیں سمجھائیں کہ ہمارا مذہب کیا ہے اور دوسرے کلمہ گوؤں سے ہمارا کس بات میں اور کیوں اختلاف ہے۔ دراصل ایسے وقت میں خدا تعالیٰ نے یہ سلسلہ قائم کیا ہے جبکہ اسلام دو حملوں کے صدمے اُٹھا رہا ہے۔ ایک بیرونی طور سے حملہ ہے اور ایک اندرُونی طور سے چنانچہ بعض مسلمانوں ہی میں سے کہتے ہیں کہ اسلام کے احکام کوئی نہیں۔ یہ روزہ و نماز و حج پُرانے زمانے کی باتیں ہیں جو کچھ عرب کے وحشیوں کیلئے ہی مفید ہو سکتی تھیں۔ پھر قیامت کے حالات پر طرح طرح کے اعتراض کرتے ہیں۔ دوم وہ لوگ ہیں جو افراط کی طرف گئے ہیں۔ اور وہ بعض انبیاء کی شان میں غلو کرتے کرتے یہانتک پہنچے ہیں کہ انہیں خدا تک بنا دیا ہے۔ ایک حضرت عیسیٰؑ ہی کو لو۔ ان کو بعض ایسی صفات کا صاحب گردانا ہے جو خاصۂ اُلوہیت ہیں۔

حضرت عیسیٰ کے واسطے خصوصیت کیوں؟

وہ بیشک خدا تعالیٰ کے مقربین میں سے تھے۔ ان پر خدا تعالےٰ کا فضل تھا۔ وہ اللہ تعالےٰ کی نبوت سے ممتاز تھے مگر ان کے لئے کوئی ایسی خصوصیت مقرر کرنا جو دوسرے انبیاء میں نہ ہو ٹھیک نہیں۔ کہتے ہیں کہ آسمان پر کئی صدیوں سے بجسدہ العنصری متمکن ہے حالانکہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے کفار نے قسمیں کھا کھا کر کہا کہ ہم ضرور

---

[1] الانفال : ۴۷

مان لیں گے اگر آپ ہمارے سامنے آسمان پر چڑھ جاویں۔ اس کا جواب جو دیا گیا وہ یہ تھا کہ سبحان ربّی ھل کنت الاّ بشراً رسولاً[۱]۔ جب اللہ تعالیٰ نے ابتداء سے ایک قانون مقرر کر دیا کہ فیہا تحیون تو پھر اللہ تعالیٰ اپنی سنت کے خلاف کیوں کرتا۔ اگر یہ عقیدہ (عیسیٰؑ کے مع جسم آسمان پر چڑھ جانے کا) اس وقت کے مسلمانوں میں ہوتا تو کافروں کا حق تھا کہ انہیں یہ کہہ کر ملزم کریں کیا وجہ ہے ایک نبی کے لئے یہ امر جائز قرار دیتے ہیں اور دوسرے کے لئے نہیں حالانکہ تم اس بات کے بھی قائل ہو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تمام نبیوں سے اور بالخصوص حضرت عیسیٰؑ سے افضل اور جامع کمالات نبوت ہیں

غرض یہ زندہ آسمان پر چڑھ جانے کا ذکر قرآن شریف میں نہیں ہے بلکہ قرآن تو اس عقیدہ کی تردید کرتا ہے۔ یہ آیت ہے جو میں نے پڑھی ہے حدیث نہیں کہ اس پر ضعیف یا وضعی ہونے کا اعتراض ہو سکتا ہو۔ سارا قرآن مجید اول سے آخر تک دیکھ لو عیسیٰؑ کے اب تک زندہ رہنے کا ثبوت نہ پاؤ گے۔ اگر پاؤ گے تو یہ کہ فلما توفّیتنی[۲] عیسیٰ علیہ السلام ربّ العزّت کے حضور عرض کر رہے ہیں۔ جب تو نے مجھے وفات دی تو پھر تُو نگران حال تھا۔ میں دوبارہ نہیں آیا اور یہ کہ عیسائی میرے بعد بگڑے ہیں۔ توفّی کے معنے موت ایسی بدیہی بات ہے کہ اس کا انکار نہیں ہو سکتا۔ یہ لفظ قرآن مجید میں اور انبیاء کے لئے بھی آیا ہے مثلاً حضرت یُوسف نے کہا توفّنی مسلماً[۳] اور خود نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے بارے میں او نتوفینک[۴] دونو باب تفعّل سے ہیں۔ کسی لغت کی کتاب میں بھی اس کے خلاف معنے نہ پاؤ گے۔ یہ تو اللہ تعالےٰ کے کلام کی شہادت ہوئی۔ اب نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی فعلی شہادت کی طرف دیکھو جو آپ کی رؤیت ہے آپ فرماتے ہیں کہ میں نے معراج کی رات عیسیٰ کو یحییٰ کے ساتھ دیکھا۔ اب اس میں تو کسی مسلمان کو شک نہیں کہ یحییٰ علیہ السلام فوت ہو چکے ہیں۔ پس فوت شدہ گروہ میں جو بہشت جا چکا ہے کسی کو دیکھنا سوا اس بات کے اور کیا معنی رکھتا ہے کہ وہ بھی

[۱] بنی اسرائیل: ۹۴ [۲] المائدہ: ۱۱۸ [۳] یوسف ۱۰۲ [۴] یونس: ۴۷

مر چکا ہے۔ غرض یہ دو شہادتیں ہیں۔ آپ خود ہی انصاف کریں کہ ان سے کیا بات ثابت ہوتی ہے۔ پس کیا وجہ ہے کہ عیسیٰؑ کے لئے خصوصیات پیدا کی جائیں۔ پادری عیسیٰؑ کے خدا ہونے کی دلیل بیان کرتے ہیں کہ وہ مُردے زندہ کرتا تھا حالانکہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے یمسک الّتی قضی علیہا الموت[1]۔ اب خدا تعالیٰ کے کلام میں تناقض نہیں کہ ایک آیت میں کہے مُردے دوبارہ دنیا میں نہیں آتے اور دوسری میں کہے کہ مُردہ زندہ ہوتے ہیں۔ پھر نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اُس کے ہاتھ پر مُردے زندہ ہوتے ہیں۔ لما یحییکم۔ اور سب کو معلوم ہے کہ اس سے مُراد رُوحانی مُردوں کا زندہ ہونا ہے۔ پس مسلمان جو پادریوں کی متابعت میں عیسیٰؑ کے مُردے زندہ کرنے کے قائل تھے غلطی کرتے ہیں۔ پھر کہتے ہیں کہ جو مسِّ شیطان سے پاک ہے وہ صرف عیسیٰ اور اس کی ماں ہی تھی۔ دیکھو۔ اس میں نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی کس قدر ہتک ہے۔ ایسے ہی اور بہت سی خصوصیتیں ہیں جو مسلمانوں نے عیسیٰ کو دے رکھی ہیں جن سے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی ہتک لازم آتی ہے۔ اور ہم اس بات کو کبھی بھی گوارا نہیں کر سکتے کہ اس سیّد الرسل سے سے بڑھ کر کسی کو بنایا جاوے جو عیسیٰ سے بدرجہا افضل اور اعلےٰ تھا (اللّٰھم صلّ علےٰ سیّدنا محمّد)

مکالمات الٰہیہ

پھر ان مسلمانوں کا ہم سے اس بات میں اختلاف ہے کہ ہم اس بات کے قائل ہیں کہ خدا تعالیٰ کے مکالمات و مخاطبات اس امت کے لوگوں سے قیامت تک جاری ہیں اور یہ بالکل سچ ہے کیونکہ یہی تمام اولیاء امت کا مذہب رہا ہے۔ یاد رکھو کہ دین اسلام ایسا دین نہیں جس کے کمالات پیچھے رہ گئے ہیں اور آگے کے لئے اس میں کچھ نہیں۔ اگر یہ بات ہو اور اس کا دار و مدار بھی قصّوں پر ہی ہو تو پھر بتاؤ کہ اس میں اور دوسرے دینوں میں فرق کیا رہ گیا۔ اسلام میں اگر کوئی چیز مابہ الامتیاز ہے تو یہی کہ اس کے پیرو الہٰی

[1] الزمر: ۴۳

مکالمات و مخاطبات سے مشرف ہوتے ہیں۔ خشک توحید کے قائل تو اور مذاہب بھی ہیں مثلاً یہود پھر برہمو سماج۔ یہ سوال ہو سکتا ہے کہ لا الٰہ الا اللہ کے ساتھ محمد رسول اللہ پڑھنے کا کیا فائدہ ہے۔ یہی تو فائدہ ہے کہ سیدنا محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی متابعت و پیروی و تصدیق رسالت اللہ تعالےٰ کا محبوب بنا دیتی ہے اور ان انعامات کا وارث جو اگلے برگزیدہ انبیاء پر ہوئے۔ چنانچہ فرمایا۔ یجعل لکم فرقاناً[1] یعنی وہ تمہیں ایک فرقان دے گا۔ پس دوسرے مذاہب اور اس میں ایک مابہ الامتیاز اسی جہان میں ہونا ضروری ہے۔

ہم اپنی بات کا ذکر نہیں کرتے۔ ہمارے معاملہ کو الگ رکھ کر کوئی ہمیں سمجھائے کہ اگر اسلام بھی خشک توحید ہی لے کر آیا تھا جیسے کہ یہودی رکھتے ہیں اور برہمو سماج کے لوگ اس کے قائل ہیں۔ تو اتنا بڑا شریعت کا بوجھ ڈالنے کی کیا ضرورت تھی۔ ایک طرف تو مانتے ہیں کہ اسلام ایک زندہ مذہب ہے اور دوسری طرف اس میں کوئی مابہ الامتیاز نہیں بتاتے اور اس کے جو کمالات اور خوبیاں ہیں وہ بھی مُردوں میں بتاتے ہیں۔ گویا زندوں کے لئے کچھ نہیں۔

مصنوع سے صانع کی طرف جانا خدا تعالےٰ کی ہستی کا اعلیٰ ثبوت نہیں ہو سکتا بلکہ خداشناسی کا یہی ایک ذریعہ ہے کہ وہ خود انا الموجود کہے۔ پچھلے قصّے تو دوسرے مذاہب بھی سُناتے ہیں۔ پس اس کے مقابل میں اگر تم بھی دو چار گذشتہ قصّے سُنا دو تو اس میں بہتری کیا ہوئی اور اس بات کا کیا ثبوت ہے کہ جو کچھ تم کہتے ہو وہ تو سچ ہے مگر جو دوسرا بیان کرتا ہے کہ ہمارے راہنما نے یہ معجزہ دکھایا وہ غلط ہے۔ دیکھو انجیل میں ایسے معجزوں کا بھی ذکر ہے کہ جب عیسیٰؑ کو صلیب دیا گیا تو سب مُردے قبروں سے نکل آئے۔ ہماری عقل کا تو یہاں آ کر خاتمہ ہے کہ ایک شہر میں تمام مُردے کس طرح سما گئے۔ اور پھر باوجود ان کے نکلنے کے یہودیوں نے عیسیٰؑ کو کیوں نہ مانا۔ پس ایسے قصّوں کے

[1] الانفال : ۳۰

مقابلہ میں اگر ہماری طرف سے بھی قصے ہی ہوں تو کسی مخالف پر کیا اثر پڑ سکتا ہے۔

اس پر ایک صاحب نے پوچھا۔ شق القمر کی نسبت حضور کیا فرماتے ہیں؟

فرمایا:-

ہماری رائے میں یہی ہے کہ وہ ایک قسم کا خسوف تھا۔ ہم نے اس کے متعلق اپنی کتاب چشمۂ معرفت میں لکھ دیا ہے۔

پھر معراج کی نسبت سوال ہوا۔ فرمایا:-

بخاری میں جو اصح الکتب بعد کتاب اللہ الباری ہے، تمام معراج کا ذکر کر کے اخیر میں فاستیقظ لکھا ہے۔ اب تم خود سمجھ لو کہ وہ کیا تھا۔ قرآن مجید میں بھی اس کے لئے رؤیا کا لفظ ہے وما جعلنا الرءیا التی اریناک۔[1]

پھر دوسرے صاحب نے پوچھا کہ اسلام میں جو اور فرقے ہیں مثلاً حنفی، شافعی، نقشبندی، چشتی، قادری، کیا جیسا ان کا باہم اختلاف ہے ایسا ہی یہ ایک فرقہ ہے یا اس میں کچھ زیادہ ہے؟

فرمایا:-

ہمارے نزدیک تو یہ سب فرقے موجودہ صورت حالات میں اس تعلیم سے دُور ہیں جو نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے اسلام کے متعلق فرمائی۔ یہ طرح طرح کی بدعات میں گرفتار ہیں۔ ایسے درُود و وظائف اور ذکر کے طریقے نکال رکھے ہیں جو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہیں۔ اُن میں ایک ذکر ارّہ ہے جس کا نتیجہ یہ ہے کہ آدمی کو سِل ہو جاتی ہے بعض مجنون ہو جاتے ہیں جنہیں پیر ولی اللہ کہتے ہیں۔ اسلام میں ایسی پاگل کر دینے والی تعلیمات نہیں اور نہ یہ وصول الی اللہ کا طریقہ ہے۔ قرآن مجید میں تو یہ فرمایا قد افلح من زکّٰھا وقد خاب من دسّٰھا[2] جب انسان محض اللہ تعالیٰ کے لئے اپنے جذبات کو روک لیتا ہے تو اس کا نتیجہ دین و دُنیا میں کامیابی اور عزت ہے۔ فلاح

[1] بنی اسرائیل: ۶۱ [2] الشمس: ۱۰-۱۱

دو قسم کی ہے۔ تزکیۂ نفس حسب ہدایت نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کرنے سے آخرت میں بھی نجات ملتی ہے اور دُنیا میں بھی آرام ہوتا ہے۔ گناہ خود ایک دُکھ ہے۔ وہ بیمار ہیں جو گناہ میں لذت پاتے ہیں۔ بدی کا نتیجہ کبھی اچھا نہیں نکلتا۔ بعض شرابیوں کو میں نے دیکھا ہے کہ انہیں نزول الماء ہو گیا۔ مفلوج ہو گئے۔ رعشہ ہو گیا۔ سکتہ سے مر گئے۔ خدا تعالیٰ جو ایسی بدیوں سے روکتا ہے تو لوگوں کے بھلے کے لئے۔ جیسے ڈاکٹر اگر کسی بیمار کو پرہیز بتاتا ہے تو اس میں بیمار کا فائدہ ہے نہ کہ ڈاکٹر کا۔

پس فلاح جسمانی و رُوحانی پانی ہے۔ تم ان تمام آفات و منہیات سے پرہیز کرو۔ نفس کو بے قید نہ کرو کہ تم پر عذاب نہ آجائے۔ اللہ تعالیٰ نے کمال رحمت سے سب دکھوں سے بچنے کی راہ بتا دی۔ اب کوئی اگر ان دُکھوں سے، ان گناہوں سے نہ بچے تو اسلام پر اعتراض نہیں ہو سکتا۔

حاصل کلام دو قسم کے لوگ ہیں۔ ایک وہ جو نیچریت میں حد سے بڑھ گئے ہیں۔ قریب ہے کہ وہ دہریہ ہو جائیں۔ ان کے نزدیک ارکان صلوٰۃ ایک لغو حرکت ہے۔ وہ سمجھتے ہیں نبی بھی اُمّی۔ صحابہؓ بھی اُمّی۔ پس انہی کے لائق یہ حکم تھا۔ یہ افراط کا طریق ہے دوسرے وہ لوگ جو تفریط میں پڑے ہیں حقوق اسلام کو کھا گئے۔ فقیر ذکر اللہ کے طرح طرح کے طریقے نکال بیٹھے ہیں۔ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے کہ تم اُمَّۃً وسطاً ہو۔[1] پس اعتدال چاہیئے اور درمیانی راہ اختیار کرنی لازم ہے۔

ہمارے مخالفوں نے اپنے آپ کو کس طرح کافر بنایا

پھر اس معزز ملاقات کرنے والے (مسٹر فضل حسین صاحب بیرسٹرایٹ لاء) نے عرض کیا کہ اگر تمام غیر احمدیوں کو کافر کہا جائے تو پھر اسلام میں تو کچھ بھی نہیں رہتا۔

فرمایا:-

ہم کسی کلمہ گو کو اسلام سے خارج نہیں کہتے جب تک کہ وہ ہمیں کافر کہہ کر خود کافر

---

[1] البقرۃ: ۱۴۴

نہ بن جائے آپ کو شاید معلوم نہ ہو جب میں نے مامور ہونے کا دعویٰ کیا۔ تو اس کے بعد بٹالہ کے محمد حسین مولوی ابوسعید صاحب نے بڑی محنت سے ایک فتویٰ تیار کیا۔ جس میں لکھا تھا کہ یہ شخص کافر ہے، دجّال ہے۔ ضالّ ہے۔ اس کا جنازہ نہ پڑھا جائے جو اُن سے السلام علیکم کرے یا مصافحہ یا انہیں مسلمان کہے وہ بھی کافر۔ اب سُنو یہ ایک متفق علیہ مسئلہ ہے کہ جو مومن کو کافر کہے وہ کافر ہوتا ہے۔ پس اس مسئلہ سے ہم کس طرح انکار کر سکتے ہیں۔ آپ لوگ خود ہی کہدیں کہ ان حالات کے ماتحت ہمارے لئے کیا راہ ہے۔ ہم نے ان پر پہلے کوئی فتویٰ نہیں دیا۔ اب جو انہیں کافر کہا جاتا ہے تو یہ انہیں کے کافر بنانے کا نتیجہ ہے۔ ایک شخص نے ہم سے مباہلہ کی درخواست کی۔ ہم نے کہا کہ دو مسلمانوں میں مباہلہ جائز نہیں۔ اس نے جواب لکھا کہ ہم تو تجھے پکّا کافر سمجھتے ہیں۔

اس شخص نے عرض کیا کہ وہ آپ کو کافر کہتے ہیں تو کہیں لیکن اگر آپ نہ کہیں تو اس میں کیا حرج ہے؟

فرمایا کہ

جو ہمیں کافر نہیں کہتا ہم اسے ہرگز کافر نہیں کہتے لیکن جو ہمیں کافر کہتا ہے اُسے کافر نہ سمجھیں تو اس میں حدیث اور متفق علیہ مسئلہ کی مخالفت لازم آتی ہے اور یہ ہم سے نہیں ہو سکتا۔

اس شخص نے کہا کہ جو کافر نہیں کہتے ان کے ساتھ نماز پڑھنے میں کیا حرج ہے؟

فرمایا۔

لا یلدغ المومن من جحرٍ واحدٍ مرّتین۔ ہم خوب آزما چکے ہیں کہ ایسے لوگ دراصل منافق ہوتے ہیں ان کا حال ہے واذا لقوا الّذین اٰمنوا قالوا اٰمنّا واذا خلوا الیٰ شیاطینھم قالوا انا معکم انّما نحن مستھزءون[1]۔ یعنی

[1] البقرۃ : ۱۵

سامنے تو کہتے ہیں کہ ہماری تمہارے ساتھ کوئی مخالفت نہیں مگر جب اپنے لوگوں سے ملتے ہیں بالطبع ہوتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم اُن سے استہزاء کر رہے تھے۔ پس جب تک یہ لوگ ایک اشتہار نہ دیں کہ ہم سلسلہ احمدیہ کے لوگوں کو مومن سمجھتے ہیں بلکہ ان کو کافر کہنے والوں کو کافر سمجھتے ہیں۔ تو میں آج ہی اپنی تمام جماعت کو حکم دے دیتا ہوں کہ وہ ان کے ساتھ مل کر نماز پڑھ لیں۔ ہم سچائی کے پابند ہیں۔ آپ ہمیں شریعتِ اسلام سے باہر مجبور نہیں کر سکتے۔ جب اس میں یہ بالاتفاق مسلمہ مسئلہ ہے کہ مومن کو کافر کہنے والا خود کافر ہے تو ہم انہیں کس طرح مسلمان کہیں؟ اور ان مکفرین اہل حق کو کافر نہ جانیں؟ ہم کس طرح سمجھیں کہ وہ سچے مسلمان ہیں جب ان کے دلوں میں نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے قول کی عظمت نہیں ہے حالانکہ ہر مسلمان پر فرض ہے کہ وہ اپنے سید و مولیٰ نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے قول کا پاس کرے اور جو کچھ انہوں نے فرمایا اسی کے مطابق عقیدہ رکھے۔

اس پر اس شخص نے پھر مکرر وہی کہا۔ آپ نے پھر بالتفصیل سمجھایا کہ

دیکھو۔ پہلے اپنے ملّاں لوگوں سے پوچھ تو دیکھیں کہ وہ ہمیں کیا سمجھتے ہیں۔ وہ تو کہتے ہیں یہ ایسا کافر ہے کہ یہود و نصاریٰ سے بھی اس کا کفر بڑھ کر ہے۔ پس جیسا کہ یوسف علیہ السلام کو جب مخلصی کا پیغام پہنچا تو آپ نے فرمایا۔ پہلے ان سے یہ تو پوچھو کہ میرا قصور کیا ہے۔ سو آپ صلح سے پہلے یہ تو پوچھئے کہ ہم میں کفر کی کونسی بات ہے۔ ہم تو جو کچھ کرتے ہیں جو کہتے ہیں سب میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی عظمت، جلال و عزّت کا اظہار موجود ہے۔ قرآن مجید میں ہے فمنھم ظالم لنفسہٖ ومنھم مقتصد ومنھم سابقٌ بالخیرات[۱]۔ ہم تو تینوں طبقوں کے لوگوں کو مسلمان کہتے ہیں مگر ان کو کیا کہیں کہ جو مومن کو کافر کہیں۔ جو ہمیں کافر نہیں کہتے ہم انہیں بھی اس وقت تک ان کے ساتھ سمجھیں گے جب تک کہ وہ اُن سے اپنے الگ ہونے کا اعلان بذریعہ اشتہار نہ کریں اور ساتھ ہی نام بنام یہ نہ لکھیں کہ ہم ان مکفرین کو بموجب حدیث صحیح کافر سمجھتے ہیں۔

[۱] فاطر: ۳۳

تعلیم نسواں

پھر دوسرے صاحب نے پوچھا کہ تعلیم نسواں کے متعلق آپ کے کیا خیالات ہیں؟

فرمایا:-

حدیث ہے۔ طلب العلم فریضۃ علےٰ کل مسلم و مسلمۃ۔ میں پہلے مردوں کا ذکر کرتا ہوں کہ قبل اس کے جو اسلام کی حقیقت معلوم ہو اور اس کی خوبیاں معلوم ہوں پہلے ان علوم[ل] کی طرف مشغول ہو جانا سخت خطرناک ہے۔ چھوٹے بچوں کو جب دین سے بالکل آگاہ نہ کیا جائے اور صرف مدرسہ کی تعلیم دی جائے تو وہی باتیں ان کے بدن میں شیرِ مادر کی طرح رچ جائیں گی۔ پھر سوا اس کے اَور کیا ہے کہ وہ اسلام سے پھر جائیں۔ عیسائی تو بہت کم ہوں کیونکہ تثلیث و کفارہ اور ایک انسان کو خدا ماننے کا عقیدہ ہی کچھ ایسا لغو ہے کہ اسے کوئی عقیل و فہیم قبول نہیں کر سکتا۔ البتہ دہریہ ہو جانے کا بہت خطرہ ہے۔ پس ضرور ہے کہ پہلے روز ساتھ ساتھ رُوحانی فلسفہ پڑھایا جاوے۔ جب آجکل کی تعلیم نے مَردوں پہ مذہب کے لحاظ سے اچھا اثر نہیں کیا تو پھر عورتوں پہ کیا توقع ہے۔ ہم تعلیم نسواں کے مخالف نہیں ہیں بلکہ ہم نے تو ایک سکول بھی کھول رکھا ہے۔ مگر یہ ضروری سمجھتے ہیں کہ پہلے دین کا قلعہ محفوظ کیا جائے تا بیرونی باطل تاثرات سے محفوظ رہیں۔ اللہ تعالیٰ ہر ایک کو سواء السبیل، توبہ، تقوےٰ و طہارت کی توفیق دے۔

ملازمت کیسی ہو

فرمایا:-

ملازمت اگر منہیات سے روکے تو ایک نعمت ہے جو ہر طرح سے قابلِ شکریہ

[ل] حضور کا اشارہ مروجہ دنیاوی علوم کی طرف ہے (مرتب)

ہے اور اگر برخلاف اس کے بدافعال کا مرتکب کرے تو پھر ایک لعنت ہے جس سے بچنا لازم ہے۔

تعلق سے فائدہ

تعلق پیدا کرنا بڑے کام کی چیز ہے۔ دیکھو کوئی چور ہے اور ایک شخص کا بڑا دوست ہے۔ وہ شخص اس سے احسان و مدارات سے پیش آتا ہے تو وہ چور خواہ کس قدر بُرا ہے مگر اس شخص کی کبھی چوری نہ کرے گا اور کبھی اس کے گھر میں نقب نہیں لگائے گا تو کیا خدا چور جیسا بھی نہیں؟ کیا خدا سے وفاداری کا تعلق بے فائدہ جا سکتا ہے؟ ہرگز نہیں۔

تمام اخلاق حمیدہ اسی کے صفات کا پرتو ہیں۔ جو سچے دل سے اس کے پاس آتے ہیں وہ ان میں اور ان کے غیر میں ایک فرقان رکھ دیتا ہے۔

خوف الٰہی

صوفی کہتے ہیں جس شخص پر چالیس دن گذر جائیں اور خدا کے خوف سے ایک دفعہ بھی اس کی آنکھوں سے آنسو جاری نہ ہوں تو ان کی نسبت اندیشہ ہے کہ وہ بے ایمان ہو کر مرے۔ اب ایسے بھی بندگانِ خدا ہیں کہ چالیس دن کی بجائے چالیس سال گذر جاتے ہیں اور ان کی اس طرف توجہ ہی نہیں ہوتی۔ دانشمند انسان وہ ہے جو بلا آنے سے پہلے بلا سے بچنے کا سامان کرے۔ جب بلا نازل ہو جاتی ہے۔ تو اُس وقت نہ سائنس کام دیتی ہے اور نہ دولت۔ دوست بھی اس وقت تک ہیں جب تک صحت ہے۔ پھر تو پانی دینے کے لئے بھی کوئی نہیں ملتا۔ آفات بہت ہیں۔ ہمارے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جلدی توبہ کرو۔ کہ انسان کے گرد چیونٹیوں سے بڑھ کر

بلائیں ہیں۔ جن لوگوں کا تعلق خدا تعالیٰ سے ہے جس طرح وہ بلاؤں سے بچائے جاتے ہیں دوسرے ہرگز نہیں بچائے جاتے۔ تعلق بڑی چیز ہے کہ ؎

بہ زیرِ سلسلہ رفتن طریقِ عیاری است

کوئی انسان نہیں جس کے لئے آفات کا حصہ موجود نہیں۔ اِنَّ مَعَ الْعُسْرِ یُسْرًا[1] انسان کو مایوس کبھی نہیں ہونا چاہیئے ؎

بر کریماں کارہا دشوار نیست

ایک منٹ میں کچھ کا کچھ کر دیتا ہے ؎

نومید ہم مباش کہ رندان بادہ نوش

ناگاہ بیک خروش بمنزل رسیدہ اند

امن اور صحت کے زمانہ کی قدر کرو۔ جو امن و صحت کے زمانے میں خدا تعالیٰ کی طرف رجوع کرتا ہے خدا تعالیٰ اس کی تکلیف و بیماری کے زمانہ میں مدد کرتا ہے سچے دل سے تضرع ایک حصار ہے جس پر کوئی بیرونی حملہ آوری نہیں ہو سکتی۔

(بدر جلد ۷ نمبر ۱۹-۲۰ صفحہ ۴ تا ۷ مورخہ ۲۴ مئی ۱۹۰۸ء)

[1] الم نشرح : ۷

۱۷ مئی ۱۹۰۸ء

تقریر حضرت اقدس علیہ السلام

۱۱ بجے صبح تا ایک بجے دوپہر

بمقام لاہور

تکمیل التبلیغ و اتمام الحجۃ[1]

شکریہ

مجھے اس وقت اس بات کا اظہار ضروری اور مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت ہمیں تین قسم کا شکر کرنا چاہیئے۔

سب سے مقدم اللہ کا شکر ہے جس نے ہمیں زندگی دی، صحت دی، تندرستی بخشی، امن دیا اور اشاعتِ دین کے لئے سامان مہیا کر دیئے اور حقیقتاً سچی بات

[1] بدر نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی یہ تقریر "البلاغ المبین" کے زیر عنوان ۲۵ جون ۱۹۰۸ء کے پرچہ میں درج کی ہے جس کے شروع میں یہ نوٹ لکھا ہے:-

"۱۷ مئی ۱۹۰۸ء کا وجد انگیز نظارہ آخر دم تک مجھے یاد رہے گا جب خدا تعالیٰ کے ہاتھوں سے معطّر کیا ہوا مسیح گیارہ بجے معزز رؤسا و امراء لاہور کے سامنے ایک تقریر فرما رہا تھا۔ تقریر کیا تھی۔ معرفت کا ایک سمندر تھا جو اپنے پورے جوش میں تھا۔ عرفان کا ایک بادل تھا جو ابرِ رحمت بن کر اُن پر برسا۔ وہ ایک آخری پیغام تھا جو دارالخلافہ میں عزالخلافت نے اپنے قادر و توانا مالک الملکوت سلطان الجبروت کی طرف سے پہنچایا۔ بارہ بج گئے اور آپ نے فرمایا کھانے کا وقت گذرا جاتا ہے چاہو تو میں اپنی تقریر بند کر دوں مگر سب نے یہی کہا کہ یہ کھانا تو ہم روز کھاتے ہیں۔ ہمیں رُوحانی غذا کی ضرورت ہے چنانچہ تقریر ایک بجے ختم ہوئی۔ اللہ تعالیٰ خواجہ کمال الدین صاحب پلیڈر چیف کورٹ کی مساعی جمیلہ کو مشکور کریں جنہوں نے اپنے دوستوں (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

یہی ہے کہ اگر خدا تعالےٰ کی ان نعمتوں کا شمار کرنا چاہیں تو ہرگز ممکن نہیں کہ اس خدا کی مہربانیوں اور احسانوں کا شمار کر سکیں۔[1]

انعامات کی دو قسمیں

اس کے انعامات ہر دو رُوحانی اور جسمانی رنگ میں محیط ہیں اور جیسا کہ سورہ فاتحہ میں جو کہ سب سے پہلی سُورۃ ہے اور تمام قرآن شریف اسی کی شرح اور تفسیر ہے اور وہ پنجوقت نمازوں میں بار بار پڑھی جاتی ہے۔ اس کا نام ہے ربّ العالمین یعنی ہر حالت میں اور ہر جگہ پر اسی کی رُبُوبیّت سے انسان زندگی اور ترقی پاتا ہے۔ اور اگر عمیق نظر سے دیکھا جاوے تو حقیقت میں انسانی زندگی کی بقار اور آسودگی اور آرام، راحت وچین اسی صفت الٰہی سے وابستہ ہے۔ اگر اللہ تعالےٰ اپنی صفتِ رحمانیت کا استعمال نہ کرے اور دُنیا سے اپنی رحمانیت کا سایہ اُٹھالے تو دُنیا تباہ ہو جاوے۔ پھر اس سورۃ میں اللہ تعالیٰ نے اپنا نام رحمٰن اور رحیم رکھا ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ اللہ تعالےٰ کی صفت رحمٰن اور رحیم میں فرق بیان کر دوں۔

رحمٰن اور رحیم میں فرق

سو یاد رکھنا چاہیئے کہ اللہ تعالےٰ کی اس رحمت کا نام جو بغیر کسی عوض یا انسانی عمل، محنت اور کوشش کے انسان کے شاملِ حال ہوتی ہے رحمانیت ہے مثلاً اللہ تعالیٰ نے نظامِ دُنیا بنا دیا، سُورج پیدا کیا، چاند بنایا ستارے پیدا کئے، ہوا، پانی، اناج بنائے۔ بھلاری طرح طرح کی امراض کے واسطے شفابخش دوائیں پیدا

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ۔ کے لئے حضور سے نیاز حاصل کرنے اور ان کے کلمات طیبات سُننے کا یہ موقعہ دعوت کے رنگ میں نکال دیا" (بدر جلد ۶ نمبر ۲۵ صفحہ ۳ مورخہ ۲۰ جون ۱۹۰۷ء)

[1] بدر سے:- " و ان تعدّوا نعمت اللہ لا تحصوھا "[1]

(حوالہ مذکور)

[1] : ابراھیم : ۳۵

کیں۔ غرض اسی طرح کے ہزاروں ہزار انعامات ایسے ہیں کہ بغیر ہمارے کسی عمل یا محنت و کوشش کے اس نے محض اپنے فضل سے پیدا کر دیئے ہیں۔ اگر انسان ایک عمیق نظر سے دیکھے تو لاکھوں انعامات ایسے پائے گا اور اس کو کوئی وجہ انکار کی نہ ملے گی اور ماننا ہی پڑے گا کہ وہ انعامات اور سامان راحت جو ہمارے وجود سے بھی پہلے کئے ہیں بھلا وہ ہمارے کس عمل کا نتیجہ ہیں؟

دیکھو یہ زمین اور یہ آسمان اور ان میں کی تمام چیزیں اور خود ہماری بناوٹ اور وہ حالت کہ جب ہم ماؤں کے پیٹ میں تھے اور اس وقت کے قویٰ یہ سب ہمارے کس عمل کا نتیجہ ہیں۔ میں ان لوگوں کا یہاں بیان نہیں کرنا چاہتا جو تناسخ کے قائل ہیں مگر اس اتنا بیان کئے بغیر رہ بھی نہیں سکتا کہ اللہ تعالیٰ کے ہم پر اتنے لاتعداد انعام اور فضل ہیں کہ ان کو کسی ترازو میں وزن نہیں کر سکتے۔ بھلا کوئی بتا تو دے کہ یہ انعامات کہ چاند بنایا، سورج بنایا، زمین بنائی اور ہماری تمام ضروریات ہماری پیدائش سے بھی پہلے مہیا کر دیں۔ یہ کل انعامات کس عمل کے ساتھ وزن کریں گے؟

پس ضروری طور سے یہ ماننا پڑے گا کہ خدا تعالیٰ رحمٰن ہے اور اس کے لاکھوں فضل ایسے بھی ہیں کہ جو محض اس کی رحمانیت کی وجہ سے ہمارے شامل حال ہیں اور اس کے وہ عطایا ہمارے کسی گذشتہ عمل کا نتیجہ نہیں ہیں اور کہ جو لوگ ان امور کو اپنے کسی گذشتہ عمل کا نتیجہ خیال کرتے ہیں وہ محض کوتاہ اندیشی اور جہالت کی وجہ سے ایسا کرتے ہیں۔ خدا تعالیٰ کا فضل اور رحمانیت ہماری روحانی جسمانی تکمیل کی غرض سے ہے اور کوئی دعویٰ نہیں کر سکتا کہ یہ میرے اعمال کا نتیجہ ہیں۔

الرّحیم انسان کی سچی محنت اور کوشش کا بدلہ دیتا ہے۔ ایک کسان سچی محنت اور کوشش کرتا ہے اس کے مقابل میں یہ عادت اللہ ہے کہ وہ اس کی محنت اور کوشش کو ضائع نہیں کرتا اور بابرگ و بار کرتا ہے۔ شاذ و نادر حکم عدم کا رکھتا ہے[1]

[1] حاشیہ اگلے صفحہ پر ملاحظہ ہو۔

صفت ربوبیت

اللہ کی ایک صفت ربّ ہے۔ یعنی پرورش کرنے اور تربیت کرنے والا۔ کیا رُوحانی اور کیا جسمانی دونو قسم کے قویٰ اللہ تعالیٰ نے ہی انسان میں رکھے ہیں۔ اگر قویٰ ہی نہ رکھے ہوتے تو انسان ترقی ہی کیسے کر سکتا۔ جسمانی ترقیات کے واسطے بھی اللہ تعالےٰ ہی کے فضل و کرم اور انعام کے گیت گانے چاہئیں کہ اس نے قویٰ رکھے اور پھر ان میں ترقی کرنے کی طاقت بھی فطرتاً رکھ دی۔

صفت مالکیت

مالک یوم الدّین[1]۔ خدا مالک ہے جزا سزا کے دن کا۔ ایک رنگ میں اسی دُنیا میں بھی جزا سزا ملتی ہے۔ ہم روزمرّہ مشاہدہ کرتے ہیں کہ چور چوری کرتا ہے۔ ایک روز نہ پکڑا جاوے گا دو روز نہ پکڑا جاوے گا آخر ایک روز پکڑا جائے گا اور زندان میں جائے گا اور اپنے کئے کی سزا بھگتے گا۔ یہی حال زانی، شراب خور اور طرح طرح کے فسق و فجور میں بے قید زندگی بسر کرنے والوں کا ہے کہ ایک خاص وقت تک خدا کی شان ستاری ان کی پردہ پوشی کرتی ہے۔ آخر وہ طرح طرح کے عذابوں میں مبتلا ہو جاتے ہیں اور دُکھوں میں مبتلا ہو کر اُن کی زندگی تلخ ہو جاتی ہے اور یہ اس اخروی دوزخ کی سزا کا نمونہ ہے۔ اسی طرح سے جو لوگ سرگرمی سے نیکی کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے احکام کی پابندی اور فرماں برداری ان کی زندگی کا اعلیٰ فرض ہوتا ہے تو خدا تعالےٰ اُن کی نیکی کو بھی ضائع نہیں کرتا اور مقررہ وقت پر ان کی نیکی بھی پھل لاتی اور بار آور ہو کر دُنیا میں ہی ان کے واسطے ایک نمونہ کے طور پر مثالی جنّت حاصل کر دیتی ہے۔

حاشیہ متعلقہ صفحہ گذشتہ:۔ بدر سے۔ "کسی پوشیدہ حکمت یا کاشتکار کی بدعملی کی وجہ سے فصل برباد ہو جائے تو یہ علیحدہ بات ہے۔ یہ شاذ و نادر کالمعدوم کا حکم رکھتی ہے" (بدر حوالہ مذکورہ)

[1] الفاتحہ : ۴

غرض جتنے بھی بدیوں کا ارتکاب کرنے والے، فاسق، فاجر، شرابخور اور زانی ہیں۔ ان کو خدا کا اور روز جزا کا خیال آنا تو درکنار۔ اسی دنیا میں ہی اپنی صحت، تندرستی، عافیت اور اعلیٰ قویٰ کھو بیٹھتے ہیں اور پھر بڑی حسرت اور مایوسی سے ان کو زندگی کے دن پُورے کرنے پڑتے ہیں۔ سِل، دق، سکتہ اور رعشہ اور اَور خطرناک امراض ان کے شامل حال ہو کر مَرنے سے پہلے ہی مَر رہتے اور آخر کار بے وقت اور قبل از وقت موت کا لقمہ بن جاتے ہیں۔

پس انسان کو چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ کے احسانات اور انعامات کا جو اس نے انسانی تربیت اور تکمیل کے واسطے مہیا کئے ہیں۔ ان کا خیال کر کے اس کا شکریہ کرے اور غور کرے کہ اتنے قویٰ اس کو کس نے عطا کئے ہیں۔ انسان شکر کرے یا نہ کرے ۔ ۔ یہ اس کی اپنی مرضی ہے۔ لیکن اگر فطرت سلیم رکھتا ہے اور سوچ کر دیکھے گا تو اس کو معلوم ہوگا کہ کیا ظاہری اور کیا باطنی ہر قسم کے قویٰ اللہ تعالیٰ ہی کے دیئے ہوئے ہیں اور اسی کے تصرف میں ہیں۔ چاہے تو ان کو شکر کی وجہ سے ترقی دے اور چاہے تو ناشکری کی وجہ سے ایک دم ضائع کر دے۔ غور کا مقام ہے کہ اگر یہ تمام قویٰ خود انسان کے اپنے اختیار اور تصرف میں ہوں تو کون ہے کہ اس کا مَرنے کو جی چاہے۔ انسان کا دل دُنیا کی محبت کی گرمی کی وجہ سے آخرت سے بے فکری و سرد مہری اختیار کر لیتا ہے۔ غافل انسان ایسا نادان ہے کہ اگر اس کو خدا سے پروانہ بھی آجاوے کہ تمہیں بہشت ملے گا۔ آرام ہوگا اور طرح طرح کے باغ اور نہریں عطا کی جاویں گی۔ تمہیں اجازت ہے اور تمہاری اپنی خواہش اور خوشی پر منحصر ہے کہ چاہو تو ہمارے پاس آجاؤ اور چاہو تو دُنیا میں ہی رہو۔ تو یاد رکھو کہ بہت سے لوگ ایسے ہوں گے کہ وہ اسی دنیا کے گذارہ کو ہی پسند کریں گے اور باوجود طرح طرح کی تلخیوں اور مشکلات کے اسی دنیا سے محبت کریں گے۔

دیکھو عمر کا بھروسہ نہیں۔ زمانہ بڑا ہی نازک آگیا ہے۔ آپ لوگ دیکھتے ہوں گے کہ

ہر سال کئی دوست اور کئی دشمن، کئی عزیز اور کئی پیارے بھائی اور بہن اس دُنیا سے کُوچ کر جاتے ہیں اور ان میں سے کوئی بھی عزیز سے عزیز اور قریبی سے قریبی رشتہ دار انسان کی مشکلات میں سہارا دینے والا نہیں ہو سکتا۔ مگر بایں ہمہ انسان جس قدر محنت اور کوشش اور مجاہدہ ان کے واسطے اور اپنے دنیوی امور کے واسطے کرتا ہے۔ وہ بمقابلہ خدا کے بہت ہی بڑھا ہوا ہے۔ خدا تعالےٰ کی عبادت اور فرماں برداری اور اس کی راہ میں کوشش اور سوز و گداز بہت کچھ نابود ہے۔ اعتدال نہیں کیا گیا۔ دنیا حدّ اعتدال سے باہر ہو چکی ہے۔ دنیوی کاروبار میں ترقی کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور ترقی ہو رہی ہے۔ مگر بھلا کسی نے ایسی کوشش بھی کی ہے کہ ایک دن اس کی موت کا مقرر ہے۔ اس سے بھی یہ خود اپنے آپ کو یا کوئی دوسرا شخص اس کو باز رکھ سکے یا بچا سکے۔ ہرگز نہیں۔ بلکہ اگر کوئی موت کا یاد دلانے والا ہوگا تو اس کی بھی پروا نہ کریں گے اور ہنسی ٹھٹھے میں ٹال دیں گے۔ اکثر انسان بہت ہی غلطی پر ہیں۔

توجہ الی اللہ اور دُنیا

دیکھو یہ نہ سمجھنا کہ ان باتوں سے میرا مطلب یہ ہے کہ تم تجارت نہ کرو یا کاروبار دنیا کو ترک کر کے بیٹھ جاؤ۔ عیال و اطفال جو تمہارے گلے میں پڑے ہوئے ہیں اُن کی خبر گیری نہ کرو یا بیوی بچوں یا بنی نوع انسان کے بعض حقوق جو تمہاری ذمہ داری میں داخل ہیں ان کی پروا نہ کرو۔ نہیں بلکہ مطلب یہ ہے کہ ان کو بھی بجا لاؤ اور خدا تعالیٰ سے بھی غافل نہ ہو۔ . . . . وہ جب تم اپنی دنیوی آنی اور فانی ضروریات میں اس طرح کا انہماک اور استغراق پیدا کرتے ہو تو خدا تعالیٰ سے مُنہ پھیر لینا اور اس کی رضا جوئی اور خوشنودی کے حصول کے واسطے کوشش نہ کرنا اور خدا تعالیٰ سے مُنہ پھیر لینا بھلا کس عقلمندی کا کام ہے۔ وہ خدا جس نے ابتدا میں پیدا کیا، اور درمیانی حالات بھی اس کے قبضہ اور تصرف میں ہیں اور انجام کار بھی اسی

کی حکومت اور اسی سے واسطہ پڑے گا۔ اس خدا سے فارغ محض اور غافل ہو جانا اس کا نتیجہ ہرگز خیر نہیں ہو سکے گا۔ وہ خدا جس کے انعامات انسان کے ساتھ ہر حال میں شامل رہتے ہیں اور وہ بے شمار اور بے اندازہ احسانات ہیں اسی کا شکر کرتے رہنا بہت ضروری ہے۔ شُکر اسی کو کہتے ہیں کہ سچے دل سے اقرار کرے کہ واقعی اللہ تعالےٰ کی رحمتیں ایسی ہیں کہ بیشمار اور بے اندازہ ہیں۔

دوسری بات جو میں کہنا چاہتا ہوں اور کہوں گا گو بعض لوگ اسے ظاہری خیال یا بناوٹ یا کچھ سمجھیں وہ یہ ہے کہ گورنمنٹ انگریزی کا احسان ہم مسلمانوں پر بہت بڑا احسان ہے اور وہ اس قابل ہے کہ اس کا شکریہ ادا کیا جاوے۔ سوچ کر دیکھ لو۔ جاننے والے جانتے ہیں کہ اس عہد حکومت سے پہلے سکھوں کے زمانہ میں ہی ہم لوگوں پر کیسے کیسے مشکلات تھے۔ ہمارے باپ دادا کی حالت کیسی خطروں میں گھری ہوئی تھی اور احکام شرعیہ کا رواج تو بجائے خود اذان تک تو اُونچی آواز سے کوئی کہہ نہ سکتا تھا۔ بلند آواز سے اذان کہنا ایک ایسا جُرم تھا جس کی سزا موت ہوتی تھی۔ کسی قسم کے حلال شرعیہ بھی استعمال نہ کئے جا سکتے تھے۔ بات بات پر انسان کیڑوں مکوڑوں کی طرح ذلت سے ہلاک کر دیا جاتا تھا مگر آج اس عہد حکومت میں کیسا امن کیسی آزادی ہے کہ ہر ایک مسلمان بشرطیکہ اپنی نیت میں خرابی نہ رکھتا ہو تکمیل دین کے واسطے ہر کام کو آزادی سے ادا کر سکتا ہے۔ چاہے جس زور سے اذانیں کہو، نمازیں پڑھو، اعمال بجا لاؤ۔ علوم کی تحصیل کرو یا کسی کا ردّ لکھو۔ خواہ خود عیسائیوں کا ردّ لکھو کوئی ناراضگی نہیں۔

ابھی چند روز کا ذکر ہے کہ جناب فنانشل کمشنر صاحب بہادر دورہ کرتے ہوئے قادیان میں تشریف لائے۔ ملاقات کے وقت انہوں نے بیان کیا کہ کیسی آزادی ہے کہ ہر ایک شخص ایک خاص حد تک جو قانون کی حد سے نکل نہ جاوے۔ آزادی سے خیالات کا اظہار کر سکتا ہے۔ کتابیں لکھ سکتا ہے۔ تقریریں کر سکتا ہے۔ اگر کوئی تعصب ہوتا تو

عیسائیوں کے رد کرنے والوں پر تو کم از کم سختی کی جاتی۔

غرض یہ امر اس گورنمنٹ کی انصاف پسندی اور بے تعصبی کا ایک عمدہ نمونہ اور دلیل ہے۔ مگر مسلمان کا یہ فرض ہے کہ بات کو اس حد تک نہ پہنچاوے کہ قانونی گرفت کے اندر آجائے اور جُرم کی حد تک پہنچا دے۔ پس یاد رکھو کہ اگر کوئی شخص مسلمان ہو کر اس کی نافرمانی کرتا ہے تو وہ خدا کی نافرمانی کرتا ہے۔ حدیث میں آیا ہے کہ جو شخص بندے کا شکر نہیں کرتا وہ خدا کا بھی شکر گذار نہیں بن سکتا۔

یاد رکھو کہ گورنمنٹ کی ناراضگی کی وجہ بغاوت ہوتی ہے ورنہ جائز طور سے دینی معاملات کی انجام دہی اور امن کی زندگی گذارنے سے گورنمنٹ ہرگز کسی پر عتاب نہیں کرتی۔ ایسے صلح کاری، امن پسندی اور انصاف شعاری کے اصول رکھنے والی گورنمنٹ کا شکریہ نہ کرنا بھی گناہ ہے۔ پس مسلمانوں پر عموماً اور ہماری جماعت پر خصوصاً واجب ہے کہ اپنی مہربان گورنمنٹ کا بھی شکریہ ادا کریں۔ اگر یہ گورنمنٹ سر پر نہ ہو تو پھر دیکھ لو کہ کیا حال ہوتا ہے۔ انسان کس طرح سے بے دریغ بھیڑ بکری کی طرح ذبح کئے جاتے ہیں۔ اس گورنمنٹ کی حکومت آئی تو اُن پر کیا الزام۔ یہ تو مشیتِ ایزدی ہی اسی طرح پر واقع ہوئی تھی۔ مسلمان بادشاہوں نے اپنے فرائض کو چھوڑ دیا۔ عیش وعشرت میں پڑ کر حکومت اور رعایا کے حقوق کی پروا نہ کی۔ عورتوں کی طرح زیب و زینت میں مصروف ہو گئے۔ سیاست مدن کے امور کو ترک کر دیا۔ خدا نے اُن کو نا اہل اور اِن کو اہل پا کر عنان حکومت انہی کے ہاتھ میں دی۔ یہ اگر کسی پر سختی بھی کرتے ہیں تو کسی وجہ سے۔ البتہ اگر کسی معاملہ میں علم نہ ہو تو مجبوری ہے کیونکہ بے علمی کی وجہ سے تو زاہد اور پارسا آدمی بھی غلطی کر بیٹھتے ہیں۔ دیدہ دانستہ ظلم کو ہرگز پسند نہیں کرتے بلکہ سلیم الطبع حکام بعض اوقات ظاہری امور کی پروا نہ کر کے اور ان سے تسلّی نہ پانے کی وجہ سے مقدمات کی تہہ نکالنے کے واسطے اور اصلیت دریافت کرنے کی غرض سے اکثر بڑی محنت اور جانفشانی اور سچی انصاف پسندی سے کام کرتے ہیں۔

ہمارا ہی ایک مقدمہ تھا جو کہ ایک معزز پادری نے ہم پر اقدام قتل کا کیا کہ گویا ہم نے اس کے قتل کرنے کے واسطے آدمی بھیجا۔ عبدالحمید اس کا نام تھا۔ آٹھ نو آدمی گواہ بھی گذر گئے۔ وہی نہیں بلکہ مولوی ابو سعید محمد حسین صاحب جو کہ مسلمانوں کے پیشوا کہلاتے ہیں۔ انہوں نے بھی ایسی گواہی دی۔ جس منصف مزاج حاکم کی عدالت میں ہمارا مقدمہ تھا۔ اس کا نام ڈگلس تھا اُس نے ان سب امور کے ہوتے ہوئے کہا کہ مجھ سے ایسی بدذاتی نہیں ہو سکتی کہ اس طرح سے ایک بے گناہ انسان کو ہلاک کر دُوں اور حالانکہ مقدمہ سیشن سپرد کرنے کے واثق ہو گیا تھا مگر اس نے پھر کپتان صاحب پولیس کو حکم دیا کہ اس کی اچھی طرح سے تحقیقات کی جاوے۔ چنانچہ آخر کار اُسی عبدالحمید نے اقرار کیا کہ مجھے اصل میں ان پادریوں نے سکھایا تھا کہ میں ایسا کہوں۔ اصل میں کوئی بات نہیں۔ یہ معلوم کر کے وہ ایسا خوش ہوا اور ہمیں اس کے تبسم سے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ایسا خوش ہے جیسا کہ کسی کو بہت سا مال و دولت حاصل ہونے کی بھی اتنی خوشی نہیں ہوتی اور آخر کار خود مجھے کہا کہ مبارک ہو آپ بَری کئے گئے۔ اب بتائیے کہ اگر کسی مسلمان کی عدالت میں ایسا مقدمہ ہوتا تو وہ ایسا کر سکتا تھا؟ اور وہ اس طرح سے صفائی اور انصاف کی جستجو کر سکتا تھا؟ ہرگز نہیں۔ بلکہ ہمیں تو حالات موجودہ کے ماتحت یہی امید پڑتی ہے کہ اگر کسی مسلمان کے پاس ہمارا ایسا مقدمہ ہوتا تو وہ ہمیں ضرور ہی خوار کرتا۔ آٹھ نو گواہ گذر چکے تھے۔ مسل مکمل ہو چکی تھی۔ اب چھوڑتا تو کیونکر؟ مگر یہ قوم ہے کہ اس کو اسی انصاف کی وجہ سے ہر جگہ فتح نصیب ہوئی ہے۔ جب کوئی جس قدر انصاف اختیار کرتا ہے اسی قدر روشن ضمیری بھی اسے عطا کی جاتی ہے۔ مخالفت دینی اور مذہبی اَور چیز ہے اور حکومت اَور چیز ہے۔ اگر عدالت کو مدنظر نہ رکھیں تو ایک دن میں یہ تختہ اُلٹ جاوے۔

مسلمانوں کا یہ خیال کہ ہمیں اعلیٰ اعلیٰ عہدے کیوں نہیں دیئے جاتے یہ اُن کی اپنی غلطی ہے۔ یاد رکھو کہ کوئی کام جب تک پہلے آسمان پر نہیں ہو لیتا زمین پر ہرگز نہیں

ہو سکتا۔ خود نیک چلنی اختیار کرو اور اپنی حالت کو سنوارو۔ اس قابل ہو کہ خدا تعالےٰ کی نظر میں آسمان پر تم اس قابل ٹھہر جاؤ کہ تمہیں عزت مل سکے تو پھر خود خدا تعالےٰ تمہیں سب کچھ دے دے گا۔ اپنی حالتوں کو بدلو کہ تا خدا تعالےٰ بھی تمہارے واسطے کوئی اور راہ بنا دے۔ ورنہ یاد رکھو کہ خدا تعالےٰ نہیں چھوڑے گا جب تک کہ تم اپنی حالت کو نہیں سنوارو گے۔

تیسرا مقام خدا تعالیٰ کے شکر کا یہ ہے کہ یہ خاص خدا تعالےٰ کا فضل ہے کہ اُس نے آپ لوگوں کے دلوں میں اس طرف توجہ ڈالی اور آپ لوگ یہاں تکلیف اُٹھا کر تشریف لائے۔ خدا کرے کہ جس طرح ہم جسمانی طور سے مل کر بیٹھے ہیں اور جسمانی ملاقات ہوئی ہے اسی طرح ایک دن وہ بھی آوے کہ رُوحانی طور سے بھی ہم مل بیٹھیں۔ خدا تعالیٰ نے انسان کو زبان دی اور ایک دل بخشا ہے۔ صرف زبان سے کوئی فتح نہیں ہو سکتی۔ دلوں کو فتح کرنے والا دل ہی ہوتا ہے جو قوم صرف زبانی ہی زبانی جمع خرچ کرتی ہے۔ یاد رکھو کہ وہ کبھی بھی فتحیاب نہیں ہو سکتی۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کا نمونہ دیکھو کہ کیا اُن کے پاس کوئی ظاہری سامان تھے؟ ہرگز نہیں۔ مگر پھر باایں ہمہ کہ وہ بے سروسامان تھے اور دشمن کثیر اور ہر طرح کے سامان اسے مہیّا تھے ان کو خدا تعالیٰ نے کیسی کیسی بے نظیر کامیابیاں عطا کیں بھلا کہیں کسی تاریخ میں ایسی کامیابی کی کوئی نظیر ملتی ہے؟ تلاش کر کے دیکھ لو مگر لاحاصل۔ پس جو شخص خدا کو خوش کرنا چاہتا ہے اور چاہتا ہے کہ اس کی دُنیا ٹھیک ہو جاوے، خود پاک دل ہو جاوے۔ نیک بن جاوے اور اس کی تمام مشکلات حل اور دُکھ دُور ہو جاویں اور اس کو ہر طرح کی کامیابی اور فتح و نصرت عطا ہو تو اس کے واسطے اللہ تعالیٰ نے ایک اصول بتایا ہے اور وہ یہ ہے کہ قد افلح من زکّٰھا[1] کامیاب ہو گیا، بامراد ہو گیا وہ شخص جس نے اپنے نفس کو پاک کر لیا۔ تزکیہ نفس میں ہی تمام برکات اور فیوض اور کامیابیوں کا راز پنہاں ہے۔

فلاح صرف امور دینی ہی میں نہیں۔ بلکہ دنیا و دین میں کامیابی ہو گی۔ نفس کی ناپاکی سے

[1] الشمس: ۱۰

بچنے والا انسان کبھی نہیں ہو سکتا کہ وہ دنیا میں ذلیل ہو۔

میں یہ قبول نہیں کر سکتا کہ فلسفہ، ہیئت اور سائنس کا ماہر ہونے سے تزکیہ نفس بھی ہو جاتا ہے۔ ہرگز نہیں۔ البتہ یہ مان سکتا ہوں کہ ایسے شخص کے دماغی قویٰ تیز اور اچھے ہو جاتے ہیں۔ ورنہ ان علوم کو رُوحانیت سے کوئی تعلق نہیں۔ بلکہ بعض اوقات یہ امور رُوحانی ترقی کی راہ میں ایک روک ہو جاتے ہیں اور آخری نتیجہ اس کا بجُز اس خوش قسمت کے کہ وہ فطرتِ سلیم رکھتا ہے۔ اکثر کبر و نخوت ہی دیکھا ہے۔ کبھی نیکی اور تواضع ان میں نہیں ہوتی۔[1]

ضرورتِ زمانہ

ایک اور امر قابلِ یاد رکھنے کے یہ ہے کہ یہ قاعدہ ہے اور قانونِ قدرت میں داخل ہے کہ ہر چیز ضرورت سے پیدا ہوتی ہے۔ جس طرح ظاہری طور سے ہم دنیوی امور میں ہر روز مشاہدہ کرتے ہیں۔ یہ لباس، خوراک، سواریاں اور آلاتِ معیشت جتنے بھی ہیں۔ یہ تمام ضرورت سے پیدا ہوئے ہیں۔ اسی طرح سے روحانی امور میں بھی بہت سے امور ضرورت سے پیدا ہوتے ہیں اور جب کبھی ضرورت ہوتی ہے وہ خدا کی طرف سے پُوری کی جاتی ہے ضرورت انسان کی روحانی جسمانی تمام امور میں راہ نما ہے اور اسی سے حق و باطل میں امتیاز حاصل ہو سکتا ہے۔ جس طرح کوئی چیز بلا ضرورت اور بے فائدہ نہیں اسی طرح بلکہ اس سے بھی بڑھ کر ضرورتِ حقہ کے وقت یہ خیال کرنا کہ خدا تعالیٰ نے اس وقت کوئی سامان پیدا نہیں کیا سخت غلطی ہے۔

اب ہمارا یہ زمانہ جس میں ہم موجود ہیں کیا اندرونی اور کیا بیرونی طور سے اس میں اس قدر مفاسد بھرے ہوئے ہیں کہ جس پہلو پر نظر ڈالو کوئی بھی خوش کن نہیں۔ بیرونی طور پر اسلام پر اس قدر حملے ہوئے ہیں اور اسلام نے اس قدر صدمے اُٹھائے ہیں کہ ایک بہت بڑا حصہ

[1] بدر سے "کبر ایسی بُری بلا ہے کہ انسان اس کی وجہ سے ہر قسم کی ترقی سے رُک جاتا ہے" (بدر جلد ۷ نمبر ۲ صفحہ ۴)

مسلمانوں کا ان سے متاثر ہو کر خود دین سے ہی ہاتھ دھو بیٹھا ہے۔ پھر ان کے بعد ایک بہت بڑا حصہ مذبذب لوگوں کا پیدا ہو چکا ہے۔ جن کو اسلام کے متعلق اطمینان حاصل نہیں اور وہ بالکل کمزور ہیں۔ باقی یقین کامل رکھنے والے اور علیٰ وجہ البصیرۃ اسلام پر ایمان لانے والے بہت ہی قلیل ہیں۔ کئی قسم کے حملے ہو رہے ہیں۔ منقولات کے اسلحہ اسلام پر چلائے جاتے ہیں اور آریہ اور پادری لوگ اعتراضات کی بوچھاڑ کر رہے ہیں۔ اگرچہ وہ جانتے ہیں کہ خود وہ گندے ہیں۔ اُن کے ہاتھ میں کچھ بھی نہیں بلکہ نکتہ چینی کرنا سہل ہے مگر خوبی بیان کرنا مشکل۔

علوم جدیدہ کا بھی ایک قسم کا اسلام پر حملہ ہے۔ آجکل کی تعلیم، فلسفہ، طبعی اور ہیئت بھی انسان کو ایک غلطی میں ڈالتی ہے۔ میں تجربہ سے دیکھ رہا ہوں کہ اکثر لوگ جنہوں نے خواہ مکمل طور سے ان علوم کو حاصل کیا ہو خواہ ناقص طور سے وہ عموماً بے قید زندگی اختیار کر لیتے ہیں اور پھر رفتہ رفتہ اسلام اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی عزت ہی ان کے دلوں سے اُٹھ جاتی ہے اور پھر نوبت یہاں تک پہنچ جاتی ہے کہ خود خدا سے بھی انکار کر بیٹھتے ہیں۔ اُن کے کلام سے ہی ایک قسم کی بدبُو آتی ہے اور وہ ایسے معلوم ہوتے ہیں کہ آج بھی ہاتھ سے گئے اور کل بھی گئے اور درحقیقت اس گروہ کا حملہ آریوں اور پادریوں کے حملوں سے بھی بڑھا ہوا ہے۔ کیونکہ ان کے اعتراض عموماً منقولات کے رنگ میں ہوتے ہیں۔ ان میں صدق وکذب کا احتمال ہوتا ہے مگر یہ لوگ تو اپنا ذاتی تجربہ اور روزانہ مشاہدہ پیش کرتے ہیں۔ اسی وجہ سے اس کا اثر بہت سخت اور بُرا پڑتا ہے۔

غرض سچی بات یہی ہے کہ اندرونی حملے بیرونی حملوں سے بہت بڑھے ہوئے اور خطرناک اور زہریلا اثر ڈالنے والے ہیں۔ سچ ہے کہ از ماست کہ بر ماست۔ اصل میں یہ قصور خود مسلمانوں کا ہے جنہوں نے اپنی سادہ لوح اولاد کو بغیر اس کے کہ ان کو قرآن اور اسلام کے ضروری علوم سے آگاہ کریں اُن مدرسوں اور کالجوں میں بھیج دیا۔ مانا کہ طلب علم ہر مرد و

عورت پر فرض ہے جیسا کہ حدیث طلب العلم فریضۃٌ علیٰ کلِّ مسلمٍ و مسلمۃ سے ظاہر ہے مگر اول علوم دینیہ کا حصول فرض ہے۔ جب بچے علوم دینی سے پورے واقف ہو جاویں اور ان کو اسلام کی حقیقت اور نور سے پوری اطلاع ہو جاوے تب ان مروجہ علوم کے پڑھانے کا کوئی ہرج نہیں۔ اصل میں ان مسلمانوں کی موجودہ روش بہت ہی خطرناک ہے۔ دیکھو پہلے ایک عورت کو بازاری کنجری بنا کر پھر توبہ کرائی جائے تو وہ کیسی توبہ کرے گی؟ شراب بدکاری اور بے قید زندگی اس کی عادت ثانی ہو جاوے گی۔ اول تو اُسے توبہ کرنا ہی مشکل اور اگر کرے بھی تو وہ کیسی توبہ ہو گی؟ اس کو ہر کوئی سمجھ سکتا ہے۔ یہی حال ان لڑکوں کا ہے جن کو پہلے فلسفہ اور سائنس کے زہریلے علوم سکھا کر خود خدا کی ہستی پر ہی شبہات پیدا کرا دیئے جاتے ہیں اور پھر اُن سے امید کی جاتی ہے کہ وہ اسلام کے بھی شیفتہ ہوں[1]۔

ہمارا یہ ایمان ہے کہ کوئی فلسفہ اور سائنس خواہ وہ ابھی اس موجودہ حالت سے ہزار درجہ ترقی کر جاوے مگر قرآن ایک ایسی کامل کتاب ہے کہ یہ نئے علوم کبھی بھی اس پر غالب نہیں آسکتے۔ مگر اس شخص کی نسبت ہم کیونکر ایسی رائے قائم کر سکتے ہیں کہ جس کی نسبت ہمیں معلوم ہے کہ اس کو علوم قرآن سے مس ہی نہیں اور اُس نے اس طرف کبھی توجہ ہی نہیں کی بلکہ کبھی ایک سطر بھی قرآن شریف کی غور و تدبّر کی نظر سے نہیں پڑھی۔

مثال کے طور پر قرآن کی تعلیم روحانی کا ایک فلسفہ بیان ہوا ہے جو بعد الموت اعمال کے نتیجہ میں انسان کو بہشت کے رنگ میں ملے گا جس کے نیچے نہریں چلتی ہوں گی۔ بظاہر یہ ایک قصہ ہے مگر قصہ نہیں گو کہ قصہ کے رنگ میں آگیا ہے۔ اس کی حقیقت یہی ہے کہ اس وقت کے لوگ علوم روحانی کے نہ جاننے کی وجہ سے نادان بچوں کی طرح تھے۔ ایسے باریک اور روحانی علوم کے سمجھانے کے واسطے ان کے مناسب حال استعاروں سے کام

---

[1] بدر سے:- "پادریوں کے یا آریوں کے مدرسوں میں اپنی اولاد کو بھیج دینا اور پھر ان سے اس بات کا طلبگار ہونا کہ یہ سچے مسلمان ہوں۔ ؏ ایں خیال است و محال است و جنوں" (بدر در حوالہ مذکور)

لینا اور مثالوں کے ذریعہ سے اصل حقیقت کو ان کے ذہن نشین کرنا ضروری تھا۔ اسی واسطے قرآن شریف نے بہشت کی حقیقت سمجھانے کے واسطے اس طریق کو اختیار کیا اور پھر یہ بھی فرمایا کہ مثل الجنۃ التی وعد المتقون[۱]۔ یہ ایک مثال ہے نہ کہ حقیقت۔ قرآن شریف کے ان الفاظ سے صاف عیاں ہے کہ وہ جنّت کوئی اور ہی چیز ہے اور حدیث میں صاف یہ بھی بیان ہو چکا ہے کہ ان ظاہری جسمانی دنیوی امور پر نعماء جنّت کا قیاس نہ کیا جاوے کیونکہ وہ ایسی چیز ہے کہ نہ کسی آنکھ نے دیکھی نہ کسی کان نے سُنی وغیرہ۔ مگر وہ باتیں جن کی مثال دے کر جنّت کی نعماء کا تذکرہ کیا گیا ہے وہ تو ہم دیکھتے بھی ہیں اور سُنتے بھی ہیں ایک مقام پر قرآن شریف میں اللہ تعالےٰ جنّت کا ذکر کرتے ہوئے فرماتا ہے۔ وبشّر الذین اٰمنوا وعملوا الصالحات انّ لھم جنّٰت تجری من تحتھا الانھار[۲]۔ اس آیت میں ایمان کو اعمال صالحہ کے مقابل پر رکھا ہے جنّات اور انہار یعنی ایمان کا نتیجہ تو جنّت ہے اور اعمال صالحہ کا نتیجہ انہار ہیں۔ پس جس طرح باغ بغیر نہر اور پانی کے جلدی برباد ہو جانے والی چیز ہے اور دیرپا نہیں اسی طرح ایمان بے عمل صالح بھی کسی کام کا نہیں۔ پھر ایک دوسری جگہ پر ایمان کو اشجار (درختوں) سے تشبیہ دی ہے اور فرمایا ہے کہ وہ ایمان جس کی طرف مسلمانوں کو بُلایا جاتا ہے وہ اشجار ہیں اور اعمال صالحہ ان اشجار کی آبپاشی کرتے ہیں

غرض اس معاملہ میں جتنا جتنا تدبّر کیا جاوے اسی قدر معارف سمجھ میں آویں گے۔ جس طرح سے ایک کسان کاشتکار کے واسطے ضروری ہے کہ وہ تخم ریزی کرے۔ اسی طرح روحانی منازل کے کاشتکار کے واسطے ایمان جو کہ رُوحانیات کی تخم ریزی ہے ضروری اور لازمی ہے اور پھر جس طرح کاشتکار کھیت یا باغ وغیرہ کی آبپاشی کرتا ہے اسی طرح سے روحانی باغِ ایمان کی آبپاشی کے واسطے اعمال صالحہ کی ضرورت ہے۔

یاد رکھو کہ ایمان بغیر اعمال صالحہ کے ایسا ہی بے کار ہے جیسا کہ ایک عمدہ باغ بغیر نہر یا دوسرے ذریعہ آبپاشی کے نکمّا ہے۔ درخت خواہ کیسے ہی عمدہ قسم کے ہوں۔ اور

[۱] الرعد: ۳۶ [۲] البقرۃ: ۲۶

اعلیٰ قسم کے پھل لانے والے ہوں مگر جب مالک آبپاشی کی طرف سے لاپروائی کرے گا تو اس کا جو نتیجہ ہوگا وہ سب جانتے ہیں۔ یہی حال روحانی زندگی میں شجرِ ایمان کا ہے۔ ایمان ایک درخت ہے جس کے واسطے انسان کے اعمالِ صالحہ روحانی رنگ میں اس کی آبپاشی کے واسطے نہریں بن کر آبپاشی کا کام کرتے ہیں۔ پھر جس طرح ہر ایک کاشتکار کو تخم ریزی اور آبپاشی کے علاوہ بھی محنت اور کوشش کرنی پڑتی ہے اسی طرح خدا تعالیٰ نے رُوحانی فیوض و برکات کے ثمراتِ حَسنہ کے حصول کے واسطے بھی مجاہدات لازمی اور ضروری رکھے ہیں چنانچہ فرماتا ہے وَالَّذِیْنَ جَاھَدُوْا فِیْنَا لَنَھْدِیَنَّھُمْ سُبُلَنَا۔[1] *

نفسِ انسانی ایک بیل کے مشابہ ہے اور اس کے تین درجے ہوتے ہیں

نفسِ امّارہ ۔ امّارہ مبالغہ کا صیغہ ہے۔ امّارہ کہتے ہیں بدی کی طرف لے جانے والا ۔ بہت بدی کا حکم کرنے والا۔[2]

دوسری قسم نفس کی نفسِ لوّامہ ہے۔ لوّامہ کہتے ہیں ملامت کرنے والے کو۔ انسان سے ایک وقت بدی ہو جاتی ہے مگر ساتھ ہی اس کا نفس اس کو بدی کی وجہ سے ملامت بھی کرتا اور نادم ہوتا ہے۔ یہ انسانی فطرت میں رکھا گیا ہے مگر بعض طبائع ایسے بھی ہیں کہ اپنی گندہ حالت اور سیاہ کاریوں کی وجہ سے وہ ایسے محجوب ہو جاتے ہیں کہ ان کی فطرت فطرتِ سلیم کہلانے کی مستحق نہیں ہوتی۔ ان کو اس ملامت کا احساس ہی نہیں ہوتا مگر شریف الطبع انسان ضرور اس حالت کا احساس کرتا اور بعض اوقات

---

[1] بدر سے :- "یعنی تم ہلکے ہلکے کام پر نہ رہو بلکہ اس راہ میں بڑے بڑے مجاہدات کی ضرورت ہے"

(بدر جلد ۷ نمبر ۲۵ صفحہ ۵ مورخہ ۲۵ جون ۱۹۰۸ء)

[2] بدر سے :- "بدی کی طرف بار بار جانے والا"

(بدر بحوالہ مذکور)

* العنکبوت : ۷۰

وہی ملامت نفس اس کے واسطے باعث ہدایت ہو کر موجب نجات ہو جاتی ہے۔ مگر یہ حالت ایسی نہیں کہ اس پر اعتبار کیا جاوے۔

نفس کی ایک تیسری حالت ہے جسے مطمئنّہ کے نام سے پکارا گیا ہے اور وہ انسان کو جب حاصل ہوتی ہے کہ انسان نفس امّارہ اور پھر نفس لوّامہ کی مشکلات کو حل کر جائے اور اس جنگ میں اس کو فتح نصیب ہو۔ نفس امّارہ انسان کا دشمن ہے اور وہ گھر کا پوشیدہ دشمن ہے۔ لوّامہ بھی کبھی کبھی دشمنی کا ارادہ کرتا ہے مگر باز آجاتا ہے۔ مگر برخلاف ان دونوں حالتوں کے جب انسان ترقی کر کے نفس مطمئنّہ کے درجہ تک ترقی کر جاتا ہے تو اس کی ایسی حالت ہوتی ہے کہ گویا اس کا دشمن اس کے زیر ہو گیا اور اُس نے دشمن پر نمایاں فتح حاصل کر لی اور صلح ہو گئی۔ انسانی ترقیات کی آخری حد اور اس کی زندگی کا انتہائی نقطہ اسی بات پر ختم ہوتا ہے کہ انسان حالتِ مطمئنّہ حاصل کر لے اور وہ ایسی حالت ہوتی ہے کہ اس کی رضا خدا کی رضا اور اس کی ناراضگی خدا تعالےٰ کی ناراضگی ہو جاتی ہے۔ اس کا ارادہ خدا تعالےٰ کا ارادہ ہوتا ہے اور وہ خدا کے بُلائے بولتا اور خدا کے چلائے چلتا ہے۔ تمام افعال حرکات و سکنات اس سے نہیں بلکہ خدا سے سرزد ہوتے ہیں۔ اور انسان کی پہلی حالت پر ایک قسم کی موت وارد ہو جاتی ہے اور ایک نئی زندگی کا جامہ اُسے از سر نو عطا کیا جاتا ہے۔

غرض قانون قدرت میں ایسا پایا جاتا ہے کہ خدا تعالیٰ نے دو سلسلے پہلو بہ پہلو بنائے ہیں ایک جسمانی اور دوسرا رُوحانی۔ جو کچھ جسمانی طور سے مہیّا ہے وہی رُوحانی طور سے بھی ہوتا ہے۔ پس جو شخص ان دونو سلسلوں کو نصب العین رکھ کر کاروبار میں کوشش اور محنت کریگا وہ جلدی ترقی کرے گا۔ اس کی معلومات وسیع ہوں گی۔ ہر صورت میں ہر جسمانی کام اُن کے رُوحانی امور کے مشابہ ہوگا۔ الدنیا مزرعۃ الاٰخرۃ۔

ہم جسمانی نظام میں دیکھتے ہیں کہ جسمانی کاشتکار باوجود ہر قسم کی باقاعدہ محنت و مشقت

کے بھی پھر آسمانی پانی کا محتاج ہے۔ اور اگر اس کی محنتوں اور کوششوں کے ساتھ آسمانی پانی اس کی فصل پر نہ پڑے تو فصل تباہ اور محنت برباد ہو جاتی ہے۔ پس یہی حال رُوحانی رنگ میں ہے۔ انسان کو خشک ایمان کچھ فائدہ نہیں پہنچا سکتا جب تک کہ روحانی بارش نازل ہو کر بڑے زور کے نشانات سے اس کے اندرونی گند دھو کر اس کو صاف نہ کرے چنانچہ قرآن شریف اسی کی طرف اشارہ کرکے فرماتا ہے والسّمآء ذات الرجع والارض ذات الصدع ؎۔ یعنی قسم ہے آسمان کی جس سے بارش نازل ہوتی ہے اور قسم ہے زمین کی جس سے شگوفہ نکلتا ہے۔ بعض لوگ اپنی نادانی کی وجہ سے کہتے ہیں کہ خدا کو قسم کی کیا ضرورت تھی مگر ایسے لوگ آخر کار اپنی جلد بازی کی وجہ سے ندامت اُٹھاتے ہیں۔ قسم کا مفہوم اصل میں قائم مقام ہوتا ہے شہادت کے۔ ہم دنیوی گورنمنٹ میں بھی دیکھتے ہیں کہ بعض اوقات مقدمات کے فیصلوں کا حصر ہی قسم پر رکھا جاتا ہے۔ پس اسی طرح سے خدا تعالےٰ بھی بارش آسمانی کی قسم کھا کر نظام جسمانی کی طرح نظام رُوحانی میں اس بات کو بطور ایک شہادت کے پیش کرتا ہے کہ جس طرح سے زمین کی سرسبزی اور کھیتوں کا ہرا بھرا ہونا آسمانی بارش پر موقوف ہے اور اگر آسمانی بارش نہ ہو تو زمین پر کوئی سبزی نہیں رہ سکتی اور زمین مُردہ ہو جاتی ہے بلکہ کنوؤں کا پانی بھی خشک ہو جاتا ہے اور دنیا زیر و زبر ہو کر ہلاکت کا باعث ہو جاتی ہے اور لوگ بھوکے پیاسے مرتے ہیں۔ قحط کی وجہ سے انسان وحیوان اور پھر چرند و پرند اور درند وغیرہ پر بھی اس کا اثر ہوتا ہے بعینہٖ اسی طرح سے ایک رُوحانی سلسلہ بھی ہے۔

یاد رکھو کہ خشک ایمان بجز آسمانی بارش کے جو مکالمہ مخاطبہ کے رنگ میں نازل ہوتی ہے ہرگز ہرگز باعث نجات یا حقیقی راحت کا نہیں ہو سکتا۔ جو لوگ روحانی بارش کے بغیر اور کسی مامور من اللہ کے بغیر نجات پا سکتے ہیں اور ان کو کسی مزکّی اور مامور من اللہ کی ضرورت نہیں۔ سب کچھ ان کے پاس موجود ہے ان کو چاہیئے کہ پانی

؎ الطارق : ۱۲-۱۳

بھی اپنے گھروں میں ہی پیدا کر لیا کریں[1]۔ اُن کو آسمانی بارش کی کیا احتیاج ؟ آنکھوں کے سامنے موجود ہے کہ جسمانی چیزوں کا مدار کن چیزوں پر ہے۔ پس اس سے سمجھ لو کہ بعینہٖ اسی کے مطابق رُوحانی زندگی کے واسطے بھی لازمی اور لابد اور ضروری ہے۔

انسان کا یہ دعویٰ کہ میں نے سب کچھ سیکھ لیا ہے اور میں نے سارے علوم حاصل کر لئے ہیں یہ بالکل غلط خیال ہے۔ انسان کا علم کیا ہے جس طرح سمندر میں ایک سوئی ڈبو کر نکال لی جاوے۔ یہی حال انسان کے علم کا ہے کہ اس کو معارف اور حقائق میں سے دیا گیا ہے۔ ؎

ترسم نہ رسی بہ کعبہ اے اعرابی
کیں راہ کہ تو میروی بترکستان است

پھر تعجب آتا ہے کہ بعض لوگ معمولی مروجہ علوم کے پڑھ لینے سے بڑے بڑے دعوے کر بیٹھتے ہیں۔ حالانکہ دین کی راہ ایک عمیق در عمیق راہ ہے اور اس کے حقائق اور رُوحانی فلسفہ ایسا نہیں کہ ہر فرد اس کا ماہر ہونے کا دعویٰ کر سکے[2]۔ یہ دین آسمان سے ہی آیا اور ہمیشہ ہمیشہ اس کی سرسبزی کے سامان بھی آسمان ہی سے نازل ہوتے رہیں گے۔ ہمیں افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ اگر زمینی علوم اور مروّجہ تعلیم یافتوں سے سوال کیا جاوے تو اکثر اصحاب ایسے نکلیں گے کہ اُن کے ماہر ہی ہوں گے۔ مگر ہمیں اس جگہ ان اصحاب کی خدمت میں کہ وہ زمینی اور دنیوی علوم کے ماہر ہیں یہ بھی کہنا ہے کہ ؎

---

[1] بدر سے:- "جو لوگ کہتے ہیں ہمیں اب نبیوں کی کیا ضرورت ہے وہ جسمانی بارش کیوں مانگتے ہیں"

(بدر جلد ۷ نمبر ۲۵ صفحہ ۵ مورخہ ۲۵ جون ۱۹۰۸ء)

[2] بدر سے "جو شخص دین سے بہرہ نہ رکھے اور پھر دعوے کرے کہ مجھے دوسرے کی کچھ ضرورت نہیں وہ نادان ہے" (بدر حوالہ مذکور)

اے کہ خواندی حکمتِ یونانیاں
حکمت ایمانیاں را ہم بخواں

ہم دیکھتے ہیں کہ آجکل بہت سے ایسے بھی خیالات والے لوگ موجود ہیں کہ اُن کی نظر میں دین ایک جنون ہے اور اس کی قدر ان کے دلوں میں نہیں ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ عرب کے لوگ وحشی تھے اور اُمّی تھے۔ اس وقت ان کی ضرورتوں کے مناسب حال قرآن نازل ہوا۔ اب دنیا ترقی کر گئی ہے اور روشنی کا زمانہ ہے۔ اب موجودہ زمانہ کے مناسب حال دین میں ترمیم ہونی چاہئیے مگر آپ لوگ سُن رکھیں کہ دین کوئی لغو نہیں ہے بلکہ دُنیا کی حقیقی راحت اور اُخروی نجات اسی دین سے ہی وابستہ ہے۔ وہ عرب کے اُمّی جو اس دین کے سچے خادم تھے۔ اُن کا اُمّی ہونا بھی ایک معجزہ ہی تھا تاکہ دُنیا کو دکھادے کہ اُمّی لوگوں نے قرآنی تعلیم کے نیچے آکر کیا کچھ کر دکھایا کہ بڑے بڑے علوم کے مدّعیوں سے بھی ان کے مقابلہ میں کچھ بن نہ آیا۔

خدا تعالےٰ خوب جانتا تھا کہ اس زمانہ میں کیسے کیسے جدید علوم پیدا ہوں گے اور خود مسلمانوں میں کیسے کیسے خیالات کے لوگ پیدا ہو جائیں گے۔ ان سب باتوں کا جواب اللہ تعالیٰ نے قرآن میں دے رکھا ہے اور کوئی نئی تحقیقات یا علمی ترقی نہیں جو قرآن شریف کو مغلوب کرسکے اور کوئی صداقت نہیں کہ اب پیدا ہو گئی ہو اور وہ قرآن شریف میں پہلے ہی سے موجود نہ ہو۔ جو راہ قرآن شریف نے پیش کی ہے وہ نہ انجیل میں پائی جاتی ہے نہ توریت میں اس کا پتہ چلتا ہے اور نہ ہی دنیا کی کوئی اور کتاب اس کمال اور جامعیت کا دعویٰ کرسکتی ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت کاملہ سے قرآن شریف کو عطا کی ہے۔ قرآن کے مقابل پر ان کا ذکر ہی کیا ہے۔ انجیل نے ایک ضعیف ناتواں انسان کو خدا بنایا مگر اس کی طاقت کا اندازہ قوم یہود کے مقابلہ سے ہی ہو سکتا ہے۔

دوسری بات اور مایۂ ناز انجیل کی اخلاقی تعلیم تھی مگر وہ ایسی بودی اور نامکمل

ہے کہ کوئی صحیح الفطرت انسان اس کی پابندی نہیں کرسکتا بلکہ خود پادری صاحبان کا عمل بھی اس تعلیم کے بالکل برخلاف ہے۔ مثلاً انجیل تعلیم دیتی ہے کہ اگر تجھے کوئی ایک طمانچہ مارے تو تُو دوسری گال بھی پھیر دے اور اگر کوئی تیرا کُرتہ مانگے تو اس کو چادر بھی اتار دے اور اگر کوئی تجھے ایک کوس بیگار میں لے جانا چاہے تو تُو دو کوس اس کے ساتھ چل۔

اب ہم اوّل ان انجیل کی حمایت اور تعریف کرنے والے پادری صاحبوں سے ہی دریافت کرتے ہیں کہ ان کا اس تعلیم پر کہاں تک عمل درآمد ہے۔ انہوں نے اس تعلیم کا عملی نمونہ کیا دکھایا ہے کہ دوسروں کو بھی اس تعلیم کی طرف بُلاتے ہیں۔

پھر اسی انجیل میں لکھا ہے کہ تو بدی کا مقابلہ نہ کر۔ غرض انجیل کی تعلیم تفریط کی طرف جھکی ہوئی ہے اور بجز بعض خاص حالات کے ماتحت ہونے کے انسان اس پر عمل کر ہی نہیں سکتا۔ دوسری طرف توریت کی تعلیم کو دیکھا جاوے تو وہ افراط کی طرف جھکی ہوئی ہے اور اس میں بھی صرف ایک ہی پہلو پر زور دیا گیا ہے کہ جان کے بدلے جان، آنکھ کے بدلے آنکھ اور کان کے بدلے کان اور دانت کے بدلے دانت توڑ دیا جاوے۔ اس میں عفو اور درگذر کا نام تک بھی نہیں لیا گیا۔ اصل بات یہ ہے کہ یہ کتابیں مختص الزمان اور مختص القوم ہی تھیں مگر قرآن شریف نے ہمیں کیا پاک راہ بتائی ہے جو افراط اور تفریط سے پاک اور عین فطرت انسانی کے مطابق ہے مثلاً مثال کے طور پر قرآن شریف میں فرمایا ہے جَزٰٓؤُا سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا فَمَنْ عَفَا وَاَصْلَحَ فَاَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ [1] یعنی جتنی بدی کی گئی ہو اسی قدر بدی کرنی جائز ہے لیکن اگر کوئی معاف کر دے اور اس معافی میں اصلاح مدنظر ہو۔ بے نسل اور بے موقعہ عفو نہ ہو بلکہ برمحل ہو تو ایسے معاف کرنے والے کے واسطے اس کا اجر ہے جو اسے خدا سے ملیگا۔

دیکھو کیسی پاک تعلیم ہے نہ افراط نہ تفریط۔ انتقام کی اجازت ہے مگر معافی کی تحریص بھی موجود ہے۔ بشرط اصلاح یہ ایک تیسرا مسلک ہے جو قرآن شریف نے دنیا کے سامنے

[1] الشوریٰ : ۴۱

رکھا ہے۔ اب ایک سلیم الفطرت انسان کا فرض ہے کہ ان میں خود موازنہ اور مقابلہ کر کے دیکھ لے کہ کونسی تعلیم فطرت انسانی کے مطابق ہے اور کونسی تعلیم ایسی ہے کہ فطرت صحیح اور کانشنش اسے دھکے دیتی ہے۔ یہودیوں میں باپ اپنی اولاد کو وصیّت کرتا تھا کہ میرا انتقام میرا بیٹا لے، میرا پوتا لے۔ چنانچہ بعض اوقات بیٹا اور پوتا باپ کے انتقام لیتے تھے۔ غرضکہ توریت میں تو سخت تشدد کیا گیا تھا۔

باقی رہی انجیل۔ سو اس کی اخلاقی تعلیم پر ناز کرنے والے نہیں سمجھتے کہ اوّل تو وہ تعلیم ہی ایسی ناقص ہے کہ بوجہ مختص الزمان اور مختص القوم ہونے کے آج اس کی ضرورت ہی نہیں اور نہ وہ اس وقت اخلاقی تعلیم کہلانے کی مستحق ہے اور اگر مان بھی لیا جائے تو کوئی شخص نہیں کہ اس تعلیم کا عامل نظر آتا ہو۔ خود اس کے شیفتہ لوگ ہی اس کا عملی نمونہ پیش کریں۔ اصل میں یہ ہاتھی کے دانت ہیں کھانے کے اور دکھانے کے اور۔ تاہم فلسفہ حقّہ اس کے بالکل خلاف ہے۔ انسان ایک شاخ دار درخت ہے اور انجیلی تعلیم اس کی صرف ایک شاخ۔ کیا باقی قوائے انسانی بے کار ہیں؟

یاد رکھو کہ کُل قوائے انسانی اسی خالقِ فطرت ہی کی طرف سے انسان کو ملے ہیں۔ ان میں ایک قوت غضبی بھی ہے، قوت انتقام بھی ہے۔ یہ قویٰ بے کار یا فضول نہیں ہیں۔ بلکہ ان کی بد استعمالی اور ان کا بے محل و بے موقع استعمال بُرا ہے۔ انجیل میں تو ایک موقعہ پر خصّی بن جانے کی بھی تعلیم دی گئی ہے۔ اگر سچے عیسائی اس تعلیم کا عملی نمونہ بنتے تو یقین ہے کہ دنیا کا خاتمہ ہی ہو گیا ہوتا۔ عجیب بات یہ ہے کہ صرف حکم ہی نہیں بلکہ اس عمل پر بڑے ثواب کا وعدہ کیا گیا ہے تو پھر کیا وجہ کہ ایسے کارِ خیر میں کوئی عیسائی بھی حصّہ نہیں لیتا۔

قرآن شریف میں کوئی دکھا تو دے کہ کوئی ایسا حکم بھی دیا گیا ہو جس پر عمل کرنا انسانی طاقت سے بالاتر ہو یا کوئی ایسا حکم بھی ہو جس کے کرنے سے کوئی قباحت لازم آتی ہو یا نظامِ دین میں فساد کا اندیشہ ہو۔ کیا ایسی ایک کتاب جس میں ایسے احکام داخل ہیں جو انسانی طاقت

سے بالاتر ہیں یا اُن کے کرنے سے کوئی قباحت لازم آتی ہے اور نظام عالم درہم برہم ہوتا ہے، کبھی اس خدا کی طرف منسوب ہو سکتی ہے جو خالق فطرت اور منتظم نظام دنیا اور قویٰ انسانی کے پورے اندازے جاننے والا ہے۔ اور کیا وہ کتاب کامل اور مکمل شریعت کہلانے کی مستحق ہو سکتی ہے؟

میں اعتراض نہیں کرتا بلکہ میرا مقصد اس بیان سے اس امر کا اظہار ہے کہ یہ دونو کتابیں صرف ایک ہی خاندان کی تھیں۔ نہ حضرت عیسیٰؑ نے اور نہ حضرت موسیٰؑ نے کبھی یہ دعویٰ کیا کہ وہ تمام دنیا کے واسطے رسول ہو کر آئے تھے بلکہ وہ تو صرف اسرائیلی بھیڑوں تک ہی اپنی تعلیم محدود کرتے ہیں۔ ان کا اپنا اقرار موجود ہے[1]۔ پس بلحاظ ضرورت کے ان کو جو کتاب ملی۔ وہ بھی ایک قانون مختص الزمان اور مختص القوم تھا۔

اب ظاہر ہے کہ ایک چیز جو ایک خاص ضرورت کے لئے ایک خاص زمانے اور مکان کے واسطے آئی تھی۔ اگر اس کو زبردستی اور خواہ نخواہ تمام دنیا پر محیط ہونے کے واسطے کھینچ تان کی جائے گی تو اس کا لازماً یہی نتیجہ ہوگا کہ وہ اس کام سے عاری رہے گی جس بوجہ کے اٹھانے کے واسطے وہ وضع ہی نہیں کی گئی اس کی کیسے متحمل ہو سکے گی؟ اور یہی وجہ ہے کہ ان تعلیمات میں موجودہ زمانہ کے حالات کے ماتحت نقص ہیں۔ مگر قرآن مجید مختص الزمان نہیں، مختص القوم نہیں اور نہ ہی مختص المکان ہے بلکہ اس کامل اور مکمل کتاب کے لانے والے کا دعویٰ ہے کہ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ اِلَیْکُمْ جَمِیْعًا[1]۔ اور ایک دوسری آیت میں یوں بھی آیا ہے۔ لِاُنْذِرَكُمْ بِهٖ وَمَنْۢ بَلَغَ[2] یعنی لازمی ہوگا کہ جس کو قرآنی تعلیم پہنچے وہ خواہ کہیں بھی ہو اور

---

[1] بدر سے۔ "چنانچہ حضرت عیسیٰؑ نے خود کہا کہ میں بنی اسرائیل کی کھوئی ہوئی بھیڑوں کے سوا اور کسی کی طرف نہیں بھیجا گیا۔ قرآن مجید سے بھی اس کی تصدیق ہوتی ہے۔ وَرَسُوْلًا اِلٰى بَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ[3]۔"

(بدر حوالہ مذکور صفحہ ۷)

[1] الاعراف: ۱۵۹ [2] الانعام: ۲۰ [3] آل عمران: ۵۰

کوئی بھی ہو اس تعلیم کی پیروی کو اپنی گردن پر اُٹھائے۔

انسانی فطرت کا پُورا اور کامل عکس صرف قرآن شریف ہی ہے۔ اگر قرآن نہ بھی آیا ہوتا جب بھی اسی تعلیم کے مطابق انسان سے سوال کیا جاتا کیونکہ یہ ایسی تعلیم ہے جو فطرت میں مرکوز اور قانونِ قدرت کے ہر صفحہ میں مشہود ہے۔ جن کی تعلیمات ناقص اور خاص قوم تک محدود ہیں اور وہ آگے ایک قدم بھی نہیں چل سکتیں ان کی نبوت کا دروازہ بھی ان کے اپنے ہی گھر تک محدود ہے۔ مگر قرآن شریف کہتا ہے اِنْ مِّنْ اُمَّۃٍ اِلَّا خَلَا فِیْھَا نَذِیْرٌ[1] دیکھو یہ کیسی پاک اور دل میں دخل کر جانے والی بات اور کیسا عمدہ اصول ہے مگر یہ لوگ ہیں کہ خدا کی خدائی کو صرف اپنے ہی گھر تک محدود خیال کرتے ہیں۔

یہی حال آریوں کا ہے وہ بھی یہی عقیدہ رکھتے ہیں کہ ہمیشہ وید ہی اُتارا جاتا ہے اور صرف چار آدمی ہی اس کام کے واسطے مخصوص ہیں اور ہمیشہ کے واسطے زبان سنسکرت ہی خدا کو پسند آگئی ہے۔ مجال نہیں کہ خدا تعالیٰ کی یہ نعمت وحی و الہام کسی اور انسان یا زبان کو مل سکے۔ ان لوگوں کے اعتقاد کے موجب وحی الٰہی اب آگے نہیں بلکہ پیچھے رہ گئی ہے اور اب ہمیشہ کے واسطے اس کو مُہر لگ چکی ہے مگر یہ لوگ نہیں جانتے کہ اس طرح سے تو خدا کی ہستی کے ثبوت میں ہی مشکلات پڑ جاویں گی۔ صرف شنید سے انسان کب مطمئن ہو سکتا ہے اور کامل یقین اور سچی معرفت صرف دوسروں کی زبانی سُن لینے سے کہاں میسر آتی ہے ؎

شُنیدہ کے بود مانند دیدہ

جب تک خدا خود انا الموجود کی آواز نہ دے یا اپنے پیارے کلام سے اور زبردست غیبی نشانات سے اپنا چہرہ نہ دکھاوے تب تک وہ پیاس کب مٹ سکتی ہے جو حق کی طلب کی پیاس انسان کو لگی ہوئی ہے۔ یہ کہنا کہ خدا پہلے تو نشانات اور معجزات دکھاتا تھا رسول بھیجتا تھا مگر اب نہیں۔ یہ نعوذ باللہ خدا تعالیٰ کی ذات کی سخت توہین اور بے ادبی

[1] فاطر: ۲۵

ہے[1]۔ کیا وجہ ہے کہ اب وہ سُنتا تو ہے اور دیکھتا بھی ہے مگر بولتا نہیں ؟ اچھا تو اس پر تمہارے پاس کیا دلیل ہے کہ قوتِ شنوائی اور بینائی بھی قوت گویائی کی طرح جاتی نہیں رہیں۔

انسان اپنی فطرت سے الگ نہیں ہو سکتا۔ بکری سے بھیڑیئے کا کام لیں تو دے سکتی ہے ؟ ہرگز نہیں۔ پس یہی حال فطرتِ انسانی کا ہے کہ اپنی بناوٹ کے خلاف ہرگز نہیں چل سکتی۔ نرے قصوں سے کب وہ تسلی پا سکتی ہے۔ اگرچہ کوئی ظاہرداری کے واسطے ہاں میں ہاں ملا دے مگر دل لعنت بھیجتا ہوگا اور انکار کرتا ہوگا کہ میں نہیں مانتا۔ یاد رکھو کہ اگر پہلے کبھی الہام تھا تو اب بھی ضروری ہے کہ الہام ہو۔ اسلام جب صرف ایک ہی فرقہ تھا اور مختصر بھی تو اُس وقت تو نبی اور رسُول آنے اور الہامات ہونے کی ضرورت تھی۔ مگر اب جبکہ ایک سے ۷۳ فرقے ہو گئے ہیں اور تفرقہ کی حد و نہایت نہیں رہی کلام الٰہی پر مُہر لگائی جاتی ہے اور خدا تعالیٰ کا مُنہ بند کیا جاتا ہے۔ کوئی فطرت سلیم اور عقلِ صحیح اس منطق کو قبول نہیں کر سکتی۔

ہر چیز کے پیدا ہونے کی ماں ضرورت ہے۔ دیکھو ایک چھوٹی سی مثال ریلوے تصادم کی ہے۔ تصادم کی واردات ترقی کرنے لگیں تو اصلاح کے سامان بھی پیدا ہو گئے۔ یہ سب طرح طرح کی کلیں جو دیکھنے میں آتی ہیں یہ سب ضرورت نے ہی مہیا کرا دی ہیں۔ تو اب جبکہ انسانی حالت کیا بلحاظ اپنی ظاہری حالت کے اور کیا بلحاظ اپنی باطنی حالت کے ابتری کے انتہائی درجہ تک پہنچ گئی ہے اور ہر فرقہ پر دہریت (ناستک مت) نے اپنا تسلط جمایا ہوا ہے زندہ ایمان کسی میں باقی نہیں۔ اور یہ قاعدہ کی بات ہے کہ زندہ ایمان ہی اعمال کی تحریک کرتا ہے۔ جب ایمان ہی نہیں جو کہ اعمال کا اصل محرک ہے

---

[1] بدر سے :- "اب خدا کا کچھ پتہ نہیں چلتا کہ وہ زندہ بھی ہے یا نہیں" (بدر حوالہ مذکور)

تو پھر عمل کیسے ؟

غرض اس طرح ایمان کے دنیا سے اُٹھ جانے کے باعث اعمال صالحہ کا بھی ساتھ ہی نام ونشان مٹ چکا ہے تو پھر کیا وجہ کہ خدا تعالیٰ نے ایسی خطرناک حالت اور ایسی سخت ضرورت کے وقت بھی اپنی سنت قدیمہ کو ترک کرکے کوئی رسُول اور نبی یا ملہم نہ بھیجا ؟

لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ یہ توحید کا کلمہ ہے۔ اس کے معنے ہیں کہ خدا تعالیٰ کے سوا کوئی بھی عبادت اور سچی فرماں برداری کے لائق نہیں ہے۔ خدا تعالےٰ اگر توحید کے پھیلانے میں کسی دوسرے کا محتاج ہوتا یا کسی اَور کو اس کام میں اپنا شریک بناتا تو بھی شرک لازم آتا تھا۔ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ کا جُملہ کلمہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کے ساتھ شامل کرنے میں بھید یہی ہے کہ تا توحید کا سبق کامل ہو اور دنیا کو معلوم ہو کہ جو کچھ آتا ہے درحقیقت اسی خدا کی طرف سے آتا ہے۔ آپ صلے اللہ علیہ وسلم ان ہدایات کو خدا تعالیٰ سے پاکر مخلوق کو پہنچانے والے ہیں اور کہ جو کچھ ادھر سے آتا ہے وہ اسی راہ سے آتا ہے۔

شِرک صرف پتھروں ہی کے پُوجنے ہی کا نام نہیں ہے بلکہ شرک کی ایک قسم یہ بھی لکھی ہے کہ انسان خدا تعالےٰ کو چھوڑ کر صرف اسباب ہی پر تکیہ کرلے اور یہ شرک فی الاسباب کہلاتا ہے۔ برہمو وغیرہ اس راز توحید کو نہیں سمجھے جو خدا را بخدا باید شناخت میں دکھلایا گیا ہے خدا تعالےٰ کی طرف سے آنے والا ایسا ہی ہے کہ گویا خود خدا ہی ہے۔ انسانی گورنمنٹ کی طرف سے آنے والا نائب ہوتا ہے۔ اسی طرح سے رسُول بھی خدا میں فنا ہو کر وہ وہ نہیں ہوتا بلکہ خود خدا ہوتا ہے۔ غرض مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ کا فقرہ توحید کامل کرنے کے واسطے لازمی تھا خدا تعالےٰ توحید کو پسند کرتا ہے اور یہ شکر کا مقام ہے کہ یہ خصوصیت صرف اسلام میں پائی جاتی ہے جس کو آج ہم پیش کرتے ہیں۔ کسی دوسرے مذہب میں نہیں۔

عیسائیوں کی دوڑ کفارہ مسیح تک ہے۔ باپ ، بیٹا اور روح القدس تین ہیں مگر تین مت کہو ایک کہو۔ یہ عجیب گورکھ دھندا ہے جو سمجھ میں نہیں آتا۔ یہودی بھی بڑے سخت دل

ہیں اور طرح طرح کے شرک میں مبتلا ہیں ان کو اس طرف توجہ ہی نہیں۔ آجکل کے آریہ صاحبان جن کو اسلام کے خلاف اپنے عقائد پر بڑا گھمنڈ اور ناز ہے ان کا مذہب ہے کہ رُوح بمع اپنے تمام صفات کے اور مادہ بمع اپنے تمام صفات کے خود بخود ہیں اور اعتقاد رکھتے ہیں کہ نیستی سے ہستی ممکن نہیں۔ غرض انہوں نے ذرّہ ذرّہ کو خدا تعالےٰ کا شریک بنا رکھا ہے انسانی ظاہری قویٰ کو تو خدا تعالےٰ کی طرف سے مانتے ہیں مگر کہتے ہیں کہ رُوح میں جو قویٰ ہیں وہ خود بخود ہیں خدا تعالےٰ کی طرف سے نہیں۔ وہ ملنتے ہیں کہ ارواح اور ذرّات بمع اپنے قویٰ کے خود بخود موجود ہیں۔ خدا تعالیٰ کا کام صرف ان کو جوڑنا ہی ہے مگر ہم پوچھتے ہیں کہ کیوں جائز نہیں کہ باہمی جوڑ ملاپ کی طاقت بھی ان کی اپنی ذاتی خاصیّت نہ مانی جاوے؟

غرض تازہ معجزات کے یہ لوگ منکر ہیں۔ وید میں معجزات کا کوئی ذکر نہیں تو پھر خدا تعالیٰ کے وجود پر نشانی ہی کیا ہے؟ اور اس کی زندگی کی علامت ہی کیا؟ جب دو حصّے خود بخود موجود ہیں تو پھر کیوں نہ مان لیا جاوے کہ تیسرا حصّہ (باہمی جُڑ جانے کی خاصیّت) بھی خود بخود ہے جب ایک اہم کام خود بخود ہے تو سہل کے واسطے کیوں کسی کی احتیاج مانی جاوے۔

غرض یہ خدا تعالےٰ کا خاص فضل ہے جو صرف اسلام ہی کے شاملِ حال ہے کہ اسلام کی کوئی بھی تعلیم عقلِ سلیم اور فطرتِ سلیم کی مخالف نہیں۔ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ ایک قول ہے۔ اس کا عملی ثبوت بَلٰی مَنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ[1] فعل ہے نرا قول (ایمان کا دعویٰ) کسی کام کا نہیں اور نہ ہی وہ کچھ مفید ہو سکتا ہے۔ خشک ایمان ایک بے بال و پر مُرغ کی مثال ہے جو ایک مضغہ گوشت ہے جو نہ چل پھر سکتا ہے نہ اُڑنے کی اس میں طاقت ہے بلکہ اسلام اس کو کہتے ہیں کہ انسان باوجود ہیبت ناک نظارے دیکھنے کے اور اس امر پر یقین ہونے کے کہ اس مقام پر کھڑا ہونا ہی گویا جان کو خطرہ میں ڈالنا ہے پھر بھی خدا تعالیٰ کی راہ میں سر ڈال دے اور خدا تعالےٰ کی راہ میں اپنے کسی نقصان کی پروا نہ کرے۔ جنگ کے موقعہ پر سپاہی جانتا ہے کہ میں موت کے مُنہ میں جا رہا ہوں اور اسے بہ نسبت

[1] البقرة : ۱۱۳

زندہ پھرنے کے مرنا یقینی نظر آتا ہے مگر باایں ہمہ وہ اپنے افسر کی فرمانبرداری اور وفاداری کرکے آگے ہی بڑھتا ہے اور کسی خطرے کی پروا نہیں کرتا اس کا نام اسلام ہے۔

غرض ایک فقرہ (لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ) میں تو اللہ تعالیٰ نے توحید سکھائی ہے۔ اور دوسرے (مَنْ اَسْلَمَ وَجْھَہٗ لِلّٰہِ) میں یہ سکھایا کہ اس توحید پر سچے اور زندہ ایمان کا ثبوت اپنے اس فعل سے دو اور خدا تعالیٰ کی راہ میں اپنی گردن ڈال دو۔ اس بات کو توجہ سے سُننا چاہیئے۔ مسلمانوں کے واسطے یہ ایک مفید مسئلہ ہے۔ صرف اس بات سے راضی نہ ہونا چاہیئے کہ ہم مسلمان ہیں یا ظاہری نماز روزے کی پابندی کرتے ہیں۔ خطرناک مشکلات میں ثابت قدم رہنا اور قدم آگے ہی آگے اُٹھانا اور خدائی امتحان میں پاس ہو جانا سچے اور حقیقی ایمان کی دلیل ہے۔ مشکلات کا آنا اور ابتلاؤں کا آنا مومن پر ضروری ہے تا ظاہر ہو کہ کون سچا مومن اور کون صرف زبانی ایمان کا مدعی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ یُّتْرَکُوْا اَنْ یَّقُوْلُوْا اٰمَنَّا وَھُمْ لَا یُفْتَنُوْنَ[1]۔ مسلمانوں کے صدر نے عمل سے ثابت کیا تھا کہ واقعی انہوں نے اپنی زندگیاں اللہ کے دین کی خدمت کے واسطے وقف کر دی تھیں کوئی دین ترقی نہیں کر سکتا جب تک خدا تعالیٰ کے احکام کو دنیا کے کل کاموں پر مقدم نہ کیا جاوے۔ معمولی نماز روزے زکوٰۃ وغیرہ اعمال تو کرتے کرتے آخر عادت میں داخل ہو جاتے ہیں۔ مثنوی رُومی میں ایک شعر میں یہ مضمون خوب ادا کیا گیا ہے جس میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ ہم اپنے کوٹھے میں غلّہ بھرتے رہتے ہیں مگر وہ بھرنے میں نہیں آتا۔ جب دیکھو خالی ہی نظر آتا ہے۔ آخر کوئی چُوہا تو ہے جو اس کوٹھے کو لگا ہوا ہے اس کا اناج کھائے جاتا ہے اور ایسے خالی کرنے کی کوشش میں لگا رہتا ہے۔ ہم بھرتے ہیں وہ خالی کرتا ہے۔ آخر کار دروازہ کھول کر دیکھا تو واقعی ایک چُوہا تھا کہ اس غلّہ کو کھا جایا کرتا تھا۔ پس انسان کو اپنے اعمال پر ہی راضی نہ ہونا چاہیئے۔ بعض بدیوں سے بعض اعمال حبط بھی ہو جاتے ہیں۔ ریاکاری بھی حبط اعمال کے لئے ایک خطرناک کیڑا ہے۔ مثلاً ایک مجلس میں چندہ ہوتا ہے

[1] العنکبوت : ۳

ایک شخص اُٹھتا ہے میرا پانصد روپیہ لکھا جاوے۔ اب اگر صرف دکھاوے اور واہ واہ کی آواز کے واسطے یا نام پیدا کرنے کے واسطے ایسا کرتا ہے تو اس کا اجر اس نے پالیا عنداللہ اس کے واسطے کوئی اجر نہ ہوگا اس موقعہ پر ہمیں ایک نقل تذکرۃ الاولیاء کی یاد آگئی۔ لکھا ہے کہ ایک بزرگ تھے ان کو دس ہزار روپیہ کی سخت ضرورت پیش آگئی۔ انہوں نے اپنی ضرورت کا اظہار کیا تو ایک شخص نے دس ہزار روپیہ کی تھیلی ان کے آگے لا رکھی۔ اب وہ بزرگ لگے اس شخص کی تعریف کرنے اور ایک گھنٹہ تک برابر اسی کی تعریف کی۔ آخر وہ شخص جس نے روپیہ دیا تھا مجلس میں سے اُٹھ کھڑا ہوا۔ اور گھر سے واپس لوٹ کر عرض کی کہ مجھ سے تو سخت غلطی ہوئی۔ اصل میں وہ روپیہ تو میری ماں کا تھا اور میں اس کا روپیہ خودبخود دینے کا مختار نہ تھا۔ روپیہ مجھے دے دیا جاوے۔ اب لگی اس کو بجائے تعریف کے لعن طعن ہونے اور لوگ کہنے لگے کہ صاف معلوم ہوتا ہے کہ اس نے بناوٹ کی ہے۔ بہانہ کرتا ہے وغیرہ وغیرہ۔ مگر جب وقت گذر گیا اور رات کی سنسان گھڑیاں تھیں کہ وہی شخص وہی روپیہ لے کر اسی بزرگ کے مکان پر چپکے سے گیا اور وہی روپیہ پیش کرکے عرض کی کہ حضور میں نے روپیہ اللہ تعالیٰ کے واسطے دیا تھا نہ کہ تعریفیں سُننے کے واسطے۔ اب آپ کو قسم ہے خدا کی کہ آپ اس روپیہ کا کسی سے ذکر نہ کریں۔ یہ سُن کر وہ بزرگ رو پڑے اس خیال سے کہ اب جب تک یہ شخص جئے گا لوگ اُسے گالیاں دیں گے۔ طعن و تشنیع کریں گے، ملامت ہی کیا کریں گے۔ ان کو اس حقیقت کی کیا خبر۔

غرض جس کام میں ریاکاری کا ذرہ بھی ہو وہ ضائع جاتا ہے۔ اس کی وہی مثال ہے جیسے ایک اعلیٰ قسم کے عمدہ کھانے میں کُتا مُنہ ڈال دے۔ آج کل بھی یہ مرض بہت پھیلا ہوا ہے اور اکثر امور میں ریاکاری کی ملونی ساتھ ہوتی ہے۔ پس اعمال میں یہ ملونی ہونی نہ چاہیئے۔ اصل میں انسان ایک حد تک معذور بھی ہے کہ ملونی کرنے کو تیار ہو جاتا ہے کیونکہ مکمل تو ہے نہیں۔ جب تک اُسے نفسِ مطمئنّہ حاصل نہ ہو جائے اور کسی کی لعن

طعن کی پروا نہ کرے۔ اس کے اعمال میں ایسا اخلاص ہو جائے کہ تعریف کرنے والا اور گالی دینے والا، مناقب بیان کرنے والا اور حقارت سے دیکھنے والا اس کی نظر میں یکساں ہو جائیں اور یہ دونو کو برابر جانے۔ مُردے کی طرح جانے جو نہ اس کا کچھ بگاڑ سکتا ہے اور نہ سنوار سکتا ہے۔

اس وقت مَیں سِرًّا و علانیۃً پر بحث نہیں کرتا بلکہ نفس کی ملونی کا ذکر کرتا ہوں میں یہ نہیں کہتا کہ ہمیشہ خفیہ ہی خیرات کرو اور علانیہ نہ کرو۔ نیک نیتی کے ساتھ ہر کام میں ثواب ہوتا ہے۔ ایک نیک طبع انسان ایک کام میں سبقت کرتا ہے اس کی دیکھا دیکھی دوسرے بھی اس کارِ خیر میں شریک ہو جاتے ہیں۔ اس طرح سے اس شخص کو بھی ثواب ملتا ہے بلکہ ان کے ثواب میں سے بھی حصہ لیتا ہے۔ پس اس رنگ میں کوئی نیک کام اس نیّت سے کرنا کہ دوسروں کو بھی ترغیب و تحریص ہو بڑا ثواب ہے۔

شریعت اسلام میں بڑے بڑے باریک امور ایسے ہیں تا کہ اخلاص کی قوت پیدا ہو جائے۔ اخلاص ایک موت ہے جو مخلص کو اپنے نفس پر وارد کرنی پڑتی ہے۔ جو شخص دیکھے کہ علانیہ خرچ کرنے اور خیرات دینے یا چندوں میں شامل ہونے سے اس کے نفس کو مزا آتا ہے اور ریا پیدا ہوتی ہے تو اس کو چاہیئے کہ ریاکاری سے دست بردار ہو جائے اور بجائے علانیہ خرچ کرنے کے خفیہ طور سے خرچ کرے اور ایسا کرے کہ اس کے بائیں ہاتھ کو بھی علم نہ ہو۔ پھر خدا قادر ہے کہ نیک کو اس کی نیکی اور پاک تبدیلی کی وجہ سے بخش دے۔ اس میں کوئی سَو برس کی ضرورت نہیں، اخلاص کی ضرورت ہے۔[1]

---

[1] البدر میں ہے:- "یہ خیال نہ کرو کہ سَو سال تک عبادت کرنے ہی سے نجات ہوتی ہے بلکہ خدا تو نکتہ نواز ہے وہ ایک نیکی سے بخش دیتا ہے۔ صرف اخلاص چاہیئے"

(البدر حوالہ مذکور صفحہ ۷)

دیکھو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالےٰ عنہ ایک بڑھیا کو بلا ناغہ حلوا کھلایا کرتے تھے اور ان کے اس فعل کی کسی کو خبر نہ تھی۔ ایک دن جب بڑھیا کو حلوا نہ پہنچا۔ اُس نے اِس سے یقین کر لیا کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالےٰ عنہ وفات پا گئے۔ اب جائے غور ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ کیسے تعاہد سے اس بڑھیا کی جو کہ اور کچھ نہ کھا سکتی تھی خدمت کیا کرتے تھے کہ ایک دن حلوا نہ پہنچنے سے اس کو یقین ہو گیا کہ آپ وفات پا گئے۔ یعنی اس بڑھیا کے وہم میں بھی نہیں آسکتا تھا کہ آپؓ زندہ ہوں اور اس کو حلوا نہ پہنچے۔ یہ ممکن ہی نہ تھا۔

غرض یہ ہے اخلاص اور یہ ہیں محض خدا کی راہ میں محض نیک نیتی کے اعمال۔ اخلاص جیسی اور کوئی تلوار دلوں کو فتح کرنے والی نہیں۔ ایسے ہی امور سے وہ لوگ دُنیا پر غالب آ گئے تھے۔ صرف زبانی باتوں سے کچھ ہو نہیں سکتا۔ اب نہ پیشانی میں نُور اور نہ رُوحانیت ہے اور نہ معرفت کا کوئی حصہ۔ خدا تعالےٰ ظالم نہیں ہے۔ اصل بات ہی یہی ہے کہ ان کے دلوں میں اخلاص نہیں۔ صرف ظاہری اعمال سے جو رسم اور عادت کے رنگ میں کئے جاتے ہیں کچھ نہیں بنتا۔ اس سے کوئی یہ نہ سمجھ لے کہ میں نماز کی تحقیر کرتا ہوں۔ وہ نماز جس کا ذکر قرآن میں ہے اور وہ معراج ہے۔ بھلا ان نمازیوں سے کوئی پُوچھے تو سہی کہ ان کو سُورہ فاتحہ کے معنے بھی آتے ہیں۔ پچاس پچاس برس کے نمازی ملیں گے مگر نماز کا مطلب اور حقیقت پوچھو تو اکثر بیخبر ہوں گے حالانکہ تمام دنیوی علوم ان علوم کے سامنے ہیچ ہیں۔ بایں دنیوی علوم کے واسطے تو جان توڑ محنت اور کوشش کی جاتی ہے اور اس طرف سے ایسی بے التفاتی ہے کہ اُسے جنتر منتر کی طرح پڑھ جاتے ہیں۔ میں تو یہانتک بھی کہتا ہوں کہ اس بات سے مت رُکو کہ نماز میں اپنی زبان میں دُعائیں کرو۔ بیشک اُردو میں، پنجابی میں، انگریزی میں، جو جس کی زبان ہو اسی میں دُعا کر لے۔ مگر ہاں یہ ضروری ہے کہ خدا تعالیٰ کے کلام کو اسی طرح پڑھو۔ اس میں

اپنی طرف سے کچھ دخل مت دو۔ اس کو اسی طرح پڑھو اور معنے سمجھنے کی کوشش کرو۔ اسی طرح ماثورہ دعاؤں کا بھی اسی زبان میں التزام رکھو۔ قرآن اور ماثورہ دعاؤں کے بعد جو چاہو خدا تعالیٰ سے مانگو اور جس زبان میں چاہو مانگو۔ وہ سب زبانیں جانتا ہے۔ سُنتا ہے قبول کرتا ہے۔

اگر تم اپنی نماز کو باحلاوت اور پُر ذوق بنانا چاہتے ہو تو ضروری ہے کہ اپنی زبان میں کچھ نہ کچھ دعائیں کرو۔ مگر اکثر یہی دیکھا گیا ہے کہ نمازیں تو ٹکریں مار کر پُوری کر لی جاتی ہیں پھر لگتے ہیں دعائیں کرنے۔ نماز تو ایک ناحق کا ٹیکس ہوتا ہے۔ اگر کچھ اخلاص ہوتا ہے تو نماز کے بعد میں ہوتا ہے۔ یہ نہیں سمجھتے کہ نماز خود دُعا کا نام ہے جو بڑے عجز، انکسار، خلوص اور اضطراب سے مانگی جاتی ہے۔ بڑے بڑے عظیم الشّان کاموں کی کُنجی صرف دُعا ہی ہے۔ خدا تعالیٰ کے فضل کے دروازے کھولنے کا پہلا مرحلہ دعا ہی ہے۔

نماز کو رسم اور عادت کے رنگ میں پڑھنا مفید نہیں بلکہ ایسے نمازیوں پر تو خود خدا تعالیٰ نے لعنت اور ویل بھیجا ہے چہ جائیکہ ان کی نماز کو قبولیّت کا شرف حاصل ہو۔ ویلٌ للمصلّین[1] خود خدا تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ یہ ان نمازیوں کے حق میں ہے جو نماز کی حقیقت سے اور اس کے مطالب سے بیخبر ہیں۔ صحابہؓ تو خود عربی زبان رکھتے تھے اور اس کی حقیقت کو خوب سمجھتے تھے۔ مگر ہمارے واسطے یہ ضروری ہے کہ اس کے معانی سمجھیں اور اپنی نماز میں اس طرح حلاوت پیدا کریں مگر ان لوگوں نے تو ایسا سمجھ لیا ہے جیسے کہ دوسرا نبی آگیا ہے اور اس نے گویا نماز کو منسوخ ہی کر دیا ہے۔

دیکھو خدا تعالیٰ کا اس میں فائدہ نہیں بلکہ خود انسان ہی کا اس میں بھلا ہے کہ اس کو خدا تعالیٰ کی حضوری کا موقعہ دیا جاتا ہے اور عرض معروض کرنے کی عزت

[1] الماعون: ۵

عطا کی جاتی ہے جس سے یہ بہت سی مشکلات سے نجات پا سکتا ہے۔ میں حیران ہوں کہ وہ لوگ کیونکر زندگی بسر کرتے ہیں جن کا دن بھی گذر جاتا ہے اور رات بھی گذر جاتی ہے مگر وہ نہیں جانتے کہ ان کا کوئی خدا بھی ہے۔ یاد رکھو کہ ایسا انسان آج بھی ہلاک ہوا اور کل بھی۔[1]

میں ایک ضروری نصیحت کرتا ہوں۔ کاش لوگوں کے دل میں پڑ جاوے۔ دیکھو عمر گذری جا رہی ہے۔ غفلت کو چھوڑ دو اور تضرع اختیار کرو۔ اکیلے ہو ہو کر خدا تعالیٰ سے دعا کرو کہ خدا ایمان کو سلامت رکھے اور تم پر وہ راضی اور خوش ہو جائے۔

انسان کیواسطے ترقی کرنے کے دو ہی طریق ہیں

اوّل تو انسان تشریعی احکام یعنی نماز روزہ۔ زکوٰۃ اور حج وغیرہ تکالیف شرعیہ کی پابندی سے جو کہ خدا کے حکم کے موجب خود بجا لاتا ہے۔ مگر یہ امور چونکہ انسان کے اپنے ہاتھ میں ہوتے ہیں۔ اس لئے کبھی ان میں سستی اور تساہل بھی کر بیٹھتا ہے اور کبھی ان میں کوئی آسانی اور آرام کی صورت ہی پیدا کر لیتا ہے۔ لہذا دوسرا وہ طریق ہے جو براہِ راست خدا تعالےٰ کی طرف سے انسان پر وارد ہوتا ہے اور یہی انسان کی اصلی ترقی کا باعث ہوتا ہے۔ کیونکہ تکالیف شرعیہ میں انسان کوئی نہ کوئی راہ بچاؤ یا آرام و آسائش کی نکال ہی لیتا ہے۔ دیکھو کسی کے ہاتھ میں تازیانہ دے کر اگر اُسے کہا جاوے کہ اپنے بدن پر مارو تو قاعدہ کی بات ہے کہ آخر اپنے بدن کی محبت دل میں آ ہی جاتی ہے۔ کون ہے جو اپنے آپ کو دُکھ میں ڈالنا چاہتا ہے؟

---

[1] بدر سے:- "یہ بات سُن لو کہ دُنیا فانی ہے
بی بی بھی ہے بھائی بھی۔ سب رشتہ دار ہیں۔ مال و دولت ہے یہ سب کچھ
لیکن جب تک خدا تعالےٰ کو اپنی سپر نہیں بناتا تو کچھ بھی نہیں"
(بدر حوالہ مذکور)

اسی واسطے اللہ تعالیٰ نے انسانی تکمیل کے واسطے ایک دوسری راہ رکھ دی اور فرمایا
وَلنبلونّکم بشیءٍ من الخوف والجوع و نقصٍ من الاموالِ والانفس
والثمرٰتِ و بشر الصّابرین الّذین اذا اصابتھم مصیبۃٌ قالوا انّا للہِ
و انّا الیہ راجعون[1] ہم آزماتے رہیں گے تم کو کبھی کسی قدر خوف بھیج کر، کبھی
فاقہ سے کبھی مال جان اور پھلوں پر نقصان وارد کرنے سے۔ مگر ان مصائب شدائد
اور فقر و فاقہ پر صبر کر کے انّا للہ و انّا الیہ راجعون کہنے والوں کو بشارت دے دو کہ ان
کے واسطے بڑے بڑے اجر خدا تعالیٰ کی رحمتیں اور اس کے خاص انعامات مقرر ہیں۔ دیکھو
ایک کسان کس محنت اور جانفشانی سے قلبہ رانی کر کے زمین کو درست کرتا، پھر تخم ریزی
کرتا، آبپاشی کی مشکلات جھیلتا ہے۔ آخر جب طرح طرح کی مشکلات، محنتوں اور حفاظتوں
کے بعد کھیتی تیار ہوتی ہے تو بعض اوقات خدا تعالیٰ کی باریک در باریک حکمتوں سے
ژالہ باری ہو جاتی یا کبھی خشک سالی ہی کی وجہ سے کھیتی تباہ و برباد ہو جاتی ہے۔ غرض
یہ ایک مثال ہے ان مشکلات کی جن کا نام تکالیف قضا و قدر ہے۔ ایسی حالت میں
مسلمانوں کو جو پاک تعلیم دی گئی ہے وہ کیسی رضا بالقضاء کا سچا نمونہ اور سبق ہے اور
یہ بھی صرف مسلمانوں ہی کا حصہ ہے۔ آریہ جو کہ رُوح اور ذرات مع ان کے خواص
کے خود بخود اور خدا کی طرح ازلی ابدی مانتے ہیں وہ کیونکر انّا للہ کہہ سکتے ہیں اور یہ
توفیق ان کو کیسے نصیب ہو سکتی ہے۔

غرض تکالیف دو قسم کی ہیں ایک حصہ تو وہ ہے جو احکام پر مشتمل ہے جن میں
نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج وغیرہ داخل ہیں۔ ان میں کسی قدر عذر اور حیلے وغیرہ کی بھی
گنجائش ہے اور جب تک پورا اخلاص اور کامل یقین نہ ہو انسان ان سے کسی نہ کسی
قدر بچنے کی یا آرام کی صورت پیدا کرنے کی کوئی نہ کوئی راہ نکال ہی لیتا ہے۔ پس اس
طرح کی کوئی کسر جو انسانی کمزوری کی وجہ سے رہ گئی ہو۔ اس کسر کے پورا کرنے کے

[1] البقرۃ: ۱۵۶-۱۵۷

واسطے اللہ تعالیٰ نے تکالیف قضا و قدر رکھ دی ہیں تا کہ انسانی فطرت کی کمزوری کی وجہ سے جو کمی رہ گئی ہو خدا تعالیٰ کے فضل کے ہاتھ سے پوری ہو جاوے۔ تکالیف قضا و قدر کا نام آریہ لوگ پہلی جون کا پھل رکھتے ہیں۔ مگر ہم اُن سے پوچھتے ہیں کہ اگر ایسا ہی ہے تو پھر تمہارے جپ تپ کس مرض کی دوا ہیں۔ اگر آسمانی تکالیف تمہارے پہلے اعمال کا نتیجہ ہیں تو کیوں ایک اَور عذاب جپ تپ کی مصیبت میں پڑ کر اپنے واسطے پیدا کرتے ہو۔

غرض یہ دونوں سلسلے کہ کبھی انسان تکالیف شرعیہ کی پابندی کر کے اپنے ہاتھوں اور کبھی قضا و قدر کے آگے گردن جھکاتا ہے اس واسطے ہیں کہ انسان کی تکمیل ہو جاوے۔ اسی کی طرف اشارہ کر کے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ بلیٰ من اسلم وجھہ للہ[1]۔ یعنی اسلام کیا ہے؟ یہی کہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں اس کی رضا کے حصول کے واسطے گردن ڈال دینا ابتلاؤں کا ہیبت ناک نظارہ لڑائی میں ننگی تلواروں کی چمک اور کھٹا کھٹ کی طرح آنکھوں کے سامنے موجود ہے۔ جان جانے کا اندیشہ ہے مگر کسی بات کی پروا نہ کر کے خدا کے واسطے یہ سب کچھ اپنے نفس پر وارد کر لینا یہ ہے اسلام کی تعلیم کا لُب لباب۔

دوسرا حصہ خلق اللہ اور حق العباد کے متعلق ہے اس کے متعلق قرآنی تعلیم یوں بیان ہوئی کہ انّ اللہ یأمر بالعدل والاحسان و ایتائ ذی القربیٰ[2]۔ پہلے فرمایا کہ عدل کرو۔ پھر اس سے بھی آگے بڑھ کر فرمایا۔ احسان کا بھی خدا تعالیٰ نے تم کو حکم کیا ہے یعنی صرف اُس سے نیکی نہ کرو جس نے تم سے نیکی کی ہو بلکہ احسان کے طور پر بھی جو کہ کوئی حق نہ رکھتا ہو کہ اس سے نیکی کی جاوے اس سے بھی نیکی کرو مگر احسان میں بھی ایک قسم کا باریک نقص اور مخفی تعلق اس شخص سے رہ جاتا ہے جس سے احسان کیا گیا ہے کیونکہ کبھی کسی موقعہ پر اس سے کوئی ایسی حرکت سرزد ہو جائے جو اس

[1] البقرۃ ۱۱۳ [2] النحل : ۹۱

محسن کے خلاف طبیعت ہو یا نافرمانی کر بیٹھے تو محسن ناراض ہو کر اس کو احسان فراموش یا نمک حرام وغیرہ کہہ دے گا۔ اور اگرچہ وہ شخص اس بات کو دبانے کی کوشش بھی کریگا مگر پھر بھی اس میں ایک ایسا مخفی اور باریک رنگ میں نقص باقی رہ جاتا ہے کہ کبھی نہ کبھی ظاہر ہو ہی جاتا ہے۔ اسی واسطے اس نقص اور کمی کی تلافی کرنے کے واسطے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ احسان سے بھی آگے بڑھو اور ترقی کر کے ایسی نیکی کرو کہ وہ ایتاءِ ذی القربیٰ کے رنگ میں رنگین ہو یعنی جس طرح سے ایک ماں اپنے بچے سے نیکی کرتی ہے۔ ماں کی اپنے بچے سے محبت ایک طبعی اور فطری تقاضا پر مبنی ہے نہ کہ کسی طمع پر۔ دیکھو بعض اوقات ایک ماں ۶۰ برس کی بڑھیا ہوتی ہے اس کو کوئی توقع خدمت کی اپنے بچے سے نہیں ہوتی کیونکہ اس کو کہاں یہ خیال ہوتا ہے کہ میں اس کے جوان اور لائق ہونے تک زندہ بھی رہونگی غرض ایک ماں کا اپنے بچے سے محبت کرنا بلا کسی خدمت یا طمع کے خیال کے فطرت انسانی میں رکھا گیا ہے۔ ماں خود اپنی جان پر دُکھ برداشت کرتی ہے مگر بچے کو آرام پہنچانے کی کوشش کرتی ہے۔ خود گیلی جگہ پر لیٹتی ہے اور اُسے خشک حصہ بستر پر جگہ دیتی ہے۔ بچہ بیمار ہو جائے تو راتوں جاگتی اور طرح طرح کی تکالیف برداشت کرتی ہے۔ اب بتاؤ کہ ماں جو کچھ اپنے بچے کے واسطے کرتی ہے اس میں تصنع اور بناوٹ کا کوئی بھی شعبہ پایا جاتا ہے؟

پس اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ احسان کے درجہ سے بھی آگے بڑھو اور ایتاءِ ذی القربیٰ کے مرتبہ تک ترقی کرو اور خلق اللہ سے بغیر کسی اجر یا نفع و خدمت کے خیال کے طبعی اور فطری جوش سے نیکی کرو۔ تمہاری خلق اللہ سے ایسی نیکی ہو کہ اس میں تصنع اور بناوٹ ہرگز نہ ہو۔ ایک دوسرے موقعہ پر یوں فرمایا ہے لَا نُرِيْدُ مِنْكُمْ جَزَآءً وَّلَا شُكُوْرًا[1] یعنی خدا رسیدہ اور اعلیٰ ترقیات پر پہنچے ہوئے انسان کا یہ قاعدہ ہے کہ اس کی نیکی خالصاً للہ ہوتی ہے اور اس کے دل میں یہ خیال بھی نہیں ہوتا کہ

[1] الدھر: ۱۰

اس کے واسطے دعا کی جاوے یا اس کا شکریہ ادا کیا جاوے۔ نیکی محض اس جوش کے تقاضا سے کرتا ہے جو ہمدردی بنی نوع انسان کے واسطے اس کے دل میں رکھا گیا ہے۔ ایسی پاک تعلیم نہ ہم نے توریت میں دیکھی ہے اور نہ انجیل میں۔ ورق ورق کر کے ہم نے پڑھا ہے مگر ایسی پاک اور مکمل تعلیم کا نام و نشان نہیں۔ اس وقت دنیا میں تاریکی بہت پھیلی ہوئی ہے۔ خدا تعالےٰ کی کتاب پر عمل کرنے کے واسطے جو قوت درکار ہے اس میں بہت کمزوری ہے۔ خدا تعالےٰ کی یہ قدیم سے عادت چلی آئی ہے کہ جب دنیا میں گناہ کی ظلمت پھیل جاتی ہے لوگ زندگی کے مقصد اصلی سے دُور جا پڑتے ہیں۔ اس وقت اللہ تعالےٰ خود اپنی طرف سے ایمانوں کو تازہ کرنے کے واسطے انتظام کرتا ہے اور مصلح اور مجدد مبعوث کرتا ہے۔ سفلی ریفارمر اس وقت کچھ نہیں کر سکتے۔ خدا تعالیٰ کے مقرر کردہ لوگوں ہی کا یہ منصب ہوتا ہے کہ دلوں پر قابو پا کر ان میں پاک زندگی پیدا کر جاتے ہیں۔ خدا تعالےٰ کی طرف سے رُوحانی اصلاح کے لئے مقرر ہونے والے لوگ چراغ کی طرح ہوتے ہیں۔ اسی واسطے قرآن شریف میں آپؐ کا نام داعیًا الی اللّٰہ و سراجًا منیرًا[1] آیا ہے دیکھو کسی اندھیرے مکان میں جہاں سو پچاس آدمی ہوں اگر ان میں سے ایک کے پاس چراغ روشن ہو تو سب کو اس کی طرف رغبت ہوگی اور چراغ ظلمت کو پاش پاش کر کے اُجالا اور نُور کر دے گا۔[2]

اس جگہ آپ کا نام چراغ رکھنے میں ایک اور باریک حکمت یہ ہے کہ ایک چراغ سے ہزاروں لاکھوں چراغ روشن ہو سکتے ہیں اور اس میں کوئی نقص بھی نہیں آتا۔ چاند سورج میں یہ بات نہیں۔ اس سے مطلب یہ ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی پیروی اور

[2] بدر سے :- "چراغ والا اندر اندھیرے میں چلا جائے تو یکدم سب مکان جگمگا اُٹھتا ہے۔ پھر ہر ایک کو اس کی طرف رغبت ہو جاتی ہے" (بدر حوالہ مذکور صفحہ ۸)

[1] :- الاحزاب : ۴۷

اطاعت کرنے سے ہزاروں لاکھوں انسان اس مرتبہ پر پہنچیں گے اور آپ کا فیض خاص نہیں بلکہ عام اور جاری ہوگا۔ غرض یہ سنت اللہ ہے کہ ظلمت کی انتہا کے وقت اللہ تعالیٰ اپنی بعض صفات کی وجہ سے کسی انسان کو اپنی طرف سے علم اور معرفت دے کر بھیجتا ہے اور اس کے کلام میں تاثیر اور اس کی توجہ میں جذب رکھ دیتا ہے۔ اس کی دعائیں مقبول ہوتی ہیں۔ مگر وہ ان ہی کو جذب کرتے ہیں اور ان ہی پر اُن کی تاثیرات اثر کرتی ہیں جو اس انتخاب کے لائق ہوتے ہیں۔ دیکھو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا نام سراجًا منیرًا ہے۔ مگر ابوجہل نے کہاں قبول کیا؟ ؎

باراں کہ در لطافتِ طبعش خلاف نیست

در باغ لالہ روید و در شورہ بوم وخس

جس طرح بارش آسمانی سے زمینیں اپنی اپنی استعداد کے موافق روئیدگی پیدا کرتی ہیں۔ کہیں خس وخاشاک اور کہیں گلاب کے پھول۔ بعینہٖ یہی حال رُوحانی بارش کے وقت انسانی رُوحانیت کا ہے۔ عادت اللہ اسی طرح پر ہے کوئی نرالی بات نہیں۔ آدم سے لیکر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم تک سلسلہ وحی جاری رہا۔ بعد میں اللہ تعالیٰ نے وعدہ فرمایا کہ وہ تجدید دین کے واسطے مجدد پیدا کرے گا۔ تجدید کہتے ہیں ایک کپڑا جو میل کچیل سے آلودہ ہوگیا ہو اس کو دھو کر صاف کر لیا جاوے اور میل اس سے قطعًا الگ کر دی جاوے اور بالکل نئے کی طرح کر دیا جاوے۔ اسی طرح جب دین میں ایک زمانہ گذرنے کے بعد عقائد اور اعمال میں طرح طرح کے گند داخل ہو جاتے ہیں اور ایمان کی بنا صرف پرانے قصہ کہانیوں پر ہی رہ جاتی ہے اور قصوں کے سوائے کچھ ہاتھ میں نہیں رہتا۔ تو اللہ تعالیٰ نے ایسی حالت میں اسلام کو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی زبانی یہ وعدہ دیا ہے کہ ہر صدی کے سر پر ایسے شخص بھیجتا رہے گا جو تجدید دین کیا کریں گے مگر چودھویں صدی کا سرا تو بجائے خود ۲۶ برس بھی گذر گئے۔ آنے والا حسب وعدہ

آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم عین وقت پر آگیا مگر یہ لوگ ابتک بھی شک میں ہیں اور مجھ پر خواہ مخواہ جھوٹ اور تہمت سے الزام لگاتے ہیں کہ نعوذ باللہ میں پیغمبروں کو گالیاں دیتا ہوں مگر کیسا ہی خبیث اور ملعون ہے وہ شخص جو کہ برگزیدہ بندوں کا انکار کرے یا ان کی کسی طرح سے اپنے قول سے یا فعل سے توہین کرے۔

یہ بھی مجھ پر الزام لگایا گیا ہے کہ میں معجزات سے منکر ہوں حالانکہ میرا ایمان ہے کہ بغیر معجزات کے زندہ ایمان ہی نصیب نہیں ہو سکتا۔[له] عقل انسان کا کہانتک ساتھ دے سکتی ہے اور اس کی مدد سے یہ کہانتک ترقی کر سکتا ہے۔ خدا تعالےٰ زندہ موجود ہے اور جس طرح اُس نے پہلے کام کئے ہیں اب بھی ضرور ہے کہ اسی طرح کرے۔ کیا وجہ کہ پہلے معجزات اور خوارق پر ایمان لایا جاتا ہے اور گذشتہ کا حوالہ دیا جاتا ہے۔ کیا اب خدا بڈھا ہو گیا ہے ؟ یا خدا کی قوتِ گویائی جاتی رہی ہے ؟ یا اس کی قوت نصرت و قدرت کا سلسلہ ختم ہو گیا ہے ؟

حال کے فلسفہ والے ان باتوں کو نہیں مانتے مگر میں خود اس میں صاحب تجربہ ہوں جس طرح پہلے نشان ظاہر ہوتے تھے اب بھی ہوتے ہیں اور اسی طرح خدا تعالیٰ اپنے خاص بندوں کی تائید اور نصرت کرتا ہے اور اسی طرح وحی اور الہام سے ان کی تائید کرتا ہے۔ اگر تمہارے اعتقاد کے موافق مان لیا جاوے کہ اب کوئی سلسلہ وحی و الہام نہیں رہا اور وہ مُردہ ہو گیا ہے تو پھر مُردے سے کیا امید رکھ سکتے ہو ؟ کیا مُردہ مُردے کو زندہ کر سکتا ہے اور اندھا اندھے کی راہبری کر سکتا ہے ؟

میں سچ کہتا ہوں کہ خدا تعالےٰ اسی طرح زندہ ہے جس طرح آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں زندہ تھا۔ خدا تعالیٰ نے ہمیں ایک خاص مقام پر پہنچانے کا وعدہ کیا تھا۔ کیا

[له] بدر سے :- " جس دین میں زندہ معجزات نہیں وہ دین قائم رہ سکتا ہی نہیں " (بدر حوالہ مذکور)

اب وہ ہمیں راستے میں ہی چھوڑ دے گا؟ مثال کے طور پر بیان کرتا ہوں کہ مثلاً ایک اندھے سے کسی نے وعدہ کیا کہ تمہیں مدراس یا کلکتہ تک پہنچا دیں گے مگر جب وہ نصف راستہ میں پہنچا تو اس کو چھوڑ دیا۔ اب وہ نہ اِدھر کا نہ اُدھر کا۔ کیا یہ انصاف ہے اور ظلم نہیں۔ ہم خدا تعالٰے پر ایسا الزام نہیں لگا سکتے کہ اس نے وعدہ تو کیا کہ قیامت تک خلفاء اور مجددین کا سلسلہ جاری رکھوں گا مگر ایک خاص وقت کے بعد اس نے ایسا کرنا چھوڑ دیا۔ سورۂ نور میں آیت استخلاف کو غور سے پڑھ کر دیکھ لو۔ میں بھی اسی وعدہ کے موافق آیا ہوں اور اسی واسطے موعود کہلاتا ہوں۔ یہ نہیں کہ آواگون کے طور پر وہی مسیح آگیا ہو۔ بلکہ اللہ تعالٰے کو علم تھا کہ آخری زمانہ میں اُمت بگڑ جائے گی اور جس طرح حضرت عیسٰی علیہ السلام کے زمانہ میں یہود کی حالت تھی وہی حالت مسلمانوں کی موعود مسیح مہدی کے زمانہ میں ہو جائے گی۔ غیر المغضوب علیھم ولا الضالین[1] میں اسی کی طرف تو اشارہ ہے۔ خود مسلمانوں سے پوچھ لو کہ آخری زمانہ کے مسلمانوں اور علماء کا کیا حال لکھا ہے۔ یہی لکھا ہے کہ ایسے ہو جاویں گے کہ قرآن پڑھیں گے مگر قرآن حلق سے نیچے نہیں اُترے گا۔ ایمان صرف زبانوں پر ہی ہوگا۔ اب صاف ہے کہ ایسے وقت میں ان کی اصلاح کے واسطے جو شخص آوے گا وہ بھی مناسب حال ہی آوے گا اور ضرورت اور کام کے لحاظ سے اس کا نام بھی مسیح ہوگا۔ کیا یہ ظاہر نہیں کہ دین مرگیا۔ تو پھر جب کسی آدمی کا عزیز دوست حتیٰ کہ پالتو کُتا۔ بلّی ہی مر جائے تو اُسے رنج ہوتا ہے اور افسوس آتا ہے تو کیا وجہ کہ دین کی موت کا کسی کو رنج نہیں اور کسی کے دل میں ماتم نہیں نظر آیا؟

یہ بھی مجھ پر الزام لگایا جاتا ہے کہ میں نبوت کا دعویٰ کرتا ہوں اور کہ میں نے نیا دین بنا لیا ہے یا میں کسی الگ قبلہ کی فکر میں ہوں، نماز میں نے الگ بنائی ہے یا قرآن کو منسوخ کر کے اور قرآن بنا لیا ہے۔ سو اس تہمت کے جواب میں مَیں بجُز اس کے کہ لعنۃ اللہ علی الکاذبین کہوں اور کیا کہوں۔

[1] الفاتحۃ : ۷

میرا دعویٰ صرف یہ ہے کہ موجودہ مفاسد کے باعث خدا تعالیٰ نے مجھے بھیجا ہے اور میں اس امر کا اخفاء نہیں کرسکتا کہ مجھے مکالمہ مخاطبہ کا شرف عطا کیا گیا ہے۔ اور خدا تعالیٰ مجھ سے ہمکلام ہوتا ہے اور کثرت سے ہوتا ہے۔ اسی کا نام نبوت ہے مگر حقیقی نبوت نہیں۔ نبأ ایک عربی لفظ ہے جس کے معنے خبر کے ہیں۔ اب جو شخص کوئی خبر خدا تعالیٰ سے پاکر خلق پر ظاہر کرے گا اس کو عربی میں نبی کہیں گے۔ میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے الگ ہو کر کوئی دعویٰ نہیں کرتا۔ یہ تو نزاع لفظی ہے۔ کثرت مکالمہ مخاطبہ کو دوسرے الفاظ میں نبوت کہا جاتا ہے۔ دیکھو حضرت عائشہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا کا یہ قول کہ قولوا انہٗ خاتم النبیین ولا تقولوا لا نبی بعدہٗ اس امر کی صراحت کرتا ہے نبوت اگر اسلام میں موقوف ہو چکی ہے تو یقیناً جانو کہ اسلام بھی مرگیا اور پھر کوئی امتیازی نشان بھی نہیں ہے۔ ایک باغ جس کو اس کے مالی اور باغبان نے چھوڑ دیا، اسے بھُلا دیا، اس کی آبپاشی کی اس کو فکر نہیں تو پھر نتیجہ ظاہر ہے کہ چند سال بعد وہ باغ خشک ہو کر بے ثمر ہو جاوے گا اور آخر کار لکڑیاں جلانے کے کام میں لائی جاویں گی۔

اصل میں ان کی اور ہماری نزاع لفظی ہے۔ مکالمہ مخاطبہ کا تو یہ لوگ خود بھی اقرار کرتے ہیں۔ مجدد صاحب[1] بھی اس کے قائل ہیں۔ وہ لکھتے ہیں کہ جن اولیاء اللہ کو کثرت سے خدا تعالیٰ کا مکالمہ مخاطبہ ہوتا ہے وہ محدث اور نبی کہلاتے ہیں[2]۔ اچھا میں پوچھتا ہوں کہ ایک انسان خدا تعالیٰ سے خبر پاکر دنیا پر ظاہر کرے تو اس کا نام آپ لوگ عربی زبان میں بجز نبی کے اور کیا تجویز کرتے ہیں؟ عجیب بات ہے کہ اسی لفظ کے مفہوم کو اگر زبان اُردو میں یا پنجابی میں بیان کیا جائے تو مان لیتے ہیں اور اگر عربی زبان میں پیش کریں تو نفرت اور انکار کرتے ہیں۔ یہ

---

[1] حاشیہ " مجدد صاحب سرہندی " (بدر حوالہ مذکور)

[2] بدر میں یہ الفاظ ہیں:- " حضرت مجدد سرہندی بھی ایسے مکالمہ کے قائل ہیں۔ میں کہتا ہوں کہ اگر کوئی خدا سے خبر پاکر پیشگوئی کرتا ہے تو اسے عربی میں نبوت کے سوا اور کیا کہیں گے " (بدر حوالہ مذکور)

تعصب نہیں تو اور کیا ہے ؟

اب صرف یہی بات باقی ہے جسے میں ضروری سمجھتا ہوں کہ ان لوگوں نے شاید اس مہذب اور تعلیمیافتہ گروہ کو بھی اس امر میں دھوکا دیا ہو اور ہم سے بدظن کرنے کی کوشش کی ہو۔ لہذا میں مناسب سمجھتا ہوں کہ آپ لوگوں پر ظاہر کر دوں کہ خدا تعالیٰ نے مجھے تجدید دین کے واسطے تائید اور نصرت کے ساتھ تازہ نشانات دیکر بھیجا ہے۔ آپ یقیناً سمجھیں کہ اگر خدا تعالیٰ نے مجھے نہ بھیجا ہوتا تو یہ دین بھی اور دینوں کی طرح صرف قصّے کہانیوں میں ہی محدود ہو جاتا۔ خدا تعالیٰ سے آنے والا نابود نہیں کیا جاتا۔ انجام کار خدا اُس کی سرسبزی دنیا پر ظاہر کر دیتا ہے۔

ان لوگوں نے میری توہین کے واسطے جھُوٹ سے، تہمت سے، افتراء سے اور طرح طرح کے حیلوں سے کام لیا ہے اور ہماری ترقی کو روکنے کے واسطے، ہم سے لوگوں کو بدظن کرنے کے واسطے سخت سے سخت کوششیں کی ہیں مگر خدا تعالےٰ کی قدرت سے باینہمہ ہماری ترقی ہی ہوتی گئی اور ہو رہی ہے۔ حتیٰ کہ اب چار لاکھ سے بھی زیادہ لوگ مختلف ممالک میں ہماری جماعت کے موجود ہیں۔ اصل بات یہ ہے کہ سمجھدار لوگ جب سمجھ لیتے ہیں کہ یہی راہ دشمن پر غلبہ پانے کی ہے تو پھر وہ اس پر سچے دل سے قائم ہو جاتے ہیں۔

اب ہمیں بتائیں کہ جن کا یہ مذہب ہے کہ حضرت عیسٰی مَرے نہیں بلکہ زندہ ہیں اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم وفات پا کر مدینے میں مدفون ہیں۔ بتائیے انہوں نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی عزت پر کیسا حملہ کیا ہے ؟ اور پھر کہتے ہیں کہ وہی اسرائیلی نبی پھر دنیا میں آکر امت محمدیہ کی اصلاح اور تجدید دین کرے گا۔ اب فرمائیے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے بعد جب ایک اسرائیلی نبی آگیا تو پھر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کس طرح خاتم النبیین رہے ؟ اس اعتقاد سے تو خاتم النبیین حضرت عیسٰی علیہ السلام ہوئے

نہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم۔ حاشا و کلا عیسیٰؑ تو خود براہ راست خدا تعالیٰ کے نبی تھے۔ کیا ان کی پہلی شریعت اور نبوت منسوخ ہو جائے گی؟ جب سورہ نور میں ہمیں صاف الفاظ میں وعدہ مل چکا ہے کہ جو آوے گا تم میں سے ہی آوے گا۔ تمہارے غیر کو قدم رکھنے کی اب گنجائش نہیں اور بخاری میں بھی جو اصح الکتب بعد کتاب اللہ ہے اِمامکم منکم موجود ہے اور پھر جب ان کی وفات بھی صراحت سے قرآن شریف اور احادیث سے ثابت ہے تو کیوں ایسا اعتقاد رکھا جاتا ہے جو کہ سراسر قرآن شریف اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے خلاف ایک عقیدہ ہے۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے خود ان کو معراج کی رات میں وفات شدہ انبیاء کے ساتھ دیکھا۔ اگر وہ زندہ تھے تو ان کے واسطے الگ کوئی مقام تجویز ہونا چاہیئے تھا نہ کہ مُردوں میں۔ زندہ کو مردہ سے کیا تعلق اور کیا واسطہ؟

غرض خدا تعالیٰ نے قول سے اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنے فعل سے ثابت کر دیا کہ وہ وفات پا چکے۔ اب ماذا بعد الحق الّا الضلال[1]۔ مسلمان ہو کر قرآن اور قول الرسولؐ کو قبول نہیں کرتے تو نہ کریں ان کا اختیار ہے۔ میری تکذیب نہیں کرتے بلکہ اس کی جس کی طرف سے میں آیا ہوں اور اس کی جس کا میں غلام ہوں تکذیب کرتے ہیں میں کیا اور میری تکذیب کیا بلکہ یہ تو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی تکذیب کرتے ہیں۔ بات تو ایک ہی ہے قرآن میں خلیفہ کے آنے کی نص موجود ہے اور احادیث میں قربِ قیامت کے وقت آنے والے خلیفہ کا نام مسیح رکھا گیا ہے۔ اب ان میں اختلاف کیا ہے؟

ان الزامات کے سوا دوسرے الزام بھی اسی قسم کے بے حقیقت اور ضد اور تعصب کی وجہ سے پیدا ہوئے ہیں۔ ان سب کا ردّ مفصّلاً ہم نے اپنی کتابوں میں کر دیا ہے۔ ان لوگوں کے بعض عقائد تو ایسے ہیں جن سے ایک سچے مسلمان کا دل کانپ جاتا ہے۔ مثلاً ان لوگوں کا عقیدہ ہے کہ کوئی بھی مسِّ شیطان سے پاک نہیں بجز عیسیٰ علیہ السلام کے۔ ان کا یہ مسئلہ کیسا قابلِ شرم ہے۔ ہمارے نبی کریم افضل الرسل، پاکوں کے سردار

[1] یونس: ۳۳

تو مسِ شیطان سے (نعوذ باللہ) پاک نہیں اور حضرت عیسٰی پاک ہیں۔ کیسا افسوس کا مقام ہے۔ خدا جانے مسلمان کہلا کر ان کو کیا ہو گیا۔

دیکھو خود آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا یہ حال ہے اور خود مسلمان آریوں اور عیسائیوں کے ہمزبان بنے ہوئے ہیں۔ ہمارا اپنا سب سے پیارا نبی جس کی پیروی ہمارا فخر اور ہمارے واسطے باعثِ عزت اور موجبِ نجات ہے۔ اگر وہ وفات پا چکے ہیں تو ہم عیسٰی کو کیا کریں؟

بس یہ باتیں ہیں جن پر ہمیں کافر کہا جاتا ہے۔ دجّال کہا جاتا ہے اور اسلام سے خارج کہا جاتا ہے اور ہم سے سلام علیکم کرنے والا، مصافحہ کرنے والا، ملاقات کرنے والا بھی کافر ہو جاتا ہے ایسا متعدی کُفر ہے اور تمام جماعت ایک کافروں کا مجموعہ ہے۔ کیسا افسوس آتا ہے کہ جو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی زندگی اور آپ کے دین کی تجدید اور خدمت کرنے کے واسطے ہر وقت کمر بستہ ہے۔ اس کو گندی گالیاں نکالتے ہیں۔ بُرے بُرے ناموں سے یاد کرتے ہیں۔ میرے صندوق بھرے پڑے ہیں ان کی گندی گالیوں سے بعض اوقات بیرنگ خط محصول ادا کر کے وصول کیا۔ کھول کر دیکھا تو اس میں اول سے آخر تک بے نقط گالیوں کے سوا کچھ ہوتا ہی نہیں اور مولوی کہلا کر چوہڑے چماروں کی طرح گندی اور فحش گالیاں نکالتے ہیں کہ انسان کو پڑھتے ہوئے بھی شرم آجاتی ہے۔ ابھی کہتے ہیں کہ اسلام کو کسی کی کیا ضرورت ہے جبکہ قرآن موجود ہے اور مولوی موجود ہیں یہ نہیں جانتے کہ ان کے مولوی جو ان بھیڑوں کے گلہ بان ہیں خود بھیڑیئے ہیں۔ اور وہ ریوڑ کیسے خطرہ میں ہے جس کا کوئی گلہ بان نہ ہو۔ اسلام پر اندرونی اور بیرونی حملے ہو رہے ہیں اور ماریں کھا رہا ہے۔ پس ایسے شخص کی ضرورت تھی کہ مغالطے اور مشکلات دُور کر کے پیچیدہ مسائل کو حل کر کے رستہ صاف کرتا اور اسلام کی اصلی روشنی اور سچا نُور دوسری قوموں کے سامنے پیش کرتا۔ دیکھو ایک وہ زمانہ تھا کہ عیسائی لوگ کہتے تھے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی نہ کوئی پیشگوئی ہے نہ معجزہ۔ مگر اب میرے سامنے کوئی نہیں آتا حالانکہ ہم بُلاتے ہیں۔

خدا تعالیٰ کا یہی ارادہ تھا۔ اس نے اپنے وعدہ کے موافق وقت پر اپنے دین کی خبر گیری اور دستگیری فرمائی ہے۔ اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّکْرَ وَ اِنَّا لَہٗ لَحٰفِظُوْنَ[1]۔ اسلام کو اس نے دنیا میں قائم کیا۔ قرآن کی تعلیم پھیلائی اور اس کی حفاظت کا بھی وہی خود ذمہ دار ہے۔ جب انسان اپنے لگائے ہوئے بُوٹے کو التزام سے پانی دیتا ہے تا وہ خشک نہ ہو جاوے تو کیا خدا انسان سے بھی گیا گزرا اور لاپروا ہے؟ یاد رکھو کہ اسلام نے جن راہوں سے پہلے ترقی کی تھی اب بھی انہی راہوں سے ترقی کرے گا خشک منطق ایک ڈائن ہے۔ اس سے انجان آدمی کے اعتقاد میں خلل آجاتا ہے اور ظاہری فلسفے روحانی فلسفے کے بالکل مخالف ہیں۔

صاحبان! یہ امور ہیں جن کی اصلاح کے واسطے میں بھیجا گیا ہوں۔ میں یہ بھی جانتا ہوں کہ اس مجلس میں سے بعض ایسے بھی لوگ اُٹھیں گے کہ ان میں کچھ بھی تبدیلی پیدا نہ ہوئی ہوگی یا ان کے خیالاتِ پر میری ان باتوں کا ذرہ بھی اثر نہ ہوگا۔ مگر یاد رکھو جو مجھ سے مقابلہ کرتا ہے وہ مجھ سے نہیں بلکہ اس سے مقابلہ کرتا ہے جس نے مجھے بھیجا ہے اگر ادنیٰ چپڑاسی کی ہتک کی جائے اور اس کی بات نہ مانی جائے تو گورنمنٹ سے ہتک کرنے والے یا نہ ماننے والے کو سزا ملتی ہے اور باز پُرس ہوتی ہے تو پھر خدا تعالیٰ کی طرف سے آنے والے کی بے عزتی کرنا اس کی بات کی پروا نہ کرنا کیونکر خالی جا سکتا ہے۔ میں تمہیں یقین دلاتا ہوں کہ اگر میرا سلسلہ خدا کی طرف سے نہیں تو یُونہی بگڑ جائے گا خواہ کوئی اس کی مخالفت کرے یا نہ کرے کیونکہ خود اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ قَدْ خَابَ مَنِ افْتَرٰی[2] اور فرمایا مَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰی عَلَی اللّٰہِ کَذِبًا[3] اور وہ شخص جو رات کو ایک بات بناتا اور دن کو لوگوں کو بتاتا اور کہتا ہے کہ مجھے خدا نے ایسا کہا ہے وہ کیونکر بامُراد اور بابرگ و بار ہو سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ

[1] الحجر: ۱۰ [2] طٰہٰ: ۶۲ [3] الانعام: ۲۲

علیہ وسلم کو فرماتا ہے ولو تقوّل علینا بعض الاقاویل۔ لاخذنا منہ بالیمین۔ ثمّ لقطعنا منہ الوتین۔[1] جب ایک ایسے عظیم الشان انسان کے واسطے ایسا فرمان ہے تو پھر ادنیٰ انسان کے واسطے تو چھوٹی سی چھری کی ضرورت تھی اور کبھی کا فیصلہ ہو گیا ہوتا۔

(الحکم جلد ۱۲ نمبر ۴۱ صفحہ ۲ تا ۱۳ مورخہ ۱۴ جولائی ۱۹۰۸ء)

---

۱۸ مئی ۱۹۰۸ء

بعد نماز ظہر۔ بمقام لاہور

وہی پروفیسر ریگ جن کا کسی پہلی اشاعت میں حضرت اقدس سے ملاقات کرنا اور سوال وجواب شائع ہو چکا ہے۔ ۱۸ مئی ۱۹۰۸ء کو پھر حضرت مفتی محمد صادق صاحب کی تحریک اور وساطت سے حضرت اقدس کے حضور حاضر ہوئے اور خیریت حال دریافت کرنے کے بعد ذیل کا سوال وجواب ہوا۔

سوال۔ آپ کا کیا عقیدہ ہے خدا محدود ہے یا کہ ہر جگہ حاضر و ناظر اور اس میں کوئی شخصیت یا جذبات پائے جاتے ہیں؟

جواب۔ ہم خدا تعالیٰ کو محدود نہیں سمجھتے اور نہ ہی خدا محدود ہو سکتا ہے۔ ہم خدا تعالیٰ کی نسبت یہ جانتے ہیں کہ جیسا وہ آسمان پہ ہے ویسا ہی زمین پر بھی ہے۔ اس کے دو قسم کے تعلق پائے جاتے ہیں۔ ایک عام تعلق جو عام مخلوق کے ساتھ ہے اور ایک دوسرا خاص تعلق جو ان خاص بندوں کے ساتھ ہوتا ہے جو اپنے آپ کو پاک کر کے اس کی محبت میں ترقی کرتے ہیں۔ تب وہ ان سے ایسا قریب ہو جاتا ہے جیسا کہ ان کے اندر ہی سے بولتا ہے۔ یہ اس میں ایک عجیب بات ہے کہ باوجود دُور ہونے کے وہ نزدیک ہے اور باوجود نزدیک ہونے کے وہ دُور ہے

[1] الحاقّۃ: ۴۵-۴۷

وہ بہت ہی قریب ہے مگر پھر بھی نہیں کہہ سکتے کہ جس طرح ایک جسم دوسرے جسم سے قریب ہوتا ہے اور وہ سب سے اوپر ہے مگر نہیں کہہ سکتے کہ اس کے نیچے کوئی چیز بھی ہے۔ وہ سب چیزوں سے زیادہ ظاہر ہے مگر پھر بھی وہ عمیق در عمیق ہے۔ جس قدر انسان سچی پاکیزگی حاصل کرتا ہے اسی قدر اس کے وجود پہ اس کو اطلاع ہوتی ہے۔

فرمایا:۔

جذبات سے مراد غالباً ان کی یہ ہے کہ خدا تعالیٰ نے انسان کے ذمے شریعت کا بوجھ کیوں ڈال رکھا ہے اور حرام و حلال کی پابندی میں اسے کیوں قید کر رکھا ہے۔ سو جاننا چاہیئے کہ اصل بات یہ ہے کہ خدا تعالےٰ نہایت درجہ قدوس ہے وہ اپنی تقدیس کی وجہ سے ناپاکی کو پسند نہیں کرتا۔ اور چونکہ وہ رحیم و کریم ہے اس واسطے نہیں چاہتا کہ انسان ایسی راہوں پہ چلے جن میں اس کی ہلاکت ہو۔ پس یہ اس کے جذبات ہیں جن کی بنا پہ مذہب کا سلسلہ جاری ہے۔ اب ان کا نام خواہ آپ کچھ ہی رکھ لو۔

سوال۔ کیا خدا کی کوئی شکل ہے؟

جواب۔ جب وہ محدود ہی نہیں تو شکل کیسی؟

سوال۔ جب خدا محبت ہے۔ عدل ہے۔ انصاف ہے۔ تو کیا وجہ کہ نظام دنیا میں ہم دیکھتے ہیں کہ اس نے بعض چیزوں کو بعض کی خوراک بنا دیا ہے۔ اگر محبت اور عدل یا انصاف و رحم اس کے ذاتی خاصے ہیں تو کیا وجہ کہ اس نے مخلوق میں سے بعض میں ایسی کیفیت اور قویٰ رکھ دیئے ہیں کہ وہ دوسروں کو کھا جائیں حالانکہ مخلوق ہونے میں دونو برابر ہیں۔

جواب۔ جب محبت کا لفظ خدا تعالےٰ کی نسبت بولا جاتا ہے تو اس کو انسانی محبت پر قیاس کر لینا بڑی بھاری غلطی ہے۔ محبت کا لفظ جس طرح انسانوں میں اطلاق پاتا

ہے اور جو مفہوم اس کا انسانی تعلقات کی حیثیت میں سمجھا جاتا ہے وہ ہرگز ہرگز خدا تعالےٰ پر اطلاق نہیں پا سکتا۔ اور نہ ہی وہ معنے اور مراد خدا تعالیٰ پر صادق آتے ہیں۔ انسان میں محبت اور غضب کی قوت ہے مگر جو مفہوم ان کا انسان کے متعلق بولتے وقت ہمارے ذہن میں آتا ہے وہ خدا تعالےٰ پر ہرگز ہرگز اطلاق نہیں پا سکتا۔ یہ غلطی ہے۔ فطرت انسانی میں یہ رکھا گیا ہے کہ جب کسی سے محبت کرتا ہے تو اس کے فراق سے اس کو صدمہ بھی پہنچتا ہے۔ ماں اپنے بچے سے محبت کرتی ہے۔ مگر اگر اس کا بچہ اس سے جُدا ہو جاوے تو اس کو کیسا صدمہ ہوتا ہے اور کتنا دُکھ اور رنج پہنچتا ہے۔ اسی طرح سے جو شخص کسی دوسرے پر غضب کرتا ہے اوّل وہ خود اپنے آپ میں اس کا صدمہ اور اثر پاتا ہے گویا دوسرے کو سزا دینے کے ساتھ ہی خود اپنی جان کو بھی سزا دیتا ہے۔ غضب ایک دُکھ ہے جس کا اثر پہلے اپنی ہی ذات پر پڑتا ہے اور ایک قسم کی تلخی پیدا ہو کر طبیعت میں سے راحت اور چین نکل جاتا ہے۔ مگر خدا تعالےٰ ان باتوں سے پاک ہے۔ پس اس سے صاف نتیجہ نکلتا ہے کہ ان الفاظ کا اطلاق اس رنگ میں جس رنگ میں ہم انسان پر کرتے ہیں اور جو مفہوم ان کا انسانی تعلق میں ہو سکتا ہے اس رنگ میں خدا تعالےٰ پر نہیں بول سکتے اور نہ ہی وہ خدا پر صادق آتے ہیں۔ اس واسطے ہم ان الفاظ کو پسند نہیں کرتے۔ یہ ان لوگوں کا بنایا ہوا لفظ ہے۔ جو خدا کو محض انسانی حالت پر قیاس کرتے ہیں۔ وہ پاک ذات ہے۔ جو اس کی رضا کے موافق چلتا ہے اس سے اس کا تعلق زیادہ سے زیادہ ہوتا جاتا ہے ہاں البتہ استعارہ کے رنگ میں محبت اور غضب کا لفظ خدا تعالیٰ کے لئے بھی بولا جا سکتا ہے۔

پس یاد رکھو کہ یہ ایک دنیا کا کارخانہ ہے جس کے واسطے خدا تعالےٰ

نے اپنی کامل حکمت سے موجودہ نظام مقرر فرمایا ہے۔ اور یہ اس نظام کے ماتحت اس طرح سے چل رہا ہے۔ البتہ اس کے واسطے یہ الفاظ موزون نہیں ہیں محبت کا لفظ ایک درد اور گداز رکھتا ہے۔ اگر فرض بھی کر لیں کہ خدا محبت ہے اور اس کی صفت غضب بھی ہے (انسانی حالت کے خیال سے) تو پھر ساتھ ہی یہ بھی ماننا پڑے گا کہ خدا کو بھی ایک قسم کی تکلیف اور رنج و دکھ ہوتا ہے۔ مگر یاد رکھو ایسے ناقص الفاظ خدا تعالےٰ کی طرف منسوب نہیں کیئے جا سکتے۔

سوال۔ یہ تو میں نے سمجھ لیا ہے مگر میں یہ دریافت کرنا چاہتا ہوں کہ خدا نے یہ خاصہ کیوں لکھدیا کہ ادنےٰ اعلےٰ کا خادم ہو یا اس کی خوراک بنے اور اس کے سامنے ذلیل رہے۔

جواب۔ ہم نے تو ابھی بیان کیا ہے کہ خدا کی صفات محبت، رحم اور غضب کی تشریح ہم اس طور سے نہیں کر سکتے جیسا کہ انسانوں میں یہ صفات ہیں۔ انسانی حالت پر خدا تعالیٰ کا قیاس کرنا سخت غلطی ہے۔ یہ خدا تعالےٰ کا ایک وسیع نظام ہے جو اس نے اسی طرح بنایا ہے۔ اس نظام میں انسان اپنی حد سے زیادہ دست اندازی نہیں کر سکتا اور یہ مناسب نہیں کہ دقیق در دقیق مصالح خدائی میں دخل دے کر ہر بات میں ایک سوال پیدا کر لے۔ یہ عالم ایک مختصر عالم ہے۔ اس کے بعد خدا تعالےٰ نے ایک وسیع عالم رکھا ہے جس میں اس نے ارادہ اور وعدہ کیا ہے کہ سچی اور ابدی خوشحالی دی جاوے گی۔ ہر دکھ جو اس جہان میں ہے اس کا تدارک اور تلافی دوسرے عالم میں کر دی جاوے گی۔ جو کمی اس جہان میں پائی جاتی ہے وہ آئندہ عالم میں پوری کر دی جاوے گی۔ باقی رہا دکھ، درد، تکلیف، رنج و محن، یہ تو ادنےٰ و اعلےٰ کو یکساں برداشت کرنا پڑتا ہے اور یہ اس نظام عالم کے قیام کے واسطے لازمی اور ضروری تھے۔ اگر وسیع نظر سے دیکھا جاوے تو کوئی بھی دکھ سے خالی نہیں۔ ہر مخلوق کو علیٰ قدر مراتب اس میں سے حصہ لیناہی پڑتا ہے۔

البتہ کسی کو کسی رنگ میں ہے اور کبھی کو کسی رنگ میں۔ اگر باز چڑیوں اور پرندوں کو کھاتا ہے تو شیر، چیتے اور بھیڑیئے انسان کے بچوں کو بھی کھا جاتے ہیں سانپ بچھو وغیرہ بھی ستاتے ہیں۔ غرض یہ سلسلہ تو اس طرح سے چل رہا ہے اس سے خالی کوئی بھی نہیں۔ البتہ ان کی تلافی اور تدارک کے واسطے اللہ تعالیٰ نے ایک دوسرا عالم رکھا ہے۔ اسی واسطے تو قرآن شریف میں اس کا نام مالك یوم الدین[1] بھی ہے۔ ہو سکتا ہے کہ انسان خوشحال ہو مگر ممکن ہے کہ پرند چرند اس سے بھی زیادہ خوشحال ہوں۔ یہ دنیا ایک عالم امتحان ہے۔ اس کے حل کرنے کے واسطے دوسرا عالم ہے۔ اس دنیا میں جو تکالیف رکھی ہیں اس کا وعدہ ہے کہ آئندہ عالم میں خوشی دے گا۔ اگر اب بھی کوئی کہے کہ کیوں ایسا کیا اور ایسا نہ کیا؟ اس کا یہ جواب ہے کہ وہ تحکم اور مالکیت بھی تو رکھتا ہے۔ اُس نے جیسا چاہا کیا کسی کو اس کے اس کام پر اعتراض کی گنجائش اور حق نہیں۔

دوسری بات جو قابلِ غور ہے یہ ہے کہ چونکہ تکالیفِ انسانی، تکالیفِ حیوانی سے بڑھی ہوئی ہیں (اسی واسطے انسانی اجر بھی حیوانی اجر سے بڑھا ہوا ہوگا) تکالیف انسانی دو قسم کی ہیں۔ ایک تکالیفِ شرعیہ دوسری تکالیف قضاء قدر۔ تکالیف قضا و قدر میں انسان و حیوان مشترک اور قریباً برابر ہیں۔ اگر انسان کے ہاتھ سے حیوان مرتے ہیں تو حیوانوں کے ہاتھ سے آخر انسان بھی تو مرتے ہیں۔ اسی طرح اور اور تکالیف میں بھی ان کا آپس میں ایک قسم کا اشتراک پایا جاتا ہے۔

باقی تکالیفِ شرعیہ میں انسان کے ساتھ حیوانات کا کوئی اشتراک نہیں ہے احکامِ شرعیہ بھی ایک قسم کی چھری ہے جو انسانی گردن پر چلتی ہے مگر حیوان اس سے بری الذمہ ہیں۔ امورِ شرعیہ بھی ایک موت ہیں جو انسان کو

[1] الفاتحہ : ۴

اپنے اوپر وارد کرنی پڑتی ہے۔ پس اس طرح سے ان باتوں کو یکجائی طور سے دیکھنے سے صاف معلوم ہوگا کہ تکالیف انسانی تکالیف حیوانی سے بہت بڑھی ہوئی ہیں۔

تیسری بات جو قابل یاد ہے یہ ہے کہ انسانی حواس میں بہت تیزی ہے۔ انسان میں قوتِ احساس زیادہ پائی جاتی ہے۔ حیوانات یا نباتات اس کے مقابل میں بہت کم احساس رکھتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ حیوانات کو اتنی عقل بھی نہیں دی گئی۔ عقل سے ہی شعور پیدا ہوتا ہے۔ حیوانات میں چونکہ عقل و شعور بہت کم درجہ کا ہوتا ہے۔ اسی واسطے ایک قسم کی مستی کی حالت میں رہتے ہیں۔ احساس کا مسئلہ زیادہ تر انسان میں پایا جاتا ہے۔ حیوانات میں یہ قویٰ ایسے کم درجہ کے ہیں کہ گویا نہ ہونے کے برابر ہیں۔ پس حیوانات ان تکالیف کا بہت کم احساس کرتے ہیں اور ممکن ہے کہ بعض اوقات بالکل ہی نہ کرتے ہوں۔

اب جائے غور ہے کہ دنیا میں ان تکالیف کا بوجھ کس پر زیادہ ہے آیا انسان پر یا حیوان پر؟ صاف ظاہر ہے کہ انسان ہی کو ان مشکلات دنیوی میں بہ نسبت حیوانات کے زیادہ حصہ لینا پڑتا ہے۔

سوال۔ آپ نے جو کچھ بیان فرمایا۔ میں نے سمجھ لیا۔ اب یہ دریافت کرنا چاہتا ہوں کہ کیا آپ اس بات کو قبول کرتے ہیں کہ حیوانات کو بھی آئندہ عالم میں کوئی بدلہ دیا جاوے گا؟

جواب۔ فرمایا:-

ہاں ہم مانتے ہیں کہ علیٰ قدرِ مراتب سب کو ان کی تکالیف دنیوی کا بدلہ دیا جاوے گا اور ان کے دکھوں اور تکالیف کی تلافی کی جاوے گی۔

سوال۔ تو پھر اس کا یہ لازمی نتیجہ ہوگا کہ وہ حیوانات جن کو ہم مارتے ہیں ان کو مُردہ نہیں بلکہ زندہ یقین کریں۔

جواب۔ فرمایا کہ

ہاں یہ ضروری بات ہے وہ فنا نہیں ہوئے اُن کی رُوح باقی ہے وہ حقیقتاً نہیں مرے بلکہ وہ بھی زندہ ہیں۔

سوال۔ بائبل میں لکھا ہے کہ آدم یا یُوں کہئے کہ پہلا انسان سیحون جیحون میں پیدا ہوا تھا اور اس کا وہی ملک تھا۔ تو پھر کیا یہ لوگ جو دنیا کے مختلف حصوں امریکہ، آسٹریلیا وغیرہ میں پائے جاتے ہیں یہ اُس آدم کی اولاد سے ہیں ؟

جواب۔ فرمایا۔

ہم اس بات کے قائل نہیں ہیں اور نہ ہی اس مسئلہ میں ہم توریت کی پیروی کرتے ہیں کہ چھ سات ہزار سال سے ہی جب سے یہ آدم پیدا ہوا تھا اس دنیا کا آغاز ہوا ہے اور اس سے پہلے کچھ بھی نہ تھا اور خدا گویا معطل تھا اور نہ ہی ہم اس بات کے مدعی ہیں کہ یہ تمام نسلِ انسانی جو اس وقت دنیا کے مختلف حصوں میں موجود ہے یہ اسی آخری آدم کی نسل ہے۔ ہم تو اس آدم سے پہلے بھی نسلِ انسانی کے قائل ہیں جیسا کہ قرآن شریف کے الفاظ سے پتہ لگتا ہے۔ خدا تعالیٰ نے یہ فرمایا کہ اِنِّی جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَۃً[1] خلیفہ کہتے ہیں جانشین کو۔ اس سے صاف پتہ چلتا ہے کہ آدم سے پہلے بھی مخلوق موجود تھی۔ پس امریکہ اور آسٹریلیا وغیرہ کے لوگوں کے متعلق ہم کچھ نہیں کہہ سکتے کہ وہ اس آخری آدم کی اولاد میں سے ہیں یا کہ کسی دوسرے آدم کی اولاد میں سے ہیں۔

آپ کے سوال کے مناسب حال ایک قول حضرت محی الدین ابن عربی صاحب کا ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ میں حج کرنے کے واسطے گیا تو وہاں مجھے ایک شخص ملا جس کو میں نے خیال کیا کہ وہ آدم ہے۔ میں نے اس سے پوچھا کہ کیا تو ہی آدم ہے ؟ اس پر اُس نے جواب دیا کہ تم کون سے آدم کے متعلق سوال کرتے ہو؟ آدم تو

[1] البقرۃ : ۳۱

ہزاروں گذر چکے ہیں

سوال۔ کیا حضور مسئلہ ارتقاء کے قائل ہیں یعنی یہ کہ انسان نے ادنیٰ حالت سے اعلیٰ حالت میں ترقی کی ہے۔ پہلے سانپ بچھو وغیرہ سے ترقی کرتے کرتے بندر بنا اور بندر سے انسان بنا۔ اور رُوح کس وقت پیدا ہوئی؟

جواب۔ فرمایا:-

ہمارا یہ مذہب نہیں کہ انسان کسی وقت بندر تھا مگر آہستہ آہستہ دُم بھی کٹ گئی اور پشم بھی جاتی رہی اور ترقی کرتے کرتے انسان بن گیا۔ یہ ایک دعویٰ ہے جس کا بارِ ثبوت اس دعویٰ کے مدعی کے ذمے ہے۔ چاہیئے کہ کوئی ایسا بندر پیش کیا جاوے جو آہستہ آہستہ ترقی کرتے کرتے انسانی حالت میں آجاوے۔ ہم ایسے بے دلیل قصے کہانیوں پر کیونکر ایمان لاسکتے ہیں۔ البتہ یہ تو ہم مانتے ہیں کہ آدم بہت سے گذرے ہیں مگر موجودہ حالات کے ماتحت جو ہم روز مشاہدہ کرتے ہیں کہ انسان سے انسان پیدا ہوتا ہے۔ بندر سے انسان یا انسان سے بندر کبھی کسی نے پیدا ہوتا نہیں دیکھا ہوگا۔ یہ تو ایک ناولوں کا قصہ ہے۔ ہمیشہ نوع سے نوع ہی پیدا ہوتی ہے۔ خدا تعالیٰ نے اپنا قانون ہماری آنکھوں کے سامنے رکھا ہوا ہے کہ گدھے سے گدھا، گھوڑے سے گھوڑا اور بندر سے بندر پیدا ہوتا ہے۔ اب اس کے خلاف جو کوئی دعویٰ کرتا ہے کہ بندر سے انسان بھی پیدا ہوتا ہے اس کو اپنے دعوے کی دلیل بھی پیش کرنی چاہیئے۔ یہ کہہ دینا کہ شاید ایسا ہو گیا ہو۔ شاید کے کیا معنے؟

ہمارے ساتھ تو اللہ تعالیٰ نے ایک مشاہدہ دلیل کے طور سے رکھا ہوا ہے اس کے خلاف کہنے والوں کو کوئی بیّن دلیل پیش کرنی چاہیئے ورنہ ظنّی باتوں اور صرف دعووں سے کوئی امر حجت نہیں ہو سکتا۔

رُوح ایک مخلوق چیز ہے۔ اسی عنصری مادے سے خدا تعالیٰ اُسے بھی پیدا

کرتا ہے (جیسا کہ مفصّل طور سے اس امر کو ہم نے تازہ تصنیف کتاب چشمۂ معرفت میں بیان کیا ہے) رُوح انسانی باریک اور مخفی طور سے نطفۂ انسانی میں ہی موجود ہوتی ہے اور وہ بھی نطفہ کے ساتھ ساتھ ہی آہستگی سے نشوونما کرتی اور ترقی پاتی پاتی چوتھے مہینے کے انجام اور پانچویں مہینے کی ابتداء میں ایک بیّن تغیر اور نشوونما پا کر ظہور پذیر ہوتی ہے جیسا کہ اللہ تعالےٰ اپنی پاک کلام میں فرماتا ہے کہ ثم انشأناہ خلقاً اٰخر [1]

یہ درست نہیں جیسا کہ آریہ بتاتے ہیں کہ رُوح بھی خدا کی طرح ازلی ابدی ہے۔ اس اعتقاد پر اتنے شبہات پڑتے ہیں کہ پھر خدا خدا ہی نہیں رہتا۔ روح ایک لطیف جوہر ہوتا ہے جو مخفی طور سے انسان کی پیدائش کے ساتھ ساتھ پیدا ہوتا اور نشوونما پاتا ہے۔ مثال کے طور پر ایک گولر کے پھل کو لو۔ جب وہ کچا ہوگا تو اس میں ایک قسم کے نامکمل حالت میں زندہ جانور پائے جاویں گے مگر جونہی کہ وہ پک کر تیار ہوگا اس میں سے جانور چلتے پھرتے نظر آویں گے اور یہانتک کہ پَر لگ کر اُڑنے بھی لگ جاویں گے۔ اس کے سوا اور بھی کئی درختوں کے پھل ہیں جن میں اس قسم کے مشاہدات پائے جاتے ہیں

غرض ہمارے پاس تو ہمارے دعوے کا ثبوت ہے۔ ثابتہ سچائی سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔ اصل میں ان پھلوں میں ایک قسم کا مادہ اندر ہی اندر موجود ہوتا ہے جو پھل کے نشوونما کے ساتھ ساتھ نشوونما کرتا اور ترقی پاتا ہے۔

سوال۔ سپرچولزم والوں کی رائے ہے کہ زندگی چاند سے اُتری اور عقل مشتری سے اور چاند زمین سے بنا۔ ابتداء میں زمین بہت نرم تھی۔ زمین کا ایک ٹکڑا اڑ کر آسمان پر چلا گیا اور وہ چاند بن گیا۔ اصل میں زندگی زمین ہی سے نکلی۔ زمین سے چاند میں گئی اور چاند سے پھر انسان میں اُترتی ہے۔ اس میں آپ کا اعتقاد کیا ہے؟

[1] المومنون : ۱۵

جواب۔ فرمایا :-

چاند، سُورج اور سیاروں کی تاثیرات کے ہم قائل ہیں۔ ان سے انسان فائدہ اُٹھاتا ہے اور بچہ جب ماں کے پیٹ میں ہوتا ہے اس وقت بھی ان کی تاثیرات کا اثر بچے پر ہوتا ہے۔ یہ امر شریعت کے خلاف نہیں۔ اسی واسطے ہمیں اُن کے ماننے میں انکار نہیں۔ نباتات میں چاند کی روشنی کا اثر بیّن طور سے ظاہر ہے۔ چاند کی روشنی سے پھل موٹے ہوتے ہیں۔ ان میں شیرینی پیدا ہوتی ہے اور بعض اوقات لوگوں نے اناروں سے چٹخنے کی آواز تک بھی سُنی ہے جو چاند کی روشنی کے اثر سے پھُوٹتے ہیں۔ اس سے زیادہ جو حصہ پیچیدہ اور ثابت شدہ نہیں اس کے ماننے کے واسطے ہم تیار نہیں ہیں۔ قرآن شریف میں صاف بیان کیا گیا ہے کہ چاند، سُورج اور تمام سیارے انسان کے خادم اور مفید مطلب ہیں اور ان میں انسانی فوائد مرکوز ہیں۔ پس ہم اس بات کے ماننے میں کوئی ہرج نہیں پاتے کہ جس طرح نباتات سے ہمیں فائدہ پہنچتا ہے اسی طرح ان تمام سیاروں سے بھی ہم فائدہ اُٹھاتے ہیں۔ اب اگر یہ ثابت ہو جاوے کہ عقل کو مشتری سے تعلق ہے تو اس کے ماننے کے واسطے بھی ہم تیار ہیں۔

اتنا سنکر پروفیسر موصوف نے عرض کیا کہ میں تو خیال کرتا تھا کہ سائنس اور مذہب میں بڑا تضاد ہے جیسا کہ عام طور سے علماء میں مانا گیا ہے مگر آپ نے تو اس تضاد کو بالکل اُٹھا دیا ہے۔

فرمایا:-

یہی تو ہمارا کام ہے اور یہی تو ہم ثابت کر رہے ہیں کہ سائنس اور مذہب میں بالکل اختلاف نہیں بلکہ مذہب بالکل سائنس کے مطابق ہے اور سائنس خواہ کتنی ہی عروج پکڑ جاوے مگر قرآن کی تعلیم اور اصول اسلام کو ہرگز ہرگز نہیں جھٹلا سکیگی۔

سوال۔ مکھیوں یا ادنےٰ قسم کے جانوروں میں جو چیز پائی جاتی ہے۔ اس کو کس نام سے تعبیر کیا جاوے گا؟

جواب۔ رُوح تین قسم کی ہوتی ہے۔ رُوح نباتی۔ رُوح حیوانی۔ رُوح انسانی۔ ان تینوں کو ہم برابر نہیں مانتے۔ ان میں سے حقیقی زندگی کی وارث اور جامع کمالات صرف انسانی رُوح ہے۔ باقی حیوانی اور نباتی رُوح میں بھی ایک قسم کی زندگی ہے۔ مگر وہ انسانی رُوح کی برابری نہیں کر سکتی۔ نہ ویسے مدارج حاصل کر سکتی ہے۔ نہ کمالات میں انسانی رُوح کی برابری کر سکتی ہے۔ کچھ تشابہ ہو تو اس باریک بحث میں ہم پڑنا مناسب نہیں سمجھتے۔ ہو سکتا ہے کہ بعض خاص خاص صفات میں یہ رُوحیں انسانی رُوح سے مشابہت رکھتی ہوں۔ مگر جس طرح انسان میں اور ان میں ظاہری اختلاف اور فرق ہے اسی طرح اختلاف رُوحانی بھی پایا جاتا ہے۔ بلکہ یہاں تک بھی مانا گیا ہے کہ بعض نباتات میں بھی ایک قسم کا شعور پایا جاتا ہے۔ ایک بانس کا درخت گھر کی چھت کے نیچے لگایا جاوے مگر جب بڑھتے بڑھتے وہ چھت سے قریب ایک بالشت کے رہ جاویگا تو وہ اپنا رُخ بدل لے گا اور دوسری طرف کو بڑھنا شروع کر دے گا۔ ایک اور قسم کی نباتی بُوٹی ہے جس کو پنجاب میں چھوئی موئی کہتے ہیں۔ وہ انسان کا ہاتھ لگتے ہی سمٹ کر اکٹھی ہو جاتی ہے۔ یہ باتیں پُرانی اچھی اچھی طبعیات کی کتابوں میں لکھی ہیں اور نیز تجربہ سے بھی ثابت ہیں مگر ان کے پیچھے بہت زیادہ نہ پڑنا چاہیئے۔ وہ شعر کیا ہی موزوں ہے کہ ؎

تو کارِ زمیں را نکو ساختی
کہ با آسماں نیز پرداختی

ان کے دقیق در دقیق مباحثات میں پڑ کر ان کی تفصیلات کی جستجو میں وقت ضائع کرنا ٹھیک نہیں۔

سوال۔ میں ایک روز گرجا میں گیا تھا وہاں پادری صاحب نے لیکچر میں بیان کیا کہ "انسان ایک بالکل ذلیل ہستی ہے اور گندہ کیڑا ہے۔ یہ روز بروز نیچے ہی نیچے گرتا ہے اور ترقی کے قابل ہی نہیں۔ اسی واسطے اس کی نجات اور گناہ سے بچانے کے واسطے خدا نے اپنے اکلوتے بیٹے کو کفارہ کیا" مگر میں جانتا ہوں کہ انسان نیکی میں ترقی کر سکتا ہے۔ میرا یہ بچہ اس وقت اگر بے علمی کی وجہ سے کوئی حرکت ناجائز کرے تو پھر ایک عرصہ بعد جب اُسے عقل آوے گی اور اس کا علم ترقی کرے گا تو یہ بخود بخود سمجھ لے گا کہ یہ کام بُرا ہے اس سے پرہیز کرکے اچھے کام کرے گا۔ حضور کا اس میں کیا اعتقاد ہے؟

جواب۔ فرمایا:۔

انسان نیک ہے۔ نیکی کر سکتا ہے اور ترقی کرنے کے قویٰ اس کو دیئے گئے ہیں۔ نیکی میں ترقی کرکے انسان نجات پا سکتا ہے۔

سوال۔ یہ لوگ کہتے ہیں کہ انسان لاکھ نیکی کرے مگر وہ برباد ہے بجز اس کے کہ کفارۂ مسیح پر ایمان لاوے۔ آپ اس میں کیا فرماتے ہیں۔

جواب۔ انسان کو عمل اور کوشش کی ضرورت ہے۔ کفارہ کی کوئی ضرورت نہیں۔ جیسا جسمانی نظام ہے ویسا ہی رُوحانی نظام ہے۔ نظام جسمانی میں ایک کاشتکار کی مثال ہی کو لے لو۔ وہ کس محنت سے قلبہ رانی کرتا ہے اور بیج بوتا اور پانی دینے وغیرہ کی محنت برداشت کرتا ہے۔ کیا اُسے کسی کفارہ کی ضرورت ہے؟ نہیں بلکہ اُسے محنت اور عمل کی ضرورت ہے۔ اس بات کو ہم مانتے ہی نہیں کہ بجز کفارہ کے کوئی راہ نجات ہی نہیں۔ بلکہ کفارہ تو انسانی ترقیات کی راہ میں ایک روک اور پتھر ہے۔

سوال۔ پاکیزگی سے کیا مراد ہے؟

جواب۔ پاکیزگی سے یہ مراد ہے کہ انسان کو جو اس کے جذبات نفسانیہ خدا تعالیٰ سے

رُو گرداں کر کے اپنی خواہشات میں محو کرنا چاہتے ہیں ان کا مغلوب نہ ہو۔ اور کوشش کرے کہ خدا تعالےٰ کی مرضی کے موافق اس کی رفتار ہو۔ یہانتک کہ اس کا کوئی قول فعل خدا تعالےٰ کی رضامندی کے بغیر سرزد ہی نہ ہو۔ خدا تعالیٰ قدوس اور پاک ہے۔ وہ اپنی صفات کے مطابق ہی انسان کو بھی چلانا چاہتا ہے۔ وہ رحیم ہے انسان سے بھی رحم چاہتا ہے۔ وہ کریم ہے انسان سے بھی کرم چاہتا ہے۔ خدا تعالےٰ کی صفات خدا تعالیٰ کے قانون قدرت میں ظاہر ہیں۔ جسمانی طور سے ہم دیکھتے ہیں کہ دنیا مدت ہائے دراز سے چلی آتی ہے۔ ان کو اناج، پانی، لباس، روشنی وغیرہ تمام حوائج ضروریہ اور لوازم انسانیہ ہمیشہ سے بہم پہنچاتا چلا آیا ہے اور ہمیشہ ہی اس کے رحم اور کرم کی صفات اور اسماء حسنہ کے تقاضے ساتھ ساتھ مخلوق کی دستگیری کرتے چلے آئے ہیں۔ پس غرض یہ ہے کہ خدا تعالیٰ انسان کو اپنی صفات کے رنگ میں رنگین کرنا چاہتا ہے۔

اس کے بعد پروفیسر اور لیڈی نے حضرت اقدس علیہ السلام کا شکریہ ادا کیا اور کہا کہ ہم مشکور ہیں کہ آپ نے گفتگو کی عزت بخشی اور ہماری معلومات میں ایک مفید اضافہ فرمایا اور ہمارا وقت بہت اچھی طرح سے گذرا

(الحکم جلد ۱۲ نمبر ۳۵ صفحہ ۴ تا ۷ مورخہ ۳۰ ر مئی ۱۹۰۸ء)

---

۱۹ ر مئی ۱۹۰۸ء

عبدالحکیم کی کتاب کا ذکر تھا کہ بہت سے اعتراض کئے ہیں۔ فرمایا:-

ہم نے جو کچھ کہنا تھا کہہ چکے۔ بحثیں ہو چکیں۔ کتابیں مفصل لکھی جا چکی ہیں۔ اب بحث میں پڑنا فضولیوں میں داخل ہے۔

فرمایا:-

ہر ایک کی فطرت جدا ہوتی ہے۔ ہمیں تو سمجھ میں نہیں آتا کہ کس طرح کوئی شخص ایک آدمی کی ۲۰ سال مُریدی کرنے کے بعد اور اس کے ماتحت تعلیم حاصل کرنے کے بعد اور اس سے فائدہ اُٹھانے کے بعد پھر اس کے حق میں ایسی گندی گالیاں بول سکتا ہے۔ ہماری تو سمجھ میں نہیں آسکتا۔ مگر ہر ایک شخص کی فطرت جُدا ہوتی ہے۔

عرب صاحب عبدالحی نے عرض کیا کہ میں پٹیالہ سے آیا ہوں۔ عبدالحکیم نے آپ کے متعلق پیشگوئی کی ہے کہ آنے والی ۲۱ ساون کو آپ کی وفات ہو جاوے گی۔ لیکن پٹیالہ کے لوگ خوب جانتے ہیں کہ وہ ایک جھوٹا آدمی ہے۔

حضرت نے فرمایا:-

كل يعمل على شاكلته۔[1] اللہ تعالےٰ ظاہر کر دے گا کہ راستباز کون ہے۔

دعویٰ رسالت

فرمایا:-

ہم نے ان معنوں میں کوئی دعویٰ رسالت نہیں کیا جیسا کہ مُلّاں لوگ لوگوں کو بہکاتے ہیں اور جو کچھ ہمارا دعویٰ ملہم اور منذر ہونے کا ہے اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی شریعت کی متابعت کا ہے وہی ہمیشہ سے ہے آج کوئی نئی بات نہیں۔ ۲۴ سال سے یہ الہام ہے۔ جری اللہ فی حلل الانبیاء۔

(بدر جلد ۷ نمبر ۱۹-۲۰ صفحہ ۷ مورخہ ۲۴ مئی ۱۹۰۸ء)

---

۲۰ مئی ۱۹۰۸ء

بوقت عصر

صلح سے بہت فائدہ ہوتا ہے۔ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے کفار سے صلح کی۔ اس

[1] بنی اسرائیل : ۸۵

کا نتیجہ یہ ہوا کہ جب جنگ موقوف ہوئی تو مسلمانوں کے ساتھ کفار کا میل جول ہو گیا۔ اور انہیں اسلام کی صداقتوں پر نظر کرنے کا موقعہ مل گیا۔ پھر ان میں سے کئی سعید روحیں اسلام کے لئے تیار ہو گئیں۔

خدا تعالےٰ کا ہاتھ سب سے بڑھ کر طاقتور ہے۔ پنجاب کے مسلمانوں کے لئے انگریزوں کا وجود ایک نعمت ہے۔ اگر انگریز نہ ہوتے تو جو کچھ نظارہ ہوتا اس کے تصوّر سے جی گھبراتا ہے۔ مسلمانوں کو عیسائیوں سے باوجود اختلاف کے ایک قسم کا اتحاد ہے۔ مگر ہندو تو بالکل الگ ہیں۔

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام نے انتقام سے کام نہیں لیا۔ کوئی پوچھے کہ کتنے سو سؤروں کو ہلاک کر دیا۔ پھر کپڑے بیچ کر تلواروں کے مول لینے کا حکم دیا۔

(بدر جلد ۷ نمبر ۱۹ ۲۰ صفحہ ۷ مورخہ ۲۴ مئی ۱۹۰۸ء)

بلا تاریخ

ایک شخص نے جو اپنی جماعت میں داخل ہیں اور پٹواری ہیں بذریعہ خط حضرت کی خدمت میں عرض کی کہ پٹواریوں کے واسطے کچھ رقوم گورنمنٹ کی طرف سے مقرر ہے۔ لیکن عام رسم ایسی پڑ گئی ہے کہ پٹواری بعض باتوں میں اس سے زیادہ یا اس کے علاوہ بھی لیتے ہیں اور زمیندار بخوشی خاطر خود ہی بغیر مانگے کے دے جاتے ہیں آیا اس کا لینا جائز ہے یا کہ نہیں؟

فرمایا:۔

اگر ایسے لینے کی خبر با ضابطہ حکام تک بالفرض پہنچ جائے اور بموجب قانون اس پر فتنہ اُٹھنے کا خوف ہو سکتا ہو تو یہ ناجائز ہے۔

ایک شخص نے عرض کیا کہ کیا جائز ہے کہ حضور کی نظمیں فونوگراف میں بند کر کے لوگوں کو سنائی جائیں ؟

فرمایا :-

اعمال نیت پر موقوف ہیں۔ تبلیغ کی خاطر اس طرح سے نظم فونوگراف میں سنانا جائز ہے کیونکہ اشعار سے بسا اوقات لوگوں کے دلوں کو نرمی اور رقت حاصل ہوتی ہے

(بدر جلد ۷ نمبر ۱۹-۲۰ صفحہ ۸ مورخہ ۲۴ر مئی ۱۹۰۸ء)

---

۲۳ مئی ۱۹۰۸ء

بمقام لاہور۔ قبل نماز ظہر

ہمیں ایسے آدمیوں کی ضرورت ہے جو نہ صرف زبانی بلکہ عملی طور سے کچھ کر کے دکھانے والے ہوں۔ علمیت کا زبانی دعویٰ کسی کام کا نہیں۔ ایسے ہوں کہ نخوت اور تکبر سے بکلی پاک ہوں اور ہماری صحبت میں رہ کر یا کم از کم ہماری کتابوں کا کثرت سے مطالعہ کرنے سے ان کی علمیت کامل درجہ تک پہنچی ہوئی ہو۔ البتہ شیخ غلام احمد اس کام کے واسطے اچھا آدمی معلوم ہوا ہے۔ اس کے کلام میں بھی تاثیر ہے اور اخلاص و محبت سے اس نے اپنے اُوپر اس شدت گرمی میں اتنا وسیع دَورہ کرنے کا بوجھ اُٹھایا ہے کچھ خدا تعالیٰ کی حکمت ہے کہ لوگ اس کا کلام سُننے کے واسطے جمع بھی ہو ہی جاتے ہیں۔ ایک جگہ اس کو پتھر بھی پڑے مگر خدا تعالیٰ کی قدرت سے وہ پتھر بجائے ان کے کسی دوسرے کو لگا اور وہ زخمی ہوا۔

تبلیغ سلسلہ کے واسطے ایسے آدمیوں کے دوروں کی ضرورت ہے مگر ایسے لائق آدمی مل جاویں کہ وہ اپنی زندگی اس راہ میں وقف کر دیں۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے صحابہ بھی اشاعت اسلام کے واسطے دُور دراز ممالک میں جایا کرتے تھے۔ یہ جو چین کے

ملک میں کئی کروڑ مسلمان ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہاں بھی صحابہؓ میں سے کوئی شخص پہنچا ہوگا۔

اگر اسی طرح بیس۲۰ یا تیس آدمی متفرق مقامات میں چلے جاویں تو بہت جلدی تبلیغ ہوسکتی ہے مگر جب تک ایسے آدمی ہمارے منشا کے مطابق اور قناعت شعار نہ ہوں۔ تب تک ہم اُن کو پورے پورے اختیارات بھی نہیں دے سکتے۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ ایسے قانع اور جفاکش تھے کہ بعض اوقات صرف درختوں کے پتوں پر ہی گذر کر لیتے تھے۔

تمام ہندوستان ہمارے دعاوی سے ایسا بے خبر پڑا ہے کہ گویا کسی کو خبر ہی نہیں۔ میرے نزدیک یہ مدرسہ یا کالج وغیرہ کا بنانا اوّل سلسلہ کی مضبوطی پر موقوف ہے۔ اوّل چاہیئے کہ سلسلہ میں ایسے لوگ ہوں جو سلسلہ کی ضروریات کی مدد کرنیوالے ہوں۔ جب سلسلہ کی ضروریات مثل لنگر وغیرہ ہی پوری نہیں ہوتیں تو اَور کاموں میں بہت توجہ کرنا بھی بے فائدہ ہے۔ اگر کچھ ایسے لائق اور قابل آدمی سلسلہ کی خدمات کے واسطے نکل جاویں جو فقط لوگوں کو اس سلسلہ کی خبر ہی پہنچا دیں تو بھی بہت بڑے فائدہ کی توقع کی جاسکتی ہے۔

مسٹر ریگ۔ ڈجبس کے نام نامی سے الحکم کے ناظرین کو میں قبل ازیں بذریعہ دو مضامین بطور سوال وجواب انٹروڈیوس کرا چکا ہوں ان کے متعلق حضرت اقدس علیہ السلام نے فرمایا کہ

دیکھو وہ ہمارے پاس آیا تو آخر کچھ نہ کچھ تو تبادلہ خیالات کر ہی گیا۔

اس پر حضرت مفتی محمد صادق صاحب جن کو تبلیغ سلسلہ احمدیہ کی ایک قسم کی لَو اور دھت لگی ہوئی ہے اور بہت کم ایسے مقام ولایت میں ہوں گے جہاں کے محقق انگریزوں اور اخبارات کے ایڈیٹران وغیرہ کی اطلاع پا کر انہوں نے ان معاملات میں

خط و کتابت نہ کی ہو اور مسیح موعود علیہ الف الف صلوٰۃ والسلام کے دعاوی کی تبلیغ ان کو نہ کی ہو۔ امریکہ کے ڈوئی کی حسرتناک تباہی اور لنڈن کے پگٹ کی مایوسانہ نامرادی بھی حضرت مُفتی صاحب ممدوح ہی کی کوششوں کا نتیجہ ہیں۔ انہوں نے جس طرح ڈوئی اور پگٹ کا بیڑا غرق کر دیا اسی طرح کئی سعید روحوں کے واسطے باعثِ ہدایت بھی آپ ہی ہوئے اور آپ ہی کی سچی مخلصانہ کوششیں اور جوش تبلیغ حق کا یہ نتیجہ ہوا کہ یورپ اور امریکہ کے بعض انگریزوں اور لیڈیوں نے حضرت اقدس کی صداقت کو مان لیا اور اپنے خیالاتِ فاسدہ سے توبہ کی۔ غرض مفتی صاحب موصوف کسی تعریف کے محتاج نہیں۔ ساری احمدی دُنیا اُن کے نام نامی سے واقف اور اُن کے اخلاص صدق و وفا سے آگاہ ہے۔ یہ شخص جو پروفیسر ریگ کے نام نامی سے مشہور ہے یہ بھی آپ ہی کی سعی اور جوش کا نتیجہ ہے۔ آپ نے آج کے تذکرہ پر حضرت اقدسؑ کی خدمت میں عرض کی کہ حضور اس کے خیالات میں حضور کی ملاقات کے بعد عظیم الشّان انقلاب پیدا ہو گیا ہے۔ چنانچہ پہلے وہ ہمیشہ جب اپنے لیکچروں میں اجرام سماوی وغیرہ کی تصاویر دکھاتا اور کبھی مسیح کی مصلوب تصویر پیش کیا کرتا تھا تو یہ کہا کرتا تھا کہ یہ مسیح کی تصویر ہے جس نے دُنیا پر رحم کر کے تمام دُنیا کے گناہوں کے بدلے میں اپنی اکلوتی جان خدا کے حضور پیش کی اور تمام دُنیا کے گناہوں کا کفارہ ہو کر دنیا پر اپنی کامل محبت اور رحم کا ثبوت دیا مگر اب جبکہ اس نے حضور سے ملاقات کی اور پھر لیکچر دیا تو مسیح کی مصلوب تصویر دکھاتے ہوئے صرف یہ الفاظ کہے کہ یہ تصویر صرف عیسائیوں کے واسطے موجب خوشی ہو سکتی ہے سچی تعریف اور ستائش کے لائق وہی سب سے بڑا خدا ہے۔ پہلے اپنے لیکچر میں کہا کرتا تھا کہ نسلِ انسانی آہستہ آہستہ ترقی کر کے ادنیٰ حالت سے بندر اور پھر بندر سے ترقی پا کر انسان بنا۔ مگر اس دفعہ کے لیکچر میں اس نے صاف اقرار کیا

کہ یہ ڈارون کا قول ہے۔ اگرچہ اس قابل نہیں کہ اس سے اتفاق کیا جاوے۔ بلکہ انسان اپنی حالت میں خود ہی ترقی کرتا ہے۔ غرضکہ اس پر بہت بڑا اثر ہوا ہے اور وہ حضور کی ملاقات کے بعد ایک نئے خیالات کا انسان بن گیا ہے اور ان خیالات کو جرأت سے بیان کرتا ہے۔

پھر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اصل تقریر کی طرف رجوع کیا اور فرمایا کہ ابھی ایسے لمبے سفروں کی چنداں ضرورت نہیں کہ ممالک یورپ اور امریکہ میں جاویں بلکہ ابھی تو خود ہندوستان ہی اس بات کا ازبس محتاج ہے۔

تو کارِ زمیں را نکو ساختی
کہ با آسماں نیز پرداختی

ان ممالک میں جانا ایسے لوگوں کا کام ہے جو اُن کی زبان سے بخوبی واقف ہوں اور ان کے طرزِ بیان اور خیالات سے خوب آگاہ، سفر کے شدائد اُٹھا سکیں اور ان کی صحت کی حالت بھی بہت اچھی ہو۔ بصورت موجودہ یہ کام بھی بہت بڑا بھاری ہے کہ چند ایسے آدمی ہوں کہ وہ اسی ملک میں اچھی طرح سے گاؤں گاؤں پھر کر لوگوں کو ہماری بعثت کی اطلاع دے دیں۔

کسی لیکچر کے متعلق ذکر تھا کہ انہوں نے اپنے لیکچر میں بیان کیا کہ اسلام بذریعہ اخلاق کے پھیلا ہے نہ تلوار سے۔ جنہوں نے اپنے اخلاق کریمہ کی وجہ سے دنیا میں اسلام کو پھیلایا ہے وغیرہ۔ مگر موجودہ زمانہ کے متعلق بجز خاموشی کچھ پیش نہیں کر سکتے فرمایا:-

تلك امة قد خلت لها ما كسبت ولكم ما كسبتم۔[۱] ان اولیاء اور بزرگوں کو اس موجودہ زمانہ سے تعلق ہی کیا؟ وہ اپنے وقت پر آئے اور اپنا کام کر کے چلے گئے۔ اب زمانہ موجودہ میں بھی کسی مجدد یا خادمِ دین کی ضرورت ہے یا کہ بخیال ان کے یہ زمانہ

[۱] البقرۃ : ۱۳۵

دجالوں ہی کے آنے کا زمانہ ہے؟ ضرورت کا احساس تو دلوں میں موجود ہے۔ حالات موجودہ پکار کر کہہ رہے ہیں کہ کسی مصلح کی ضرورت ہے۔ چنانچہ آج ہی پیسہ اخبار میں ایک انگریز کا مضمون تھا۔ اس نے کسی جگہ پر اپنے لیکچر میں بیان کیا کہ زمانہ پکار پکار کر کہہ رہا ہے کہ ہندو، مسلمان، عیسائیوں اور یہودیوں کو اتفاق کی ضرورت ہے چنانچہ وہ لکھتا ہے کہ مسلمان، یہودی اور نصرانی سب کے سب بلا امتیاز انسانی گروہ میں اتحاد و اتفاق دیکھنے کے مشتاق ہیں اور مہدئ موعود کے آنے کا انتظار دیکھ رہے ہیں جو کہ دیر یا سویر عالمِ وجود میں آکر تمام انسانوں میں یگانگت کا رشتہ قائم کردیگا۔ میں اس مہدی کے متعلق اپنی ذاتی رائے یہ رکھتا ہوں کہ وہ اہل قلم میں سے ہوگا اور اسی زبردست آلہ کے ذریعہ سے اقوام عالم کے دلوں میں تخمِ یگانگت بو سکے گا۔" (پیسہ اخبار ۲۲ر مئی ۱۹۰۸ء)

غرض اس امر کا احساس تو ہر ملک و ملت کے لوگوں میں پایا جاتا ہے مگر چاہیئے تھا کہ ضرورت کے مطابق کوئی پیدا بھی ہوتا اور وہ اسلام کا نُور اور برکات دکھا کر زندہ معجزات سے اسلام کے فیوض اور زندگی کا ثبوت دیتا نہ یہ کہ اس زمانہ پر پہنچ کر خاموشی اختیار کی جاتی اور کہا جاتا کہ اب اسلام زندہ نہیں بلکہ مُردہ ہے اور کوئی ولی یا بزرگ موجود نہیں جو نشانات دکھا کر اسلام کی زندگی کا ثبوت دے۔ مانا کہ اخلاق فاضلہ بھی کسی مذہب کی صداقت کی کسی قدر دلیل ہو سکتے ہیں اور ان کا بھی کسی قدر اثر بیرونی لوگوں پر ہوتا ہے۔ مگر صرف اخلاق فاضلہ ہی حقیقی اور زندہ ایمان نہیں دے سکتے بلکہ وہ درجہ ایمان جو انسان کو خدا تعالےٰ پر کامل ایمان عطا کرتا ہے اور گناہ سوز زندگی کا آغاز ہوتا ہے وہ صرف خدا تعالیٰ کے اپنے تازہ نشانوں سے ہی پیدا ہوتا ہے جو وہ اپنے ماموروں کی معرفت دنیا میں ظاہر کرتا ہے۔

فرمایا:-

موجودہ صورت میں تو بہ نسبت مسلمانوں کے ہمیں ہندوؤں سے زیادہ امید نظر آتی

ہے کیونکہ وہ تعلیم کی ترقی کی وجہ سے اور کچھ تجربہ کی وجہ سے بہت کچھ سمجھ گئے ہیں۔ ہمارا تو خود کبھی بھی یہ منشا نہیں کہ ان لوگوں کے مسلّمہ بزرگوں کو گالیاں دی جائیں یا ان کی عزت نہ کی جاوے اور اسی طرح ہم ان سے بھی یہی چاہتے ہیں کہ یہ لوگ بھی اتنا ہی کریں خواہ ایمان نہ لاویں مگر اُن کو بُرا بھی نہ کہیں اور کہہ دیں کہ سچا مانتے ہیں۔ یہ جو موجودہ زمانہ میں پھوٹ اور نفاق کا سلسلہ جاری ہے اس کو بند کردیں اور بالکل ممانعت کردیں کہ باہم ایک دوسرے کے مذہب کی مخالفت میں ہتک آمیز کلمات اور کتابیں بالکل بند کر دی جاویں اور چھاپی ہی نہ جاویں اور ایک ایسی ہوا چل جاوے کہ آپس میں محبت ہو اور اتفاق بڑھے۔ جس طرح سے ایک ہوا پہلے چل گئی تھی کہ بچہ بچہ بھی اسلام سے متنفر تھا۔ اس طرح کی ایک ایسی ہوا چل جاوے کہ باہمی اخوت اور اتحاد بڑھے اور نفاق اور بغض و تعصب دلوں سے نکل جاوے۔

فرمایا:۔

قاعدہ کی بات ہے انسان کو ایک مخفی امر پر جتنا اعتقاد ہوتا ہے اس پر اتنا اعتقاد نہیں رہتا جب وہ ظاہر ہوکر سامنے آجاوے۔ مثلاً ان ہندوؤں کے دیوی دیوتا جتنے بھی ہیں اور ان پر ان کو کامل اعتقاد ہے اگر وہ ان کے روبرو آجاویں تو ان لوگوں کے دلوں میں ہرگز ان کی اتنی وقعت نہ رہے۔ یہ نبیوں ہی کا کام ہے کہ وہ اپنی شکل بھی دکھا دیتے ہیں اور اپنی عظمت بھی دلوں میں قائم کرجاتے ہیں۔ مسیح جن کو آجکل لوگ خدا مانتے ہیں اگر وہ یہاں آجاویں اور لوگوں کے حلقے میں بیٹھیں تو ممکن نہیں کہ اُن کی پُرانی خدائی کی عظمت بھی لوگوں کے دلوں میں رہ سکے چہ جائیکہ وہ کچھ اور خدائی کا دبدبہ بٹھا سکیں کیونکہ لوگوں نے جس خیال سے ان کو خدا تسلیم کیا ہوا ہے ظاہر ہو جانے پر ان میں وہ باتیں نہ پاکر ضرور ہے کہ انکار کردیں۔ قاعدہ کی بات ہے کہ انسان جب کسی خاص شخص کے متعلق کوئی اعتقاد پیدا کرتا ہے تو ساتھ ہی اس کی ایک خیالی تصویر بھی

اس کے ذہن میں آجاتی ہے۔جب تک وہ اس کی نظروں سے غائب تھی تب تک تو خیر مگر جب وہ شخص یا چیز اس کے سامنے آجاتی ہے اور انسان اس کو اپنے خیالی بُت یا تصویر کے خلاف پاتا ہے تو اس کے دِل سے اس کی عظمت اُٹھ جاتی ہے یا کم از کم وہ عزت نہیں رہتی۔چنانچہ یہی حال ان لوگوں کے مصنوعی خدا کا ہے۔

اس کی اصل وجہ یہ ہوتی ہے کہ اصل میں وہ شخص ان کے دل کی خیالی تصویر کے مطابق نہیں ہوتا۔جو کچھ انہوں نے سمجھا ہوتا ہے وہ نہیں بلکہ کچھ اَور ہی پاتے ہیں۔ تو بد اعتقاد اور بدظن ہو جاتے ہیں۔ اور اصل میں یہ وہیں ہوتا ہے جہاں ایسے امور میں اوّل غلُو سے کام لیا جاوے مگر انبیاء ایسی ذات اور وجود ہوتے ہیں کہ وہ اپنا وجود دکھا کر اپنی عظمت قائم کرتے ہیں۔

(الحکم جلد ۱۲ نمبر ۳۷ صفحہ ۵-۶ مورخہ ۶ رجون ۱۹۰۸ء)

نیز (بدر جلد ۷ نمبر ۲۴ صفحہ ۹-۱۰ مورخہ ۱۸ جون ۱۹۰۸ء)

---

۲۴ رمئی ۱۹۰۸ء[1]

قبل عصر

۲۳ رمئی ۱۹۰۸ء کو بعد نماز عصر چند ہندو مستورات حضرت امام الزمان مسیح موعود مہدی مسعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے درِ دولت پر آئیں اور بیان کیا کہ ہم مہاراج کے درشن کے واسطے آئی ہیں۔ حضور علیہ السلام کی خدمت میں اطلاع کی گئی۔چنانچہ آپ نے نہایت لُطف اور مہربانی سے اُن کو اجازت دی اور وہ گھر میں جا کر حضور کی خدمات

---

[1] ہندو مستورات حضور علیہ السلام کی زیارت کے لئے ۲۳ رمئی کو بعد نماز عصر آئیں اور حضور علیہ السلام نے ۲۴ رمئی کو قبل عصر ان سے اپنی گفتگو کا ذکر فرمایا۔ اس لئے ان ملفوظات پر ۲۴ رمئی کی تاریخ درج ہے (خاکسار مرتب)

میں حاضر ہوئیں۔

حضرت اقدس چونکہ ان دنوں مضمون رسالہ پیغام صلح کے لکھنے میں مصروف تھے

تھوڑی دیر کے بعد آپ نے فرمایا کہ

اب درشن ہو گئے اب تم جاؤ

مگر انہوں نے عرض کی کہ ہم کو آپ کوئی وعظ سُنا دیں ہم اسی واسطے حاضر خدمت ہوئی ہیں۔ چنانچہ آپ نے ان کے اصرار اور اخلاص کی وجہ سے ان کو یُوں مخاطب کیا (جو کہ آپ نے ۲۴ مئی ۱۹۰۸ء کو قبل عصر بیان فرمایا)

فرمایا:-

اصل بات یہ ہے کہ آپ لوگوں میں اگر دو ایک باتیں نہ ہوں تو آپ لوگ آریہ وغیرہ لوگوں سے سو درجہ بہتر اور اچھے ہو۔ اُن میں سے پہلی بات تو یہی ہے کہ خدا کو جو کہ ہمارا تمہارا پیدا کنندہ اور پروردگار حقیقی ہے اس کو واحد لاشریک جان کر اس کی عبادت کرو۔ اس کی عبادت میں کسی دوسرے دیوی دیوتا، پتھر یا پہاڑ، سانپ یا کسی دوسرے ہیبت ناک درندے، گنگا مائی یا جمنا یا کوئی درخت ہو یا نباتات غرض کوئی بھی بُت اس کے ساتھ شریک نہ کیا جاوے اور اسے ایک اکیلا خدا کر کے پوجا کرو۔ یہ جو تم لوگوں نے ۳۳ کروڑ دیوتا بنا رکھے ہیں ان کی کیا ضرورت تھی اور یہ کیوں بنائے گئے ہیں؟ اتنے خدا تمام دُنیا میں اور تو کسی کے بھی نہیں ہیں۔

(حضرت اقدس کا اتنا بیان سُنکر ان مستورات نے طلب حق کی غرض سے عرض کی کہ یہ بات آپ ہمیں سمجھا دیں)

اس پر حضرت اقدس نے فرمایا کہ

دیکھو گدا دو قسم کے ہوتے ہیں۔ ایک تو نر گدا، دوسرے خر گدا۔ نر گدا کا تو قاعدہ ہوتا ہے کہ ایک آواز کی اور اگلے دروازے پر چل دیئے۔ کسی نے کچھ دے دیا تو ٹھیک

ورنہ خیر بلکہ ایسے لوگوں کو بعض لوگ پیچھے سے آ آ کر بھی خیرات دیتے ہیں۔ ان کا کام صدا کرنا اور آگے بڑھنا ہوتا ہے مگر برخلاف ان کے خر گدا دھرنا مار کر بیٹھ جاتے ہیں اور ایک ہی دروازے پر بیٹھے رہتے ہیں جب تک ان کا سوال پورا نہ کیا جاوے۔ اور آخر ایسے گدا کو ملتا ہے اور ضرور ملتا ہے۔ یہی حال خدا سے مانگنے والوں کا ہے۔ خدا سے بھی وہی پاتے ہیں جو خر گدا بن کر خدا ہی کے دروازے کے ہو رہتے ہیں اور پکے ہو کر استقلال سے خدا تعالیٰ کے حضور سے مانگتے ہیں۔ غیر مستقل اور جلد باز جو جلدی ہی نا امید یا بدظن ہو جاتے ہیں وہ ہمیشہ محروم رہتے ہیں۔ صدق اور ثبات کے ساتھ خدا تعالےٰ کی ذات پر کامل ایمان اور یقین بھی ضروری ہے۔ یہ امر صدق اور اخلاص کے خلاف ہے کہ جلدی ہی خدا تعالیٰ سے مایوس ہو کر اوروں کی طرف اپنی حاجت کو لے جانا اور دربدر مارے مارے پھرنا، کبھی کسی بُت کے حضور التجائیں کرنا، کبھی کسی دیوتا پتھر، پہاڑ، جنگل کے درخت یا گنگا مائی کی طرف حاجت کو لے جانا اس امر کی دلیل ہے کہ ایک خدا پر بھروسہ نہیں اور اس کو ساری حاجتوں کو پورا کرنے والا ہونے پر کامل ایمان نہیں یا جلدی سے تھک کر اس سے نا امید ہو کر اوروں کی طرف دامنِ حاجت پھیلانا خر گدائی کے بالکل خلاف ہے۔ ایک چھوڑ کر دوسرا اور دوسرا چھوڑ تیسرا خدا بنانا اور اُن سے اپنی حاجتیں چاہنا بالکل غلط راہ ہے بلکہ چاہیئے کہ ایک کو پکڑو اور اسی سے اپنی ساری حاجتیں چاہو اور وہ سب کا حاجت روا ہے۔ شرط صبر اور استقلال اور ایمان ہے۔

(اتنا حصہ سُن کر انہوں نے عرض کی کہ بات تو سچی ہے مگر حضرت اقدس کے منشا کو پا کر کہ حضرت اقدس چاہتے ہیں کہ چلی جائیں پھر نرمی سے عرض کی کہ ہم دُور سے آئی ہیں پنکھا ہلانے کی خواہش ہے اور صرف درشن اور باتیں سُننے کو آئی ہیں۔ اب فرمائیے کہ پرمیشر سے پیار تھنا کیسے کیا کریں ؟)

فرمایا:-

پرارتھنا بیشک اپنی زبان میں کر لیا کرو۔ یوں کہا کرو کہ اے سچے اور واحد خدا۔ اے کہ تو ساری مخلوق کا پیدا کرنے والا اور پالنے والا ہے اور سب کے حالات سے واقف ہے۔ تجھ سے کوئی بات پوشیدہ نہیں اور ہر ذرّہ تیرے تصرف میں ہے تُو جو چاہے سو کر سکتا ہے۔ تُو ہمیں گناہ اور بھرشٹ زندگی سے نکال کر سیدھا راستہ بتا ایسا ہو کہ ہم تیری مرضی کے موافق ہو جاویں۔ بدیوں سے ہمیں بچا۔ بدیاں ہمارے اختیار میں نہیں ہیں۔ ہم چاہتی ہیں کہ یہ ہم سے دور ہو جاویں۔ ان کا تُو آپ ہی کوئی علاج فرما۔ ان کا دُور کرنا ہماری طاقت سے دُور ہے اور ایسا ہو کہ ہم تیری رضا کی راہوں پر چل کر ہمیشہ کی نجات اور سُکھ کی وارث ہو جاویں اور کوئی دُکھ ہمارے نزدیک نہ آوے پہلے بدکرموں کے پھل سے بچا اور آئندہ نیک کرموں کی توفیق عطا فرما۔ اس طرح سے خدا تعالیٰ سے سچے دل سے اور نیک نیتی سے نرگدا کی طرح پکی بن کر اسی سے نہ کسی اور سے دُعا کیا کرو اور سب دیوی دیوتے ترک کر دو۔ آخر اس طرح کی سچی تڑپ اور دُعا سے ایسا دن آجاوے گا کہ دلوں کے سب گند دھو دیئے جاویں گے اور شانتی اور سُکھ کی زندگی شروع ہو جاوے گی۔

فرمایا:-

ان عورتوں کی حالت سے ٹپکتا تھا کہ شریف اور مخلص عورتیں تھیں۔ لاہور جیسے شہر میں ایسی شریف اور نیک عورتوں کا وجود غنیمت ہے۔

(الحکم جلد ۱۲ نمبر ۳۷ صفحہ ۶-۷ مورخہ ۶ رجون ۱۹۰۸ء)

نیز (بدر جلد ۷ نمبر ۲۴ صفحہ ۱۰-۱۱ مورخہ ۱۸ رجون ۱۹۰۸ء)

۲۵؍مئی ۱۹۰۸ء

بمقام لاہور۔ بوقت ظہر

(وفات سے قریباً ۲۰ گھنٹے پہلے کی تقریر)

سلسلہ نبوّت

ایک شخص سرحدی آیا۔ بہت شوخی سے کلام کرنے لگا۔ اس پر فرمایا:۔

میں نے اپنی طرف سے کوئی اپنا کلمہ نہیں بنایا۔ نہ نماز علیحدہ بنائی ہے بلکہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی پیروی کو دین و ایمان سمجھتا ہوں۔ یہ نبوت کا لفظ جو اختیار کیا گیا ہے صرف خدا تعالےٰ کی طرف سے ہے۔ جس شخص پر پیشگوئی کے طور پر خدا تعالےٰ کی طرف سے کسی بات کا اظہار بکثرت ہو اسے نبی کہا جاتا ہے۔ خدا کا وجود خدا تعالیٰ کے نشانوں کے ساتھ پہچانا جاتا ہے۔ اسی لئے اولیاء اللہ بھیجے جاتے ہیں۔ مثنوی میں لکھا ہے ؎

آں نبی وقت باشد اے مرید

محی الدین ابن عربی نے بھی ایسا ہی لکھا ہے۔ حضرت مجدّد نے بھی یہی عقیدہ ظاہر کیا ہے پس کیا سب کو کافر کہو گے؟ یاد رکھو کہ سلسلہ نبوت قیامت تک قائم رہے گا۔

مجدّد کی ضرورت

اس پر اس سرحدی نے سوال کیا کہ دین میں کیا نقص رہ گیا تھا جس کی تکمیل کے لئے آپ تشریف لائے؟

فرمایا:۔

احکام میں کوئی نقص نہیں۔ نماز، قبلہ، زکوٰۃ، کلمہ وہی ہے۔ کچھ مدت کے بعد ان احکام کی بجا آوری میں سستی پڑ جاتی ہے۔ بہت سے لوگ توحید سے غافل ہو جاتے ہیں۔ تو وہ اپنی طرف سے ایک بندے کو مبعوث کرتا ہے جو لوگوں کو ازسرِ نو شریعت پر قائم کرتا ہے۔ سو برس تک سستی واقع ہو جاتی ہے۔ ایک لاکھ کے قریب تو مسلمان مرتد

ہو چکا ہے۔ ابھی آپ کے نزدیک کسی کی ضرورت نہیں؟ لوگ قرآن چھوڑتے جاتے ہیں سُنّت نبوی سے کچھ غرض نہیں۔ اپنی رسوم کو اپنا دین قرار دے لیا ہے اور ابھی آپ کے نزدیک کسی کی ضرورت نہیں۔

اس پر اس شخص نے کہا کہ اس وقت تو سب کافر ہوں گے کوئی تیس چالیس مومن رہ جائیں گے۔

فرمایا:-

کیا مہدی کے ساتھ جو مل کر لڑائی کریں گے وہ سب کافر ہی ہوں گے۔

آپ نے کیا اصلاح کی؟

پھر اس شخص نے پوچھا کہ آپ نے کیا اصلاح فرمائی؟

فرمایا:-

دیکھو چار لاکھ سے زیادہ آدمیوں نے میرے ہاتھ پر فسق و فجور اور دیگر گناہوں اور فاسد عقیدوں سے توبہ کی۔ انسان جب فسق و فجور میں پڑتا ہے تو کافر کا حکم رکھتا ہے۔ کوئی دن نہیں گذرتا جب کئی اشخاص توبہ کرنے کے لئے نہیں آتے۔ ہر امر میں اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنا ایک بڑی بات ہے۔ مسلمانی صرف یہی نہیں جیسے تم سمجھتے ہو۔ نیکی کرنا نہایت مشکل کام ہے۔ ریاکاری کے ساتھ عمل باطل ہو جاتا ہے۔ یہ زمانہ ایسا زمانہ ہے کہ اخلاص کے ساتھ عمل کرنا مشکل ہے۔ دنیا کی طرف لوگوں کی توجہ ہے۔ ہر صدی کے سر پر اس قسم کی غلطیوں کو مٹانے اور توجہ الی اللہ لانے کے لئے مجدد کا وعدہ دیا گیا ہے۔ اگر ہر صدی پر مجدد کی ضرورت نہ تھی بلکہ بقول آپ کے قرآن کریم اور علماء کافی تھے تو پھر نبی صلے اللہ علیہ وسلم پر اعتراض آتا ہے۔ حج کرنے والے حج کو جاتے ہیں۔ زکوٰۃ بھی دیتے ہیں۔ روزے بھی رکھتے ہیں۔ پھر بھی آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سَو برس کے بعد مجدد آئے گا۔ مخالفین بھی اس بات کے قائل ہیں۔ پس اگر میرے وقت

میں ضرورت نہ تھی تو پیشگوئی باطل جاتی ہے۔ ظاہری حالت پر ہی نہیں جانا چاہیئے غیب کا حال تو اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو معلوم نہیں۔ ویل للمصلین الّذین ھم عن صلاتھم ساھون[1] یعنی لعنت ہے ان نمازیوں پر جو اپنی صلوٰۃ کی حقیقت سے بیخبر ہیں۔

پس فلاح وہی پاتا ہے اور وہی سچا مومن کہلاتا ہے جو نیکی کو اس کے لوازم کے ساتھ کرتا ہے۔ یہ بات اس زمانہ میں بہت کم لوگوں میں پائی جاتی ہے۔ پس ان اندرونی بیرونی کمزوریوں کو دُور کرنے کے لئے میں اپنے وقت پر آیا۔ اگر میں خدا تعالےٰ کی طرف سے نہیں تو یہ سلسلہ تباہ ہو جاوے گا۔ اگر میں خدا تعالےٰ کی طرف سے ہوں تو یاد رکھو کہ پھر مخالف ناکام رہیں گے۔

(بدر جلد ۷ نمبر ۲۳ صفحہ ۷ مورخہ ۱۰؍جون ۱۹۰۸ء)

۲۵؍مئی ۱۹۰۸ء
قبل نماز عصر

حضرت اقدس علیہ السلام کی آخری تقریر

مولوی ابراہیم صاحب سیالکوٹی نے حضرت اقدس کی خدمت میں بذریعہ اپنے کسی خاص قاصد کے ایک خط بھیجا جس میں بعض مسائل مختلفہ پر زبانی گفتگو کرنے کی اجازت چاہی اور وعدہ کیا کہ میں بہت نرمی اور پاسِ ادب سے گفتگو کروں گا۔

حضرت اقدس علیہ السلام نے قبل عصر حضرت مولٰنا مولوی سید محمد احسن صاحب سے ان کے متعلق دریافت کیا کہ وہ اخلاق کے کیسے ہیں مغلوب الغضب اور فوراً جوش میں آجانے والے یا بھڑک اُٹھنے والی طبیعت کے تو نہیں ہیں؟ اس کے جواب میں بعض اصحاب نے عرض کیا کہ حضور ایسے تو نہیں۔ ان کی طبیعت میں

[1] الماعون : ۵-۶

نرمی پائی جاتی ہے۔ البتہ اگر بعض عوام کا ہجوم ان کے ہمراہ ہوگا تو اندیشہ ہے۔
حضرت اقدس علیہ السلام خود چونکہ پیغام صلح کے لکھنے میں مصروف تھے اور فرصت نہ تھی اس لئے حضرت اقدس علیہ السلام نے مولنا مولوی سید محمد احسن صاحب سے فرمایا کہ آپ ان کو خط کا جواب لکھ دیں۔ اصل خط ان کا ہم بھیج دیں گے اور بیشک نرمی سے اور آہستگی سے ان سے ان مسائل میں گفتگو کریں۔ البتہ اس بات کا خیال رکھیں کہ ان کے ہمراہ سوائے دو چار معزز اور شریف آدمیوں کے اور زیادہ ہجوم نہ ہو اور آپ بھی علیحدگی میں بیٹھ کر گفتگو کریں۔ اس میں کوئی حرج کی بات نہیں۔ اسی دوران میں کسی دوست نے ان کا یہ عقیدہ پیش کر دیا کہ وہ حضرت عیسٰی کے سُولی پر لٹکائے جانے کے ہی قائل نہیں اور کہ وہ اپنے اس دعویٰ کی دلیل میں آیت کریمہ اذ کففت بنی اسرائیل عنک[1] پیش کرتے ہیں۔

اس پر حضرت اقدس علیہ السلام نے فرمایا:-

خلاف تواتر امور محسوسہ مشہودہ کی پرواہ نہ کر کے ایسی ایک راہ اختیار کرنا جس کی کوئی بھی دلیل نہیں، یہ عقل اور ایمان کے سراسر خلاف ہے۔ میں کوئی نئی بات پیش نہیں کرتا اور نہ ہی میں کسی ایسی بے دلیل بات کے منوانے کی کوشش کرتا ہوں جس کا قوی ثبوت اور بیّن شہادت میرے ہاتھ میں نہیں۔ میرے ساتھ میری شہادت کے واسطے اس وقت لاکھوں انسان موجود ہیں۔ قوموں کی قومیں اپنی متواتر اور متفقہ شہادت پیش کر رہی ہیں۔ اگر کسی کو کوئی شک و شبہ ہو تو یہودی موجود ہیں، نصرانی موجود ہیں۔ اُن سے پوچھ لو کہ اُن کا اِس بارہ میں کیا عقیدہ ہے۔ دو قوم متخاصم موجود ہیں، اُن سے پوچھ لو کہ آیا وہ بھی اس بات کے قائل ہیں جو تم پیش کرتے ہو۔ دیکھو تواتر قومی کو بغیر کسی زبردست دلیل اور حجت نیّرہ کے توڑ دینا اور اس کی پرواہ نہ کرنا یہ بڑی بھاری غلطی ہے۔

تعجب کی بات ہے اور یہ کیونکر ہو سکتا تھا کہ کسی دوسرے آدمی کو پکڑ کر خواہ نخواہ

---

[1] المائدۃ : ۱۱۱

بے قصور سُولی پر چڑھا دیا جاوے اور وہ چُوں بھی نہ کرے اور دہائی بھی نہ دیوے کہ میں تو تمہارا ساتھی ہوں مجھے کیوں بیگناہ سُولی پر چڑھاتے ہو۔ تمہارا اصل ملزم تو بچ گیا اور میں جو کہ تمہارا ہی ساتھی ہوں یہ میرا نام ہے، فلانے ماں باپ کا بیٹا ہوں۔ یہ میرے رشتہ دار ہیں۔ مجھے کیوں مارتے ہو؟ جان کا معاملہ اور لعنتی موت کا نشانہ بنتا ہے۔ اصل ملزم بچایا جاتا ہے ایک بے گناہ بے قصور بے تعلق آدمی سُولی چڑھایا جاتا ہے اور پھر تعجب یہ کہ بولتا تک نہیں۔ یہ بھید تو ہماری سمجھ میں نہیں آتا۔ علاوہ وحی اور علم غیب کے جو ہمیں خدا تعالیٰ نے محض اپنے فضل سے بخشا اور مکالمہ مخاطبہ کا خاص فیضان جاری کرکے ہمیں اس نے ان امور میں حقیقی علم عطا کیا۔ ہمارا ضمیر اس کو ہرگز ہرگز قبول نہیں کرتا کہ اتنا بھاری تواتر اور کروڑوں انسانوں کی متفقہ شہادت بالکل غلط ہے اور یہ سب جو سمجھے بیٹھے تھے ایک وہم تھا اور خیال غلط۔ دیکھو ؎

تا نہ باشد چیزکے مردم نہ گویند چیزہا

میں نہیں سمجھتا کہ خدا تعالےٰ کو ایسی کمزوری کی کیا ضرورت تھی۔ کیا وہ علی رؤس الاشہاد مسیح کو بچانے پر قادر نہ تھا کہ اس کو ایسا ظلم روا رکھنا پڑا۔ اور ایک بیگناہ انسان کی جان خواہ مخواہ ہلاکت میں ڈالی۔ قرآن اور حدیث کے خلاف ایک نئی راہ نکال کر پیش کرتا اس کا بارِ ثبوت مدعی کے ذمّے ہے۔

میرا مطلب اس سے یہ ہے کہ یہ سب امور ایسے ہیں کہ آسانی سے ان کو ردّ کیا جاوے۔ قرآن شریف میں صرف لفظ توفّی ہی کو لے کر اس کو دیکھ لو کہ بھلا کسی مقام پر اس کے معنی بجز موت کے کچھ اَور بھی ہیں یا مع جسم عنصری کے آسمان پر اُٹھائے جانے کے ہیں؟ یہی توفّی کا لفظ ہے جو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ آیت کریمہ امّا نرینّك بعض الّذی نعدھم او نتوفّینّك[1] پر غور کرکے دیکھ لو۔ پھر یہی توفّی کا لفظ ہے جو حضرت یوسفؑ کے حق میں وارد ہے۔ پھر ہمیں سمجھ

[1] یونس: ۴۷

نہیں آتا کہ برخلاف نصّ قرآنی کے اور تمام انبیاء کے کیوں حضرت عیسٰیؑ کو یہ خصوصیت دی جاتی ہے۔

کتب احادیث میں قریباً تین سو مرتبہ یہی لفظ توفّی کا آیا ہے مگر کہیں بھی بجسدِ عنصری آسمان پر اُٹھائے جانے کے معنے نہیں ہیں۔ جہاں دیکھو یہ لفظ موت ہی کے معنوں میں وارد ہوتا ہے۔

اصل میں جو شخص طالب حق نہیں اور محض ایک قسم کی شیخی اور تکبّر کے واسطے ایسی خواہش کرتا ہے اس سے مجھے بدبُو آجاتی ہے۔ میں ایسے آدمی پر اپنا وقت ضائع نہیں کرنا چاہتا۔ جس کو حق کی سچی پیاس نہیں اور جس کی تڑپ خدا اور خدا کے دین کے واسطے نہیں بلکہ نفس کا بندہ اور نفس کی عزت وجاہ کے واسطے مرتا ہے۔ میرے پاس اگر کوئی شخص طلب حق اور خداجوئی کی پیاس اور سچی تڑپ لے کر آتا ہے تو مجھے اس سے ایک قسم کی خوشبو آجاتی ہے اور پھر مَیں اس کے واسطے اپنے بازو بچھا دیتا ہوں اور اس کو اپنی آنکھوں سے قبول کرتا ہوں اور جہانتک مجھ سے بن پڑتا ہے میں اس کی خدمت کو اپنا فخر سمجھتا ہوں۔ مگر ایک ناپاک دل انسان جس میں شرارت پوشیدہ ہوتی ہے اور وہ حق جو نہیں بلکہ دُنیا طلب ہوتا ہے تو ہمیں اس سے بدبُو آجاتی ہے اور پھر اس کے بعد ہم اس سے کلام کرنا بھی پسند نہیں کرتے۔ خدا تعالیٰ نے جس بات پر ہمیں قائم کیا ہے وہ یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کلام مجید میں حضرت مسیح کی موت کو صراحت سے ایک جگہ نہیں بلکہ بیسیوں مقام پر ظاہر کر دیا ہے اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنے فعل سے شہادت دے دی کہ اس کو مُردوں کی ذیل میں دیکھا اور کوئی مابہ الامتیاز اس میں اور اس کے غیروں میں بیان نہیں فرمایا۔

آج ہندوستان میں ایک لاکھ سے بھی زیادہ مُرتد صرف اسی بات سے ہو چکا ہے کہ نام کے مسلمانوں کے عقائدِ غلط سے عیسائیوں نے مسیحؑ کی فضیلت ثابت کر کے اپنے

مذہب سے ناواقف لوگوں کے سامنے اُسے پیش کیا اور ان کے اپنے ہی معتقدات میں سے اُن پر ایسے ایسے الزام دیئے جن کا جواب ان میں سے کسی سے بھی بن نہ پڑا۔ مگر یاد رکھو کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی کسی بھی خصوصیت کو قائم نہیں رہنے دیا بلکہ ان کی ہر بات کا جواب دے کر خود ان کو ہی خوار کیا ہے۔

نصاریٰ نے ایک عقیدہ پکڑا تھا کہ حضرت عیسیٰؑ چونکہ بن باپ کے ہیں لہٰذا یہ خصوصیت ان کی خدائی کی پختہ دلیل ہے اور یہ ان کا مسلمانوں پر ایک بھاری اعتراض تھا اور اس سے وہ حضرت عیسیٰ میں ایک خصوصیت ثابت کر کے ان کی خدائی کی دلیل پکڑتے تھے تو اللہ تعالیٰ نے ان کے جواب میں ان کا یوں مُنہ توڑا۔ اور ان کا رد یوں بیان کیا کہ ان مثل عیسٰی عند اللہ کمثل آدم[1] الخ یعنی اگر حضرت عیسیٰ کی پیدائش اعجازی رنگ میں پیش کر کے تم اس کی خدائی کی دلیل ٹھہراتے ہو تو پھر آدم بطریق اولیٰ خدا ہونا چاہیئے کیونکہ اس کا نہ باپ نہ ماں۔ اس طرح سے اوّل آدم کو بڑا خدا مان لو پھر اس بات کو عیسیٰؑ کی خدائی کی دلیل ٹھہرانا۔

پس اس طرح سے اللہ تعالیٰ نے ان کے اس استدلال کو غلط ثابت کر دیا۔ غرض نصاریٰ کے مسیح کو بن باپ کی پیدائش سے ان کی خدائی کی دلیل اور استدلال پکڑنے کو اللہ تعالیٰ نے آدم کی نظیر پیش کر کے باطل ٹھہرا دیا۔

ایک دوسری دلیل نصاریٰ نے مسیح کی خدائی کی یہ پیش کی تھی کہ وہ زندہ ہیں اور مع جسم عنصری آسمان پر خدا کے داہنے ہاتھ بیٹھے ہیں اور اس امر سے انہوں نے مسیح کی ایک خصوصیت ثابت کر کے اس کو ان کی خدائی کی ایک زبردست دلیل کے طور پر پیش کیا ہے۔ اب ہمیں کوئی بتادے کہ اگر توفّی کے معنے مع جسم عنصری آسمان پر ہی اُٹھائے جانے کے ہیں اور اس کے معنے حضرت عیسیٰ کے لئے موت کے نہیں ہیں تو پھر نصاریٰ کے اس اعتراض کا قرآن نے کہاں جواب دیا ہے؟ یا جس طرح ان کی دلیل اوّل کو ایک

[1] آل عمران: ۶۰

نظیر پیش کر کے توڑ دیا تھا۔ اسی طرح کہیں سے ہمیں یہ بھی نکال کر بتاؤ کہ حضرت مسیحؑ سے پہلے یا پیچھے اور بھی کوئی ایسی نظیر پائی جاتی ہے؟ اور اگر کوئی نظیر نہیں تو یاد رکھو کہ اسلام آج بھی گیا اور کل بھی گیا۔ نصاریٰ تم کو خود تمہارے اپنے عقیدہ سے ملزوم کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ تم خود حضرت عیسیٰؑ کو زندہ اور جسم عنصری سے آسمان پر مانتے ہو۔ حالانکہ تمہارے رسولؐ خاک مدینہ میں مدفون ہیں۔ اب بتاؤ! کون افضل ہے عیسیٰ یا محمدؐ؟

افسوس ہے ان نام کے مسلمانوں پر کہ اپنی ناک کاٹنے کے واسطے آپ ہی دشمن کے ہاتھ میں چھری دیتے ہیں۔ یاد رکھو کہ اگر خدا تعالےٰ کا یہی منشا ہوتا اور قرآن و حدیث میں حقیقتاً یہی امر اُس نے بیان کیا ہوتا کہ واقعہ میں حضرت مسیح زندہ ہیں اور وہ مع جسم عنصری آسمان پر بیٹھے ہیں اور یہ عقیدہ بھی حضرت مسیحؑ کے بن باپ پیدا ہونے کی طرح خدا تعالیٰ کے نزدیک سچا عقیدہ ہوتا تو ضرور تھا کہ اللہ تعالیٰ اس کی بھی کوئی نہ کوئی نظیر پیش کر کے قوم نصاریٰ کو اس امر کے حضرت مسیحؑ کی خدائی کی دلیل پکڑنے سے بند اور لاجواب کر دیتا۔ مگر خدا تعالیٰ کے اس امر کی دلیل پیش نہ کرنے سے صاف عیاں ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ہرگز ہرگز یہ منشاء نہیں جو تم محض افتراء سے خدا تعالیٰ کے کلام پر تھوپ رہے ہو۔ بلکہ توفّی کا لفظ خدا تعالیٰ نے محض موت ہی کے معنوں کے واسطے وضع کیا ہے اور یہی حقیقت

البدر سے:- "پس ایسا ہی زندہ آسمان پر موجود ہونے کو عیسائی دلیل ابن اللہ ہونے کی قرار دیتے ہیں اس کی مثال کیوں نہ بیان کی تا عیسیٰ کسی بات میں وحدہٗ لاشریک نہ ٹھہرے۔

تم عیسیٰ کو مرنے دو کہ اس میں اسلام کی حیات ہے۔ ایسا ہی عیسیٰ موسوی کی بجائے عیسیٰ محمدی آنے دو کہ اس میں اسلام کی عظمت ہے۔ میں سچ کہتا ہوں کہ اگر اسلام میں وحیٔ و الہام کا سلسلہ نہیں تو اسلام مر گیا"

(البدر جلد ۷ نمبر ۲۲ صفحہ ۷ کالم ۳ مورخہ ۲ جون ۱۹۰۸ء)

اور اصل حال ہے۔

دیکھو ہر ایک خصوصیت جو کہیں کسی خاص شخص کے متعلق پیدا کی گئی ہے اللہ تعالیٰ نے اس کا ضرور جواب دیا ہے مگر کیا وجہ کہ اتنی بڑی خصوصیت کا کوئی جواب نہ دیا۔ خصوصیت ہی ایک ایسی چیز ہے کہ جس سے شرک پیدا ہوتا ہے۔

یہ حضرت اقدس علیہ السلام کی زندگی میں آپ کی آخری تقریر ہے جو آپ نے بڑے زور اور خاص جوش سے فرمائی۔ دوران تقریر میں آپ کا چہرہ اس قدر روشن اور درخشاں ہوگیا تھا کہ نظر اُٹھا کر دیکھا بھی نہیں جاتا تھا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تقریر میں ایک خاص اثر اور جذب تھا۔ رُعب، ہیبت اور جلال اپنے کمال عروج پر تھا۔ بعض خاص خاص تحریکات اور موقعوں پر حضرت اقدس کی شان دیکھنے میں آئی ہوگی جو آج کے دن تھی۔ اس تقریر کے بعد آپ نے کوئی تقریر نہیں فرمائی۔ (فقط مرتبہ عبدالرحمٰن قادیانی)

(الحکم جلد ۱۲ نمبر ۴۲ صفحہ ۷۔۸ مورخہ ۱۸ جولائی ۱۹۰۸ء)

---

۲۶ مئی ۱۹۰۸ء
بوقت نماز فجر

جب فجر کی اذان کان میں پڑی تو حضور علیہ السلام نے پوچھا کہ

"کیا صبح ہوگئی"

جواب ملنے پر فجر کی نماز کی نیت باندھی اور ادا کی۔

آخری الفاظ

وہ الفاظ جن پر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنے رفیق اعلیٰ سے جا ملے یہ تھے:۔

"اے میرے پیارے۔ اے میرے پیارے۔ اے میرے پیارے اللہ۔ اے میرے پیارے اللہ"

(الحکم جلد ۱۵ نمبر ۱۹-۲۰ مورخہ ۲۱/۲۸ مئی ۱۹۱۱ء)